رازداں
ایم۔ اے راحت
1

اِنتساب

والدہ مرحومہ کے نام۔ جنہوں نے کہا تھا۔
"یہ کتابیں ہی ایک دن تیرا مستقبل بنیں گی"

دیباچہ

دور جو گزر رہا ہے بڑا ہنگامہ خیز ہے۔ تیز رفتاری کا زمانہ ہے اور ہر طرف ایک نفسا نفسی کا عالم ہے۔ مسائل اور مصائب اتنے ہیں کہ صبح سے لیکر شام تک انسان تھکن سے نڈھال ہو جاتا ہے۔ اعصاب پراگندہ ہو جاتے ہیں اور مزاج میں چڑچڑا پن آ جاتا ہے۔ ایسے میں ایسی تفریح کی ضرورت ہوتی ہے جو تھکے ماندے اعصاب کو سہلا کر پرسکون کر دے۔ یہ کتاب آپ کو ایسی ہی تفریح مہیا کرنے کی غرض سے پیش کی جا رہی ہے۔

محترم ایم۔اے راحت کا نام پڑھنے والوں کے لئے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ موضوع کی انفرادیت اور کہانی پر مضبوط گرفت ان کا خاصہ ہے۔ تحریر میں روانی ایسی کہ قاری اس میں بہتا چلا جاتا ہے۔ ایکشن اور سسپنس سے بھرپور کہانیاں لکھنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اس کہانی کا خیال اچھوتا اور انوکھا ہے اور یہی اس کی خوبی ہے۔ آج کل کے دور میں خلوص ناپید ہو گیا ہے اور کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ عام لوگوں کی تو خیر بات ہی چھوڑیں' بڑے بڑے لوگوں کو بعض اوقات ایسے ایسے مسائل پیش آ جاتے ہیں جو وہ نہ تو کسی کو بتا سکتے ہیں اور نہ ہی خود انہیں حل کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ وہ اپنا راز کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے کہ بدنامی نہ ہو جائے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ذہین ترین اور اپنے فن میں ماہر لوگوں کا ایک گروپ منظر عام پر آتا ہے۔ اور معاوضے پر ان لوگوں کے مسائل مکمل رازداری سے حل کرنے کی پیش کش کرتا ہے۔ بس پھر ملک کے بڑے بڑے نام اس گروپ کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور پھر نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب واقعات سامنے آتے ہیں۔

کتاب میں آپ کو جیمز بانڈ کی فلموں جیسی جاسوسی اور ایکشن ملے گا اور آپ یوں محسوس کریں گے جیسے سینما سکرین کے سامنے بیٹھے کوئی متحرک فلم دیکھ رہے ہیں اور ہر لمحہ منظر بدل رہے ہیں۔ ایکشن اور ہنگامے نان اسٹاپ ہیں۔

یہ ان مہم جو افراد کی تہلکہ خیز داستان حیرت ہے جو ملک کے بڑے بڑوں کی ذاتی زندگی کے رازدار تھے۔

میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک بار کتاب شروع کریں گے تو پھر ختم کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ یہ داستان ایک عرصہ تک آپ کو یاد رہے گی۔

عارف محمود

ضروری نہیں ہے کہ اپنی خود نوشت تحریر کرتے ہوئے سب سے پہلے شجرہ نسب بتایا جائے۔ اپنی عادات و خصائل بتائے جائیں' اپنے والدین سے متعارف کرایا جائے' یہ تو مرضی کی بات ہے۔ میں کہاں رہتا تھا۔ میرے والد کیا کرتے تھے' میری وجہ پیدائش کیا تھی؟ پرورش کس طرح ہوئی' یہ ساری باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان بذات خود کیا ہے؟ کون کون سی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ چنانچہ میں خود کو عام لوگوں سے منفرد سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ زمین کے بسنے والے ذہین بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ کارکردگی کے مالک بھی ہوتے ہیں بشرطیکہ خود کو پہچانیں۔ بعض اوقات خاندانی روایات اور پس منظر انسان کو اس کی اصل حیثیت سے دور لے جاتے ہیں۔ وہ خود کو نہیں جان پاتا اور اپنے آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے طرز زندگی کی دلدل میں پھنسا کر کھو بیٹھتا ہے۔

میری ذات میں یہی انفرادیت ہے کہ میں نے خود کو پہچان لیا اور وہ سارے ریشمی تار توڑ ڈالے جو میری شخصیت کے گرد مکڑی کے جالے کی مانند پھیلے ہوئے تھے۔ اپنی زندگی سے متعلق لوگوں کا کسی مناسب وقت پر تذکرہ کروں گا لیکن یہ بھی میری اپنی مرضی پر منحصر ہے میں اتنا بتا دوں کہ ساری زندگی میں نے صرف اپنی برتری تسلیم کی ہے۔ میں نے خود کو دنیا کا ذہین ترین اور عظیم ترین انسان پایا ہے اور میری موجودہ زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ جو کچھ میں نے سوچا' جو کچھ میں کہہ رہا ہوں'

غلط نہیں ہے۔ اس وقت میں اپنے وطن میں' اپنے شہر میں ایک بلند ترین مقام رکھتا ہوں۔ میری کروڑوں روپے کی جائیداد ہے' ملیں ہیں' کارخانے ہیں' بے شمار لوگ میری نظر کرم کے متمنی رہتے ہیں۔ ان حلقوں میں جہاں بڑے لوگوں کا نام لیا جاتا ہے' میں سرفہرست تصور کیا جاتا ہوں۔ میری زندگی میں کوئی خلش نہیں ہے۔ اتنا پرسکون ہوں کہ آپ تصور نہیں کرسکتے۔ مجھے بتایئے کیا آپ مجھ جیسے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ آپ مجھے دروغ گو سمجھیں گے۔ سوچیں گے کہ میں خود کو چھپا رہا ہوں۔ سوچتے رہیں۔ میرے سامنے آئیں گے تو اپنی سوچ پہ خود شرمندہ ہو جائیں گے اور پھر آپ سے مل کون رہا ہے۔ میری تحریروں کو پڑھ کر اگر آپ کے ذہن میں جھنجھلاہٹ ابھرے اور آپ میری ذات میں کوئی چور پکڑ کر یہ بات کرنے کی کوشش کریں کہ میں خود پرست اور اپنی کوتاہیوں سے نگاہیں چرانے والا ہوں' تو مجھ پر بھلا کیا اثر پڑے گا؟ آپ مجھ سے ملاقات کر کے یا خطوط کے ذریعے یہ ثابت کریں گے کہ آپ کو میری ذات میں وہ ساری باتیں نظر نہیں آئیں جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے تو میں آپ سے صرف ایک سوال کروں گا۔ آپ بذات خود کیا ہیں؟ اور کیا اس قابل ہیں کہ میرا محاسبہ کرسکیں۔ ثابت کرسکے تو میرے سامنے آئیں گے اور میں آپ کو بدترین شکست سے دوچار کر کے واپس بھیج دوں گا!

ناراض ہونے کی ضرورت نہیں' صرف سوچ کا فرق ہے۔ آپ انسان کی ذات میں وہ ساری صفات دیکھنا چاہتے ہیں جو مذہب اور معاشرے نے متعین کردی ہیں لیکن بڑھتی ہوئی اقدار اور وقت کی گردش نے اس زمین پر مکمل انسان ختم کردیئے ہیں۔ ہماری کمزوریاں ہماری ذات سے وزنی ہوتی ہیں اور جو وزن ہم اٹھا ہی نہ سکیں' اسے شرمندگی کا ذریعہ کیوں بنائیں۔ یہی احساس میری زندگی کا جزو رہا ہے۔ جہاں تک میرے قدم مجھے لے جاسکے میں گیا اور جہاں تھک گیا اور جب بے بس پایا تو ساری سوچ بدل دی اور وہ راستہ اختیار کیا جو سادہ اور آسان ہو۔ یہاں میں نے انسان کی سرحد کا نشان لگالیا۔

میں اپنے بعد اگر کسی انسان سے متاثر ہوا تو وہ ڈاکٹر برہان تھا۔ عقل و ذہانت میں یکتا' عمر کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ کر اس نے خود کو یا انسان کو پہچانا۔ اس سے قبل اس کی زندگی گوناگوں حماقتوں کا مجموعہ تھی۔ کیا کچھ نہیں کیا اس نے۔ وہ ایک

نہایت ذہین سائنس داں تھا۔ حکومت کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔ پھر اسے اغوا کرلیا گیا' اذیتیں دی گئیں اور وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہوگیا۔ معذور ہونے کے بعد اسے اپنی ذات کے زیاں کا احساس ہوا کیوں کہ حکومت نے اس کی وہ امداد نہیں کی جس کا وہ مستحق تھا۔ اس ضمن میں مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ جہاں تک اس کی ذہانت اور سوچ کا تعلق ہے' اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس صدمے سے دو چار ہونے کے بعد اسے عقل آگئی اور اس نے خود کو سنبھال لیا۔

ہماری ٹیم پانچ افراد پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں کا تفصیلی تعارف ضروری ہے۔ ڈاکٹر برہان جس نے طے کیا تھا کہ زندگی کی وہی اقدار اپنائی جائیں جو معاشرے اور مذہب کی نگاہوں میں قابل نفرت بھی نہ ہوں۔ اور اپنے لئے بہترین زندگی کی معاون بھی ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک پروگرام ترتیب دیا اور پروگرام یوں تھا۔ پانچ افراد کی یہ ٹیم ایسے لوگوں کے لئے کام کرے گی جو اپنے معاملات خود نمٹانے کے اہل نہ ہوں' اور دوسروں کے سہارے اپنی مشکلات حل کریں۔ ہم ان کے سہارے تھے اور وہ ہمارے۔ ان کی مشکلات کا حل ہمارے پاس تھا اور ہماری مشکلات کا حل ان کی تجوریوں میں۔ ان تجوریوں کا ایک خانہ انہیں ہمارے لئے خالی کرنا ہوتا تھا۔ کام کی نوعیت جاننے کے بعد معاوضے کا تعین ہوتا اور اس کے حصول کے بعد ان کا کام ہو جاتا تھا۔

نمبر2 میں کسی بھی شخص کو کہہ سکتا ہوں مثلاً" فیضان جس کا پس منظر کچھ بھی ہو' پیش منظر یہ تھا کہ وہ ایک ماہر الیکٹریکل انجینئر تھا اور آسمان پر چمکنے والی بجلی سے لے کر پن چکیوں کے ذریعہ پیدا ہونے والی بجلی سے ایسے ایسے کام کرسکتا تھا جو قابل یقین ہوں۔ نمبر تین شارق عرف گینڈا' بلکہ گینڈا بٹا ہاتھی بٹا بھینسا وغیرہ وغیرہ۔ تھوڑی سی دروغ گوئی ہی سہی' لیکن میرا خیال ہے وہ سر سے ٹکریں مار مار کر وہائٹ ہاؤس یا ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ بھی گراسکتا تھا۔ بے پناہ طاقتور' لیکن طاقت کے ساتھ اگر ذہانت نہ ہو تو آدمی شارق سے دوستی کرنے کی بجائے تین ہاتھی کیوں نہ پال لے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر پیٹ بھرا ہوا ہو تو انسان چہل قدمی کرتا ہوا مریخ تک پہنچ سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پیٹ پوری طرح بھرا ہوا ہو اور شارق کا پیٹ پوری طرح بھرنا بڑی

جان جوکھوں کا کام تھا۔ نمبر چار پر اپنا ماجد آتا ہے۔ یہ نوجوان بھی مجھے بہت پسند ہے۔ دبلے پتلے بدن میں بے پناہ پھرتی۔ مارشل آرٹس اور جمناسٹک کا ماہر' ہر امتحان میں پورا اترنے والا۔ پانچویں نمبر پر میں نے خود کو رکھا ہے اور نمبروں کی یہ ترتیب میری اپنی مرضی کی بات ہے۔ اس میں نہ تو انکساری ہے اور نہ صلاحیتوں کا تعین۔ کیوں کہ میں ان میں سے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔

ویسے ہم پانچوں کا اجتماع ڈاکٹر برہان کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سب کے ذہنوں کی اپج یکساں تھی۔ یعنی ماضی کی ناپسندیدہ زندگی نے انہیں زندگی کے نئے راستوں پر لا ڈالا تھا' سب ہی اپنے آپ میں کمی محسوس کر رہے تھے اور اس کمی کو دور کرنے کے خواہاں تھے۔ ڈاکٹر برہان کی تجویز سے سب متفق ہوگئے۔ "میں بظاہر تم لوگوں میں ذرا کمزور شخصیت کا مالک ہوں۔ لیکن تم آنے والے وقت میں دیکھو گے کہ میں کسی طور تم سے نکما نہیں ہوں"۔

"اس ضمن کی آخری بات! میں نے اس گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہم پانچوں کی ترتیب یکجا ہو کر ایک بند مٹھی کی حیثیت اختیار کرتی ہے اس لئے کسی کی برتری یا کمتری کا تصور محض حماقت ہوگا"۔ کسی نے میری بات نہیں کاٹی تھی اور وہ سب اس پر متفق تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر برہان کی خوبصورت کوٹھی ہمارا ہیڈ کوارٹر بن گئی اور پھر نہایت ذہانت سے پبلسٹی کے ذرائع اختیار کئے گئے۔ ہم صرف ایسے لوگوں سے خود کو روشناس کراتے جنہیں اپنا ضرورت مند پاتے اور اپنے مؤکل کے ساتھ ہمارا رویہ اتنا نرم' اتنا مشفقانہ اور ہمدردانہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے کام سے مطمئن ہوتا اور جو خرچ کرتا اس سے بھی۔ اگر اس کے کسی دوست کو کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ اس سے ہمارا تذکرہ کرنے میں الجھن نہیں محسوس کرتا تھا۔

یہ تو تھی تمہید جو یقیناً" غیر مربوط اور منتشر ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے کیونکہ آپ میری داستان سن رہے ہیں اور میں تسلسل کے جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔ کہیں نہ کہیں تسلسل خود قائم ہو جائے گا۔ بات اس دور کی ہے جب ہمارا کام عمدگی سے چل پڑا تھا اور ہماری کمپنی بہتوں کے کام آچکی تھی۔

لوگوں کا اپنا اور میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ میری ظاہری شخصیت بہت سحر انگیز ہے۔ جو نگاہ مجھ پر پڑ جائے وہ مجھ پر جم کر ضرور رہ جاتی ہے۔ میں بلند و بالا قد' بھرے

بھرے جسم اور پرکشش نقوش کا مالک ہوں۔ یہ اس دور کی بات ہے تو جوانی کا تصور آپ خود کریں میرے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ میں کسی ایسے کام میں بھی ملوث ہوسکتا ہوں جو دوسروں کے لئے ناپسندیدہ ہو۔ چنانچہ جہاز کی ایئرہوسٹس جو میرے حصے میں سروس کر رہی تھی اور میرے اس دبلے پتلے آدمی کی ساتھی جو اس کی بیوی' محبوبہ یا کوئی اور عزیز ہوگی' باز بار مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایئرہوسٹس تو جب بھی ادھر سے گزرتی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور پھیل جاتی۔ اس کی مسکراہٹ اس کی ناک کو تھوڑا سا سکیٹر دیتی جو اس کی دلکشی کا ایک حسین جزو بن جاتی تھی۔ چوتھی بار اس کی یہ مسکراہٹ مجھے پسند آئی اور میرے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ پھیل گئی جو ایئرہوسٹس کے لئے ہمت افزا تھی۔ چنانچہ وہ میرے نزدیک رک گئی۔ "کوئی ضرورت' جناب!" اس نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ! میں ان ضرورتوں کا اظہار نہیں کرتا جو پوری نہ ہوسکیں!"

"میں نہیں سمجھی جناب!" ہوسٹس زبردستی گفتگو پر آمادہ تھی۔

"مسکراتے ہوئے آپ کے ناک کی یہ شکن' مجھے بہت پسند ہے کیا آپ مجھے یہ شکن قرض دے سکتی ہیں!" میں نے کہا اور ہوسٹس میری بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر دلاویز انداز میں مسکرا دی۔

"شکریہ! پسندیدگی کے اظہار کا یہ انداز منفرد ہے اور آپ کی جاذب نگاہ شخصیت سے ہم آہنگ!"

"گفتگو میں آپ بھی منفرد ہیں۔ آپ نے ایک ہی جملے میں دونوں قرض چکا دیئے"۔

"اٹر پور میں میرا قیام" جگنو کے روم نمبر 20 میں ہوگا۔ اگر آپ یہاں قیام کریں تو ایک شام کو چائے میرے ساتھ پیئیں! ہوسٹس نے دعوت دی۔

"کیا نام ہے آپ کا؟" میں نے پوچھا۔

"نورین درانی!"

"میں آپ کو شہاب کے نام سے ملوں گا! اب ذرا مسکرایئے"۔ میں نے کہا اور ہوسٹس بے اختیار مسکرا دی۔ پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ کسی مسافر نے اشارہ کیا تھا۔ میں نے کرسی کی پشت سے گردن ٹکا دی۔ اس وقت میرے کان میں اپنے پارٹنر کی

جھنجھناہٹ سنائی دی۔

"کبھی ہم بھی اسی انداز میں گفتگو کرتے تھے اور لڑکیاں ہمیں بھی پتہ دے دیتی تھیں"۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ بوڑھا آدمی خوش لباس ضرور تھا۔

"آپ کے چوکھٹے میں ایسے آثار تو نظر نہیں آتے!"

"پچپن سال میں تعمیر ہونیوالی عمارتوں میں سے تو بعض کے اب نام و نشان بھی نہیں ہیں۔ میں تو پھر بھی اپنے قدموں سے چلتا ہوں"۔

"ان پچپن برسوں نے آپ کی یادداشت پر کوئی اثر نہیں ڈالا؟ میں نے سوال کیا۔

"اس کمبخت شراب میں یہی تو خانہ خرابی ہے۔ جسم کو بوڑھا ہونے سے نہیں روک پاتی اور دل کو جوان رکھتی ہے۔ کاش اس میں یادیں چھین لینے کی صلاحیت بھی ہوتی"۔ بڑے میاں تلخ باتوں کو محسوس کرنے کے عادی معلوم ہو رہے تھے لیکن شراب کا نام سن کر میری ساری بذلہ سنجی ہوا ہوگئی۔ شراب میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں دنیا میں شراب کے سوا کسی شے سے نہیں ڈرتا۔ حالانکہ میری شخصیت، میری توانائی، بہت کچھ جذب کرلینے کی قوت رکھتی ہے لیکن ایک یہی چیز قابو میں نہیں آتی، کبھی نہیں آئی۔ شراب مجھے اتنی پسند ہے کہ سامنے آجائے تو سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ خود ہی اس کے سامنے جانے کی کوشش نہیں کرتا۔ تھوڑی سی پی لینے کے بعد عجیب کیفیت ہو جاتی ہے یعنی میرے ذہن کا ایک حصہ اس کی تباہ کاری سے بھرپور جنگ کرتا ہے اور ہوش و حواس کی دیوار سے پشت لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں اپنی احمقانہ حرکات کو محسوس کرتا ہوں۔ ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جو کچھ کرچکا ہوتا ہوں اس پر شرمندگی کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن ذہن کا وہ حصہ جو شراب سے متاثر ہو جاتا ہے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ پورے جسم پر اس کی حکمرانی ہوتی ہے اور عمل وہی ہوتا ہے جو اس متاثر شدہ حصے کی ہدایت کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ میں دنیا کی کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس وقت جب میرے بوڑھے زندہ دل ساتھی نے اس کا تذکرہ کیا تو میں ایک دم سہم گیا۔

بڑے میاں کو نہ جانے کس طرح یہ احساس ہوگیا کہ میں چت ہوگیا ہوں۔ میں نے ان سے کافی تلخ گفتگو کی تھی اس لئے وہ تلملا رہے ہوں گے۔ چنانچہ مسکراتے

ہوئے بولے۔ "شراب کی جوانی سے تمہیں انکار ہے؟"

"نہیں!" میں نے آہستہ سے کہا! یہ آثار قدیمہ میں بھی مست ہواؤں کے جھونکے بن کر داخل ہوتی ہے"۔

"صاحب ذوق ہو۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے"۔

بڑے میاں نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ننھی سی شیشی نکال لی۔ بہت چھوٹی، بہت خوبصورت شیشی تھی۔ انہوں نے اس کی ڈاٹ کھولی اور میرے قریب کر دی۔ "پہچان سکو گے؟"

"تیز بو میرے نتھنوں میں چڑھ گئی۔ اور کیا بتاؤں کہ کیا مسحور کن خوشبو تھی۔ میں نے خوفزدہ انداز میں سر پیچھے کر دیا۔ "زار روس کے ایک خاص آدمی نے اپنے لئے کشید کرائی تھی۔ زوال کے بعد انہی لوگوں نے اس کی میراث پر قبضہ کیا۔ ایک صاحب ذوق نے اس شراب کا ذخیرہ سمیٹ لیا اور اس طرح سینے سے لگا کر رکھا کہ کیا کسی خزانے کو رکھا جائے گا۔ یہ اس نایاب ذخیرے کا ایک بیش قیمت ذرہ ہے جسے میں نے ان شیشیوں میں منتقل کرلیا ہے چکھو اور طے کر لو کہ بنوطے کا حاتم طائی اپنی فیاضی میں میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا!"

"اس نے شیشی میرے ہاتھ میں دے دی۔ شیشی کی طرف ہاتھ بڑھانے میں میری اپنی سوچ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس ایک مشینی عمل ہوا تھا کیونکہ میں اسے سونگھ چکا تھا۔ میں نے بوڑھے سے جو کچھ کہا تھا وہ یقینی طور پر شیشی میرے ہاتھ میں دے کر اس کا انتقام لے چکا تھا۔ حالاں کہ اس بیچارے نے اپنی دانست میں ایک دوستانہ قدم اٹھایا تھا۔ اگر وہ درست کہہ رہا تھا تو زار روس کے زمانے کی شے کتنی قیمتی اور کتنی نایاب ہوگی۔ گو اس شیشی میں اس کی جو مقدار تھی، وہ نہ ہونے کے برابر تھی لیکن نہ جانے اس کے کیا اثرات ہوں؟

"پی جاؤ، پی جاؤ......... اور پھر دیکھو اس کے کرشمے، ہاں لیکن شرط ہے کہ تم باقاعدہ پینے کے عادی ہو۔ پی لیتے ہو؟" اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا لیکن میرے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ شراب کا سحر مجھ پر طاری ہوچکا تھا اور اپنی فطرت کی اس کمزوری پر میں نے ہمیشہ لعنت بھیجی تھی۔ یقین کریں اس سے زیادہ بے بس میں کسی اور چیز کے سامنے نہیں ہوا تھا۔ میرا ہاتھ اسے ہونٹوں تک لے گیا اور میرے ہونٹ

خودبخود کھل گئے اور شیشی کی کڑواہٹ نے میرے حلق سے لے کر اندر تک ایک لکیر بنا دی۔ ایک جلتی ہوئی لکیر! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جو کچھ ہوا تھا اس میں میرے سوچنے سمجھنے کی قوت کو دخل نہ تھا۔ بس ذہن کا وہ حصہ کام کر رہا تھا جو شراب کارسیا تھا اور بدن پر اس کی حکمرانی تھی۔ خالی شیشی میں نے بوڑھے کی طرف بڑھا دی۔ بوڑھا مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"کیا محسوس ہوا؟" اس نے پوچھا۔ لیکن میرے ذہن کا دوسرا حصہ تو اس سے نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ ظاہر ہے میں اس کا شکریہ تو ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے میرے ساتھ ایک بہت برا سلوک کیا تھا۔ گویا دوسری بات ہے کہ اسے بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے ساتھ تلخ کلامی بلکہ بدکلامی کرنیوالا شخص کس طرح ایک چھوٹے سے حادثے کا شکار ہوگیا ہے۔ میری طرف سے جواب نہ پاکر اس نے شانے اچکائے اور شیشی میرے ہاتھ سے لے کر جیب میں ڈال لی۔

"میں نے اپنی دانست میں تمہیں عظیم تحفہ دیا ہے' اس کے باوجود اگر تم میری دوستی قبول نہ کرو تو مجھے افسوس ہوگا۔ لیکن بہر صورت دنیا میں ایسے بھی بے شمار انسان ہیں جو کسی کا عمل قبول کرلیتے ہیں' اس کی شخصیت نہیں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے محترم!" میں نے اخلاقاً" کچھ کہنا ضروری سمجھا۔

"دراصل میں اس شراب کے بارے میں میں سوچ رہا تھا۔ زار روس کے دور کی یادگار شراب بلاشبہ آپ کے پاس ایک قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مقدار کتنی ہے آپ کے پاس!"

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!" بوڑھے نے اس انداز میں گردن ہلائی جیسے کہ وہ میرا مقصد سمجھ گیا ہو۔ "میں تم سے ہرگز دوستی نہیں کروں گا۔ نہ تمہیں اپنا نام بتاؤں گا اور نہ تم سے تمہارا! نام پوچھوں گا بس یہ تو چند لمحات کی دوستی تھی۔ میں نے اپنی حسین ترین شے تمہارے سامنے پیش کردی۔ وہ بھی تمہاری شخصیت سے متاثر ہوکر' ہاں دیکھو' وہ پھر آرہی ہے"۔ اس نے مجھے ہوسٹس کی جانب متوجہ کیا۔ ہوسٹس مسکراتی ہوئی میرے قریب سے گزری اور آگے بڑھ گئی۔ ظاہر ہے وہ ڈیوٹی پر تھی اور مجھ سے کسی خاص التفات کا اظہار نہیں کرسکتی تھی' جو کچھ اس نے کہا تھا وہ اسی کی پسند کا مظہر تھا لیکن اس کے بعد دوسرے مسافروں کی ذمہ داری بھی اس پر عائد ہوتی

تھی۔ چنانچہ وہ جہاز کے دوسرے سرے تک چلی گئی۔ میں نے لاپرواہی سے اسے دیکھا تھا' پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ میرا مطمع نظر نہیں ہے!"

"ہاں! جوانی میں ہم بھی یہی کہا کرتے تھے۔ اچھے اچھوں کو ٹال دیا تھا ہم نے بھی' لیکن یہ بڑھاپا۔ افسوس یہ بڑھاپا!" بوڑھا غمگین ہوگیا اور مجھے اس پر ہنسی آنے لگی۔ بے تحاشہ ہنسی آنے لگی۔ یہ شتر مرغ آج بھی جوانی کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ تب میں نے تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھا اور کہا۔

"جوانی میں تم نے کیا کیا تھا محترم!"

"فوجی ہوں۔ ایک طویل عرصے تک فوج میں رہ چکا ہوں۔ دوسری جنگ عظیم میں میں نے بیش بہا کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن دیکھو چالاکی کا ثبوت مت دو۔ میں تمہیں وہ سب کچھ نہیں بتاؤں گا جس سے تم میرے شناسا بن جاؤ"۔ بوڑھا ہنستے ہوئے بولا اور نہ جانے کیوں مجھے شدید غصہ آگیا۔

"کیا سمجھتے ہو خود کو' تمہارا خیال ہے کہ تم کوئی اہم شخصیت ہو۔ مجھے دیکھو مجھ سے اہم شخصیت کبھی دنیا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ آئندہ پیدا ہونے کا امکان ہے۔ بات کرتے ہو تم دوسری جنگ عظیم کی' تو میں خود بھی دوسری جنگ عظیم میں ایک نمایاں کردار ادا کرچکا ہوں سمجھے"۔ اور پھر میرا ذہن بھٹکنے لگا۔ دفعتاً" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گولیاں چل رہی ہوں۔ مشین گنوں کی آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں اور چاروں طرف دھماکے ہو رہے تھے۔ میں نے اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھا۔ "کیا سمجھتے ہو تم"

"دوسری جنگ عظیم میں تم نے مجھ سے بہتر کوئی کارنامہ انجام دیا ہے؟"

"کک.......... کیا مطلب' کیا تم دوسری جنگ عظیم میں لڑ چکے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"لڑچکا ہوں' بکواس کر رہے ہو ڈفر کہیں کے۔ میری جنگ تو ابھی جاری ہے۔ ہٹلر نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں گے لیکن میں تو ابھی لڑ رہا ہوں۔ سنا تم نے میں ابھی لڑ رہا ہوں' مجھے ابھی دشمن کے علاقے پر حملہ کرنا ہے"۔ میں اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ذہن کے ہوش مند حصے نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن بدن' یہ کمبخت بدن کہاں ساتھ دیتا ہے۔ بوڑھا چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"ہیلو' ہیلو!" میں نے بلند آواز سے لوگوں کو مخاطب کیا اور لوگ چونک کر میری جانب متوجہ ہوگئے۔ "میرا خیال ہے دوستو! ہم دشمن کے علاقے تک پہنچ چکے ہیں اور اب .... اب ہمیں اس عظیم قربانی کے لئے تیار ہو جانا چاہئے جو مادر وطن کے لئے دی جانیوالی ہے خدا حافظ میرے دوستو' خدا حافظ!" میں جہاز کے دروازے کی جانب بڑھا اور بہت سے لوگ متحیرانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کون سا مذاق ہے؟

میرے دل میں حب الوطنی کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور میں دروازہ کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ میری اس خطرناک کوشش کو محسوس کر لیا گیا اور نزدیک بیٹھے ہوئے کئی آدمیوں نے اچھل کر مجھے دبوچ لیا۔ وہ مجھے دروازے سے دور گھسیٹ لائے تھے۔

"سازش! یقینی سازش!! ہمارے درمیان اتحادی جاسوس موجود ہیں۔ جاسوسوں سے جنگ کرو جو ہمیں ایک اہم مشن سے روکنا چاہتے ہیں"۔ میں نے ان کی گرفت میں چیختے ہوئے کہا۔ غنیمت تھا کہ ذہن کے باقی گوشے میں ان لوگوں کے خلاف خود جنگ کرنے کا جذبہ نہیں ابھرا تھا ورنہ پھر ان لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مجھے دبوچ کر ایک سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ذہن میں مختلف کیفیات کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کبھی شرمندگی کا احساس ہوتا تھا اور کبھی دل چاہتا کہ جہاز میں موجود اتحادیوں کو مشین گن سے اڑا دوں۔ جس سیٹ پر مجھے بٹھایا گیا تھا وہ کسی دوسرے مسافر کی تھی۔ سب لوگ میری اس حرکت سے پریشان ہوگئے تھے اور پھر جہاز کے عملے کے لوگ تحقیقات کرنے لگے کہ میری یہ حالت کس طرح ہوئی؟"

"ایک شیشی' دیکھو یہ چھوٹی سی شیشی .... لیکن زار روس کے زمانے کی ہے........ "پشیمان بوڑھے نے اپنی جیب سے خالی شیشی نکال کر دکھائی اور لوگ اسے لعنت ملامت کرنے لگے۔ میرے لئے نشہ توڑنے والی ادویات کا بندوبست کیا گیا اور میں نے خود کو دشمن کا قیدی سمجھ کر بے بسی سے ان کے احکامات پر عمل کیا۔ تقریباً" پون گھنٹے کے بعد میری حالت درست ہو سکی تھی۔ تب میں نے اس مظلوم بوڑھے کی حمایت کی جس کی چار شیشیاں چھین لی گئی تھیں اور اس نے کافی واویلا کیا تھا۔ وہ ہوسٹس بھی اب مجھ سے دور دور تھی۔ تو جناب یہ شراب ہمیشہ میرے بس سے

باہر رہی۔

ایئر پورٹ پر اتر کر بوڑھے نے مجھے گھونسہ دکھایا اور بولا۔ "تم نے جہاز میں میری جو بے عزتی کروائی ہے' کاش میں تم سے اس کا انتقام لے سکتا!" میں نے ہنس کر بات ختم کر دی تھی اور بوڑھا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بکواس ہے تم اخلاق کا مظاہرہ کر کے میرے دل کی کدورت دور نہیں کرسکتے۔ میں نے پانچ نوادرات کا نقصان اٹھالیا ہے۔ اب تمہارے جیسے بدذوق لوگ اسے استعمال کریں گے۔ آہ' مجھے شراب کے چلے جانے کا غم نہیں ہے۔ میں تو اس کی بے حرمتی پر غمزدہ ہوں!" بوڑھا آگے بڑھ گیا۔

میں اثرپور کسٹم ہاؤس میں داخل ہوا۔ مختصر سامان تھا جس میں ایک سوٹ کیس اور ایک بریف کیس شامل تھا۔ قابل اعتراض بریف کیس تھا لیکن اسے کھولنے والے خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ اس کی کیا اہمیت ہے۔ تاہم اس سے قبل ہی دو خوش پوش آدمی اس عمارت میں میرے نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے دو سفید سے کارڈ نکال کر میرے سامنے کر دیئے اور میں نے گردن ہلائی۔ ویسا ہی ایک سفید کارڈ میرے پاس موجود تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر برہان نے مجھے تفصیل بتائی تھی۔

"آپ کا سامان جناب؟" ان میں سے ایک نے پوچھا اور میں نے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ میرا سامان ابھی کسٹم افسران کے سامنے نہیں پہنچا تھا کہ ان دونوں نے آگے بڑھ کر میرا سوٹ کیس اور بریف کیس اٹھا لیا۔ اور مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے باہر کی جانب چل پڑے۔ کسٹم افسران نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے میں اسٹیٹ گیسٹ تھا۔ اثرپورٹ کے باہر ایک لمبی سیاہ پیکارڈ کھڑی تھی جس کے باوردی ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔ میں اندر بیٹھ گیا۔ میرے دائیں سمت میں ایک بیٹھا اور دوسرا ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور پیکارڈ چل پڑی۔ میں جہاز کے حادثے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اثرپور کی خوبصورت عمارتیں دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ جدید ترین شہر تھا۔ خوبصورت عمارتوں اور ہریالی کا شہر! کار جن سڑکوں پر مڑی تھی میں نے ان کے کنارے درختوں کی یکساں قطاریں دیکھی تھیں۔ یہاں کے لوگوں کو سبزے کا بہت شوق معلوم ہوتا تھا۔ پھر ہم شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑ گئے جس کے دونوں سمت باغات لہلہارہے تھے۔

اس شہر کا نام اثرپور کی بجائے سرسبزپور کیوں نہیں رکھا گیا۔" میں نے اپنے

نزدیک بیٹھے شخص سے پوچھا اور وہ مسکرا دیا۔

"آپ کو پسند آیا جناب!" اس نے ادب سے پوچھا۔

"ایسے سرسبز علاقے اس جگہ کے رہنے والوں کی حسن فطرت سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"جی ہاں! اٹرپور کے لوگ مطمئن اور خوشحال ہیں!" اس نے کہا اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

جس عمارت کو محل کا نام دیا جاتا تھا' وہ فرانسیسی طرز کی تھی اور دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ مقامی طرز تعمیر کا نمونہ تھا اور دوسرا فرانسیسی طرز سے مشابہہ تھا۔ باہر بہت وسیع لان تھا اور عمارت کے چاروں طرف' درختوں کے جھنڈ لہلہا رہے تھے۔ مخصوص طرز کے سفید پتھروں کی روش سے گزر کر کارپورچ میں پہنچ گئی۔ یہاں چار آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے دروازہ کھولا اور ہم نیچے اتر آئے۔

کھڑے ہوئے لوگ مہمان خانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مجھے گیسٹ ونگ کی طرف لے گئے۔ عظیم الشان گیسٹ ونگ کے ایک خوبصورت کمرے میں مجھے ٹھہرایا گیا۔ ریاست کے دوسرے مہمان بھی تھے جو دوسرے کمروں میں مقیم تھے۔ میرا کمرہ اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دو ملازموں نے میرا سامان نکال کر الماریوں میں سجا دیا اور اپنی خدمات پیش کر دیں۔

کسی کے گھر مہمان جا کر گیسٹ روم میں ٹھہرنا مجھ جیسے آدمی کے لئے توہین کی حیثیت رکھتا تھا لیکن ہم پانچوں کی متفقہ رائے تھی کہ اپنے کاروبار سے مخلص رہیں اور کاروباری امور میں اپنی ذاتی حیثیت کو مدنگاہ نہ رکھیں اور یہ کہ جو کام شروع کریں اس میں زیادہ سے زیادہ معاوضہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ ہم میں سے کوئی شخص کسی بھی کاروباری کام کے دوران کوئی دوسری کوشش بھی کر سکتا تھا جس کے ذریعے اسے رقم حاصل ہو جائے لیکن شرط یہ تھی کہ کام جاری رہے اور اس پر برا اثر نہ پڑے۔ اس سلسلہ میں پوری دیانت داری کے ساتھ اس رقم کا پچیس فیصد اپنے ادارے کو دینا ہوتی تھی اور یہ رقم بھی ہماری فلاح پر خرچ کی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ اس ملک میں ہم نے ایسا عجیب و غریب کاروبار پھیلایا ہوا تھا جو مغربی ملکوں میں تو چل سکتا ہے لیکن ہمارے ملک میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

چنانچہ میں نے اطمینان سے گیسٹ روم کے اس کمرے میں رہائش اختیار کر لی۔ میری ملاقات ان لوگوں کے علاوہ کسی سے نہیں ہوئی تھی جو گیسٹ ہاؤس کے نگران تھے۔ رانی صاحبہ کے بارے میں میں نے اپنے ذہن میں بہت سی باتیں سوچی تھیں۔ ان کی شخصیت' ان کی عمر وغیرہ کے بارے میں' لیکن میرے دل میں اتنا اشتیاق بھی نہیں تھا کہ ان سے ملاقات کے لئے بے چین ہو جاتا۔ جب انہوں نے اپنے کام سے بلایا ہے تو ملاقات بھی کر لیں گی اور ادارے کے اصول کے مطابق میرے پاس اڑتالیس گھنٹے تھے جس کے اندر کام کی نوعیت سن کر عمل کا فیصلہ کر لیا جاتا یا اسے مسترد کر دیا جاتا۔ اس سے قبل میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شام کا کھانا میں نے گیسٹ ہاؤس کے دوسرے مہمانوں کے ساتھ کھایا۔ جن لوگوں سے میرا تعارف کرایا گیا لیکن صرف رانی صاحبہ کے مہمان شہاب تیموری کے نام سے۔ اس سے زیادہ کسی کے بارے میں کوئی تفصیل کسی کو نہیں بتائی گئی تھی۔ ان مہمانوں میں جو شخص مجھے پسند آیا وہ فاضل تھا۔ تفصیلی تعارف پر معلوم ہوا کہ وہ ایڈووکیٹ ہے اور ریاست کے قانونی امور کی نگرانی کرتا ہے۔ چنانچہ رات کو دیر تک میں فاضل کے ساتھ بیٹھا رہا اور پھر ہم آرام کے لئے اٹھ گئے۔ دوسری صبح ناشتہ بھی ہم نے یکجا کیا۔ لیکن وہ بوڑھی عورت میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی جو سب سے الگ تھلگ رہنے کی عادی تھی۔ رات کے کھانے پر بھی وہ موجود تھی اور اس وقت بھی' لیکن جب اس کا مادام کے نام سے تعارف کرایا گیا تب بھی اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا اور اس انداز میں سب کی طرف دیکھا جیسے وہ مخاطب کو احمق اور تعارف کی رسم کو بکواس سمجھتی ہو۔ اس وقت اس کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر میں بات کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ خاتون کیا زندگی کے آخری ایام یہاں گزارنے آئی ہیں؟" میں نے جھک کر فاضل سے کہا اور فاضل مسکرا دیا۔

"خاتون صوفیہ کنواری ہیں اور ماہر طبقات الارض بھی ہیں۔ رانی صاحبہ نے کسی خاص مہم کے لئے انہیں طلب کیا ہے۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا۔

"ماہر طبقات الارض اور کنواری' تو گویا یہ خوبیاں ہیں ان میں لیکن مجھے تو یہ ماہر قبرستان معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمر میں یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے"۔

"بہرحال ان سے گفتگو کے دوران میں یہ باتیں میرے علم میں آئی ہیں"۔ فاضل نے جواب دیا اور میں دیر تک مسکراتا رہا۔ ریاست کے اصول کچھ بھی ہوں میں تو اپنی فطرت میں آزاد تھا۔ فرصت کے لمحات مجھے زندگی کے سب سے کٹھن لمحات محسوس ہوتے تھے۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو میں نے خاتون صوفیہ کے کمرے کا رخ کیا اور ان کے دروازے پر دستک دی۔ چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ محترمہ ایک خوبصورت گاؤن بدن پر ڈالے ہوئے تھیں۔ مجھے دیکھ کر ناک پر چشمہ درست کیا اور دروازے پر کھڑے کھڑے بولیں۔ "جی فرمایئے! کیا تکلیف ہے؟"

"پیٹ کے درد کا شکار ہوں اور اندر آنا چاہتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"جی!" ان کا چشمہ دوبارہ ناک سے پھسل پڑا جسے انہوں نے بڑی پھرتی سے درست کیا اور ہونٹ بھینچ کر بولیں"۔ مذاق فرمانے آئے ہیں..........!"

" ظاہر ہے آپ سے عشق فرمانے نہیں آسکتا! براہ کرم مجھے اندر آنے دیں"۔ میں نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا اور صوفیہ خانم جلدی سے ایک طرف سرک گئی۔ معزز عورت تھی اور یقینا" دوسرے اس کا احترام کرتے رہے ہوں گے۔ چنانچہ یہ انداز اس کے لئے اجنبی تھا۔ وہ متحیرانہ انداز میں پلٹی۔ "لیکن آپ کے پیٹ کے درد کا میرے کمرے سے کیا تعلق ہے"۔

"میں نے سنا کہ آپ غیرشادی شدہ ہیں!" میں نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں.......... میں آپ کو بدتمیزی کا حق نہیں دے سکتی۔ میں ہر ہائی نس سے شکایت کروں گی آپ کی۔ میں ان کی مہمان ہوں۔ مجھے ان کی غرض کے لئے یہاں آنا پڑا ہے۔ ورنہ .... ورنہ.........."

"میں آپ سے معافی مانگ لوں گا۔ لیکن براہ کرم مجھے یہ بتادیں کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جائیگا میرے پیٹ کا درد ٹھیک نہیں ہوگا"۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

"میں بہت نرم دل ہوں' نرم طبیعت ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری ذات سے کسی کو نقصان پہنچے لیکن آپ جارحیت کر رہے ہیں۔ آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ کیا کسی کے کمرے میں اس طرح گھس آنا' اسے پریشان کرنا شرافت ہے؟"

"لیکن پیٹ کا درد ...." میں نے بدستور کراہتے ہوئے کہا۔

"میں کہتی ہوں آپ میرے کمرے سے نکل جایئے"۔

"اللہ کے واسطے بتادیں' آپ کنواری کیوں ہیں؟" میں گھگھیایا۔

"گیٹ آؤٹ!" مس صوفیہ حلق پھاڑ کر چیخیں اور میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹھیک ہے' آپ مجھے نکال دیں لیکن کان کھول کر سن لیں۔ میں آپ کو کنواری نہیں رہنے دوں گا۔ میری زندگی میں یہ ناممکن ہے کہ آپ اس دنیا کی رنگینیوں سے دور رہ کر دنیا چھوڑ دیں۔ میں آپ کو محرومیوں کی موت نہیں مرنے دوں گا"۔

"میں واپس اپنے کمرے میں آگیا۔ پھر میں جو کچھ کہہ کے آیا تھا' اس سے بہت مطمئن تھا۔ میری ذہنی تربیت ہی ایسی ہے اور شاید میرے اندر کے انسان کی برتری کی بنیاد بھی یہی ہے جہاں سے ذہنی شگفتگی اور سکون حاصل ہو وہاں اقدار کیا معنی رکھتے ہیں۔ شام کو مجھے نورین درانی یاد آئی۔ ہوٹل جگنو "روم نمبر 20 میں نے اپنی یاد داشت کے خانے سے یہ تفصیلات نکال لیں اور پھر میں نے اپنے خادموں سے جو رانی اٹرپور کی طرف سے مجھے مہیا کئے گئے تھے' پوچھا کہ کیا مجھے شہر دیکھنے کی مراعات مل سکتی ہیں۔

"ضرور جناب! بگھی بھی فراہم ہوسکتی ہے اور کار بھی۔ آپ کیا پسند کریں گے؟"

"اس سرسبز علاقے کی سیر بگھی میں ہو تو لطف دوبالا ہو جائیگا۔

"میں کوچوان کو ہدایت کئے دیتا ہوں۔ بگھی تیار ہو جائے گی تو آپ کو اطلاع دوں گا لیکن شام کی چائے.......... ؟"

"اپنے ایک دوست کے ساتھ شہر میں پیوں گا؟ میں نے جواب دیا۔

اٹرپور کو واقعی سرسبز شہر کہنا مناسب ہو گا۔ جہاں تک نگاہ جاتی سبزہ زار پھیلے نظر آتے۔ میں نے کوچوان سے شہر کے بارے میں کافی معلومات حاصل کیں۔ تومند گھوڑوں نے ہمیں بہت جلد شہر پہنچا دیا۔ تب میں نے کوچوان سے ہوٹل ثریا پہنچنے کے لئے کہا۔

چھوٹا سا لیکن خوبصورت ہوٹل تھا۔ روم نمبر 20 میں نورین کی موجودگی کے بارے میں دریافت کیا تو کاؤنٹر کلرک نے غور سے مجھے دیکھا۔ "آپ مسٹر شہاب

ہیں؟"

"ہاں!" میں نے اسے گھورتے ہوئے گردن ہلائی۔

مس نورین دُرانی کو اچانک ایک فلائٹ لے کر جانا پڑ گیا ہے۔ انہوں نے آپ کے لئے پیغام دیا ہے کہ اگر آپ بیس تاریخ تک یہاں ہوں تو ان سے ضرور ملاقات کریں۔ بیس تاریخ کی شام کو پانچ بجے!"

"اس دن تک تو شاید مجھے ان کا نام بھی یاد نہ رہے" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ اس کے نہ ملنے سے طبیعت کسی قدر تکدر کا شکار ہوگئی تھی۔ اس کے بعد میں دیر تک ائرپور اور اس کے نواح کا جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران ذہن میں کچھ نئے منصوبے ترتیب پاتے رہے تھے میں نے ڈرائیور کو واپس محل چلنے کے لئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد مہمان خانے پہنچ گیا۔ وہاں موجود ملازموں نے اطلاع دی کہ رات کا کھانا رانی صاحبہ کے ساتھ کھایا جائیگا۔ مس صوفیہ بھی نظر آئیں لیکن روٹھی روٹھی سی۔ نجانے کیوں اس کی صورت دیکھ کر میری سنجیدگی رخصت ہونے لگتی تھی۔

رات کو تمام مہمان اندرونی محل کی طرف چل پڑے۔ میں بھی ایک خوبصورت ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔ ایسی ضیافتوں کے آداب مجھ سے زیادہ کس کو آ سکتے تھے۔ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے میں نے بڑی ریہرسل کی تھی اور جانتا تھا کہ خود کو دوسروں کی نگاہوں میں نمایاں کرنے کے لئے کون کون سے گر استعمال کرنے چاہیں۔

چنانچہ جب میں اس ہال میں داخل ہوا جہاں رانی صاحبہ مہمانوں کے استقبال کے لئے موجود تھیں تو میری طرف دیکھنے والی آنکھیں پرشوق تھیں۔ خود رانی صاحبہ نے مجھے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ میں نے ان کی نگاہوں میں پسندیدگی کے جذبات پائے تھے۔ خود بھی جاذب نگاہ شخصیت کی مالک تھیں۔ عمر اٹھائیس اور تیس کے درمیان ہوگی لیکن جسمانی موزونیت اور رکھ رکھاؤ قابل دید تھا۔ انہوں نے نہ تو لباس سے اور میک اپ کے ذریعہ اپنی عمر کم کرنیکی کوشش کی تھی' نہ چہرے کے تاثرات اور نہ اداؤں سے الھڑپن ظاہر ہو رہا تھا۔ بلاشبہ وہ رانی لگ رہی تھیں۔ ایک پروقار مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے گردن خم کی۔ اور نزدیک کھڑی ہوئی اپنی سیکریٹری سے پوچھا۔ "آپ کی تعریف؟"

"شہاب تیموری معرفت ڈاکٹر برہان!"

"اگر میں نے دھوکہ نہیں کھایا تو پہلے بھی آپ کو ایک جگہ دیکھ چکا ہوں"۔ میں نے کہا "دارالحکومت میں حاجی الیاس رشیدی کی ایک محفل میں"۔

"آپ یقیناً" دھوکہ کھاگئے ہیں کیوں کہ میں کسی الیاس رشیدی سے واقف نہیں ہوں۔ بہرحال آپ کی آمد کا شکریہ' تشریف رکھئے۔ رانی صاحبہ پراخلاق مسکراہٹ سے بولیں اور میں مہمانوں کی نشست کی جانب بڑھ گیا۔ ویسے میرے ذہن کا بند خانہ اچانک ہی کھلا تھا اور جو بات اس طرح یاد آئے وہ کسی غلط فہمی پر مبنی نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر کے بعد آخری مہمان کا استقبال کر کے رانی صاحبہ بھی کھانے کی میز پر آگئیں۔ انہوں نے مہمانوں سے ان کی خیریت پوچھی اور پھر کھانے کا دور شروع ہوگیا۔

ہم جانتے ہیں کہ آپ حضرات میری خواہش پر یہاں تشریف لائے ہیں' لیکن ہماری مصروفیت کے باعث آپ کو مجھ سے ملاقات کے لئے انتظار کی زحمت برداشت کرنا پڑی۔ لیکن کل ہم آپ سے گفتگو کریں گے تاکہ وہ رسمی کام ہو جائے جس کے لئے آپ کو زحمت کرنا پڑی ہے۔ اس کے بعد آپ حضرات دلجمعی سے جب تک پسند فرمائیں' یہاں قیام فرمائیں۔ مہمان خانہ آباد دیکھ کر ہمیں دلی مسرت ہوتی ہے۔" کھانے کے بعد رانی صاحبہ نے مختصراً" کہا اور پھر مزید کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے اجازت طلب کرلی۔

مہمان خانے میں واپس آتے ہوئے میرے دوست فاضل نے کہا۔ "اگر نیند نہ آ رہی ہو تو آؤ کچھ دیر میرے ساتھ گفتگو کرو"۔ اور میں اس کے کمرے میں چلا گیا۔ فاضل نے اپنے سامان سے شراب کی ایک بوتل اور گلاس نکال لیا۔ "میری دانست میں یہ رانی صاحبہ کنجوس ہیں جب سے یہاں آیا ہوں' ایک بار بھی پینے کے لئے نہیں ملی۔ تم بھی شوق کرتے ہو یا نہیں.........؟"

"نہیں بھائی' ہرگز نہیں!" شراب دیکھ کر ہی میرے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"یار یہ غلط ہے میں تو بڑی امید کے ساتھ تمہیں یہاں لایا تھا۔ اور تو کوئی اس قابل نہیں کہ اسے شریک کیا جائے"۔

"میرا خیال ہے مس صوفیہ کو دعوت دو۔ سنا ہے بڑے شوق سے پیتی ہیں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور فاضل نے برا سا منہ بنالیا۔

"نہیں یار۔ کوئی عورت ہے وہ۔ میرا خیال ہے کہ وہ صرف ماہر طبقات الارض

ہے اور کچھ نہیں ہے اسی لئے اب تک کنواری ہے"۔

"کچھ بھی ہے یار! اس ویران خانے میں کوئی مس تو ہے۔ تم سوچو اگر وہ بھی نہ ہو تو کیا یہاں اور کوئی دلکشی تھی"۔

"مس!" فاضل ہنس پڑا۔ "بڑے پر مذاق آدمی معلوم ہوتے ہو شہاب صاحب! کوئی 80 سال کی بڑھیا! اگر غیر شادی شدہ ہو تو کیا اسے مس کہتے ہوئے شرم نہیں آئے گی؟"

"کچھ بھی ہو لیکن اگر اس سے پوچھا جائیگا تو وہ یہی کہے گی مس صوفیہ!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ فاضل نے شراب کی بوتل کھول لی تھی۔ پھر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "مگر یار!" تم نے واقعی بڑا مایوس کیا۔ تنہا پینے میں تو کبھی مزہ نہیں آتا۔ دیکھو اگر کبھی پی ہے تو آج میرا ساتھ دے دو"۔

"فاضل پلیز! مجھے اس طرف متوجہ نہ کرو۔ ورنہ تم سب مصیبت میں پھنس جاؤ گے!" میں نے کہا۔

"کیوں .... کیوں؟"

"بس میں شراب کے چند پیگ پی کر ذہن پر قابو نہیں رکھ پاتا"۔

"ارے بس پینا اور سو جانا!" فاضل نے مجبور کرتے ہوئے کہا اور شراب کی بوتل کھول لی۔ گلاسوں میں ناچتی لال پری دیکھ کر نیت تو میری بھی خراب ہوگئی تھی اور میں کشمکش کا شکار ہوگیا تھا۔ پھر وہ منحوس شئے مجھے اپنے قریب کھینچ لائی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ میرے سامنے آئی ہو اور میں اسے نظر انداز کرسکا ہوں۔ بس کمزوری ہی تھی۔ تب میں فاضل کے نزدیک پہنچ گیا۔ ہم نے اپنے اپنے گلاس اٹھائے اور چھوٹی چھوٹی چسکیاں لینی شروع کر دیں۔ میں نے فاضل سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھے دو تین پیگ سے زیادہ نہ دے اور اس کے بعد مجھے میرے کمرے میں پہنچا دے۔ فاضل نے وعدہ کرلیا تھا۔ وہ بہرصورت ایک مضبوط پینے والا معلوم ہوتا تھا چنانچہ تین پیگ کے بعد وہ رک گیا۔ میں تین پیگ پینے کے بعد ہی عجیب عجیب باتیں سوچنے لگا تھا۔ رانی آف اٹرپور یقینی طور پر وہی عورت تھی جسے میں نے ایک بار شہر میں دیکھا تھا۔ لیکن اس بات سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ آخر کیوں؟

فاضل میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مجھ سے کچھ گفتگو کی اور شاید میرے

الفاظ میں کچھ لکنت محسوس کر کے اس نے پینا بند کر دیا اور بولا۔ "اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں تمہارے کمرے تک پہنچا دوں"۔

"ہاں بھائی یہی مناسب ہے۔ ورنہ کیا فائدہ کہ میں اپنے آپ کو طبلچی محسوس کروں اور تمہارے سر کو طبلہ!" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور فاضل بھی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے مجھے بازو سے پکڑا اور بولا۔ "تو پھر آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے تک پہنچا دوں"۔

"ٹھہرو! پہلے یں اپنا جائزہ لے لوں۔ کیا میں واقعی اس قدر بہک گیا ہوں کہ اپنے کمرے تک نہیں جاسکتا!" میں نے کہا اور اٹھ کر اپنے پاؤں ہلانے لگا۔ پھر میں نے فاضل سے کہا۔ "بس اب مجھے جانے دو اور تم آرام سے پیو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہ دے سکا۔ میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا"۔ میں نے کہا اور فاضل نے شکریہ کے ساتھ گردن ہلا دی۔

باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ مہمان خانے میں موجود دوسرے لوگ سو چکے تھے۔ تمام کمروں میں تقریباً تاریکی پھیل چکی تھی۔ میں اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ رانی اٹرپور نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ کیا میں اتنا ہی عام انسان ہوں کہ مجھے بھی دوسرے مہمانوں کی طرح برتا جائے۔ یہ توہین ہے سراسر توہین۔ پھر.........؟ زیادہ بہتر یہ ہے کہ مجھے یہ مہمان خانہ چھوڑ دینا چاہیے۔ لیکن ڈاکٹر برہان!......... ہونہہ......... برہان کی ایسی تیسی کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو......... لنگڑا کہیں کا......... میں نے فضا میں گھونسہ چلایا۔ اور پھر میری نگاہ ایک دروازے کی جانب اٹھ گئی جس میں اندر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ واہ .... مس صوفیہ .... میں نے سوچا اور بڑے ست انداز میں مس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

"کون ہے آجاؤ!" بوڑھی کی آواز سنائی دی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ بڑی بی ایک آرام کرسی پر دراز ٹیبل لیمپ جلائے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر عجیب سے انداز میں کتاب نیچے رکھ دی۔ وہ متحیرانہ انداز میں منہ کھولے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نے بڑے ادب سے گردن خم کی اور وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "آپ پھر اس طرح' اس وقت میرے کمرے میں آئے!"

"ایک بہت بڑی مجبوری مجھے یہاں کھینچ لائی ہے خاتون!" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"فرمائیے!"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی!!"

"دیکھئے آپ اپنی' اور میری عمر کا تجزیہ کریں اور پھر میں کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی۔ آپ کو آپ کی اس بدتمیزی کی سزا دینے پر آؤں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے آپ کو .... اس لئے آپ عمر کے فرق سے میرا احترام کریں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے"۔

"محبت عمر کا فرق نہیں دیکھتی مس! جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے' مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں آپ کو چاہنے لگا ہوں۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے محبت کرتا ہوں مس صوفیہ! اللہ میرا دل نہ توڑیئے"۔

"گیٹ آؤٹ! میں کہتی ہوں نکل جاؤ۔ تم اپنی شاندار شخصیت کے باوجود ایک چھچھورے انسان معلوم ہوتے ہو۔ نکل جاؤ"۔

"آپ مجھ سے شادی کا وعدہ کریں' میں چلا جاؤں گا۔ ورنہ اسی جگہ آپ کے دروازے پر خودکشی کرلوں گا اور پھر یہ شاعر' ادیب' اور اخبار نویس میری محبت کے افسانے لکھیں گے۔ مجھے ایک سچا عاشق قرار دیا جائیگا۔ شیریں فرہاد' لیلیٰ مجنوں' ہیر رانجھا وغیرہ کے ساتھ ساتھ صوفیہ شہاب کے قصے بھی زبان زد عام ہوں گے مس! میری محبت قبول کرلیں!"

"گیٹ آؤٹ! صوفیہ حلق پھاڑ کر چیخی اور اس نے گلدان اٹھا لیا۔

"مار ڈالئے......... مار ڈالئے......... میں تو خود ہی مرنا چاہتا ہوں"۔

میں زمین پر بیٹھ گیا اور وہ بے چاری پریشانی سے ہانپنے لگی۔ پھر گلدان رکھ کر میرے قریب آگئی"۔ تو تم مجھے چاہتے ہو!" اس نے کہا۔

"دل و جان سے!" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ!" وہ بولی اور میں جلدی سے کھڑا ہو گیا"۔ مجھے پیار کرو۔ مجھے چومو!" یہ الفاظ کہہ کر اس نے شائد مجھے آزمائش میں ڈالا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس مذاق کا بھرم یہاں آکر ٹوٹ جائے گا لیکن بدبخت کو معلوم نہیں تھا کہ میرے ذہن پر

اس وقت شراب حاوی ہے۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اور اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ اپنی ذہانت کا شکار ہوگئی تھی اور میری اس حرکت نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ بے تحاشہ مجھے پیٹنے لگی۔ رات کا وقت تھا۔ مہمان خانہ کے ملازمین بھی مہمانوں سے آخری ضرورت پوچھنے کے بعد آرام کرنے چلے گئے تھے ورنہ اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ بمشکل اس نے مجھے اپنے کمرے کے دروازے سے نکالا۔ لیکن میرے ذہن پر اس کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ نہ جانے کب تک میں اس کے دروازے پر کھڑا آنسو بہاتا رہا اور پھر مایوس اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ میرے ذہن میں صوفیہ شہاب کے عشق کی داستانیں گونج رہی تھیں اور پھر اس طرح آنسو بہاتے بہاتے میں سو گیا۔

دوسری صبح جاگا تو رات کے واقعات ذہن میں موجود تھے۔ ایک دم ہی مجھے احساس ہوا کہ شراب رات کو اپنا گل کھلا چکی ہے۔ دوسرے لمحے اٹھ کر غسلخانہ کی طرف بھاگا۔ بری طرح مسل مسل کر ہونٹ دھوئے۔ وہ کریہہ بوسہ یاد آ رہا تھا۔ فاضل کی ایسی تیسی۔ کمبخت سے منع کیا تھا اور صوفیہ اس بیچاری کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ صوفیہ سے رات کی حرکت کی معافی مانگ لوں گا لیکن ناشتے کے کمرے میں سب موجود تھے' وہ نظر نہیں آئی۔

"مس کہاں ہیں؟" میں نے فاضل سے پوچھا۔

"سنا ہے صبح ہی صبح چلی گئیں!"

"سامان سمیت!"

"ہاں! ملازموں نے بتایا کہ ان کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی!"

"اوہ!" میں نے افسوس سے گردن ہلائی۔

"کیوں کوئی خاص بات!" فاضل نے پوچھا۔

"نہیں بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ رونق تھی بے چاری کے دم سے! میں نے کہا اس ویران خانے میں کم از کم ایک مس تو تھی"۔ میں نے فاضل کو ٹال دیا اور سر جھکا کر کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا.........

دن کو تقریباً" دس بجے رانی آف اٹرپور کا بلاوا آگیا۔ انہوں نے مجھے طلب کیا تھا۔ میں تیار ہو کر اس ملازم کے ساتھ چل پڑا جو مجھے لینے آیا تھا۔ محل کے اندرونی

مخصوص حصے میں رانی صاحبہ ایک شاندار کمرے میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے اندر داخل ہو کر سلام کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ چہرے پر تمکنت اور وقار کا وہی عالم تھا جو میں نے پچھلی رات دیکھا تھا۔ بلاشبہ اس عورت کو حسین ترین عورت کہا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چہرے سے ذہانت کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ ایک پر خلوص مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور میں بیٹھ گیا۔

"پروگرام تو میرا یہ تھا کہ میں آج مہمان خانے میں موجود تمام مہمانوں سے ملاقات کروں۔ لیکن میں نے ان سے معذرت کر لی ہے اور صرف آپ کو تکلیف دی ہے"۔

"شکریہ!" میں نے مختصراً" کہا۔ رانی صاحبہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ "آپ نے فرمایا تھا کہ آپ نے اس سے پہلے بھی مجھے دیکھا ہے۔ کیا آپ کو اپنی یادداشت پر اتنا ہی بھروسہ ہے؟"

"جی ہاں مجھے یقین ہے' لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے یہ جملے اس وقت نہیں کہنے چاہئے تھے!" میں نے جواب دیا اور رانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں! میں بھی اس برجستہ جھوٹ پر آپ سے معافی چاہتی ہوں!"

"جی! میں نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"آپ کا خیال درست تھا۔ حاجی الیاس رشیدی سے میری گہرے تعلقات ہیں۔ لیکن میں انتہائی خفیہ طور پر وہاں گئی تھی اور مجھے حیرت ہے کہ آپ نے مجھے اس بدلے ہوئے انداز میں دیکھ کر بھی رات کو اس طرح پہچان لیا۔ حالانکہ میں جس انداز میں وہاں گئی تھی وہ ایسا تھا کہ کوئی قریب سے قریب کا شخص بھی مجھے نہ پہچان سکے۔ میں نے اس وقت آپ کی بات سے صرف اسی لئے انحراف کیا تھا کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ دوسروں کو یہ بات معلوم ہو!"

"اوہ! مجھ سے واقعی غلطی ہو گئی جس کے لئے میں شرمندہ ہوں.........!"

"نہیں' نہیں جانے دیں......... ویسے آپ کی شخصیت میرے لئے بھی حیران کن ہے۔ آپ یقین کریں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' کہ ڈاکٹر برہان کے ادارے میں آپ جیسا کوئی شخص بھی موجود ہوگا۔ ڈاکٹر برہان سے میری ملاقات حاجی الیاس

رشیدی کی تقریب میں ہی ہوئی تھی اور کسی نے مجھے بتایا تھا کہ ڈاکٹر برہان کا اصل پیشہ کیا ہے؟

"میرا خیال ہے ہم لوگوں کے بارے میں لوگوں کو عام معلومات تو نہیں ہیں"۔ میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہم لوگوں کے بارے میں لوگوں کو عام معلومات تو نہیں ہیں"۔ میں نے کہا۔

"ہاں جس شخص نے مجھے یہ بات بتائی تھی' آپ اس کے لئے بھی کام کر چکے ہیں"۔ رانی اثر پور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو درست ہے۔ بہرصورت میں حاضر ہوں اور خاص طور سے شکر گزار بھی ہوں کہ آپ نے دوسروں پر مجھے ترجیح دی"۔

"دراصل بنیادی غلطی ہو گئی تھی۔ عام طور سے مہمانوں کو لا کر مہمان خانے میں ٹھہرایا جاتا ہے اور جب کسی ملازم کو ایئر پورٹ یا ریلوے اسٹیشن بھیجا جاتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ آنے والا کوئی ایسا شخص ہے جسے مہمان کی حیثیت دی جانی ہے۔ چنانچہ میرے ملازموں نے لا کر آپ کو مہمان خانے میں پہنچا دیا۔ حالاں کہ وہ جگہ آپ کے لئے نہیں تھی۔ آپ کے لئے تو میں نے ایک مخصوص جگہ کا تعین کیا تھا جہاں آپ کا قیام ہوگا!"

"جی!" میں نے کہا' اور ان کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ویسے آپ نے ہماری ایک معزز مہمان کو ناراض کر دیا"۔ اس نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا"۔ میں نہیں سمجھا' میں نے کہا اور رانی نے ایک سفید کاغذ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔ میں نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا۔ پرچہ تھا جو بیچاری مس صوفیہ کی طرف سے تھا۔ لکھا تھا:

رانی صاحبہ!

انتہائی بددل ہو کر جا رہی ہوں۔ آپ کے مہمان خانے میں لوگوں کے معیار کا کوئی تعین نہیں۔ ہر طرح کے لوگ یہاں آسکتے ہیں۔ یہاں موجود ایک شخص شہاب میرے لئے دردسر بن گیا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ ایک کھلنڈرا نوجوان ہے اور صرف وقت گزاری کے لئے مجھے تختہ مشق بنا رہا ہے لیکن کیا یہ میری توہین نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے اظہار عشق کر کے میرے جذبات مجروح کئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے' میں اب یہاں

نہیں رہ سکتی! خدا حافظ۔

"صوفیہ"۔

"جی!" میں نے پرچہ بند کر کے سنجیدہ نگاہوں سے رانی صاحبہ کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں جانتی آپ مس صوفیہ سے اظہار عشق میں کس قدر مخلص تھے۔ بہرحال وہ آپ کو ٹھکرا کر چلی گئی ہیں!" رانی آف اثر پور نے کہا۔

"جی ہاں، کچھ ذاتی سی بات ہے"۔ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر برہان نے کوئی تعارفی خط دیا ہے آپ کو؟"

"جی، یہ موجود ہے"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان کا لفافہ نکال کر رانی صاحبہ کو دے دیا۔ رانی صاحبہ نے اسے دیکھا اور پھر اس کی چند سطور بلند آواز میں پڑھیں۔ "جس شخص کو میں آپ کے پاس روانہ کر رہا ہوں وہ ہمارے ادارے کا سب سے ذہین شخص اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ یوں سمجھیں کہ آپ اسے مسائل کے حل کا پٹارہ کہہ سکتی ہیں۔ وہ ادارے کی جانب سے کسی بھی نوعیت کے معاملات طے کرنیکا مجاز ہے اور میں اس یقین کے ساتھ روانہ کر رہا ہوں کہ اس کے بعد آپکو کسی اور کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔ رانی صاحبہ نے خط بند کر دیا اور میری طرف دیکھنے لگیں"۔ اس کے بعد مجھے کوئی سوال کرنیکا حق نہیں پہنچتا لیکن ذاتی طور میں آپ سے بے تکلفی سے گفتگو کر سکتی ہوں آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے؟"

"ضرور!"

"آپ کے ادارے کے بارے میں مجھے جس شخص نے بتایا تھا اس نے کہا تھا کہ کوئی کام آپ کے سپرد کر دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی الجھنوں سے نجات پا چکے۔ کیا یہ درست ہے؟"

"ہاں، اگر ہم سے بھرپور تعاون کیا جائے اور دوسرا شخص جو ہم سے کام لینا چاہتا ہے اپنی شخصیت کے ممتاز پہلو نظرانداز کر دیئے"۔

"خوب! تمہارا گفتگو کرنیکا انداز بے حد ٹھوس ہے جیسے تم ساری دنیا میں کسی سے مرعوب نہ ہوئے ہو۔ میں آپ سے تم پر اتر آئی ہوں محسوس نہ کرنا۔ ایسے لوگ میرے کمزوری ہیں جو کھردرے الفاظ اور دوسرے کی حیثیت کو نظرانداز کر کے گفتگو کریں"۔

میں خاموش رہا اور رانی بھی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی"۔ ہاں تو میں

تمہارے ادارے کے اصول و ضوابط کے بارے میں کچھ ضروری باتیں جاننا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد کرو گے!"

"ضرور! آپ سوالات کریں"۔

"ادارے کا بنیادی مقصد؟"

"دولت کا حصول، بہتر زندگی کی خواہش!"

"کتنے افراد پر مشتمل ہے؟"

"صرف پانچ افراد، اور شاید اس میں توسیع نہ ہو کیوں کہ اس کے ممبروں کے لئے جو معیار مقرر ہے وہ کہیں اور سے پورا ہونا مشکل ہے۔ یوں سمجھیں کہ پانچ ایسے افراد اتفاق سے یکجا ہو گئے ہیں جو ایک انداز فکر اور ایک جیسی کارکردگی کے مالک ہیں"۔

"لیکن بعض معاملات میں زیادہ لوگوں کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے"۔

"ایسے کام نکالنے کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں"۔

"میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی اور کوئی خاص اصول، میرا مطلب یہ ہے کہ کچھ ایسے معاملات جن میں قانون آڑے آتا ہو"۔

"ہم میں سے کوئی بھی شخص جاہل نہیں ہے۔ قانون، مذہب اور سماج کی قدروں کو سامنے رکھ کر تشکیل پاتا ہے۔ لیکن بعض صورت میں قانون میں سقم نظر آتے ہیں۔ ہم یہاں قانون کو مسترد نہیں کرتے لیکن اس کے مزاج کو مدنگاہ رکھتے ہوئے وہ سقم نکال دیتے ہیں اور ہمارا کام چل جاتا ہے"۔

"خوب! گویا اگر کبھی آپ کو عدالت کا منہ دیکھنا پڑے تو آپ گریز نہ کریں گے"۔

"ہاں ہم ٹھوس دلائل کے ساتھ عدالت میں پیش ہوں گے!" میں نے جواب دیا۔

"میں یہی اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ تم لوگ کتنے پانی میں ہو۔ بہرصورت میرا مسئلہ تو سوفیصد ذاتی ہے۔ ہاں ذرا ایک بات اور بتاؤ جس شخص سے تم معاملات طے کرتے ہو، کیا تم پورے طور پر اس کے ہمدرد اور وفادار ہوتے ہو؟"

"ظاہر ہے یہ ہمارے لئے بہت ضروری ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"میرا مقصد ہے کہ اگر اس کے بعد کچھ لوگ تمہیں خریدنا چاہیں تو.........!"

"ہم نہیں بکتے!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت اچھے اصول ہیں اور میرا خیال ہے میں باآسانی تم سے کام کی بات کرسکتی ہوں۔ اس کے علاوہ تمہاری شخصیت بلامبالغہ اتنی متاثر کن ہے کہ تم جیسی شخصیت کے لوگوں سے کسی گھٹیا پن کی امید نہیں کی جاسکتی۔ مجھے معاف کرنا میں پہلے ہی اس بات پر معذرت کرچکی ہوں کہ تم سے بے تکلفی سے گفتگو کروں گی۔ دراصل مجھے خود ایسے کسی ہمدرد' ایسے کسی ساتھی کی ضرورت ہے جس سے میں انتہائی بے تکلفی سے اپنے دل کا حال بیان کرسکوں۔ ایک اتنی بڑی ذمہ داری کا اٹھانا اتنا مشکل کام ہے کہ انسان پس کر رہ جاتا ہے۔ تم لوگ مجھے رانی آف اٹرپور کے نام سے مخاطب کرتے ہو لیکن بعض اوقات میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے کوئی میرے اپنے نام سے مخاطب کرے اور مجھ سے یہ ساری ذمہ داریاں لے لے۔ بڑی عجیب زندگی ہوتی ہے ہم لوگوں کی بھی۔ دنیا کی نگاہوں میں ہم کچھ ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور اپنی کیفیات میں کچھ اور ....!"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا رانی صاحبہ! ذمہ داریاں اگر زیادہ ہوں تو انسان اپنی ذات میں پس جاتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"براہ کرم مجھے ایک بات اور بتا دو"۔

"جی فرمائیے.........."

"اگر کسی طور پر میرا تم سے اختلاف ہو جائے اور تم پسند نہ کرو' اس بات کو جو میں تم سے چاہتی ہوں تو کیا ایسی صورت میں تم لوگ میرے لئے نقصان دہ ہوسکتے ہو..........؟"

"رانی صاحبہ! کوئی بھی سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ہمیں تقریباً تمام معاملات پر بات چیت طے کرلینا ہوگی اس کے بعد کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ باقی اگر آپ یہ طے کرنا چاہتی ہیں کہ ہم آپ سے معاملات نہ طے کرکے آپ کے دشمنوں کو تقویت دینے کی کوشش کریں گے تو میرا خیال ہے آپ یہ بات ذہن سے نکال دیں۔ آج تک ایسا موقع نہیں آیا کہ ہم نے اپنے کسی کرم فرما کو نقصان پہنچایا ہو.......... اور اگر کوئی ایسی بات ہوگی تو آپ بھروسہ کریں' آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا"۔

"ٹھیک ہے بہت بہت شکریہ!! اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم اس کام کا معاوضہ کیا لوگے"۔ رانی نے پوچھا۔

کام کی نوعیت کے بغیر تو اس کا تعین مشکل ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تم ایسا کرو کہ کام کی نوعیت کو بھول جاؤ۔ میری شخصیت' اور میری حیثیت کو مدنگاہ رکھو اور بتاؤ کہ سخت سے سخت کام جو انتہائی مشکل ہو' اس کے لئے تم کس معاوضہ کا تعین کرتے ہو"۔

"دس لاکھ!" میں نے جواب دیا اور رانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آدمی بڑی عجیب شے ہے۔ اگر تم مجھ سے دس بیس ہزار' پچاس ہزار' یا لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی بات کرتے تو یقین کرو' میں سوچتی کہ تم لوگ وہ نہیں ہو جس کا میں نے تصور کیا تھا لیکن معاوضہ تم نے اتنا مانگا ہے کہ جی خوش ہوگیا۔ ٹھیک ہے مجھے منظور ہے گویا معاوضے کی بات غیر مشروط طور پر طے ہوگئی اور اب ہم بہ اطمینان آگے کے معاملات پر بات کرسکتے ہیں!" رانی نے جواب دیا اور میں نے دلجمعی سے گردن ہلائی۔ حالاں کہ ڈاکٹر برہان نے کہا تھا کہ پانچ سے آٹھ لاکھ تک کسی بھی قیمت پر معاوضے کا تعین کیا جاسکتا ہے لیکن میں نے اس میں خاصہ اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اب رانی کے کام کے لئے انتہائی سنجیدگی سے عمل کرنا تھا۔ میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"میں جس انداز سے تم پر بھروسہ کر رہی ہوں تم یقین کرو کہ اس میں تمہاری شخصیت کا بہت بڑا دخل ہے۔ بات اگر صرف ایک ادارے کی ہوتی اور تمہاری جگہ کوئی دوسرا شخص آیا ہوتا جو مجھے شخصی طور پر ناپسند ہوتا تو شاید میں اتنی بے تکلفی سے اسے اپنا رازدار نہ بناسکتی تھی۔ اپنے بارے میں پہلے میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتا دوں"۔

"اٹرپور کی جو بھی حیثیت ہے' وہ تمہاری نگاہوں میں ہوگی۔ میرا نام شاہانہ ہے۔ شاہانہ فیروز' نواب فیروز کے بارے میں ممکن ہے تم نے کچھ سنا ہو یا نہ سنا ہو۔ بہرصورت وہ بڑی باأثر شخصیت کے مالک تھے اور اپنی زندگی میں ہر شخص کے پسندیدہ رہے تھے۔ میں ان کی دوسری بیوہ ہوں۔ اپنی پہلی بیوی کی موت کے طویل عرصے کے بعد انہوں نے مجھ سے شادی کی۔ یہ طویل عرصہ انہوں نے تجرد کے عالم میں گزارا اور ان کے نام کے ساتھ ایسی کوئی غلاظت وابستہ نہ ہوسکی کہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے یا ان پر انگشت نمائی کرسکتے۔ مجھ سے ملاقات ایک مخصوص ذریعے سے ہوئی تھی جس کی تفصیل میں جانا غیرمناسب سی بات ہے اور نہ یہ بات اس کام میں معاون ہوسکتی ہے۔ یوں بھی میں ایک اچھے خاندان کی فرد ہوں اور میرا خاندان بھی معززین میں شمار ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میں بذات خود

اتنی چھوٹی شخصیت کی مالک نہیں ہوں کہ لوگ یہ سوچتے کہ مجھے اچانک ایک بڑی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ نواب صاحب نے مجھ سے شادی کی اور ہم لوگوں نے بہت ہی پرمسرت زندگی گزاری۔ نواب صاحب کے دو بچے ہیں۔ ان میں ایک نوابزادہ منصور ہیں اور دوسری نواب زادی شاہینہ' سترہ سال کی عمر میں نواب زادی شاہینہ پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ بے چاری دونوں ٹانگوں سے معذور ہوگئیں۔ یہ صرف ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے' منصور فطرتاً سادہ طبیعت اور مذہب سے بے حد متاثر ہیں۔ مذہبی امور کی ادائیگی وہ بڑی پابندی سے کرتے ہیں اور ہم میں سے کسی نے ان کے اس رجحان پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ خود فیروز صاحب منصور کو اس لئے پسند کرتے تھے کہ منصور مذہبی شغف رکھتے ہیں۔ یہ دونوں بچے ہمیشہ میرے لئے بھی پسندیدہ رہے اور میں نے کبھی ان سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا۔ حالاں کہ نواب زادی شاہینہ بے حد ضدی ہیں۔ اتنی ضدی کہ بعض اوقات ان کی ضدیں سب کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔ میں نے پہلے بھی ان سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا تھا اور نواب صاحب کی موت کے بعد تو میں نے خاص طور سے ان کا خیال رکھا اور ان کی ان بے جا ضدوں کو بھی پورا کیا جو بعض اوقات ناقابل قبول ہوا کرتی ہیں۔ رہا بے چارہ منصور تو وہ سیدھا سادا نیک نفس انسان ہے اس نے کبھی کسی کے لئے درد سر بننے کی کوشش نہیں کی۔ زندگی گزارنے میں کسی خاص مشکل کا سامنا نہیں تھا۔ سارے معاملات مناسب طور پر چل رہے تھے لیکن پچھلے تین ماہ سے معمولات میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ زمینوں کے نگران پریشان ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہاریوں کو بہکایا جا رہا ہے اور انہیں ریاست کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار مسائل کھڑے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور میرے خاص لوگوں کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں باقاعدہ ایک مشن کام کر رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب سے تقریباً سات ماہ پیشتر یعنی نواب صاحب کی موت کے تقریباً دو سال کے بعد منظم پیمانے پر ایک سوال اٹھایا گیا تھا اور سوال یہ تھا کہ ریاست کے امور کی نگرانی کیا مناسب طور پر ایک عورت کرسکتی ہے؟ سوال اٹھانے والوں میں ریاست کے سربرآوردہ لوگ تھے اور جس وقت یہ سوال میرے پاس پہنچا تو میں نے ان سب کو طلب کیا اور پوچھا کہ نواب صاحب کی موت کے بعد ریاست کے امور میں کون سی مشکل پیش آئی ہے جس کی بناء پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ رانی صاحبہ ریاست

کا صحیح حکمران نواب صاحب کی موت کے بعد نوابزادہ منصور ہونے چاہئیں۔ میں نے یہ بات بھی کہی کہ اگر نوابزادہ منصور یہ ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار ہوں تو انہیں بہت ساری ذمہ داریاں سونپ سکتی ہوں لیکن ابھی میں اس قابل نہیں پاتی کہ وہ پوری ذمہ داریوں کے ساتھ ریاست کے امور چلاسکیں۔ اس کے علاوہ مرحوم نواب صاحب نے مرتے وقت وصیت بھی کی تھی اور ذاتی طور پر مجھ سے درخواست بھی کی تھی کہ میں ان بچوں کا خیال رکھوں۔ ابھی یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ذمہ داریوں کے بوجھ کو مناسب طور پر اٹھاسکیں۔ چنانچہ میں ریاست کی بھرپور نگرانی کروں۔ نواب صاحب نے اپنی زندگی میں مجھے اس قابل کر دیا تھا کہ میں ریاست کے سارے معاملات کو سمجھ سکوں اور پھر ان کی وصیت کے مطابق مجھے تازندگی اس ریاست کا نظام چلانا ہے۔ میں اپنی ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہوئے یہ سارے کام کر رہی تھی.......... ! لیکن یہ نئی الجھنیں میرے لئے پریشان کن ہیں۔ میں نے انتہائی خلوص کے ساتھ یہ کوشش کی تھی کہ نواب زادہ منصور اور شاہینہ سے گفتگو کروں اور ان سے پوچھوں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ دونوں بظاہر معصوم ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ان معاملات میں ان کا ہاتھ نہ ہو۔ اس کے بعد یہ احساس میرے لئے پریشان کن ہوگیا کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو میرے خلاف یہ فضا پیدا کر رہے ہیں؟ کیا میری یہ الجھن قدرتی نہیں ہے؟" رانی نے رک کر پوچھا۔

"یقیناً ہے! لیکن رانی صاحبہ! کیا خود آپ کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے؟" میں نے اس سوال پر رانی اثر حسن پور کے چہرے پر ایک بدلی ہوئی کیفیت محسوس کی اور پھر اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نواب صاحب سے شادی' میری اپنی پسند نہیں تھی بلکہ ایک ذاتی مسئلے میں میرے والدین اس کے لئے مجبور ہوگئے تھے۔ شادی کے بعد نواب صاحب سے میرا کوئی اختلاف نہیں رہا لیکن میری اور ان کی عمر میں کافی تضاد تھا"۔ وہ خاموش ہوگئیں۔

"اولاد کی بات ادھوری رہ گئی"۔

"نہیں پوری ہوگئی ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا۔

"جی ہاں! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ بات پوری ہوگئی۔ بہرحال رانی صاحبہ! صورت حال یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے تحفظ چاہتی ہیں جو آپ کے خلاف حالات پیدا کر رہے

ہیں۔

"جہاں تک تحفظ کی بات ہے، میں اپنے لوگوں میں خود کو غیر محفوظ نہیں سمجھتی اور خاص طور سے اس وقت سے تو لوگ بے حد مستعد ہو گئے ہیں جب سے میری خواب گاہ کے نزدیک رات کی تاریکیوں میں ایک مشتبہ شخص نظر آیا ہے۔ ایسا تین بار ہو چکا ہے لیکن وہ شخص اتنا پھرتیلا اور چالاک ہے کہ میرے محافظوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ سب سے خاص بات یہ ہے کہ وہ محل ہی میں گم ہو جاتا ہے ....اور .... سانپ کا آستین میں ہونا سب سے خطرناک ہوتا ہے"۔

"آپ کا خیال ہے کہ اب بات صرف بغاوت یا آپ کو معزول کرانے تک نہیں رہ گئی ہے بلکہ آپ کے دشمن آپ کی زندگی کے بھی خواہاں ہیں..........؟"

"ہاں مجھے یقین ہے کہ میرے خلاف سازش کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی"۔

"رانی صاحبہ! اس سلسلہ میں تو حکومت بھی آپ کی مدد کرسکتی ہے کیوں کہ نواب صاحب کی وصیت کے مطابق آپ ریاست کی جائز وارث ہیں اور چند ذمہ داریوں کے علاوہ آپ پر اور کوئی بوجھ نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے لیکن میں اپنے دشمنوں میں کس کا نام لوں؟ اگر بے گناہ لوگوں کو پھنساتی ہوں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کریگا اور ممکن ہے اس کے باوجود میری الجھنیں برقرار رہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں کی نفرت کچھ اور بڑھ جائے گی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اصل دشمن کی شناخت ہو جائے۔ اس کے لئے مجھے تم جیسے کسی شخص کی ضرورت تھی"۔

"خوب!" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ بات جائز تھی۔ تھوڑی دیر تک میں نے سوچا پھر بولا۔ ٹھیک ہے رانی صاحبہ! کام ہماری پسند کے مطابق ہے اور میں تیار ہوں لیکن محل میں میری حیثیت کیا ہوگی؟"

"عارضی طور پر میں تمہیں کوئی عہدہ دے دوں گی۔ اپنا مشیر قانونی یا پھر محل کے امور کا نگران بنادوں گی تاکہ تمہارے اختیارات وسیع تر ہوں"۔

"بہت بہتر' میں تیار ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ تمہاری کوئی شرط!"

"معاوضے کے بعد میری شرط پوری ہوگئی۔ دوسری شرط اختیارات اور اعتماد پر

ہے"۔

"کیا تم تنہا یہ کام کرسکتے ہو؟ معاف کرنا یہ سوال میں نے ایک خوف کے زیر اثر کیا ہے؟"

"فی الحال میں تنہا ہوں لیکن جب اختیارات مل جائیں گے تو ضرورت پڑنے پر میں امداد بھی طلب کرسکتا ہوں؟"

"ٹھیک ہے میں آج اسی وقت یہ ذمہ داری تمہیں سونپتی ہوں۔ محل کے کونسے حصے میں رہنا پسند کرو گے؟

"اس میں جہاں آپ مقیم ہیں!"

"تب میں اپنی رہائش گاہ کا عقبی حصہ تمہارے لئے درست کرا دوں گی۔ معاوضے کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟"

"معاوضے کی آدھی رقم کا ڈرافٹ آپ ڈاکٹر برہان کے ذاتی اکاؤنٹ میں بھجوا دیں۔ باقی آدھی رقم آپ کا کام مکمل ہونے کے بعد"۔

"یہ کام کل ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ اور کچھ؟" رانی صاحبہ نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ بس میری اور کوئی شرط نہیں ہے"۔ میں نے جواب دیا اور رانی صاحبہ نے خاموش ہو کر سر جھکالیا۔ وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی تھیں۔ پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں کسی فوری مسئلے پر کچھ قابل اعتماد لوگوں کی ضرورت پڑے تو میرے خاص محافظ تمہارے ساتھ ہوں گے تم انہیں جب چاہو طلب کرسکتے ہو"۔

"بہت بہتر"۔ میں نے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے اجازت دیں۔ ویسے میں آپ کی اجازت سے محل کا جائزہ لینا چاہتا ہوں"۔

"اس عمارت کے کسی بھی حصے میں تم بلا روک ٹوک جاسکتے ہو۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ اس دوران میں تمہاری رہائش کا بندوبست کرائے دیتی ہوں"۔ رانی صاحبہ نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ ذہنی طور پر میں نے اس کام کو خوشی سے قبول کرلیا تھا کیوں کہ یہ ہماری لائن سے مطابقت رکھتا تھا۔ پھر میں محل کی سیر کے لئے نکل آیا۔ محل کے مختلف گوشوں میں تقریباً ایک گھنٹے تک چکر لگایا۔ اپنے طور پر میں نے مکمل جائزہ لے لیا تھا۔ کسی بیرونی جگہ سے رانی کی خواب گاہ تک پہنچنے کا براہ راست کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہر جگہ محافظوں سے مڈبھیڑ ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ پھر میں نے ایک جگہ رک کر ایک ملازمہ کو

اشارہ کیا اور ملازمہ میرے نزدیک پہنچ گئی۔ "نوابزادہ منصور سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے"۔ میں نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں جناب!"

"براہ کرم مجھے ان کا کمرہ بتا دو"۔ میں نے ملازمہ سے کہا اور ملازمہ مجھے ساتھ لے کر چل پڑی۔ پھر اس نے دور سے اشارہ کیا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے اسے واپس کر دیا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر نکل آیا۔ میں نے اس طرح اپنا رخ بدل دیا جیسے اس طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔ اس کی ضرورت اس شخص کی صورت دیکھ کر پیش آئی تھی۔ وہ مجھے نہیں جانتا تھا لیکن میں حسن آباد کے علاقے کے اس غنڈے کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا نام سرور تھا اور اپنے علاقے میں دس نمبری حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے کسی فقیر کی کرامات سے متاثر ہو کر اچانک برے کام چھوڑ دیئے ہیں۔ اس وقت بھی وہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ ویسے نواب زادہ منصور کے کمرے میں اس کی موجودگی تعجب خیز تھی۔

کچھ دیر توقف کے بعد میں خود اس کمرے کی طرف بڑھ گیا اور آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ "تشریف لائیے"۔ اندر سے ایک آواز آئی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ خاصا بڑا کمرہ تھا لیکن اس کی سجاوٹ معمولی تھی۔ ایک طرف تخت پڑا ہوا تھا جس پر جائے نماز بچھی ہوئی تھی اور تسبیح رکھی ہوئی تھی۔

نوابزادہ منصور ایک کرسی پر خاموش بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور بہ آواز بلند سلام کیا جس کا جواب دے کر میں آگے بڑھا۔ "اس وقت تکلیف کی معافی چاہتا ہوں"۔ میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"تشریف رکھئے۔ میں آپ سے ناواقف ہوں"۔

"جی ہاں یقیناً! میں نے رانی صاحبہ کی ملازمت صرف دو روز قبل اختیار کی ہے"۔

"خوب! کیا عہدہ ہے آپ کا؟"

"محل کے اندرونی امور کا محافظ ہوں"۔

"واہ! نواب زادہ منصور نے گردن ہلائی"۔ اگر دل شکنی نہ ہو تو عرض کروں کہ

آپ بہ الفاظ دیگر رانی صاحبہ کے ذاتی محافظ ہیں"۔

"ایسی کوئی ذمہ داری انہوں نے میرے سپرد نہیں کی لیکن یہ وفادار ان کا ذاتی محافظ ہے۔ آپ کو کوئی اختلاف ہے؟"

"ہاں' بنیادی اختلاف ہے۔ منصور نے صاف لہجے میں کہا۔

"آپ کے مرتبے کو مدنگاہ رکھ کر مجھے یہ جرات نہیں ہوتی نواب صاحب! کہ میں آپ کے اس اختلاف کی وجوہ پوچھوں لیکن یہ سوال میرے ذہن میں ضرور ابھرا ہے کہ وہ بنیادی اختلافات کیا ہیں؟"

"میاں تکلفات رہنے دو۔ کل تمہیں یہ اختیار بھی مل سکتا ہے کہ تم ہم سے قانونی طور پر سوالات کرو۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے اس محل میں! صرف یہ کہ قبلہ نواب صاحب کبھی ہمیں بیٹا کہتے اور سمجھتے تھے' اب تو ان کا چھوڑا ہوا قرض ہوں جو ہمیشہ دوسروں کا بوجھ ہوتا ہے۔ بنیادی اختلاف یہ ہے کہ انسان وہ بنیاد ختم کر دے جو اختلاف کی وجوہ بن جاتی ہے۔ بہتر سلوک دشمن کو بھی دوست بنا لیتا ہے۔ ہم تو یوں بھی بے حیثیت ہیں!"

"کیا رانی صاحبہ کا سلوک آپ کے ساتھ اچھا نہیں ہے؟"

"ہاں جسے دشمن سمجھا جائے اس کے ساتھ سلوک میں فرق آ جاتا ہے لیکن دشمن سمجھنے کی کوئی وجہ بھی ضرور ہو گی"۔

"میں پھر اپنی بے حیثیتی کا رونا روؤں گا۔

"میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا ہے۔ کیا رانی صاحبہ آپ کو اپنا دشمن سمجھتی ہیں؟"

"ہاں! انسان ہمیشہ زندگی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ وہ جو کچھ ہوتا ہے اس پر قانع نہیں رہتا۔ اسے خوف ہوتا ہے کہ اس سے تعیشات چھن نہ جائیں حالاں کہ موت کی ہچکی کسی بھی وقت دم چھین لیتی ہے۔ رانی صاحبہ کو خوف ہے کہ کسی نہ کسی وقت ہم دونوں بہن بھائی ان سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ چنانچہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر ہم سے ہماری زندگی اور آزادی چھین لینا چاہتی ہیں۔ میری بہن کے ساتھ' میری اپاہج بہن کے ساتھ ان کا جو رویہ ہے' خدا کی قسم! خدا ان سے اس کا حساب ضرور لے گا"۔ نواب زادہ منصور کی آواز لرز گئی۔

میں سناٹے میں آگیا۔ یہ تو اور ہی کہانی تھی۔ ایک ایسی کہانی جو مجھے آزمائش میں ڈال سکتی تھی۔ اگر رانی کے ذہن میں یہ بات ہے تو۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ صرف ایک جال بن رہی ہے۔ ایک ایسا جال جس میں وہ دونوں پھنس جائیں۔ بہرحال ابھی یہ معاملات غور طلب تھے۔ میں تو ابتدائی اقدامات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن منصور سے گفتگو نے مجھے حیران ضرور کر دیا تھا۔

”بہرحال ہمارے پاس ایک آخری سہارا ضرور ہوتا ہے اور وہ سہارا اللہ کا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری مدد ضرور کرے گا!“

”مجھے افسوس ہے جناب کہ میرے سوالات سے آپ کی دل آزادی ہوئی ہے۔ لیکن میری پہنچ محدود ہے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں محلاتی امور کی نگرانی کروں۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری میرے سپرد نہیں کی گئی۔ تاہم اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے ضرور موقع دیں۔ انسانیت کے رشتے سے میں آپ کی مدد ضرور کروں گا!“

”شکریہ! ہم خدا پر قناعت کرنیوالوں میں سے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر ہم مجرم نہیں ہیں تو وہ ہماری مدد کرے گا!“ مولوی منصور نے کہا اور میں نے اس سے اجازت طلب کرلی۔ کافی دیر کے بعد میں نے پھر اس طرف کا رخ کیا جہاں رانی صاحبہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے اس بات کی اجازت مل گئی تھی کہ میں کسی بھی وقت محل کے کسی بھی گوشے میں جاسکتا ہوں‘ اس لئے میں مطمئن تھا۔

ایک ملازمہ نے رانی صاحبہ کی ہدایت کے مطابق مجھے میری رہائش گاہ دکھائی۔ نہایت موزوں جگہ تھی۔ میرے اور رانی صاحبہ کے درمیان ایک روشندان تھا جو بلندی پر ضرور تھا لیکن وہاں تک پہنچنا ناممکن نہیں تھا۔ میں نے اس روشندان کی موجودگی کو دل سے پسند کیا۔ یوں بھی رہائش گاہ میں جدید ضروریات زندگی کا سارا سامان موجود تھا۔

رات کے کھانے پر میں تنہا تھا لیکن دوسری سمت سے بہت سے خیالات میرے ذہن پر یلغار کر رہے تھے۔ مولوی منصور سے ملاقات کر کے میں الجھ گیا تھا۔ چنانچہ جب مجھے یقین ہوگیا کہ کوئی میری تعیناتی میں مداخلت نہیں کرسکے گا تو میں اس سلسلے میں سوچنے بیٹھ گیا۔ میں نے اب تک کے حالات و واقعات کے ٹکڑے کئے اور ہر ٹکڑے کو ذہن کی خوردبین سے دیکھا۔

رانی آف اثر پور۔ نواب فیروز کی دوسری بیوی ہے۔ پہلی بیوی سے دو بچے ہیں

جو جوان ہیں۔ شاہینہ مفلوج ہے اور منصور مولوی صفت ہے۔ منصور کا خیال ہے کہ رانی شاید ان دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے تاکہ کسی وقت وہ ان کے لئے درد سر نہ بن جائیں اور اسی بنیاد پر وہ انہیں اپنا دشمن قرار دینا چاہتی ہے۔ رانی کی یہ دور اندیشی کسی حد تک درست ہوسکتی ہے۔ کیا اس الزام میں کچھ جھول تھا مثلاً ہاریوں اور دوسرے کچھ لوگوں کی بغاوت۔ اگر یہ رانی کی سازش ہوتی تو وہ کم از کم اپنے خلاف بغاوت کی بنیاد نہیں ڈالتی کیوں کہ یہ اسے نقصان پہنچا سکتی تھی۔ قدرتی طور پر وہ جو کچھ بھی کرتی‘ اس معاملے کو سڑکوں پر نہ آنے دیتی۔

نمبر2 اس سلسلے میں مرکز سے پولیس افسروں کی امداد زیادہ موثر ہوتی۔ کیونکہ انہیں مجرم قرار دے کر وہ قانون کے حوالے کرسکتی تھی۔ کسی پرائیویٹ ادارے کو اتنی بھاری رقم دیکر وہ صرف یہ نہ معلوم کرانے کی کوشش کرتی کہ اس کا مجرم کون ہے؟ دوسری بات منصور کے کمرے سے سرور کا باہر آنا تھا۔ یہ شخص چھٹا ہوا بدمعاش تھا اور پورا گروہ رکھتا تھا‘ اس کا منصوبے سے کیا تعلق تھا؟۔

تو پھر یہ مولوی صاحب اندر سے کچھ اور تھے اور انہوں نے مجھے غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال یہ کوئی الجھا ہوا مسئلہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے جو نیا کام شروع کیا جاتا ہے اس میں ذہنوں کو غلط راستوں پر ڈالنے اور الجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے اس بال میں سے کھال نکالنا ہی تو ہمارا پیشہ تھا۔ ہمیں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنا تھا۔ اگر رانی اثر پور خود سازشی ثابت ہوتی ہے تو اس سلسلے میں بھی ہم لوگ مشورہ کرسکتے تھے۔ یعنی ڈاکٹر کی جو بھی رائے ہوتی۔ دس لاکھ میں سے پانچ لاکھ کی رقم تو پہلے ہی مل جائے گی اگر کوئی بہت بڑا گناہ کرنا پڑا یا کوئی بہت بڑی قانونی مخالفت مول لینا پڑی تو ہم پانچ لاکھ کی رقم چھوڑ بھی سکتے تھے‘ اور اس وقت مولوی منصور کی مدد کی جاسکتی تھی لیکن اس شرط پر کہ پہلے اس سے بھی معاوضے کی بات کرلی جاتی۔

رات کو کافی دیر تک میں غوروخوض اس سلسلے میں کرتا رہا۔ بہت سوچ سمجھ کر کام شروع کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں ایک اور پروگرام بھی مرتب کیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بعض اوقات بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دوسری صبح میں نے اپنی سوچ پر عمل بھی کرنا شروع کر دیا۔ میں نے تین بار اس ملازمہ کو دیکھا تھا جو میرے کمرے میں ایک بار پھول سجانے آئی تھی۔ ایک بار ناشتہ لیکر اور پہلی بار میں نے

اسے رات کے کھانے پر دیکھا تھا۔ جب وہ ناشتے کے برتن اٹھانے کے لئے چوتھی بار میرے پاس آئی تو میں نے اسے مخاطب کیا"۔ سنو! تمہارا نام کیا ہے ....؟"

"گلنار سرکار!" ملازمہ نے جواب دیا۔

"خوب کافی بڑا نام ہے گلنار سرکار!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں سرکار! سرکار تو آپ ہیں۔ ہمارا نام تو گلنار ہے"۔

"واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم گلنار بھی ہو' سرکار بھی ہو۔ میری طرف سے یہ دونوں نام تمہاری نذر"۔ میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگی۔ وہ جوان بھی تھی اور اچھی خاصی خوش شکل بھی۔ شاید مذاق سمجھنا اور کرنا بھی جانتی تھی۔ بعض اوقات انسان کیسی کیسی عجیب چیزیں دیکھتا ہے۔ ہاں یہ تو بتاؤ شادی شدہ ہو تم؟"

"جی سرکار!" گلنار نے تعجب سے مجھے دیکھا۔

"ہاں گلنار! تمہیں دیکھ کر رات ہی کو میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا تھا۔ میں نے سوچا تھا تمہیں اس محل میں ملازمہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تمہاری شکل و صورت اور تمہارے رکھ رکھاؤ سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تم کسی اچھے گھر کی لڑکی ہو"۔

"نہیں سرکار! ہم تو نوکرانی ہیں"۔ گلنار نے آزردہ ہو کر کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا گلنار! انسان کو ہر حالت میں گزارہ کرنا چاہئے لیکن بس تمہیں دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے افسوس ہوا' تم اتنی خوبصورت ہو کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا!" میں نے کہا اور دوسری طرف رخ کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری جانب دیکھے گی اور یہی ہوا وہ دیکھتی رہی اور میں نے ہمدردی سے گردن ہلا دی۔

"سرکار! ہم ٹھیک ہیں' بس آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا"۔ گلنار نے جواب دیا۔

"بڑی عجیب بات ہے گلنار! کتنے عرصے سے تم یہاں ہو..........؟" میں نے پوچھا۔

"سرکار! بڑے ہی یہاں ہوئے ہیں"۔

"اوہو' اس کا مطلب ہے کہ تمہارے والدین اور دوسرے لوگ بھی یہیں رہتے ہوں گے"۔ میں نے پوچھا۔

"ہاں سرکار! ماں مر چکی ہے ہماری .... باپ ہے' وہ مالی کا کام کرتا ہے اور ہم

محل کے اس حصے میں رہتے ہیں جہاں دوسرے نوکر رہتے ہیں"۔

"اچھا' اچھا' اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا' تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو اور ہاں میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا۔ تمہارے اچھا لگنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں"۔

"بہت ہی اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں آپ۔ سرکار! بہت ہی مہربانی آپ کی"۔

"لو یہ رکھ لو"۔ میں نے جیب سے پچاس روپے نکال کر اس کی جانب بڑھائے"۔

"نہیں سرکار! آپ نے ہم سے اتنی ہمدردی اور محبت سے بات کی' بس یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ پیسوں سے کیا ہوتا ہے؟" گلنار نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا"۔ دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ تم ایک اچھی انسان ہو۔ گلنار کیا تم اس بات سے واقف ہو کہ آجکل رانی صاحبہ پریشان ہیں"۔

"ہاں سرکار! ہم یہیں تو رہتے ہیں سارا دن اور بعض اوقات ساری رات۔ ہمیں تو گھر جانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ رانی جی کی خدمت میں ہر وقت رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ آج کل پریشان ہیں۔ کاش ہم رانی جی کی کوئی مدد کر سکیں"۔

"گلنار! تمہارا کیا خیال ہے کیا منصور میاں رانی جی کے مخالف ہیں یا کوئی اور ان کے خلاف کام کر رہا ہے"۔

"ہم تو غریب آدمی ہیں سرکار! ان بڑی باتوں کو ہم کیا جانیں۔ یہ منصور سرکار بڑے سیدھے سادے آدمی ہیں۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں کبھی ان کی کوئی برائی دیکھی نہیں اور نوکرانیوں کی طرف تو کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ ہر ایک سے نرم لہجے میں بات کرتے ہیں۔ ہم نے ان کی کوئی ایسی برائی نہیں دیکھی ہے سرکار جو ہم اس بارے میں کچھ کہہ سکیں"۔

"ارے ہاں اور وہ شاہینہ بی بی' ان کا کیا حال ہے؟"

"ارے سرکار! ان کی تو بات ہی نہ کرو۔ دیکھ کر آنسو آتے ہیں' ہم نے بڑی سرکار کو تو نہیں دیکھا پر شاہینہ بی بی بہت ہی اچھی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنی ماں پر گئی ہیں۔ پھر یہ رانی جی۔ ہمیں معاف کرنا سرکار! رانی جی شاہینہ بی بی سے اچھا سلوک نہیں کرتیں"۔

"او ہو تم سے زیادہ اس بات کو کون جانتا ہوگا۔ کیا رانی جی شاہینہ بی بی سے نفرت کرتی ہیں؟"

"ایسی ویسی نفرت سرکار! بعض اوقات تو رانی جی بہت زیادتی پر اتر آتی ہیں"۔ گلنار نے کہا اور پھر سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار سمٹ آئے تھے"۔ سرکار! اللہ کے واسطے ہم سے ایسی باتیں نہ پوچھو جس سے ہماری زندگی خطرے میں پڑ جائے"۔

"دیکھو گلنار! میں نے تمہیں اچھا انسان سمجھ کر یہ ساری باتیں کی ہیںں اگر میں تمہیں اچھا نہ سمجھتا تو یقین کرو، میں تم سے بات بھی نہ کرتا۔ تم کیسی باتیں کرتی ہو، کیا سمجھتی ہو تم کہ اتنی اچھی انسان کو میں کوئی نقصان پہنچاؤں گا۔ جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہو رہی ہیں، ہمیشہ میرے اور تمہارے درمیان رہیں گی اس بات کا اطمینان رکھو، اور اگر محسوس کرو کہ میں نے کسی سے کہہ دیا ہے تو آئندہ مجھ سے بات بھی نہ کرنا!"

"نہیں سرکار! ہم تو آپ کی باندی ہیں، ہماری یہ مجال! گلنار نے کہا۔

"تو مجھے بتاؤ گلنار! رانی صاحبہ شاہینہ بی بی کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں؟"

"سرکار! شاہینہ بی بی تو ایک طرح سے قیدیوں کی زندگی گزار رہی ہیں۔ محل کے اس حصے میں رہتی ہیں جہاں دوسرے لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے اور اول تو وہ بیچاری معذور ہی ہیں، کوئی بھی جشن ہو، شاہینہ بی بی کو اس میں نہیں بلایا جاتا، یوں بھی انہیں کسی بھی تقریب میں جانے کی اجازت نہیں ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہ معذور ہیں۔ مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، کہ رانی جی انہیں مارتی تک ہیں، گلنار نے کہا اور میں پرخیال انداز میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ ہر قدم ایک نئی الجھن سے دو چار ہو رہا تھا۔

گلنار چلی گئی اور میں آئندہ اقدام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اب شاہینہ کو بھی دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ گلنار ہی کو پکڑا اور تھوڑی دیر کے بعد میں محل کے اس حصے میں تھا جو فرانسیسی طرز تعمیر کا مظہر تھا۔ ایک مخصوص جگہ مجھے روک لیا گیا۔

"اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہے جناب!" ایک بھورے رنگ کے

آدمی نے جو کافی چست و چالاک معلوم ہوتا تھا، معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"لیکن مجھے رانی صاحبہ نے خصوصی مراعات دی ہیں، میرا نام شہاب ہے۔ آپ اپنے طور پر یہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں!"

"تب براہ کرم توقف فرمایئے"۔ اس نے کہا اور مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ میرا خیال تھا کہ مسئلے میں کافی وقت صرف ہوگا لیکن وہاں انٹرکام موجود تھا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ حصہ بھی خوبصورتی سے آراستہ تھا اور تعیشات کی ساری چیزیں یہاں موجود تھیں۔ دو ملازمائیں ایک حوض کے کنارے بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر کھڑی ہوگئیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش تھے۔ میں نے انہیں اشارے سے نزدیک بلایا۔

"نواب زادی شاہینہ کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں لیکن آپ ....!"

"میرا نام شہاب ہے اور میں حکومت کا نمائندہ ہوں۔ ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔

"رانی صاحبہ کی اجازت ضروری ہے"۔

"میں ان کی اجازت کے بغیر یہاں کس طرح پہنچ سکتا تھا؟ کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے؟"

"اوہ تب آیئے جناب!" ایک ملازمہ نے کہا اور دونوں مجھے لے کر ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھول کر مجھے اشارہ کیا۔ اور پھراپاہجوں والی کرسی پر جو لڑکی مجھے نظر آئی۔ اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ اتنی حسین تھی کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی لیکن چہرے پر ایسی معصومیت اور اداسی تھی کہ دل بے اختیار پسیج جاتا تھا۔ اس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے پہلے مجھے اور پھر دروازے کو دیکھا۔

"سرکاری افسر ہیں، آپ سے ملنے آئے ہیں!" ایک ملازمہ نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ تم باہر جاؤ۔ میں نے انہیں مخاطب کر کے کہا اور دونوں ہچکچاتے ہوئے انداز میں باہر نکل گئیں۔ تب میں نے دروازہ بند کردیا۔ شاہینہ سہمے ہوئے انداز میں کرسی پیچھے کھسکا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار تھے۔

"میں حکومت کا نمائندہ ہوں اور ایک خاص مقصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حکومت کا خیال ہے کہ رانی صاحبہ نواب صاحب کے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہیں۔ اگر آپ کو ان سے شکایات ہیں تو براہ کرم مجھے بتائیں تاکہ میں ان شکایات کو حکومت کے کانوں تک پہنچا سکوں"۔

"شکایت؟ نہیں مجھے تو کوئی شکایت نہیں ہے"۔

"دیکھئے یہ آپ کے مستقبل کا سوال ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو حکومت آپ کا تحفظ کرے گی۔ میری موجودگی میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ممکن ہے میں آپ کو اپنے ساتھ ہی لے جاؤں۔ اس طرح آپ جو کچھ بھی کہیں گی، اس سے آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا.........!"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں وہ تو بہت مشفق اور بے حد مہربان ہیں۔ میرا ہر طرح سے خیال رکھتی ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے حکومت کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے"۔

"یہ رپورٹ خود آپ کے بھائی مولوی منصور نے دی ہے"۔

"بھائی جان!" شاہینہ نے ایک سسکی لی "میں نہیں جانتی وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی باتیں کسی طور میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ وہ رانی صاحبہ کے بھی مخالف ہیں اور مجھے بھی پسند نہیں کرتے۔ میری طرف سے حکومت کے کان بھر کر وہ مجھے رانی صاحبہ کی نگاہوں سے گرانا چاہتے ہیں۔ براہ کرم ان کی بات پر توجہ نہ دی جائے"۔

میں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ایک خوفزدہ لڑکی بول رہی ہے۔ اس کے چہرے کے نقوش اس کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ "اگر یہ بات ہے مس شاہینہ! تو انہوں نے آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ کیوں رکھا ہے۔ آپ سے عام لوگوں کو کیوں نہیں ملنے دیا جاتا!؟"

"میری درخواست پر......... میں خود لوگوں سے دور رہنا چاہتی ہوں۔ جب میں لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، میں معذور جو ہوں"۔ اس کی آواز میں بے پناہ اداسی گھل گئی۔

"آپ کا علاج کیوں نہیں کرایا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"کہاں نہیں کرایا گیا۔ ملک بھر کے ڈاکٹروں نے میرا علاج کیا ہے لیکن وہ مجھے

صحت نہیں دے سکے۔ ان کا خیال ہے کہ میں نفسیاتی بیمار ہوں۔ ورنہ میری ٹانگیں درست ہیں لیکن میں کیا کروں، میں کھڑی نہیں ہو سکتی، ملک سے باہر میں جانا نہیں چاہتی"۔

"آپ کی پیشانی کی چوٹ کیسی ہے؟"

"اب ٹھیک ہے؟" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کیسے لگی؟"

"گر پڑی تھی کرسی سے۔ اکثر گرتی رہتی ہوں۔ بس اسی لئے میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنا چاہتی ہوں"۔

"تو آپ کو رانی صاحبہ سے کوئی شکایت نہیں ہے؟"

"ہاں! حکومت کو جو رپورٹ دی گئی ہے اس میں صداقت نہیں ہے۔ بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتی"۔ شاہینہ نے جواب دیا۔

"بہتر ہے، حالانکہ ہم آپ کی بہتری کے خواہاں تھے اس طرح تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منصور صاحب حکومت کو رانی صاحبہ کیخلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔ یہ چیز خود ان کے لئے نقصان دہ بن سکتی ہے"۔

"اس غلط بیانی پر ان سے جواب طلب کیا جائے میں خوش و خرم ہوں۔ بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتی"۔

"بہتر ہے، میں اجازت چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا اور شاہینہ مجھے سپاٹ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میں گردن ہلا کر باہر نکل آیا تھا۔ یہ تیسرا کردار بھی کافی الجھا ہوا تھا۔ منصور نے اپنی بہن سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا لیکن شاہینہ کے لہجے میں وہ حلاوت نہیں تھی جو بھائی سے ہو سکتی تھی۔ واپسی پر میں سوچ رہا تھا کہ میں نے معاوضہ تو واقعی بھرپور طلب کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں دماغ کی چولیں بھی ہل جائیں گی۔ یہاں تو ہر کردار ہی الجھا ہوا ہے۔ رات کو رانی صاحبہ کے ساتھ ڈنر کی دعوت ملی اور میں وقت مقررہ پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ دعوت خاص تھی اور طویل ترین میز پر ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ رانی صاحبہ نے پروقار انداز میں گردن ہلا کر مجھے خوش آمدید کہا تھا اور پھر ان کے اشارے پر میں بیٹھ گیا۔

"تم بے حد جامہ زیب انسان ہو۔ ہر لباس میں شاندار نظر آتے ہو۔ کل میں دیر

تک تمہارے بارے میں سوچتی رہی۔ اس طویل عرصہ تک انسان کی مختلف کیفیات
میرے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ شخصیت کو سنوارا ضرور جاتا ہے لیکن بذات خود شخصیت میں
قدرتی جاذبیت کی موجودگی بھی ضروری ہے اور یہ جاذبیت خاندانی وقار کا اظہار کرتی
ہے"۔

"شکریہ یور ہائی نس! میں نے گردن خم کر کے کہا۔

"خیر سناؤ۔ تم نے کام شروع کر دیا"۔

"جی! میں نے مختصر جواب دیا۔

"اتنا مختصر جواب نہ دو۔ ہم اس سلسلہ میں جتنے بے چین ہیں' اس کا اظہار نہیں
کر سکتے۔ ہم خود کو اس قابل نہیں پاتے تھے کہ ریاست کے امور سنبھال سکیں۔ بمشکل ہم
نے نواب صاحب کی موت کے بعد خود کو اس کام کے لئے آمادہ کیا تھا لیکن دشمن کی
موجودگی نے ہماری نیندیں بھی چھین لی ہیں ہم اپنے لئے امن کی فضا کے طالب ہیں!"

"میں کوشش کر رہا ہوں رانی صاحبہ! کہ جلد از جلد آپ کے دشمن کو بے نقاب
کر دوں۔ لیکن اس سلسلہ میں آپ کو میری بھرپور مدد کرنا ہوگی"۔

"ہم نے کب انکار کیا ہے؟"

"میں نے نواب زادہ منصور سے ملاقات کی تھی' ان کے بارے میں آپ کی کیا
رائے ہے؟"

"منصور کے بارے میں ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ بظاہر وہ بے ضرر ہے۔ خاموش
طبیعت انسان زیادہ الجھا ہوا ہوتا ہے۔ ویسے ہمارے تنزل سے اسے براہ راست فائدہ پہنچ
سکتا ہے۔ ممکن ہے کچھ دوسرے لوگ اسے اکسا رہے ہوں۔ انسان کے بارے میں کچھ
نہیں کہا جا سکتا' نہ جانے کب بدل جائے اور کیا سوچنے لگے"۔ رانی صاحبہ نے کہا۔

"شکریہ' میں دراصل آپ سے اتنی ہی صاف گفتگو سننے کا خواہش مند ہوں۔
دراصل رانی صاحبہ میں تھوڑے سے وقفے میں محل کے پورے ماحول سے تو واقف نہیں
ہو سکتا۔ آپ کی امداد ہی مجھے صحیح راستہ دکھائے گی"۔ میں نے کہا اور رانی آف اٹر پور
گردن ہلانے لگیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ "تاہم ہم نے منصور پر شبہ کا اظہار نہیں کیا ہے۔
البتہ جیسا کہ تم نے کہا تمہاری امداد کے طور پر ہم نے اس نام کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔
ہاں تو تم بتا رہے تھے کہ تم نے منصور سے ملاقات کی"۔ انہوں نے میری جانب دیکھ کر

کہا۔

"ہاں بظاہر منصور ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہیں اور انہوں نے
آپ کے خلاف کوئی زہر افشانی نہیں کی۔ البتہ ایک بات کا اظہار انہوں نے ضرور کیا"۔

"وہ کیا؟" رانی نے پوچھا۔

"ان کا خیال ہے کہ آپ کا سلوک نواب زادی شاہینہ کے ساتھ بہت بہتر نہیں
ہے"۔ میں نے غور سے رانی کی شکل دیکھتے ہوئے کہا اور رانی کے چہرے پر غمناک تاثر
پھیل گیا۔

"ہاں لوگوں کا ممکن ہے یہی خیال ہو۔ حالانکہ اس بچی سے مجھے جتنی ہمدردی
ہے۔ میں اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔ نہ اپنی صفائی کسی کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔
زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ خود شاہینہ سے اس برے سلوک کے بارے میں معلومات کی
جائیں۔ میں نے اس کی بیماری کا ہر ممکن علاج کرانے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹروں کا خیال
ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر مفلوج ہو چکی ہے۔ حالاں کہ اس کی شریانوں میں خون گردش
مناسب ہے لیکن نہ جانے کیوں نوابزادہ منصور سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں پسند نہیں کرتے"۔

"خود ان دونوں بہن بھائیوں کے درمیان کیسے تعلقات ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ٹھیک ہیں۔ اتنے گہرے نہیں ہیں جتنے ہونے چاہئیں۔ نوابزادہ منصور خود تو
چل پھر سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے مہینوں سے انہوں نے اس علاقے کا رخ نہیں کیا
جہاں نوابزادی شاہینہ رہتی ہیں"۔

"بہرحال رانی صاحبہ! میں منصور کو بھی اپنے ذہن میں رکھوں گا۔ حالاں کہ جس
سازش کا آپ نے تذکرہ کیا ہے' وہ اتنے سادہ انداز میں نہیں کی جاتی۔ ہم میں سے کوئی
بھی سوچے ہمارا شبہہ منصور کی طرف جائے گا"۔

"منصور کو اگر کھیلنا ہوتا تو کوئی اتنا گہرا کھیل کھیلتے کہ ان کی شخصیت کسی طور بھی
مشکوک نہ ہو پاتی۔ یہ بات ہم نے بھی سوچی تھی"۔ رانی صاحبہ نے کہا۔ "بہرصورت
ہماری خواہش ہے کہ تم اس سلسلے میں بھرپور کوشش کرو اور ہمیں کم از کم ہمارے
دشمنوں سے روشناس کرا دو۔ اگر وہ ہمارے اپنے ہی نکلے تو ہم ان سے یہ تو سوال کریں
گے کہ آخر انہیں ہم سے پرخاش کیا تھی۔ منصور اگر چاہیں تو کل ریاست کا انتظام سنبھال
سکتے ہیں۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔ رہی نواب صاحب کی بات تو اگر انہوں نے ہمیں اپنا

جانشین اور اپنی ریاست کا مالک نامزد کر دیا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"

"ٹھیک ہے رانی صاحبہ! آپ کا خیال درست ہے۔ بہرصورت میں آپ کو پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ قطع نظر اس کے کہ میں اپنے پیشے سے مجبور ہو کر آپ کی امداد کرنے پر آمادہ ہوا ہوں' آپ یقین کریں کہ میں خلوص دل سے آپ کو ان الجھنوں سے نکالنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا اور رانی کی نگاہوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور اس وقت ان آنکھوں میں ایک عجیب سی پیاس تھی' ایک ایسی تڑپ جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اور اگر میں اس تڑپ کا پس منظر اپنے ذہن میں دوڑاتا تو یقینی طور پر مجھے تھوڑی سی سنسنی کا شکار ہونا پڑتا لیکن ظاہر ہے کہ میں ایک ریاست کی رانی کے سامنے تھا۔ وہ عورت ضرور تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ رانی بھی تھی اور ریاست اثر پور میں اس کی حکمرانی تھی۔ اگر کوئی بات ناگوار ہو جاتی تو یقینی طور پر میرے لئے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں جو میرے پیشے کے بھی منافی تھیں' اور میری شخصیت کے بھی۔ چنانچہ میں نے ان نگاہوں کا کوئی مفہوم نہیں لیا اور کھانے میں مصروف رہا۔ رانی نہ جانے کیوں غمزدہ ہو گئی تھیں۔ چنانچہ میں نے ان سے زیادہ گفتگو نہیں کی اور اجازت چاہی۔

تمہارا بہت بہت شکریہ مسٹر شہاب! بہرصورت ہم امید رکھیں کہ تم ہمارے لئے بھرپور محبت سے کام کرو گے۔ ہمیں تمہاری آمد سے بڑی تقویت ہوئی ہے۔ میں نے رانی صاحبہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ میں سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ گلنار میری خواب گاہ درست کر رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر اس سے کہا"۔ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں گلنار' ایک عجیب سا احساس ذہن میں ابھر آتا ہے۔ ارے ہاں' تمہارے پاس کچھ وقت ہے؟"

"حکم دیں سرکار! گلنار نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"رات کو آ سکتی ہو۔ باتیں کریں گے"۔ میں نے کہا اور گلنار شرما گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ دیئے۔ بولو آؤ گی؟" میں نے پھر پوچھا اور اس دیوانی نے گردن ہلا دی۔ پھر باہر بھاگ گئی۔ میں نے شب خوابی کا لباس پہن لیا تھا اور پھر میں گلنار کا انتظار کرنے لگا۔ میرے ذہن میں بے شمار خیالات کروٹیں بدل رہے تھے۔ رات کو تقریباً ایک بجے گلنار آ گئی۔ اس نے اچھا سا لباس پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگائی ہوئی تھی جو موسم

اور وقت کے لحاظ سے بالکل غیر مناسب تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے بستر کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہیلو گلنار! کسی کو تمہارے یہاں آنے کی خبر تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں سرکار! گلنار نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا اور میں نے اسے خود پر کھینچ لیا۔ گلنار پکے آم کی مانند میری گود میں آ گری تھی"۔ سچ گلنار! تم مجھے رانی صاحبہ سے کہیں زیادہ خوبصورت لگتی ہو۔ میں تو سوچتا ہوں کہ رانی تمہیں ہونا چاہئے تھا۔ ویسے گلنار! رانی صاحبہ اپنی راتیں کس طرح گزارتی ہیں.......... میرا مطلب ہے نواب صاحب کی موت کے بعد.......... ضرور کوئی چکر ہو گا اور تم سے زیادہ بہتر کون جانتا ہو گا"۔

"نہیں سرکار! ہم نے کبھی رانی صاحبہ کی ایسی ویسی بات نہیں دیکھی۔ ہاں بس ایک بات ہے جسے آپ چاہے برا سمجھیں یا اچھا"۔

"وہ کیا..........؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بدھ کی رات کو رانی صاحبہ بڑے گرجا کے پیچھے جاتی ہیں' وہاں کشتیوں کے مقابلے ہوتے ہیں رانی صاحبہ انہیں بہت شوق سے دیکھتی ہیں اور ان کشتیوں میں وہ چھپ کر جاتی ہیں کسی کو نہیں معلوم' سوائے ہمارے.........."

"واہ! تمہیں کیسے معلوم ہے؟"

"ایک دفعہ ہمیں لے کر گئی تھیں اور تاکید کی تھی کہ کسی کو نہ بتائیں۔ اس کے علاوہ رات کو سوتے ہوئے رانی صاحبہ کے بستر میں مردوں کی تصویریں بھی دیکھی ہیں۔ ہٹے کٹے پہلوان۔ وہ ان تصویروں کو بہت چھپا کر رکھتی ہیں۔ وہ تو اس دن غسل خانے میں گئی تھیں۔ ہم نے بستر صاف کرتے ہوئے دیکھ لیں"۔

"اس کے علاوہ تم نے کبھی ان کی خواب گاہ میں کسی مرد کو نہیں دیکھا..........؟"

"کبھی نہیں سرکار:"

"تم تو بہت اچھی انسان ہو گلنار! اپنے مالک کی وفادار ہو۔ لیکن کیا مجھ سے بھی چھپاؤ گی!" میں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں سرکار تم سے نہیں۔ جب ہم سب کچھ بھول کر آپ کے پاس آ گئے تو آپ سے کچھ چھپائیں گے بھی نہیں! ہم نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں دیکھی"۔

"یہ منصور مجھے بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جانتی ہو اس نے کیا کہا؟ کہنے

لگا رانی صاحبہ اچھے کردار کی مالک نہیں ہیں"۔

"چھوٹے سرکار نے کہی یہ بات؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں تمہیں حیرت کیوں ہوئی؟"

"وہ تو.......... وہ تو بڑے اللہ والے ہیں' کسی کی برائی نہیں کرتے۔ کسی کی طرف بری نگاہ نہیں رکھتے"۔

"کچھ بھی ہو گلنار! ممکن ہے نواب زادی شاہینہ کی شہ پر انہوں نے یہ بات کہی ہو"۔

"ارے رہنے دیں سرکار! ان لوگوں میں بنتی کہاں ہے؟ نواب صاحب کے زمانے سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ نہ جانے کیا بیر ہے دونوں میں۔ وہ اور شاہینہ بی بی کی بات مانیں گے۔ مہینوں ان کی شکل نہیں دیکھتے!"

"کمال ہے۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو گلنار!" میں نے کہا اور چالاکی سے اپنا عمل دوہرا لیا۔ گلنار کو مزید اس طرح کریدا کہ گلنار کو حساس تک نہ ہو سکا۔ دوسرے لمحے میں سیدھا ہو گیا تھا۔ میں اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ گلنار بھی سہمی ہوئی اٹھ گئی تھی۔ "کوئی دروازے پر ہے" میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور گلنار تھر تھر کانپنے لگی"۔ فکر مت کرو۔ جو کوئی بھی ہے اسے لے کر یہاں سے آگے بڑھ جاؤں گا" تم خاموشی سے نکل جانا۔ میں پھر تم سے ملوں گا۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے آہستہ آہستہ کچھ آوازیں نکالیں جیسے کسی سے گفتگو کر رہا ہوں اور پھر میں دروازے سے کچھ دور ایک ستون کی آڑ میں چلا گیا۔ یہاں سے میں دروازہ دیکھ سکتا تھا۔

چند ہی ساعت کے بعد میں نے گلنار کو دیکھا جو انتہائی پھرتی سے نکل کر ایک طرف دوڑی چلی گئی۔ میرے ہونٹوں پر ایک طمانیت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ گلنار سے اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں' جتنے خلوص سے وہ اس وقت سب کچھ بتا گئی ہے' کسی اور صورت میں مشکل تھا۔ حالانکہ کوئی خاص بات نہیں بتا سکی تھی وہ' بس میرے ذہن میں ایک خیال تھا اور میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے قریبی نوکرانی ہونے کی بناء پر اسے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوں جو میرے لئے کار آمد ثابت ہوں۔ البتہ صرف ایک بات قدرے کار آمد تھی کہ اس نے رانی کی فطرت کے بارے میں

مجھے آگاہ کر دیا تھا۔

مردوں کے جسمانی کھیل رانی کے لئے باعث کشش تھے اور اس کے بستر میں قد آور اور توانا مردوں کی تصاویر کی موجودگی یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ ذہنی طور پر بھٹکی ہوئی ہے اور اس کی وجہ تو میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ رانی کے چند الفاظ جو میں نے اس سے اولاد کے سلسلے میں پوچھے تھے' اس کی ذہنی کیفیت کی نشاندہی کرتے تھے لیکن اس کا یہ انداز اس کی ذہنی پیاس کا مظہر تھا۔ یہ صرف رانی کی فطرت کا تجزیہ تھا اور اس سے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ نہ جانے کب تک میں خیالات میں ڈوبا رہا۔ پھر میرے ذہن کو جھلاہٹ کا سا احساس ہونے لگا۔ ابھی تک میں نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا ہے' بس بھول بھلیوں میں بھٹکا ہوا ہوں' کچھ ہونا چاہئے اور یہ کچھ کیا ہو؟ یہ ابھی میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ جب کسی مسئلہ میں ذہن الجھ جائے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ سونے کی بجائے عمل کیا جائے۔ یہ میری فطرت کا ایک پہلو تھا۔ چنانچہ میں اٹھ گیا۔ شب خوابی کا لباس اتار کر میں نے ایک ایسا لباس پہن لیا جو خاص اوقات میں استعمال کیا جاتا ہے اور پھر میں باہر نکل آیا۔

محل کے حالات جو کچھ بھی تھے' میری نگاہ میں تھے۔ میں جانتا تھا کہ رانی کے محافظ اس کی بھرپور نگرانی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود مجھے محفوظ رہنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان حالات میں وہ لوگ جو کسی بھی طرح سے مشکوک ہیں' کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں تاریک راستوں کا سہارا لیتا ہوا سب سے پہلے نوابزادہ منصور کی خواب گاہ کی جانب چل پڑا۔ نوابزادہ منصور کی رہائش گاہ زیادہ دور نہیں تھی' وہاں تک پہنچنے میں کسی دقت کا سامنا نہ ہوا۔ اور پھر اس رہائش گاہ میں روشنی دیکھ کر میں چونک پڑا۔ میں نے کسی ایسی جگہ کی تلاش شروع کر دی جہاں سے میں اندر کمرے میں جھانک سکوں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایسی جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لئے مجھے ایک پتلی سی دیوار پر چڑھنا پڑا تھا اور پھر میں ایک کارنس پر پہنچ کر اندر جھانکنے لگا لیکن اندر جھانک کر مجھے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ نوابزادہ منصور جائے نماز بچھائے بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا۔ قریب و جوار میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں دیر تک جائزہ لیتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ اس وقت کوئی بھی شخص نوابزادہ منصور کی نگرانی کرنے کے لئے موجود نہیں ہے۔ ان حالات میں اگر یہ شخص عبادت گزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں تو کس لئے؟ اس سے تو یہی

ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک آدمی ہے لیکن شہر کے اس غنڈے سے اس کی ملاقات میری نگاہ میں مشکوک تھی۔ آخر وہ بدنام شخص جس کا نام سرور تھا' یہاں کیوں آیا تھا؟ اور منصور سے اس کا کیا رابطہ ہے؟ دیر تک میں یہ جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا اور پھر ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں نوابزادی شاہینہ کی طرف جا رہا تھا۔ یہ راستہ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور پر خطر تھا۔ نوابزادی شاہینہ کی حفاظت کے لئے جن محافظوں کا تقرر کیا گیا تھا وہ ضرورت سے زیادہ ہی چوکس اور مستعد تھے۔ چنانچہ اس طرف داخلہ ممکن نہ ہوا۔ میں چوں کہ کسی کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا تھا اس لئے میں نے زیادہ جدوجہد بھی نہ کی۔ یوں بھی وہ لڑکی بے چاری ایک مظلوم لڑکی کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ اس کی اندرونی کیفیات کیا تھیں' اس کے بارے مجھے ابھی تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ محل کا ایک طویل چکر لگانے کے بعد بالآخر میں واپس پلٹ پڑا اور اب میں رانی آف اثر پور کی خواب گاہ کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ رانی کے محافظ سوئے ہوئے تھے اور اپنی ڈیوٹی پر مستعد نہیں تھے۔ ان کے گردنیں ڈھلکی ہوئی تھیں۔ میں چند لمحات کے لئے رکا اور پھر میں نے سوچا کہ رانی کو ان محافظوں کی کارکردگی سے آگاہ کروں۔ لیکن دوسرے لمحے مجھے اچھل کر ایک ستون کی آڑ لینا پڑی۔ میں نے ایک سیاہ پوش کو چوروں کی طرح رانی کے کمرے کی طرف آتے دیکھا تھا۔ بلاشبہ اس کا انداز مشکوک تھا اور جو لباس وہ پہنے ہوا تھا۔ اس نے اس کا چہرہ بھی چھپا رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ اس کا جائزہ لوں کہ وہ کیا کرتا ہے لیکن دوسرے لمحے ذہن کی وہ رگ پھڑک اٹھی جو جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتی تھی اور جس کے زیر اثر میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کے بجائے اندھے اقدامات کر کے راستے تلاش کرتا تھا۔ چنانچہ میں اس خیال کے زیر اثر آ گیا اور کسی پھرتیلے چیتے کی مانند شکار کے زد پر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں ایسے اوقات میں مقابل کی جسمانی قوت کا اندازہ لگانے کی کوئی کوشش نہیں کرتا تھا۔

جونہی وہ میری زد پر آیا' دفعتاً میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ کسی ایسے شکار کو قابو میں کرنے کے لئے مجھے ایک خاص داؤ آتا تھا۔ جوگسٹاپو کے ایک کارکن کی تصنیف شدہ کتاب سے سیکھا گیا تھا۔ اس داؤ کے تحت چاروں ہاتھ پاؤں عمل کرتے تھے۔ یعنی ایک ہاتھ سے دشمن کا منہ بند کرو اور اس طرح کہ ناک بھی زد میں ہو۔ دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن قابو میں کرو اور دونوں پاؤں اس طرح اس کے گرد جکڑو کہ وہ جنبش

بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ میری نپی تلی چھلانگ مجھے اس پر لے گی۔ میرے شکار نے بھرپور جدوجہد کی لیکن یہ داؤ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا اور وہ اپنی جدوجہد میں بری طرح ناکام رہا۔ تب میں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک ضرب لگائی اور اس کی گردن کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لیا۔ اب وہ بیکار تھا۔ چنانچہ میں نے پیروں کی گرفت ختم کر دی اور اس کا منہ بھینچے بھینچے اسے کندھے پر ڈال لیا۔ اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے بستر پر پڑا تھا۔ وہ ہوش میں تھا لیکن تکلیف سے اس کی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی اور اس کی یہ تکلیف میں ہی دور کر سکتا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی ہمیشہ کے لئے ناکارہ بھی ہوسکتی ہے"۔ میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر تم اس تکلیف سے نجات پانا چاہتے ہو تو ہر طرح کی جدوجہد سے باز رہنے کا وعدہ کرو۔ ورنہ دوسری بار میں تمہیں ہمیشہ کے لئے ناکارہ کر دوں گا"۔ اس نے بڑے ملتجی انداز میں گردن ہلائی اور اس کی نگاہیں رحم کی بھیک مانگنے لگیں۔ تب میں نے اسے اوندھا کے ایک ٹھوکر اس کی کمر پر رسید کر دی۔ اس کی کراہ نکل گئی تھی لیکن بہرحال وہ تکلیف ختم ہوگئی جس نے اسے موت وزیست کی کشمکش سے دوچار کر دیا تھا.........!

"سیدھے ہو جاؤ!" میں نے کہا اور وہ تیزی سے سیدھا ہو گیا "اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو"۔

"میرا نام عادل ہے' عادل درانی۔ ریاست کے ایک اہم عہدہ پر کام کرتا ہوں لیکن رانی صاحبہ کی درخواست پر خفیہ طور پر ان کی نگرانی بھی کرتا ہوں اور رات کے کسی بھی وقت اس حالت میں ان کی خواب گاہ کے دو تین چکر لگا لیتا ہوں۔ یہ کام میں نے اس وقت سے شروع کیا ہے' جب سے رانی صاحبہ پر حملے شروع ہوتے ہیں"۔

"تو گویا تم بھی ان کے محافظ ہو؟"

"ہاں!"

"کس عہدے پر کام کرتے ہو؟"

"ریاست کے محکمہ قانون کا ایک اہم رکن ہوں اور ریاستی پولیس کا نگران اعلیٰ بھی"۔

"رانی صاحبہ کو تمہارے اوپر اعتماد ہے"۔

"مکمل طور پر......... ورنہ اپنی حفاظت کے لئے میرا تقرر ہرگز نہ کرتیں"۔ اس

نے تکلیف سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"قیام کہاں ہے تمہارا؟"

"محل کے دوسرے حصے میں۔ اس جگہ اہم عہدیداران رہتے ہیں"۔

"یہ قیام کتنے عرصے سے ہے"۔

"تقریباً ایک سال سے"۔

"رانی صاحبہ سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے؟"

"ہاں"۔ اس نے جواب دیا پھر بولا۔ "میری کمر میں شدید درد ہے۔ ریڑھ کی ہڈی میں ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔ کہیں ریڑھ کی ہڈی ناکارہ نہ ہوگئی ہے۔

"نہیں صرف احساس باقی ہے' جو خرابی تھی وہ درست کر دی گئی ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے سہارا دو' میں جانا چاہتا ہوں' یا اپنے طور پر تحقیقات کرنا چاہتے ہو تو رانی صاحبہ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرلو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی اور کو یہ معلوم ہوسکے کہ میں رانی صاحبہ کی خفیہ طور پر نگرانی کرتا ہوں"۔ عادل درانی نے جواب دیا.........

"ٹھیک ہے لیکن رات کو تمہیں میرا مہمان رہنا پڑے گا۔ یہ تحقیقات صبح کو ہی ہوسکتی ہے۔ میں اتنی جسارت نہیں کرسکتا کہ اس وقت جا کر رانی صاحبہ کو جگاؤں"۔ میں نے کہا اور وہ بے بسی سے مجھے دیکھنے لگا۔

"مناسب نہیں ہو گا میرے دوست! بعد میں تمہیں احساس ہو گا کہ تم نے غلطی کی۔ میں ایک اہم عہدے پر فائز ہوں"۔

"اور میرا کوئی عہدہ نہیں ہے' اس لئے مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ میں نے غلط کیا یا صحیح؟۔ میرے اپنے اصول ہیں اور میں ان پر عمل کرتا ہوں۔ میں تمہارے لئے رات کا بندوست کئے دیتا ہوں۔ تاکہ تم رات بھر آرام سے سوئے رہو۔ البتہ ایک بات کا وعدہ کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو اس سلسلے میں خبر نہیں ہوگی"۔ میں نے کہا اور پھر میں نے ایک چادر تلاش کرکے درمیان میں سے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ان ٹکڑوں سے میں نے عادل درانی کے دونوں ہاتھ کس کر پشت پر باندھ دیئے اور دونوں پاؤں بھی سخت بندش میں جکڑ دیئے تاکہ وہ جنبش بھی نہ کرسکے۔ "اس کے علاوہ مجھے

یقین ہے کہ تم چیخنے کی کوشش نہیں کرو گے' کیوں کہ ظاہر ہے یہ حماقت ہوگی۔ اگر مجھے اب کوئی خطرہ محسوس ہوا تو تمہارا منہ بھی بند کر دیا جائے گا"۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ویسے تم نے جو داؤ لگایا تھا' وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم نے مجھے اس طرح بے بس کر دیا تھا کہ میں جنبش بھی نہ کرسکا"۔ اس نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں!" میں نے مختصراً کہا اور گردن ہلا دی۔ اس کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور آرام سے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ عادل درانی کو میں نے بستر سے اٹھا کر فرش پر ڈال دیا تھا اور وہ بالکل بے بسی کے عالم میں پڑا تھا۔

رات کو ایک دو بار آنکھ کھلی تو میں نے عادل درانی کو اسی طرح پڑے پایا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرسکتا۔ پھر میں گہری نیند سوگیا۔ اور آخری بار اس وقت جاگا جب سورج کی روشنی خواب گاہ میں نمودار ہوگئی تھی۔ عادل درانی اسی طرح پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ سوج رہا تھا۔ آنکھیں بے خوابی کا شکار تھیں۔ ظاہر ہے وہ اس کیفیت میں سو نہیں سکا ہوگا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ عادل درانی کے مسئلے کے طے ہونے سے قبل کوئی اور کمرے میں داخل ہو۔ چنانچہ میں نے رانی صاحبہ کے کمرے کا رخ کیا۔ محافظ اب چاق و چوبند ہوگئے تھے۔ ویسے ڈیوٹی بھی بدل گئی تھی۔ میں نے رانی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو محافظوں نے مجھے تعجب سے دیکھا"۔ اتنی صبح جناب!"

"ہاں جاؤ انہیں اطلاع دو"۔ میں نے کرخت لہجے میں کہا اور ایک محافظ نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے جواب مل جانے پر اس نے دروازہ کھول کر شاید رانی صاحبہ کو میرے بارے میں بتایا اور چند ساعت کے بعد مجھے اندر بلالیا گیا۔ رانی شاید ابھی غسل خانے وغیرہ نہیں گئی تھی۔ الجھے ہوئے بالوں اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ میں نے تعجب سے اس کا جائزہ لیا' رانی تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے کہا۔ "کیا بات ہے شہاب!"

"رات کو میں نے ایک چور پکڑا ہے جو اس وقت بھی میرے کمرے میں موجود ہے۔ کیا آپ اسے ملاحظہ کریں گی؟"

"اوہ۔ کون ہے وہ؟ ان کا چہرہ اچانک اشتیاق کی تصویر بن گیا۔

"اپنا نام عادل درانی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ آپ کا خفیہ محافظ ہے"۔

"ارے"۔ رانی کا رنگ اڑ گیا تھا۔ عادل درانی' وہ کہاں ہے وہ.........." رانی کسی قدر بے چین ہوگئی۔

"میں نے کہا ناکہ رات کو میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔ اگر آپ میرے کمرے تک زحمت کریں تو اسے ملاحظہ فرما سکتی ہیں"۔

"افوہ .... اوہ .... ٹھہرو میں گون لے لوں۔ یہ تو.......... یہ تو بہت غلط ہوا"۔ اس نے پریشانی کے عالم میں ایک حسین گون اپنے بدن پر ڈالا۔ اور بے اختیار میرے کمرے کی طرف چل پڑی۔ میں رانی کی بے چینی کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ رانی نے عادل درانی کو دیکھا اور بے اختیار اس کی طرف بڑھی۔ پھر ایک دم رک گئی"۔ افسوس شاب! تم سے غلطی ہوگئی۔ یہ میرے معتمد خاص ہیں۔ میری استدعا پر یہ خفیہ طور پر میری خواب گاہ کا گشت کرتے ہیں۔ افسوس یہ میری وجہ سے پریشانی کا شکار ہوئے براہ کرم انہیں کھول دو"۔

"جی بہتر!" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا لیکن میرے ذہن میں شدید جھنجلاہٹ در آئی تھی۔ اس عورت نے کتنے جال پھیلا رکھے ہیں۔ کہیں ٹکنے ہی نہیں دیتی۔ منصور نیک انسان ہے اس پر کوئی خاص شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ شاہینہ اپاہج ہے' عادل درانی اس کا معتمد خاص ہے۔ پھر ڈاکٹر برہان کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی؟

میں نے عادل درانی کو کھول دیا۔ عادل کی گردن جھکی ہوئی تھی"۔ کسی اور کو تو ان کے بارے میں نہیں معلوم ہوا؟" رانی صاحبہ نے پوچھا۔

"اس کا کیا امکان ہے؟ لیکن آپ نے مجھے ان کے بارے میں نہیں بتایا تھا اس بنیاد پر یہ واقعہ پیش آیا"۔ میں نے رانی صاحبہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں! یہ بھی میری غلطی ہے لیکن مجھے علم نہیں تھا کہ تم اتنی مستعدی کا ثبوت دو گے۔ البتہ عادل کو کس طرح قبضے میں کرلیا تم نے؟"

رانی نے پہلی بار دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ عادل درانی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ ایک حسین و جمیل نوجوان تھا نہایت مضبوط بدن کا مالک۔ گردن تک بالوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے گورے رنگ پر سیاہ بال بے حد بھلے معلوم ہوتے تھے۔ خوبصورت تراش کا چہرہ اور انتہائی حسین آنکھوں کا مالک۔ اس وقت اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔

"اجازت ہو تو میں چلا جاؤں میں نہیں چاہتا کہ دن کی روشنی میں بہت سے لوگ میری اس حالت سے واقف ہو جائیں"۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ کسی مناسب وقت پر تم سے گفتگو کروں گی"۔ رانی نے خشک لہجے میں کہا اور عادل درانی باہر نکل گیا۔ رانی صاحبہ کا موڈ آف ہوگیا تھا۔ پھر انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "باقی گفتگو ناشتے پر ہوگی"۔

"بہتر!" میں نے جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں رانی صاحبہ کے طلب کرنے پر ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اب رانی کا موڈ بالکل بدل گیا تھا۔

"عادل درانی محکمہ قانون کے سربراہ ہیں' بہت ہی اعلیٰ کارکردگی کے مالک اور بہت اچھے خاندان کے فرد۔ ریاست کے لوگ اس خاندان کی عالی نسبی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ میری درخواست پر وہ بے چارہ بھی خواب گاہ کے چکر لگا لیتا تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ میری ایک بھول کا شکار ہوگیا۔ تمہارے آنے کے بعد مجھے چاہئے تھا کہ میں اسے منع کر دیتی کہ وہ اس طرح میری خواب گاہ کی طرف نہ آیا کرے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس طرح پھنس جائے گا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ تو ریاست کا بہترین ایتھلیٹ رہ چکا ہے اور پولو اور نیزہ بازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عام انسانوں سے زیادہ طاقتور اور پھرتیلا ہے' تمہارے قابو میں کس طرح آگیا۔ یہ بات میرے لئے باعث حیرت ہے"۔

"بہر صورت رانی صاحبہ! ظاہر ہے یہ میری ذمہ داری تھی کہ یہاں آنے کے بعد میں آپ پر نگاہ رکھوں۔ آپ کے محافظ میرا خیال ہے کہ زیادہ مناسب نہیں ہیں۔ جس وقت میں اس طرف آیا' وہ دونوں سو رہے تھے"۔

"اوہ.......... واقعی! ٹھیک ہے میں انہیں بدل دوں گی"۔ رانی نے کہا' مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کھوئی سی ہے۔ بہر صورت میں نے بھی اس سے زیادہ گفتگو نہیں کی اور ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں آگیا۔ میرا ذہن خاصی جھلاہٹ کا شکار ہوگیا تھا۔

کوئی بھی مجرم نہیں ہے' جو نکلتا ہے' رانی کا دوست نکلتا ہے اس کے بعد مجھے مجرم کو تلاش کرنا ہے' آخر کس طرح؟ جب رانی آف اٹرپور نے اتنے سارے جال پھیلا رکھے ہیں تو پھر میری کیا ضرورت تھی' لیکن یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ پانچ لاکھ

کی رقم ڈاکٹر برہان کے نام پر بھجوا دی گئی ہے۔ چنانچہ حالات کچھ بھی ہوں' مجھے اپنی ڈیوٹی انجام دینا تھی۔ ایک معقول معاوضہ کی بات تھی۔ چنانچہ ان الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ البتہ کچھ کرنا ضروری تھا اور اس کچھ کرنے کے لئے مجھے اپنی اس مخصوص فطرت سے کام لینا تھا جو میری شخصیت کا خاصہ تھا۔ چنانچہ اس دن میں نے محل میں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور رانی صاحبہ سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آج میں شہر کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مجھے کار فراہم کر دی گئی۔ اس دن میں نے پورا شہر دیکھ ڈالا۔ اس کے بعد نواح کی باری آئی اور میری نگاہیں اپنے مطلب کی جگہ کا جائزہ لیتی رہیں اور جلد ہی مجھے اپنے مطلب کی جگہ نظر آ گئی۔

اس علاقے کا نام لال کوٹھی تھا۔ ایک بوسیدہ سی عمارت جو باہر سے خاصی پرانی نظر آ رہی تھی لیکن اندر سے کافی مضبوط اور کشادہ' ویران پڑی تھی۔ قریب و جوار کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ آسیب زدہ عمارت مشہور ہے۔ ان حالات میں میرے لئے اس سے بہتر جگہ اور کونسی ہو سکتی تھی۔ جہاں تک آسیب کا تعلق ہے تو میں خود اپنے آپ کو آسیب سمجھتا تھا۔ چنانچہ میں نے عمارت کا پورا جائزہ لیا اور پھر وہاں سے واپس آ کر چند چیزیں خریدیں جو میرے کام آ سکتی تھیں۔ گویا اس عمارت کو میں نے اپنا مسکن تصور کر لیا تھا۔ اب مجھے پوری طرح اپنی کارکردگی کو منظر عام پر لانا تھا۔ دوپہر بھی میں نے شہر ہی میں گزاری۔ ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور یونہی رواداری میں "جگنو" کی طرف جا نکلا۔ نورین درانی میرے حافظے سے محو نہیں ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کلرک نے مجھے فوراً پہچان لیا اور مسکرا کے گردن ہلائی۔ آپ اس دن بھی تشریف لائے تھے ناجناب! لیکن آج............"

"ہاں ہاں میں نورین کی تلاش میں نہیں آیا مجھے معلوم ہے وہ کونسی تاریخ کو آئے گی؟"

"اوہ معافی چاہتا ہوں"۔ کاؤنٹر کلرک نے کہا اور میں ایک میز پر بیٹھ کر مشروب سے شغل کرنے لگا۔ میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ مجھے نظر آ گیا۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں ایک دم کئی دروازے کھل گئے تھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک عمل کی دنیا میں نہ آؤ' بھول بھلیوں میں گم رہنا پڑتا ہے۔ آج باہر نکلا تھا تو کم از کم ایک تو کام کی بات ہوئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ لیکن

میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ سرور ہی تھا۔

ایک ویٹر کو اشارہ کر کے میں نے اپنے نزدیک بلایا۔ جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو میں نے کہا۔ "وہ جو صاحب بیٹھے ہوئے ہیں انہیں میرا سلام دو' ان سے کہو کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔ ویٹر ادب سے گردن جھکا کر سرور کی میز کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پھر اس نے جھک کر سرور کو میرا پیغام دیا اور سرور چونک کر مجھے دیکھنے لگا میں نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی اور وہ اٹھ کر میرے نزدیک آ گیا۔

"میں آپ کو پہچانا نہیں"۔ اس نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں آپ سے واقف ہوں جناب!" میں نے بڑے ادب سے کہا۔

"کس طرح؟" سرور نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے کر پوچھا۔

"دارالحکومت میں ایک بار آپ سے ملاقات ہوئی تھی"۔ آپ تو وہاں کے بہت بڑے آدمی ہیں مجھے بھول ہی گئے ہوں گے!"

"کس سلسلے میں ملاقات ہوئی تھی؟"

"بس ایسے ہی ایک چکر میں پھنس گیا تھا۔ میرے ایک دوست کی معرفت آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور آپ نے میری تھوڑی سی مدد بھی کی تھی"۔

"اوہ"۔ سرور نے گہری سانس لی۔ "ہاں وہ بھی ایک دور تھا۔ ایک ایسا دور جسے برائیوں کا دور کہا جا سکتا ہے لیکن اب صورتحال بدل چکی ہے۔ کیا آپ کو کسی سلسلے میں میری مدد کی ضرورت ہے؟"

"نہیں جناب! چونکہ میں آپ کا پرستار ہوں اور آپ سے عقیدت رکھتا ہوں اس بنیاد پر کہ آپ نے بغیر کسی لالچ کے میری امداد کی تھی' اس لئے میں نے آپ کو زحمت دی"۔ میں نے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔ لیکن میں گزری باتوں کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ براہ کرم مجھے میرا ماضی یاد نہ دلائیں۔ سرور نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا آپ نے یہاں رہائش اختیار کر لی ہے"۔

"اوہ' نہیں! اثر پور پر سکون جگہ ہے۔ دارالحکومت کے ہنگاموں سے اکتا کر یہاں آ گیا ہوں"۔

"تب آپ کو میری ایک درخواست منظور کرنی ہو گی"۔

"جی! سرور نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ وقت میرے ساتھ گزاریئے۔ میں نے یہاں مستقل رہائش اختیار کرلی ہے۔ پہلے میں بھی دارالحکومت میں رہتا تھا۔ میں کچھ اسی قسم کا آدمی ہوں۔ پرسکون گوشوں کا متلاشی۔ چنانچہ میں نے شہر سے تھوڑے فاصلے پر ایک عمارت کا انتخاب کیا ہے۔ قرب و جوار کی زمینیں ہری بھری ہیں اور اب یہاں ایک پرسکون زندگی گزار رہا ہوں.........!

"اوہ' آپ بے حد مخلص انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ کی اس خواہش کو ٹھکرا نہیں سکتا۔ یہاں میرے شناسا نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن سوچ لیں' یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی سکون گاہ مجھے پسند آجائے اور میں آپ سے کچھ روز کے لئے قیام کی فرمائش کرڈالوں"۔ سرور مسکرانے لگا۔

"میری فطرت ہے کہ اگر کوئی میرے ساتھ احسان کرتا ہے تو تازندگی نہیں بھولتا۔ یہ تو میری خوش بختی ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کا موقع مل سکا۔ براہ کرم مجھے یہ خوشی مرحمت فرمائیں"۔

"چلئے جناب! ہم تو درویش صفت انسان ہیں۔ جو گزار چکے ہیں اب اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں"۔ سرور نے کہا اور میں نے ہوٹل کا بل ادا کردیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سرور اور میں اس عمارت کی طرف جارہے تھے جو میری دریافت تھی۔ آج ہی دونوں کام ہوگئے تھے۔ واقعی حرکت میں بڑی برکت ہے۔

سرور نے تعجب سے اس عمارت کو دیکھا۔ "یہ تو غیر آباد معلوم ہوتی ہے۔ میں ایک بار پہلے بھی یہاں رہ چکا ہوں۔ قرب و جوار کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آسیب زدہ ہے"۔

"وہ آسیب میں ہی تو ہوں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ آیئے تو سہی"۔

"کیا آپ اس عمارت میں تنہا رہتے ہیں؟" سرور نے سوال کیا۔ وہ جھجکتا ہوا میرے ساتھ اندر چل پڑا۔ "میرا مطلب ہے آپ کے بیوی بچے........."

"سب ہیں' لیکن سب کے سب آسیب"۔ میں اسے لے کر اپنے مطلوبہ کمرے میں پہنچ گیا۔

"یہ .... یہ رہائش گاہ ہے۔ سرور نے حیرت سے چاروں طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کے خیالات میں یہاں وہ لوازمات بھی ہونا چاہئے تھے جو زندہ انسان کے لئے ضروری ہوتے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"کیا مطلب"۔ سرور کا رنگ بدلنے لگا۔

"محترم! آپ لوگوں سے سن چکے ہیں کہ یہاں آسیب رہتے ہیں"۔

سو میں وہ جدید قسم کا بھوت ہوں لیکن میری بیوی اور بچے وہ زندہ انسانوں کے سامنے نہیں آتے"۔

"آپ مجھے خوفزدہ کرنیکی کوشش کررہے ہیں"۔ سرور ڈری ڈری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"یہ کرسی نظر آرہی ہے آپ کو"۔ میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"مگر کونسی کرسی!" سرور چاروں طرف دیکھ کر بولا۔

"براہ کرم تشریف رکھئے"۔ میں نے اس طرح اس کے دونوں شانوں پر دباؤ ڈالا جیسے کرسی پر بٹھارہا ہوں اور سرور اطمینان سے زمین پر آگیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا تم کسی خاص مقصد سے مجھے یہاں لائے ہو"۔

"ارے آپ تو اتنی جلدی سمجھ گئے مسٹر سرور! آیئے پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم میں سے کون دوسرے پر حاوی رہتا ہے تاکہ بعد کے معاملات میں آسانی ہو"۔ میں نے کوٹ اتار کر لاپرواہی سے ایک طرف ڈال دیا۔ سرور کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"ایک ضروری کام تھا دوست! محسوس نہ کرنا"۔ میں نے آنکھیں بند کرکے مسکراتے ہوئے کہا اور سرور جھلاہٹ میں مجھ پر دوڑ پڑا لیکن میرے ایک الٹے ہاتھ نے اسے پھر واپس اسی جگہ بھیج دیا جہاں سے اس نے ابتدا کی تھی۔

"تمہیں یہاں آنے کی دعوت کس نے دی تھی؟" میں نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔ لیکن سرور نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا چاقو نکال لیا تھا۔ میں خود ہی آگے بڑھا اور سرور نے بڑی پھرتی سے چاقو والا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا لیکن ایسے لوگ میرے سامنے چاقو اٹھائیں' بڑی توہین کی بات تھی۔ میں نے پلٹ کر ایک صحیح نشانہ لگایا اور میرے جوتے کی ٹھوکر نے چاقو سرور کے ہاتھ سے نکال دیا۔

اب وہ میرے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ میں نے اسے مخصوص انداز میں چھت کی
طرف پھینکا اور چاقو ایک لکڑی میں پیوست ہو گیا۔

"کس نے تمہیں یہاں بلایا تھا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"تم کس کی نمائندگی کر رہے ہو؟" اس بار اس نے بھی سوال کیا۔

"سوال صرف میں کروں گا۔ فیصلہ کر لو۔ میں نے کہا اور سرور غصے سے دیوانہ
ہو گیا لیکن دیوانے ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں۔ اگر وہ میرے بدن کو چھو لیتا تو پھر بات ہی
کیا تھی۔ ہاں میرے جوتوں کی ٹھوکروں نے اس کے بدن پر جگہ جگہ نیلے نشانات بنا دیئے
اور پھر میں اسے اس وقت تک مارتا رہا جب تک وہ زمین پر ہاتھ ٹکا کر رکنے کے قابل
ہو گیا۔ پھر وہ زمین پر چت لیٹ گیا اور اب میں نے پینٹ سے اپنا لمبا بیلٹ اور چاقو نکال
لیا۔

"اگر تم نے ایک بار بھی غلط بیانی کی تو تمہارے پورے بدن پر زخم ہی زخم ہوں
گے"۔ میں نے سکون سے کہا۔ اور سرور کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا"۔ میں حالات سے
واقف ہوں اور تمہارے آنے کے مقصد سے بھی .... اس لئے یہ نہ بھولنا کہ غلط بیانی
تمہاری زندگی چھین لے گی.......... آسیب زدہ عمارت کے گٹر تمہاری لاش کا سراغ نہ لگنے
دیں گے.......... ہاں اب جواب دو .... تمہیں کس نے یہاں آنے کی دعوت دی
ہے..........؟"

"صص۔ صاحبزادہ منصور نے!" سرور نے جواب دیا۔

لال کوٹھی کے آسیب زدہ ماحول کو حقیقت کا روپ مل گیا تھا۔ کم از کم ایک شخص
یہاں کے آسیب کا شکار ہو گیا تھا اور وہ سرور تھا۔ منصور کا نام لے کر اس نے آنکھیں بند
کر لی تھیں جیسے اپنی جدوجہد میں ہار چکا ہو لیکن میرے ذہن میں ایک بار پھر بے شمار
الجھنیں جاگ اٹھی تھیں .... صاحبزادہ منصور کا کردار میری نگاہ میں پہلے ہی کسی حد
تک مشکوک تھا لیکن اب .... سرور جیسے شخص سے کوئی نیک فطرت انسان تو رابطہ
قائم نہیں کر سکتا تھا۔ چند ساعت تک میں خاموش رہا۔ پھر میں نے اسی انداز میں پوچھا۔
تمہارے سپرد کیا ذمہ داری لگائی گئی ہے؟"

"اب تو مجھے بھی اپنے بارے میں کچھ بتا دو۔ یقین کرو۔ اگر تمہاری حیثیت کا
تعین ہو جائے تو میں تم سے ساری باتیں کھل کر کروں"۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ میری حیثیت کا تعین کر کے تم زندہ ہی نہ بچو"۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اس بارے میں مطمئن کر دوں۔ تم مجھ پر حاوی
ہو چکے ہو۔ اگر میری باتوں میں دلچسپی نہ محسوس کرو تو پھر تمہیں اختیار ہو گا!"

"ہوں.......... فرض کرو' میں بھی تمہاری طرح ہوں اور کسی دوسری شخصیت
کے لئے کام کر رہا ہوں' ان حالات میں تم کیا کرو گے؟"

"میں تم سے اس دوسری شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا کیوں کہ
میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ لیکن تمہیں ایک پیش کش کر سکتا ہوں"۔

"وہ کیا؟"

"صاحبزادہ منصور نے جو کام میرے سپرد کیا ہے' اس کا معاوضہ ایک لاکھ طے ہوا
ہے۔ اگر تم میری حیثیت سے پوری طرح واقف ہو تو یہ جان لو کہ دارالحکومت کی زندگی
خطرات سے پر تھی۔ وہاں یوں بھی میرے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے میں
نے سوچا تھا کہ یہ بڑی رقم حاصل کرنے کے بعد میں کسی دوسرے ملک نکل جاؤں گا اور
زندگی کا رخ بدل دوں گا لیکن تم درمیان میں آ گئے۔ جس ہستی نے تمہیں کسی بڑے کام
کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اس نے تمہیں بھی معاوضے کی پیش کش تو کی ہو گی؟"

"ظاہر ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"میں اس میں پچیس ہزار کا اضافہ کر سکتا ہوں یعنی جو ایک لاکھ میں وصول کروں
گا۔ یہ بڑے لوگوں کا کھیل ہے اور یہ بڑے لوگ اپنے دماغ کو بہت بڑا تصور کرتے ہیں
جسمانی طور پر تو یہ ناکارہ ہوتے ہیں لیکن انہیں اپنی ذہانت پر بڑا ناز ہوتا ہے کیوں نہ ہم ان
سب کو بے وقوف بنائیں؟"

"ہوں"۔ میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ "وہ کس طرح؟"

"پہلے یہ بتاؤ تم خلوص دل سے میری اس پیش کش کو قبول کر سکتے ہو۔ میری
تمہاری کوئی ذاتی دشمنی تو ہے نہیں۔ صرف کاروباری معاملہ ہے یعنی تم ایک شخص کے
لئے کام کر رہے ہو اور میں دوسرے کے لئے' مقصد دولت کا حصول ہے۔ اس حالت میں
ہمارا اشتراک ہمیں مزید مالی منافع بھی دے سکتا ہے"۔

"بات کسی حد تک مناسب ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تب سنو! صاحبزادہ منصور نے جو کام میرے سپرد کیا ہے' اس میں کوئی خطرہ نہیں

ہے۔ صرف تھوڑی سی ذہنی اور تھوڑی سی جسمانی ورزش ہے۔ ایک طرف سے تم اپنے موکل کے لئے کام کرو' دوسری طرف سے میں۔ ان لوگوں میں آپس میں جو بھی نمٹے' ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف خوب شور مچاتے رہیں' اس طرح انہیں یہ احساس دلانا مقصود ہوگا کہ ان کے دشمن زبردست چالیں چل رہے ہیں اور پھر ہم کسی مناسب موقع پر ان سے اپنا معاوضہ وصول کرلیں گے۔ بلکہ معاوضے کی رقم حالات کے تحت بڑھائیں گے اور جونہی ہمیں معاوضہ مل جائے گا ہم یہاں سے رفوچکر ہو جائیں گے!"

"عمدہ ترکیب ہے"۔ میں نے دلچسپی کا اظہار کیا۔ "لیکن منصور نے تمہارے سپرد کیا کام کیا ہے؟"

"تو اب ہٹ تو جاؤ۔ آؤ دوستی کی فضاء میں بات کریں"۔ اس نے کہا اور میں نے اسے اٹھ جانے دیا۔ وہ دیوار سے ٹک کر اپنی چوٹوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر بولا "بڑے درندہ صفت انسان ہو.......... اس نے شانے ہلائے پھر بولا "سگریٹ ہوگی تمہاری جیب میں؟"

"نہیں!" میں بدستور کھردرے لہجے میں بولا۔

"تم نے دل سے میری دوستی نہیں قبول کی۔ بہرحال تمہاری مرضی.......... ہاں تو تم کیا پوچھ رہے تھے؟"

"منصور نے تمہارے سپرد کیا خدمت کی ہے؟"

"اس کی خواہش ہے کہ میں رانی آف اٹرپور کو خوفزدہ کرتا رہوں۔ ایسی حرکات کروں کہ رانی خود کو ہر لمحہ خطرات میں گھرا محسوس کرے۔ اس پر گولیاں چلاؤں لیکن اس طرح کہ وہ زخمی نہ ہو اور یہ سمجھتی رہے کہ اتفاقیہ طور پر اس کی زندگی بچ جاتی ہے اور میں یہ کام پچھلے دنوں سے کر رہا ہوں۔ میں نے کئی بار اس کی خواب گاہ کے چکر بھی لگائے ہیں اور اس بات کی کافی شہرت ہوگئی ہے کہ کوئی رانی آف اٹرپور کو قتل کرنا چاہتا ہے"۔

"اوہ' تو اس کی خواب گاہ کے گرد نظر آنے والے پراسرار انسان تم تھے؟"

"تم نے بھی ضرور سنا ہوگا!" سرور خوش ہو کر بولا۔

"ہاں سنا ہے سرور ڈیئر! لیکن تمہاری بات ابھی تک میرے حلق سے انہیں اتری۔ تم دارالحکومت میں اتنے قلاش تو نہیں تھے کہ ایک لاکھ کے لئے تم نے سارے دھندے بند کر دیئے"۔

"اوہ' تم نہیں جانتے دوست' ساکھ قائم رکھنے کے لئے اداکاری کرنی پڑتی ہے۔ اندر سے جو ہوتا ہے ہم ہی جانتے ہیں۔ آمدنی کا ساٹھ فیصد تو پولیس کے قبضے میں چلا جاتا ہے' تیس فیصد اپنے چیلوں کی تنخواہ' دس فیصد میں کیا ہوتا ہے اور پھر ہر وقت کی چخ چخ۔ ایک لاکھ روپے اگر اکٹھے ہاتھ آجائیں تو بہت ہوتے ہیں"۔

"ہوں.......... تو اب پھر کیا ارادہ ہے؟"

"تمہارے جواب کا انتظار ہے۔ میں پوری ایمانداری کے ساتھ پچیس ہزار روپے تمہیں ادا کردونگا"۔

"اس کے برعکس ہوا تو..........؟"

"تم بھی ہوشیار رہنا۔ میرے فریب میں کیوں آتے ہو۔ اگر کوئی گڑبڑ کروں تو نمٹ لینا۔ مجھ پر قابو پانے کی صلاحیت تو رکھتے ہو!"

"میں گردن جھکا کر سوچنے لگا۔ یوں بھی اس عمارت میں سرور کو قید نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کی نگرانی کون کرتا۔ اس کے علاوہ وہ چوہا نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ اگر میں اسے قتل کر دیتا تب بھی خود کو ہی افسوس ہوتا۔ بلاوجہ قتل وغارت گری تو مجھے بھی پسند نہیں تھی۔ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ اسے اس معاہدے کے تحت چھوڑ دوں اور اس پر نگاہ رکھوں۔ باقی اگر اس نے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے مجھے تمہاری پیش کش منظور ہے"۔

"خدا کا شکر ہے۔ ورنہ میرے دوست! میری یہ آخری خواہش بھی یونہی رہ جاتی۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارا قیام کہاں ہے؟"

"کیوں..........؟" میں نے کڑی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ہم ایک دوسرے سے رابطہ کس طرح رکھیں گے؟"

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"قیام کا کوئی بہتر بندوست نہیں ہے۔ فی الحال ایک ہوٹل چاندنی میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ کمرہ نمبر28"۔

"میں خود تم سے رابطہ قائم کرلوں گا"۔ میں نے کہا اور سرور نے شانے ہلا دیئے۔ "ویسے مقررہ دنوں میں اس عمارت میں بھی ملاقات کی جاسکتی ہے"۔

"ہاں جگہ اچھی ہے بلکہ تم اجازت دو تو میں اسے اپنی مستقل رہائش گاہ بنالوں؟"

"میری ملکیت نہیں ہے' جیسے چاہے کرو"۔

"ٹھیک ہے جب بھی تم چاہو' مجھ سے چاندنی ہوٹل کے کمرہ نمبر28 میں ملاقات کرلینا۔ اب مجھے شہر چھوڑ دو"۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے جگنو کے قریب چھوڑ دیا اور خود محل میں واپس آگیا۔

دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ بہت دنوں کے بعد ایسا الجھاوے والا کیس ملا تھا۔ عام طور سے ہمیں جو کام ملتے تھے وہ ایسے ہوتے تھے کہ تھوڑی سی ذہنی اور جسمانی ورزش کی اور مقصد پورا ہوگیا۔ میں نے جس رقم کا تعین کیا تھا۔ وہ صرف رانی آف اثر پور کی حیثیت دیکھ کر کیا تھا لیکن اب پتہ چل رہا تھا کہ کھیل معمولی نہیں ہے۔ بہت الجھاوے ہیں اور انہیں سلجھا کر اصل آدمی کی شناخت کرتی ہے۔

خاصی رات گئے تک میں سرور کے بارے میں سوچتا رہا۔ سرور کی بات نہ جانے کیوں دل کو نہیں لگ رہی تھی۔ ممکن ہے وہ مجھے فریب دینے کر آسانی سے نکل گیا ہو اور اب کمرہ نمبر اٹھائیس میں اس کا نام ونشان بھی نہ ملے یا ممکن ہے وہ سرے سے وہاں موجود ہی نہ ہو۔ ٹھیک ہے کل دن میں پہلے اسے چیک کرلیا جائے گا' اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا!

دوسری صبح میں نے ناشتہ اپنے کمرے ہی میں کیا تھا۔ ناشتہ لانے والی گلنار ہی تھی لیکن اب یہ لڑکی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کے مجھ سے رابطے کو گہری نگاہ سے دیکھا جاسکتا تھا۔ اور ممکن ہے اس کو مارپیٹ کر یہ پوچھا جائے کہ میں نے اس سے کچھ معلومات حاصل کرنیکی کوشش تو نہیں کی۔ چنانچہ میں نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"ارے گلنار! تم!!"

"ارے' سرکار کیوں؟"

"کیا کسی کو علم ہے کہ میرے لئے تم ناشتہ لے کر آتی ہو؟"

"کسی کو علم نہیں ہے سرکار .... پر ہوا کیا؟"

"اوہ گلنار! تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ کسی کو پتہ چل گیا ہے کہ تم نے مجھے رانی صاحبہ کی باتیں بتائی ہیں۔ رانی صاحبہ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھیں حالاں کہ میں نے منع کیا کہ میں گلنار کو نہیں جانتا لیکن انہیں یقین نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ میں ایک ایک نمک حرام سے نمٹ لوں گی"۔

گلنار کا رنگ سفید پڑگیا تھا۔ پھر وہ کوئی بات کئے بغیر لرزتے قدموں سے باہر نکل گئی اور میں اطمینان سے ناشتے میں مصروف ہوگیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب گلنار میرے پاس نہیں آئے گی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے آج کے کاموں کے بارے میں غور کیا۔ پہلا کام سرور کی تلاش تھی۔ رانی صاحبہ کے بارے میں ایک ملازمہ سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ چند مہمانوں کے ساتھ مصروف ہیں جو کہیں باہر سے آئے ہیں' چنانچہ ان سے ملاقات کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر صاحبزادہ منصور کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ ایک دم کوئی خیال آگیا۔ میں اس کمرے کے دروازے پر رکا اور پھر آہستہ سے دستک دی۔ "کون ہے بھائی .... اندر آجاؤ"۔ منصور کی آواز سنائی دی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ منصور کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔

"ہیلو منصور صاحب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کردیا۔

"تشریف لائیے!" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور میں اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ "آپ کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو میری آمد پسند نہیں آئی؟"

"عام حالات میں بھی زیادہ لوگوں سے ملاقات نہیں کرتا۔ میری زندگی تو الگ تھلگ ہے۔ محل کے معاملات میں بھی زیادہ دخل نہیں دیتا۔ یہ کمرہ ہی میرے لئے گوشہ عافیت ہے۔ آپ اس سکون کو مجروح کررہے ہیں۔ بہرحال آپ فرمائیے.........؟"

"یونہی ادھر سے گزر رہا تھا' سوچا آپ کے نیاز حاصل کرلوں"۔

"اگر آپ میری تنہائی میں مداخلت نہ کیا کریں تو میں شکر گزار ہوں گا"۔

"افسوس......... لیکن مجھے آپ جیسے لوگوں سے ملاقات کا بڑا شوق ہے۔ وہ لوگ جو اپنی شخصیت پر اتنا گہرا خول چڑھا لیں' بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور مجھے بڑے لوگوں سے ملنے کا اشتیاق ہے"۔

"شخصیت کے خول سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"بس نہ جانے کیوں......... مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ وہ نہ ہوں جو نظر آتے ہیں"۔ میں نے گہری نگاہوں سے منصور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کھل کر ہمیں گالیاں دیں۔ بخدا اگر یہ اختیار آپ کو رانی صاحبہ کی طرف سے

ملا ہے تو پھر ہم اس میں مداخلت نہیں کرسکتے!" منصور نے آزردہ لہجے میں کہا۔

"میری یہ جرات کہاں نواب صاحب! اور پھر میرا آپ سے کوئی اختلاف بھی نہیں' بس ان دنوں رانی صاحبہ کی الجھن کو سلجھانے میں مصروف ہوں۔ ویسے نوابزادہ منصور! ایک پیش کش آپ کے لئے بھی ہے"۔ اس نے مجھ کو تعجب سے دیکھا۔ "جو کام آپ دوسروں سے لے رہے ہیں' وہ مجھ سے بھی لے سکتے ہیں۔ اس بارے میں' سرور کا نام لے سکتا ہوں' آپ جب بھی مجھے طلب کریں گے۔ حاضر ہو جاؤں گا!" میں نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل آیا۔ میں نے پلٹ کر منصور کا ردعمل دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ویسے دل ہی دل میں' میں مطمئن تھا۔ معاملہ تو رانی صاحبہ سے طے ہوگیا تھا۔ اب اگر منصور کھل جاتے ہیں تو کام آسان ہو جائیگا۔ باہر نکل کر میں نے وہ کار سنبھال لی جو میرے چارج میں دے دی گئی تھی اور جس کی چابی میری جیب میں پڑی ہوئی تھی۔ کار اسٹارٹ کرکے میں باہر نکل آیا اور اب میرا رخ چاندنی کی طرف تھا۔

یہ ہوٹل جگنو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے جگنو جاتے ہوئے اس کا بورڈ دیکھا تھا۔ میں تھوڑی ہی دیر میں چاندنی پہنچ گیا۔ اپنی کار میں نے چاندنی سے کافی دور' ایک گلی میں کھڑی کر دی تھی اور پھر اندر جانے کے لئے میں نے ایسے راستے اختیار کئے تھے جن سے کسی کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے۔ میں کاؤنٹر پر پہنچ گیا جہاں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا۔ غلام سرور سے ملنا ہے"۔

"کون غلام سرور؟"

"کمرہ نمبر اٹھائیس!" میں نے جواب دیا اور بوڑھے نے ایک کاپی کھول لی۔ پھر اس نے چند اوراق الٹے اور پھر بولا "نہیں جناب! پورے ہوٹل میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ کمرہ نمبر اٹھائیس تو پچھلے ایک مہینے سے خالی ہے"۔

"شکریہ!"........ میں واپس پلٹ پڑا۔ میرے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ نوابزادہ منصور کی شخصیت کو ابھی وہ رنگ نہیں دیا جاسکتا تھا جو سرور کی گفتگو سے اجاگر ہوا تھا۔ اگر سرور نے درست کہا ہوتا تو وہ اپنی رہائش گاہ کے بارے میں جھوٹ نہ بولتا اور یقیناً اس نے منصور والی بات بھی جھوٹ ہی کہی ہوگی۔ چنانچہ منصور کو ابھی اس نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس کے بعد میں دیر تک اثر پور اور اس کے نواح میں چکر لگاتا رہا۔ ایک بار لال کوٹھی کی طرف بھی گیا تھا لیکن بے سود........ یہ جگہ ایسے چھوٹے

چھوٹے کاموں کے لئے بہتر ہوسکتی ہے جیسا میں نے پچھلے دن انجام دیا۔ اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہوسکتی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی میں نے ایک ریستوران میں کھایا اور کافی دیر وہاں گزارنے کے بعد واپس محل آگیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی مجھے رانی صاحبہ کا پیغام ملا اور میں ان کی خدمت میں پہنچ گیا تھا"۔ آپ کہیں چلے گئے تھے مسٹر شہاب!"

"جی........ کوئی خدمت........؟"

"کیا ہو رہا ہے آجکل........؟"

"اثر پور کے نواح کی سیر"۔ میں نے جواب دیا اور رانی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "ہماری زندگی میں خوشیاں بہت کم ہیں مسٹر شہاب! ہم خوش رہنا چاہتے ہیں' حالات سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تقدیر ہمارا ساتھ نہیں دیتی........ یقین جانیں ہم صرف اتنا جاننے کے خواہش مند ہیں کہ ہمارے دشمن ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر وہ کھل کر سامنے آجائیں اور ہم سے بات کریں تو ہم وہ کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے!"

"مجھے یقین ہے رانی صاحبہ! اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا!!"

"آپ کی باتیں دل کو بڑا سہارا دیتی ہیں۔ بہرحال شہاب صاحب! میں نے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے اور آپ بھی اس میں شریک ہوں گے!"

"کیا پروگرام ہے یور ہائی نس؟"

"شکار سے دلچسپی رہی ہے آپ کو؟"

"عملی زندگی کی مصروفیات نے اجازت نہیں دی۔ البتہ انسانوں کا شکار تو پیشہ بن گیا ہے!"

"چلئے آیئے آپ کو جانوروں کے شکار سے روشناس کرائیں۔ دراصل ان حالات میں ایسی کسی تفریح کی گنجائش تو نہیں تھی لیکن میرے چند دوست آسٹریلیا سے آئے ہوئے ہیں۔ پرنسس کلاریا میری عزیز دوست ہے اور شکار کی بے حد شوقین۔ اس کی فرمائش پر میں نے یہ پروگرام ترتیب دیا ہے"۔

"اگر صرف تکلفاً آپ نے میرا نام لکھ دیا ہے تو براہ کرم اسے کاٹ دیں۔ ہاں اگر آپ کے مشاغل میں حارج نہ ہوؤں تو ٹھیک ہے"۔

"قطعی حارج نہیں ہوں گے' اگر ان حالات سے نکل آئی اور جانبر ہوسکی تو ایک

دوست کی حیثیت سے آپ کو یہاں رکھوں گی۔ میں بہت زندہ دل ہوں"۔

"یقیناً یور ہائی نس .... ہم شکار کو کب چل رہے ہیں؟"

"آج ہی شام کو .... سخاوہ کے جنگلات یہاں سے صرف تین میل دور ہیں۔ بہترین شکار گاہ ہے جہاں درندے تک مل جاتے ہیں"۔

"تین روزہ پروگرام ہے"۔

"بہتر........... میں حاضر ہوں!" میں نے جواب دیا۔

"بس اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی تھی اور ہاں رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیے۔ مہمانوں سے آپ کا تعاف بھی کرانا ہے..........."

"بہتر..........." میں نے جواب دیا اور رانی صاحبہ کے کمرے سے نکل آیا۔ زندگی کے خطرے میں گھری ہوئی عورت .... سیر وشکار کے لئے جا رہی ہے........... میں نے سوچا..........یوں لگتا ہے جیسے کسی پاگل خانے میں آگیا ہوں۔ عجیب و غریب حالات تھے۔ لیکن صاحب دولت کمانا آسان کام تو نہیں ہے۔ آپ سب جانتے ہوں گے' دل ودماغ کا کچھ بھی حشر ہو۔

رات کو ایک خوبصورت سا سوٹ پہن کر میں ڈنر ہال میں پہنچ گیا جہاں رانی آف اٹر پور اپنے مہمانوں کے ساتھ موجود تھیں۔ آسٹریلوی مہمانوں سے تعارف ہوا۔ دعوت میں عادل درانی بھی موجود تھا۔ حالانکہ پر کشش شخصیت کا مالک تھا لیکن میرے سامنے اس کی شخصیت کچھ دب گئی تھی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اس وقت ان سارے لوگوں میں کوئی بھی مجھ جیسا نہیں تھا۔ آسٹریلوی شہزادی کلاریا نے مجھے خاص نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور پھر طعام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پرنسس کلاریا نے جھک کر رانی صاحبہ سے کچھ کہا تھا اور رانی صاحبہ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا تھا لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا معاملہ ہے؟ ہاں رات کو تقریباً گیارہ بجے ایک ملازمہ نے مجھے رانی صاحبہ کا پیغام دیا تو چونک پڑا۔ بہرحال تیار ہو کر محل پہنچ گیا۔ یہ بھی محل کا ایک خاص حصہ تھا اور یہاں آسٹریلوی مہمان موجود تھے۔ ہال سے باہر میری ملاقات عادل درانی سے ہوئی اور میں نے اسے کہا۔ "ہیلو عادل صاحب!"

"ہیلو!"........... اس نے سرد آواز میں کہا۔

"یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

"ملازم آدمی ہوں' یہاں میری ڈیوٹی ہے"۔ اس نے جواب دیا۔ "یہاں محفل طرب ہے اور آپ شاید یہاں کے مہمان خصوصی"۔ اس نے تلخ لہجے میں کہا اور میں نے ہونٹ سکیڑ کر شانے ہلائے۔ اندر داخل ہوا تو موسیقی کی لہریں کانوں سے ٹکرائیں۔ ماحول خوابناک تھا۔ مدہم روشنی میں انسانی سائے رقصاں تھے۔ ریکارڈ بج رہا تھا اور پرنسس کلاریا اپنے ایک ساتھی کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ رانی ایک دوسرے آسٹریلوی مسٹر ہوٹ

کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دونوں کے درمیان شراب کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ صرف ہوٹ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر رانی آف اٹرپور مسکرانے لگی اور پھر اس نے مجھے دوسری کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"تمہارے لئے گلاس منگواؤں مسٹر شہاب!"

"نہیں شکریہ۔ شراب میرے حواس منتشر کر دیتی ہے اس لئے.........." میں نے ادب سے معذرت کی۔

"تکلف کی ضرورت نہیں!"

"معذرت چاہتا ہوں!" میں نے اسی انداز میں کہا۔

"عجیب ہو تم لوگ.......... میرا خیال ہے یہاں کے زیادہ تر لوگ شراب نہیں پیتے۔ لیکن مجھے حیرت ہے جی کیسے لیتے ہیں"۔ ہوٹ نے کہا۔

"جس طرح آپ شراب پی کر جی لیتے ہیں مسٹر ہوٹ!" میں نے جواب دیا اور رانی بے اختیار ہنس پڑی۔ ہوٹ نے مسکرا کر شانے ہلائے تھے۔ تب رانی نے میری طرف جھک کر اردو میں کہا۔ "پرنسس کلاریا نے تمہارے ساتھ رقص کرنے کی خصوصی فرمائش کی ہے۔ میرا خیال ہے وہ تم سے بہت متاثر ہے"۔ میں نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ دونوں رقص کرنیوالے ہمارے نزدیک آ گئے۔ میں نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی تو کلاریا نے مجھے بیٹھے رہنے کے لئے کہا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ لوگوں کا تعارف تو کھانے کی میز پر ہی ہو گیا تھا"۔ مزید یہ کہ مس کلاریا نے آپ کے ساتھ رقص کی خواہش ظاہر کی ہے"۔ رانی نے کہا۔

"کیا میں اسے آپ کا حکم سمجھوں رانی صاحبہ..........؟" میں نے اردو میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" شاہانہ نے تعجب سے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ کیا یہ بھی میرے پیشہ وارانہ عارضی تقرر کی کوئی ذمہ داری ہے؟"

"ارے نہیں.......... یہ تو .... یہ تو سو فیصدی تفریحی مشغلہ ہے ان لوگوں کا اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس کلاریا کی ایک دوست کی حیثیت سے میں نے اس کی یہ فرمائش پوری کی تھی"۔

"بھئی کیا گفتگو کرنے لگے تم دونوں' یہ غلط بات ہے۔ ہماری بھی سمجھ میں آنا

چاہئے"۔

"میں عرض کر رہا تھا مس کلاریا! کہ اول تو میں رقص سے نابلد ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بلندپایہ لوگوں کے درمیان کم حیثیت لوگوں کو محتاط رہنا چاہئے۔ یوں بھی میں نچلے درجے کا انسان ہوں"۔

"یہ تنگ نظری ہے مسٹر شہاب! آپ کی شخصیت بہت سے بلندپایہ لوگوں سے کہیں زیادہ جاذب نگاہ ہے اور میں نے آپ کو اپنی دوستی کے لئے پسند کر لیا ہے"۔

"اس کے باوجود میں نے پوری زندگی نہ تو شراب پی اور نہ رقص کیا"۔

"اوہ' میں نے کسی مذہبی آدمی کو اتنا اسمارٹ نہیں دیکھا۔ بہرحال جیسی آپ کی مرضی.......... آپ ہمارا ساتھ تو دے سکتے ہیں؟" کلاریا نے ہوشربا نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کیوں نہیں' حاضر ہوں"۔ میں نے خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانی اس دوران خاموش رہی تھی۔ پھر ان دونوں نے بھی اپنے لئے شراب کے گلاس بنائے اور کلاریا اپنا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک گئی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے رانی آف اٹرپور کو دیکھا۔ "تم بھی نہیں پیو گی؟"

"یقین کرو کلاریا! عرصہ ہوا چھوڑ چکی ہوں"۔

"میں کچھ عجیب سی محسوس کر رہی ہوں"۔ کلاریا نے اپنا گلاس رکھ دیا اور رانی چونک پڑی۔

"کیوں.......... کیا بات ہے؟"

"یوں لگتا ہے شاہانہ! جیسے تم کچھ محتاط ہو گئی ہو۔ میرے آنے سے تم جس قدر خوش ہوئی تھیں' اب نہیں ہو۔ کسی بھی سلسلہ میں تم نے اب تک اس تپاک کا مظاہرہ نہیں کیا جو تم کرتی تھیں"۔

"ارے کلاریا! یہ تم کس انداز میں سوچنے لگیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا؟"

"مجھے اس کی وجہ بتاؤ گی شاہانہ!"

"ضرور.......... اگر پوچھو گی!" رانی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں میرے ذہن میں ایک خلش پیدا ہو گئی ہے۔ اب مجھے اس وقت تک کچھ

اچھا نہیں لگے گا جب تک میں اس بارے میں مطمئن نہ ہو جاؤں"۔ کلاریا نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں' میرے ذہن میں ایک خلش پیدا ہوگئی ہے۔ اب مجھے اس وقت تک کچھ اچھا نہیں لگے کہ جب تک میں اس بارے میں مطمئن نہ ہو جاؤں"۔ کلاریا نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"مشرق کی اقدار کسی قدر مختلف ہیں۔ میں ایک ایسی عورت ہوں جس کا شوہر مرچکا ہے۔ بدقسمتی سے بوڑھی نہیں ہوں' اس لئے میری طرف اٹھنے والی نگاہوں میں شبہ چھپا ہوتا ہے اور میں اس شبہ کو آنکھوں سے زبان تک آنے کا موقع نہیں دینا چاہتی!"

"فضول' بکواس.......... یہ ساری باتیں احمقانہ ہیں۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا.......... تھوڑی سی سہی.......... ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گی اور پھر یہاں کون ہے۔ کیا مسٹر شہاب تمہارے لئے ناقابل اعتبار شخصیت رکھتے ہیں!" کلاریا نے کہا۔

"اوہ.......... یہ بات نہیں ہے۔ لیکن.........." رانی آف اٹرپور نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "لیکن ایک شرط پر!"

"کیسی شرط؟" کلاریا نے پوچھا۔

"خود مسٹر شہاب بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں گے"۔

"یہ تو کوئی بات نہیں مانتے.......... تم کیسی حکمران ہو۔ انہیں مجبور نہیں کر سکتیں! کلاریا نے پھر میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھا.......... "کیوں شہاب صاحب! اگر میں آپ کو مجبور کروں گی تو آپ مجبور ہو جائیں گے؟" رانی صاحبہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور ہو جاؤں گا لیکن اس کے بعد آپ کو خود افسوس ہوگا۔ شراب میرے حواس بہت جلد چھین لیتی ہے"۔

"کبھی کبھی خود کو تنہا چھوڑ دینا بھی ضروری ہے"۔

"اگر آپ کا اصرار ہے تو ٹھیک ہے لیکن نتائج کے لئے آپ مجھے قصور وار نہیں ٹھہرائیں گی"۔ میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"منظور ہے!" رانی صاحبہ کی بجائے کلاریا نے کہا۔ اور پھر دو گلاس اور آ گئے اور میں ان کے ساتھ مصروف ہوگیا لیکن خوف کا احساس میرے ذہن کے گوشوں میں پنہاں تھا۔ آج میری شخصیت کا بھرم کھل جائیگا۔ میں سوچ رہا تھا۔ شراب کے کئی پیگ میرے

حلق میں اتر گئے۔ لیکن نہ جانے آج کیوں مجھ پر سنجیدگی طاری تھی۔ وہی خوف' وہی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ عقل و ذہن ساتھ تھے لیکن اعضاء کی بغاوت کا خطرہ تھا۔ وہ سب ابھی تک ہوش و حواس کے عالم میں تھے۔

"آپ ضرورت سے زیادہ خاموش ہیں شہاب صاحب اور خوب بے وقوف بنا رہے تھے آپ ہمیں.......... آپ پر تو ابھی تک کوئی اثر نہیں ہے"۔ کلاریا نے کہا۔ میں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ "بس ڈارلنگ! اب میں سونا چاہتی ہوں"۔ وہ ایک ہوشربا انگڑائی لے کر بولی۔

"ہاں' رات کافی گزر چکی ہے!" رانی آف اٹرپور کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔

"ڈیئر! کیا تم مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دو گے؟" کلاریا نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا اور میں مشینی انداز میں اٹھ گیا۔ کلاریا بھی مچل کر اٹھ گئی تھی۔ پھر ہم دونوں خاموشی سے باہر نکل آئے۔ کلاریا کی چال میں کسی قدر لڑکھڑاہٹ تھی۔ ویسے وہ بھرے بھرے بدن کی ایک حسین عورت تھی اور اس وقت اس کی چال میں بے حد دلکشی تھی لیکن مغربی تہذیب کی پروردہ یہ لڑکی کیا عورت کہلانے کی مستحق ہے؟" اس نے کس بے باکی سے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا اور دوسرے بہت سے لوگوں کے سامنے مشرق کو رسوا کر دیا۔ احمق کہیں کی۔ مجھے لوٹ کا مال سمجھتی ہے۔ سوچتی ہے میں عورت ہوں' اس لیے ہر مرد میرا تابع ہے' مشرق کی روایات سے نابلد۔

کلاریا میرا ہاتھ تھامے تھامے اندر داخل ہوگئی۔ اس نے کمرے میں روشنی کر دی اور دروازہ بند کر دیا۔

"تم بھی یہیں سو جاؤ ڈارلنگ! مجھے تنہا سونے کی عادت نہیں ہے"۔

اس نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے چڑھ گئی۔

"پرنس کلاریا! رنگوں کے فرق سے واقف ہو۔ سفیدی اور سنولاہٹ میں یہی تو فرق ہے۔ میں مشرق کا ایک مرد ہوں اور تم مغرب کی عورت۔ کفر و اسلام میں یہی تو ایک جنگ ہے۔ ہم انسان کی پاکیزگی کے امین ہیں اور تم.......... تم کیا ہو کلاریا یہ خود محسوس کرو۔ اس وقت اس کمرے میں کفر و اسلام کے درمیان جنگ ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر"۔ میرے سینے میں مذہب کا تقدس موجزن تھا۔ میں

نے کلاریا کو اٹھا کر دروازے سے باہر پھینک دیا۔ وہ بری طرح چیخ پڑی تھی۔ "کفر کو اسلام کے مقابلے میں ہمیشہ شکست اٹھانی پڑتی ہے"۔ .... میں نے گھونسہ لہراتے ہوئے کہا......... باہر کیا ہو رہا تھا' مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بند کیا۔ آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ لیکن میں اطمینان سے کلاریا کے بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے فتح پائی تھی اور ایک فاتح کی شان سے بستر پر دراز تھا۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک بار' دوبار' اور پھر تیسری بار.......... کافروں کے گروہ صلح کی درخواست لے کر آئے تھے۔ میں اللہ اکبر کہتا ہوا بستر سے اتر آیا۔ دوازے کے قریب پہنچ کر میں نے جھکتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو اور کیوں آئے ہو؟"

"دروازہ کھولو شہاب! یہ میں ہوں"۔ آواز شاید رانی آف اثر پور کی تھی۔

"یہاں کوئی شہاب نہیں ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ اگر تم عیسائیوں کی جانب سے صلح کا پیغام لے کر آئی ہو تو میں اسے مسترد کرتا ہوں۔ میرے اور عیسائیوں کے درمیان فیصلہ میدان جنگ میں ہوگا!"

"شہاب دروازہ کھولو۔ پلیز دروازہ کھولو"۔ باہر سے رانی آف اثر پور کی آواز سنائی دی۔

"میں نے کہا نا یہاں شہاب نام کا کوئی شخص نہیں رہتا۔ اگر تم صلاح الدین ایوبی سے ملنے آئی ہو' تب بھی دن کی روشنی اس سے ملنے کے لئے بہتر رہے گی۔ رات کی تاریکی میں کوئی نسوانی آواز مجھے متاثر نہیں کرسکتی"۔ میں نے کہا اور دروازے کے قریب سے ہٹ آیا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا ہو۔ مجھے اس کا پتہ نہیں تھا۔ میں بستر پر آرام سے سوگیا تھا۔ دوسری صبح خادماؤں نے ہی مجھے جگایا۔ دستک سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو محل کی خادمائیں کھڑی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" میں نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"دن نکل آیا ہے جناب! ناشتے کے لئے طلب کیا گیا ہے"۔

"ایں.........." میں نے تعجب سے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر کہا۔ "ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ' میں آتا ہوں"۔ لیکن واپس مڑتے ہی میں بری طرح چونک گیا۔ یہ میرا کمرہ تو نہیں تھا۔ میں کہاں تھا؟ اور پھر کمرے کو دیکھ کر چند واقعات میرے ذہن کے پردے پر ابھر آئے اور دوسرے لمحے میں سن رہ گیا۔ بڑی عجیب بات تھی' نشے

کے عالم میں میں جو کچھ کرتا تھا' وہ میرے ذہن سے محو نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ خود اس وقت میری یہ کیفیت ہوتی تھی کہ میں خود کو روکنے کی انتہائی کوشش کرتا لیکن اعصاب' زبان کی جنبش میری مرضی کے خلاف ہوتی۔ رات کے تمام واقعات مجھے یاد آگئے تھے۔ رانی آف اثر پور کے ساتھ شراب کے چند پیگ' اور اس کے بعد میری جو حالت ہوئی تھی۔ میں نے تو کلاریا کو اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ رانی آف اثر پور کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب ہوگئی تھی۔ چند لمحات میں پریشانی سے سوچتا رہا کہ رات کے ان کے واقعات کو کس طرح نبھایا جائے۔ پھر مجھے یاد آیا میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ شراب میرے اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے اور میں خود پر قابو نہیں پاسکتا اس میں میرا کیا قصور تھا۔ رانی صاحبہ نے مجھے مجبور کردیا تھا۔ میں نے لاپرواہی سے شانے جھٹکے ۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا' لباس درست کیا' بال کاڑھے' اور اپنے لباس کو جھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس وقت دوسرا لباس پہننے کا موقع بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ملازموں کی اطلاع کے مطابق رانی صاحبہ ناشتے کے کمرے میں پہنچ چکی تھیں۔

جب میں ناشتہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی تھی۔ خود کلاریا بھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے اطمینان کی گہری سانس لی اور ان لوگوں کی یہ بات مجھے خاصی پسند آئی۔ ناراض ہونے کی بجائے وہ میری رات کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرے اندر ایک شرمندگی سی پیدا ہوگئی۔ تب میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا' رانی صاحبہ جو عام طور سے بہت کم مسکراتی تھیں' بے اختیار مسکرائے جارہی تھیں۔ میں نے ایک بار شرمندہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا اور بولا۔

"رات کے واقعات میرے ذہن کے پردے پر محفوظ ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس کس سے معافی مانگوں؟"

"اوہ' مسٹر شہاب! کلاریا بہت کشادہ ذہن کی مالک ہے۔ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ شراب آپ کے اعصاب کشیدہ کردیتی ہے!" رانی صاحبہ نے کہا۔

"ہائے میں تو ساری رات یہ سوچتی رہی کہ صلاح الدین ایوبی نے بالآخر میرا کمرہ بھی فتح کرلیا اور اس کی واپسی کے مذاکرات کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ اب اتنے دن دوسروں کے کمروں میں کیسے گزاروں گی۔ اس کے علاوہ کمر کی چوٹ بھی بہت دکھ رہی

ہے لیکن تاریخ کے ایک باب کی نقاب کشائی کے لئے میں مسٹر شہاب کی شکر گزار بھی ہوں۔ کم از کم یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمان صلاح الدین نے انگریزوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا؟" کلاریا نے کہا اور بے تحاشہ ہنس پڑی۔

دونوں آسٹریلوی مرد شاید اس بات سے زیادہ لطف اندوز نہیں ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر پھیکی پھیکی مسکراہٹ آتی رہی۔ پھر ناشتہ شروع ہو گیا اور خاموشی سے جاری رہا۔ ناشتے کے اختتام پر رانی صاحبہ نے کہا۔ "آپ بھی تیاریاں مکمل کر لیں مسٹر شہاب! ہم چند روز جنگل میں گزاریں گے۔ اس دوران کے لئے آپ جو سامان بھی لینا چاہیں' اسے پیک کر کے ملازم کے حوالے کر دیں"۔

"بہت بہتر!" میں نے جواب دیا۔ اور ناشتے کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ رات کے واقعات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ رانی صاحبہ کا کردار بھی انوکھا تھا۔ رات کو مجھے کلاریا کے لئے بلوایا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلاریا نے رانی کو اپنے مقصد سے آگاہ کیا ہو گا اور رانی نے اس کی خواہش پوری کر دی۔ انوکھی بات تھی۔ ممکن ہے شکار کے لئے بھی کلاریا کی فرمائش پر دعوت دی گئی ہو۔ پچھلی رات میں صلاح الدین ایوبی بن گیا تھا۔ لیکن جنگل کی راتوں میں اگر مس کلاریا نے رومانی ہونے کی کوشش کی تو .... میری آنکھوں میں شرارت کی چمک پیدا ہو گئی۔ کیا حرج ہے.......... ایسی تقریبات تو زندگی کے منتشر تار جوڑتی ہیں۔ پرنس کلاریا بھی میری یاد اپنے سینے میں لیکر اپنے وطن جائیں گی لیکن رانی .... میں نے ایک گہری سانس لی اور ضرورت کا سامان پیک کرنے لگا۔

شکار کا بندوبست رانی کے شایان شان تھا۔ چھ جیپیں تھیں جن میں سے دو جیپوں پر تو صرف سامان بھرا ہوا تھا۔ چار جیپوں میں سے ایک میں ہم تمام لوگ سوار تھے اور دوسری تین جیپوں میں دوسرے ملازم۔ عادل درانی بھی تھا جو ایک جیپ میں موجود تھا اور وہ جیپ ہماری جیپ کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے ملازم جو ضروری کاموں کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ شخص یعنی عادل درانی اس رات کے بعد سے مجھے نمایاں طور پر کشیدہ محسوس ہوتا تھا۔ میری جانب اٹھنے والی نگاہیں خشمناک ہوتی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک تنفر آمیز مسکراہٹ صاف نظر آتی تھی۔ چند لمحات کے لئے میں نے اس کے بارے میں یہ بھی سوچا تھا کہ ممکن ہے رانی صاحبہ کے خلاف سازش میں یہ

شخص بھی ملوث ہو لیکن اس کے لئے کوئی ثبوت حاصل کرنا ضروری تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ اتنے دن اس محل میں گزارنے کے باوجود میں ابھی تک کوئی مناسب نکتہ تلاش نہیں کر سکا تھا اور اب یہ شکار کی بیخ نکل آئی تھی۔

رانی کا کردار بھی واقعی عجیب تھا۔ یا تو یہ سمجھا جائے کہ حالات اور ماحول سے وہ اس قدر سمجھوتہ کر چکی تھی کہ اب خطرات اس کے لئے ثانوی حیثیت رکھتے تھے اور زندہ دلی کو انسان کہاں لے جائے۔ تقدیر نے اسے شروع ہی سے پیسا تھا۔ جیسا کہ اس نے چند الفاظ میں مجھے بتایا کہ نواب فیروز اس سے عمر میں کہیں زیادہ تھا اور عمروں میں تفاوت کے باوجود ایک حادثے کے تحت وہ اس کی بیوی بن گئی تھی۔ ظاہر ہے رانی آف اثر پور نواب فیروز سے خوش نہیں تھی۔ اس ناخوشی کو اس نے نہ جانے کس کس انداز میں برداشت کیا ہو گا اور نواب فیروز کی موت کے بعد اسے ورثہ میں جو کچھ ملا تھا' وہ بھی اس کے لئے تکلیف دہ ہی ثابت ہوا تھا۔ یہ سازشیں کم از کم ایک عورت کے لئے ناقابل برداشت ہی تھیں.......... تو اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بہرصورت انسان ہی تھی' اور اس اقتدار کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی جو اس نے ساری زندگی کی خوشیاں داؤ پر لگا کر حاصل کیا تھا اور اب اس کے چند دشمن اس سے اس کا وہ مقام بھی چھین لینا چاہتے تھے جو اس نے برسوں کی محنت اور کاوش کے بعد حاصل کیا تھا! ان حالات میں خوش مزاجی قائم رکھنا مشکل کام ہے لیکن انسان اپنی تمام تر حیثیتوں سے قطع نظر انسان ہوتا ہے۔ ان تمام خواہشات کا غلام جو انسانی ذہن میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ گو وہ خود کو کافی لئے دیئے رکھتی تھی لیکن کبھی کبھی اس کی ذات سے ایک نامعلوم عورت جھانکنے لگتی تھی۔

جیپ ناہموار راستوں سے گزرتی رہی۔ مناظر بے حد حسین تھے اور تینوں آسٹریلوی باشندے ان سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میں نے کئی بار رانی کو اپنی طرف متوجہ پایا لیکن خود میں نے اس کی جانب نہیں دیکھا اور سامنے دیکھتا رہا۔ "بڑی خاموشی ہے"۔

تھوڑی دیر کے بعد رانی صاحبہ نے اس جمود کو توڑا اور سب جاگ اٹھے۔

"تم نے اثر پور کو کچھ اور دلکش بنا دیا ہے شاہانہ"۔ کلاریا نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں' اثر پور کے نواح کا حسن نکھرتا جا رہا ہے"۔ رانی صاحبہ نے کہا اور اس کے

لہجے میں ایک یاسیت سی ابھر آئی۔

"کچھ اور کہنا چاہتی تھیں تم؟" کلاریا اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں.......... کچھ نہیں.......... بس پچھلے کچھ دنوں سے میرے خلاف سازشیں ہونے لگی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ صرف چند دشمنوں کی شرارت ہے ورنہ میرے عوام مجھ سے ناخوش نہیں ہیں۔ وہ آج بھی مجھے بہت چاہتے ہیں؟"

"اوہ' کیا تمہارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟" کلاریا نے تشویش سے پوچھا۔

"ہاں نواب فیروز اپنی موت کے بعد بڑی ذمہ داریاں ڈال گئے ہیں میرے اوپر!" رانی صاحبہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے' تم نے یہ بات پہلے مجھے کیوں نہیں بتائی کہ تم پریشان ہو۔ میں بھی سوچتی رہی کہ تم کھنچی کھنچی سی ہو"۔

"نہیں کلاریا! یہ تمہاری غلط فہمی تھی .... باقی اور تمہیں کیا بتائی؟"

"کون لوگ ہیں' معلوم نہیں ہوسکا؟"

"ابھی تک نہیں پتہ چل سکا۔ میرا خیال ہے اس ذکر کو جانے دو اور ان الجھنوں اور پریشانیوں کو ہم محل میں چھوڑ آئے ہیں۔ خواہ مخواہ یہ تصور پھر میرے ذہن کو پراگندہ کر دے گا!" رانی نے کہا اور کلاریا خاموش ہوگئی' لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ تیس میل کا فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوگیا۔ چونکہ راستہ ناہموار تھا اس لئے جیپوں نے سست روی سے سفر کیا۔ بالآخر ہم گھنے جنگلوں میں داخل ہوگئے۔ انتہائی حسین علاقہ تھا۔ جنگلات کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان سے پرے برف پوش پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ جگہ جگہ ہرنوں کے غول' بارہ سنگھے اور چیتل نظر آتے تھے۔ گویا یہ شکار گاہ شکار سے بھری ہوئی تھی۔

"یہ شکار گاہ تو تمہاری ملکیت ہے!" کلاریا نے پوچھا۔

"ہاں تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی ندی ہے جس کے ایک کنارے پر ایک بہت بڑی چٹان دیوار کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ بس اس کے سائے میں ہم اپنا شکاری کیمپ لگائیں گے!"

"درندے بھی ہوں گے یہاں؟"

"ہاں ریچھ اور دوسرے چھوٹے جانور نظر آ جاتے ہیں۔ شیر کبھی کبھی پہاڑوں کی

سمت سے آجاتا ہے۔ میں اسے شکار کروا لیتی ہوں۔ میں اس جنگل میں شیر اور چیتے نہیں چاہتی!"

"قرب و جوار میں آبادیاں بھی ہوں گی؟"

"نہیں جنگلوں کے بعد پہلی آبادی اثرپور کی ہے۔ پہاڑیوں سے تقریباً سو میل دور تک کوئی آبادی نہیں ہے"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا۔ جیپیں اس ندی کے قریب پہنچ گئیں۔ کنارے پر ایک چٹانی دیوار نظر آ رہی تھی۔ سیاہ رنگ کی ایک بہت بڑی چٹان دریا میں چلی گئی تھی اور پانی اس سے ٹکرا ٹکرا کر گزرتا تھا۔ اسی چٹان کے سائے میں جیپیں روک دی گئیں اور ملازمین جلدی جلدی چٹان کے نزدیک خیمے نصب کرنے لگے۔ خوبصورت رنگین شمعوں سے ماحول اور خوبصورت ہوگیا۔ درمیان میں رانی صاحبہ کا خیمہ تھا۔ اس کے دونوں طرف ہمارے خیمے لگائے گئے تھے۔ میرا خیمہ رانی صاحبہ کے خیمے کے بائیں طرف تھا اور اس کے بعد عادل درانی کا خیمہ تھا۔ دائیں سمت آسٹریلوی مہمانوں کے خیمے تھے اور اس کے بعد ملازموں کے۔ چھوٹی سی آبادی ہوگئی تھی۔ حالانکہ یہاں میری آمد کا مقصد کچھ اور تھا۔ عام حالات میں ہمیں ایسی دلچسپیوں سے واسطہ نہیں پڑتا تھا بلکہ زندگی کسی قدر کھردری ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن فطرت اور نظارے کس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ یہی تو انسان اور پتھر کی تخصیص ہے۔ چنانچہ اس حسین ماحول میں میرے ذہن پر بھی ایک سرور انگیز کیفیت طاری ہوگئی تھی اور پھر یہاں خصوصی توجہ مل رہی تھی۔ کلاریا کی دلچسپی کی وجہ سے رانی صاحبہ بھی کسی قدر بے تکلف ہوگئی تھیں۔ آسمان ابر آلود تھا۔ دوپہر کا کھانا کھلے آسمان کے نیچے ندی کے شفاف کنارے پر کھایا گیا۔ اس دوران دلچسپ گفتگو ہوتی رہی تھی۔ عادل درانی ہماری کمپنی میں شریک نہیں ہوتا تھا حالانکہ وہ ایک اہم عہدیدار تھا لیکن بہرحال رانی صاحبہ اثرپور کا ملازم تھا اور ملازموں کو یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی تھی۔ کھانے کے بعد آرام کی ٹھہری۔ پروگرام طے ہوا تھا کہ چار بجے تک آرام کیا جائے اس کے بعد شکار پر نکلا جائے۔ میں بھی اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آرام کے لئے فولڈنگ بیڈ موجود تھا۔ اس کے علاوہ کینوس کے اسٹول بھی رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جوتے وغیرہ اتارے اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ خیمے کا پردہ ہٹا کر کلاریا اندر داخل ہوگئی۔ اس کی یہ بے تکلفی مجھے بڑی عجیب لگی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "سلطان صلاح الدین واقعی بے حد

ہوشیار اور مستعد ہے شب خون بھی ناکام رہا"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ نے دن کے وقت شب خون مارنے کی کوشش کی ہے"۔ میں نے کہا۔

"ارے ہاں! صلیبی جنگوں میں یہ غلطی ہوئی ورنہ سلطان ناقابل تسخیر نہیں تھا!"

"سلطان ناقابل تسخیر تھامس کلاریا!" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"تب تو میرے لئے بڑی مشکل ہوگئی"۔ کلاریا ایک اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں، آپ کو کیا مشکل پیش آگئی؟"

"فرض کرو، میں تمہیں تسخیر کرنا چاہوں؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو ایک معمولی حیثیت کا انسان ہوں۔ اتنا کم ظرف کہ شراب کے چند پیگ پی کر اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتا ہوں"۔

"ویسے تمہاری شخصیت کافی پراسرار ہے۔ شاہانہ نے بھی تمہارے بارے میں کھل کر نہیں بتایا حالانکہ وہ میری بے تکلف دوست ہے!"

"میں کوئی قابل ذکر شخصیت ہی نہیں ہوں"۔

"خیر میں یہ بات تسلیم نہیں کروں گی۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو تم ان محفلوں میں شریک نہ ہوتے۔ شاہانہ اپنے معیار کا کافی خیال رکھتی ہے۔ اور مجھے اس سے غرض بھی نہیں کہ تم کون ہو، بس جو کوئی بھی ہو، مجھے پسند آئے ہو"۔ کلاریا نے بے تکلفی سے کہا۔ حالانکہ اس سے قبل میں نے سوچا تھا کہ کلاریا کے ساتھ جنگل کا ماحول کچھ اور دلچسپ ہو جائیگا لیکن .... شاید میری فطرت نے اس کی برتری قبول نہیں کی تھی۔ اس نے مجھے کوئی کمتر شے سمجھا تھا، اس لئے ایک بار میرے دل میں اس کی شخصیت سے بغاوت ابھر آئی۔ "پسندیدگی کا شکریہ" میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"خود تمہارے نزدیک میں کیا حیثیت رکھتی ہوں؟" کلاریا نے لگاوٹ سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔ آپ رانی صاحبہ کی مہمان ہیں، میں آپ کی عزت کرتا ہوں، اور بس ....!"

"نہ جانے تم کیسے انسان ہو، میں تمہارے قریب آنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں اپنے قرب سے نوازنا چاہتی ہوں لیکن تم مسلسل اجتناب برت رہے ہو۔ تم مجھے پسند آگئے ہو۔

ممکن ہے میں تمہیں اپنے ساتھ آسٹریلیا چلنے کی پیش کش بھی کردوں۔ تم میری حیثیت سے واقف نہیں ہو۔ اتنے بڑے بڑے لوگ میرا التفات حاصل کرنا چاہتے ہیں جو شہر کے شہر خرید کر پھینک دیں لیکن وہ میری ایک نگاہ التفات کے حصول میں ناکام رہے ہیں۔ تم اس عزت کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو میں تمہیں دینا چاہتی ہوں"۔

"آپ بھی میری حیثیت سے واقف نہیں ہیں خاتون کلاریا! اور نہ میں آپ کو واقف کرانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے چند بیوقوف آپ کے دیوانے ہوں، لیکن میں ان میں شامل نہیں ہوں۔ میں آپ کو اس حیثیت سے قطعی ناپسند کرتا ہوں"۔

"تم میری توہین کررہے ہو"۔

"جی نہیں، میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں"۔ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا اور کلاریا مجھے خونخوار نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تم سے اس توہین کا انتقام لوں گی، میں تم سے بہت کچھ چھین لوں گی۔ تم اس محل میں نہ رہ سکو گے!"

"اطلاع کا شکریہ!" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "ویسے میں آپ کے خیمے میں ہوتا تو فوراً باہر نکل جاتا!"

"اوہ! تم گدھے ہو.......... ذلیل انسان ہو"۔

"اگر آپ عورت نہ ہوتیں تو میں آپ کی زبان کھینچ کر باہر پھینک دیتا۔ تاہم اگر آپ دس سیکنڈ کے اندر یہاں سے نہ نکل گئیں تو میں آپ کی کمر پر اتنی زور دار لات رسید کروں گا کہ آپ میرے خیمے سے پرواز کر جائیں گی!"

"اوہ ....اوہ .... کلاریا دانت پیستی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں اطمینان سے اپنے بستر پر دراز ہوگیا تھا۔ جس انداز میں وہ گئی تھی، اس سے تو یہی اظہار ہوتا تھا کہ ابھی پستول لے کر آئے گی اور میرے اوپر خالی کر دے گی۔۔۔۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور وقت گزر گیا۔

ٹھیک چار بجے شکار کی تیاریاں ہونے لگیں اور پھر ہم شکار کے لئے چل پڑے۔ کلاریا بھی ساتھ تھی لیکن غضب کی عورت تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے رانی کو کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ عورت اپنی توہین کی داستان کبھی کسی عورت کو نہیں سناتی لیکن اس کے چہرے پر تو تکدر بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھی، البتہ اس دوران اس نے

ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا۔ شکار کھیلا گیا۔ دو ہرن شکار کئے گئے۔ ان میں سے ایک رانی نے شکار کیا تھا اور دوسرا کلاریا کے ساتھی ہوٹ نے۔ پھر چند پرندوں کے شکار کئے گئے۔ عادل درانی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ لیکن حسب حیثیت وہ دوسرے ملازموں کے ساتھ مصروف رہا تھا۔ رانی کے انداز میں البتہ تھوڑی سی کشمکش پائی جاتی تھی' نہ جانے کیوں.........؟

سورج چھپے تک ہم شکار گاہ میں بھٹکتے رہے۔ شکار کی ضرورت تو پوری ہوگئی تھی۔ اب صرف نشانوں کے شوق پورے کئے جا رہے تھے۔ پیش پیش وہی لوگ تھے۔ میں نے ایک بھی گولی نہیں چلائی تھی۔ البتہ رانی کی فرمائش پر عادل درانی نے کئی پرندے شکار کئے تھے۔ رانی اس کے نشانے کی بڑی تعریفیں کر رہی تھی۔ پھر ہم کیمپ واپس آگئے۔ ملازم شکار وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ فضاء میں گوشت بھننے کی خوشبو پھیل گئی۔ میں نے لباس تبدیل کرلیا اور پھر یونہی اپنے خیمے سے نکل کر چٹان کی دیوار پر چڑھنے لگا۔ تاریکی پھیل گئی تھی اوپر پہنچ کر میں ایک مسطح جگہ بیٹھ گیا اور نیچے ندی کے گنگناتے ہوئے پانی کے نغمے سنتا رہا۔ پھر اپنے عقب میں ایک آہٹ سن کر میں چونک پڑا۔ پلٹ کر دیکھا تو رانی آف اثرپور تھی۔ میں احتراماً کھڑا ہوگیا۔ تاریکی میں اس کے خدوخال نہیں نظر آ رہے تھے۔ واہ! بڑی عمدہ جگہ منتخب کی ہے.......... مجھے رانی صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

"آپ کی یہ شکار گاہ جنت کا عکس معلوم ہوتی ہے"۔

"بہت پسند آئی؟"

"تعریف نہیں کر سکتا؟"

"شکریہ.......... ویسے یہ ذوق کی بات ہے!" رانی نے کہا۔

"اب شکریہ میرے اوپر ادھار ہوگیا"۔

"ادھار ہی رہنے دو"۔ رانی آہستہ سے ہنس پڑی اور مجھ سے چند گز کے فاصلے پر بیٹھ گئی۔ "بیٹھ جاؤ.......... مجھے افسوس ہے تمہاری تنہائی میں مخل ہوئی۔ کیا سوچ رہے تھے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ اس خاموشی میں ندی کے پانی کی گنگناہٹ کی نغمگی کو روح میں اتار رہا تھا"۔

"مجھے تعجب ہے!"

"کیوں؟"

"تمہارا پیشہ ذوق لطیف سے دور کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود.........؟"

"میری فطرت انسانی ہی ہے۔"

"ہاں یقیناً! لیکن کلاریا کو تم سے بہت شکایت ہے!"

"کیا.........؟"

"بس یہی کہ تمہارا رویہ اس کے ساتھ بہت خراب ہے!"

"کیا ان کی چاپلوسی اور ان کی خواہشات کی تکمیل بھی میرے فرائض میں شامل کر دی گئی ہے؟"

"نہیں.......... لیکن میں ذاتی طور پر تم سے چند سوالات ضرور کروں گی!"

"فرمائیے!"

"کیا تم عورت کی دنیا کے انسان نہیں ہو۔ حالانکہ تمہاری فطرت میں شعریت ہے اور حسن سے متاثر ہوتے ہو۔ جیسے یہ جگہ"۔

"میں عورت کی دنیا سے دوز نہیں ہوں رانی صاحبہ!"

"تب میرا خیال ہے.......... کلاریا کو ہزاروں میں انتخاب کیا جاسکتا ہے اور اس نے سچ ہی کہا' اس کے وطن کے ہزاروں افراد اس کے التفات کے طالب ہیں!"

"تو اس نے ساری تفصیل بتا دی آپ کو لیکن رانی صاحبہ! میری اپنی حیثیت کو کیوں نظرانداز کیا گیا۔ اگر وہ اپنا التفات دے کر یہ سمجھتی ہیں کہ میں اس کی ایک نگاہ پر اس کے قدموں میں آپڑوں گا تو میں اس کے اس خیال کی تردید کیوں نہ کروں۔ ہزاروں افراد انہیں پسند کرتے ہوں گے۔ میں نہیں کرتا۔ یہ تو اپنی پسند کی بات ہے"۔

"وہ تمہاری زندگی بنا سکتی ہے"۔

"میں نے اپنی زندگی خود بنائی ہے اور میں کسی سہارے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا!"

"اوہ! تم تو اس کے لئے کوئی لچک پیدا کرنے کو تیار نہیں ہو"۔

"کسی قیمت پر نہیں!" میں نے جواب دیا اور رانی کے انداز میں کسی قدر اضطراب پیدا ہوگیا۔ وہ کافی دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "ٹھیک ہے۔ یہ جوان آواز ہے۔

میں ان آوازوں کو بوڑھا سمجھتی ہوں جو ہر نسوانی آواز کے سامنے مدہم ہو جاتی ہیں۔ کلاریا نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ بس وہ تیز آواز میں بول رہی تھی اور میرا خیمہ تمہارے خیمے کے نزدیک ہے"۔

"اوہ! میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ویسے اگر وہ اپنی ناکامی کا رونا آپ کے سامنے روتی تو میری نگاہوں سے کچھ اور گر جاتی"۔

"اچھا۔ اب کھانے کا وقت ہو گیا ہے میرا خیال ہے ملازم اپنا کام کر چکے ہوں گے۔ آؤ کھانا کھائیں"۔

"بہتر........" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ کلاریا کھانے کے دوران بھی مطمئن تھی۔ یا تو اس کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ تھا جس نے اسے اس قدر مطمئن کر دیا تھا یا پھر وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنی ناکامی کو بہ آسانی بھول جاتی ہیں۔ کھانے کے بعد چاندنی میں ندی کے کنارے چہل قدمی رہی اور پھر جنہیں نیند آ رہی تھی وہ سونے چلے گئے۔ ان میں رانی صاحبہ بھی تھیں۔ مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے میں ندی کے کنارے پر ہی رک گیا۔ چاندنی میں ندی کا پانی بے حد حسین لگ رہا تھا۔ اسے چھو کر آنے والی نم ہوائیں اس خاموشی میں ہولے ہولے گیت گا رہی تھیں۔ بلاشبہ کیف و سرور کی یہ دنیا مجھے بے حد بھلی لگ رہی تھی اور میں اس میں کھو گیا تھا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خیموں کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں لیکن فضا کا یہ سناٹا ایک بھیانک آواز سے ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کوئی چیز زن سے میرے کان کے نزدیک سے نکل گئی۔ فائر نہ جانے کس طرف سے ہوا تھا لیکن پہلی ہی آواز سے میں سنبھل گیا اور ایسے موقع کی حفاظتی تدابیر کے لئے میرے اعضاء سوچ کے پابند نہیں تھے۔ یہی پھرتی کام آئی ورنہ گولیوں کی دوسری بوچھاڑ میرے بدن میں لاتعداد سوراخ کر دیتی۔ دوسرے لمحے میں نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ بچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پانی میں گولیوں کے چھپاکے سنائی دینے لگے۔

میں مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر خود کو گولیوں سے بچانے لگا۔ ندی اتنی گہری نہیں تھی کہ غوطہ لگایا جاتا اس لئے میں نے تیزی سے آگے تیرنا شروع کر دیا۔ میری تمام تر ذہنی صلاحیتیں جاگ رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ پانی میں آنے والی گولیاں بلندی سے چلائی جا رہی تھیں اور یہ بلندی اس چٹانی دیوار کے علاوہ کہیں اور نہیں تھی۔

چنانچہ میں دیوار کی مخالف سمت تیرتا رہا تھا۔ اگر میں دیوار کی جانب جانے کی کوشش کرتا تو یقیناً شکار ہو جاتا۔ جب کہ عام حالات میں میری جگہ کوئی اور ہوتا تو فوراً دیوار کی پناہ میں جانے کی کوشش کرتا۔

میری یہی کوشش زندگی بن گئی۔ میں کسی قدر گہرے پانی میں پہنچ کر ساکت ہو گیا تاکہ حملہ آور میرے بارے میں اندازہ نہ لگا سکیں۔ پھر میں پانی میں چت ہو کر اوپر ابھرا اور اب کے صرف ناک اوپر نکالی لیکن چند ہی ساعت کے بعد پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔ یہ فائرنگ خیموں کی طرف سے ہو رہی تھی لیکن نشانہ شاید میں ہی تھا کیونکہ حملہ آوروں نے اندھادھند پانی پر گولیوں کی باڑھیں ماریں اور پھر خاموشی چھاگئی۔ فائرنگ رک گئی تھی اور پھر اس کے بعد بہت سی آوازیں سنائی دینے لگیں لیکن میں ابھی باہر نکلنے کی بیوقوفی نہیں کر سکتا تھا۔ میں پانی کے نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا دور نکل گیا اور ایک جگہ درختوں کو دیکھ کر کنارے پہنچ گیا۔ پانی سے نکل کر میں چند ساعت حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ندی سے دور نکل گیا۔ ایک لمبا چکر لے کر میں خیموں کے قریب پہنچا لیکن اب بھی پوشیدہ رہا۔ میں پورا اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ ندی کے کنارے میری تلاش جاری تھی۔ شاید ملازم پانی میں اتر کر میری لاش تلاش کر رہے تھے۔

میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا کہ ساری رات ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہوں گا اور اس کے لئے بہترین جگہ میرے خیمے میں موجود تھی۔ میں نے اپنے لباس کا جائزہ لیا اور اس طرح خیمے میں داخل ہوا کہ نشان نہ مل سکیں۔ اس کے بعد میں اطمینان سے اپنے کینوس کے بستر کے نیچے لیٹ گیا۔ یہاں میں آسانی سے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ اس وقت ذہن میں کوئی خاص خیال نہیں تھا۔ میں باہر سے آنیوالی آوازوں کا منتظر تھا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ آواز سنائی دینے لگیں۔ رانی کی آواز نمایاں تھی۔ "کوئی نہیں لوٹے گا۔ ندی کے کنارے کنارے پہاڑ کے رخ پر اسے تلاش کرو"۔

"میں نے ملازموں کو پھیلا دیا ہے یور ہائی نس!" یہ عادل درانی کی آواز تھی۔

"اسے ملنا چاہئے؟" رانی کی آواز غضب ناک تھی۔

"ممکن ہے وہ بچ گیا ہو"۔

"لیکن کہاں گیا؟........... ملنا تو چاہئے"۔

"ممکن ہے حملہ آوروں کے پیچھے نکل گیا ہو"۔

"عادل! وہ ہمارا مہمان تھا' اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہونا چاہئے۔ وہ ایک شاندار آدمی تھا۔ بلاشبہ ایک انوکھا انسان..........."

باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں خیمے میں داخل ہوگئے۔ میں اگر چاہتا تو درمیان کا پردہ نیچے سے اٹھا کر انہیں جھانک بھی سکتا تھا لیکن میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور ساکت و جامد پڑا رہا۔

"آپ اس سے بہت متاثر تھیں یور ہائی نس!" عادل درانی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے محسوس کیا اسے خصوصی حیثیت جا رہی تھی"۔

"عادل!" رانی کے لہجے میں ایک تشویش سی ابھر آئی۔

"جی' یور ہائی نس!"

"کہیں .... کہیں تم نے تو .... تم نے تو .... اوہ عادل! کہیں یہ سب کچھ تم نے تو نہیں کیا؟"

"میں چھپ کر وار کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں یور ہائی نس! اگر وہ زندہ مل جائے تو اسے کسی بھی دن میری طرف سے للکار دیں"۔

"میں نے ان اوقات میں تمہارے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات دیکھے ہیں جب میں اس پر توجہ دیتی ہوں"۔

"آپ رانی ہیں رانی صاحبہ! آپ کی نگاہ جس جانب ہو جائے' کون روک سکتا ہے؟"

"تمہارا لہجہ بتاتا ہے کہ تم .... تم .... عادل! اب تو میں تمہاری طرف سے مشکوک ہوگئی ہوں۔ ممکن ہے اس پر میری توجہ نے بھٹکا دیا ہو یا پھر........ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اپنی اس رات کی شکست نہ بھول سکے ہو"۔

"وہ شکست نہیں تھی' صرف اتفاق تھا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ اگر وہ زندہ مل جائے تو طاقت آزمائی کے لئے کسی بھی کھیل میں' اسے میرے مقابل لے آئیے"۔

"تو یہ سب کچھ........ تم نے تو نہیں کیا عادل!"

"آپ ضرورت محسوس کریں تو اس سلسلہ میں بھی کوئی کمیشن مقرر کر دیں۔ آپ کا تنہا معتمد میں ہی تو نہیں ہوں"۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو عادل........"

"کبھی کبھی اپنی اوقات پر غور کرلیا کرتا ہوں۔ خاص طور سے ان حالات میں' جب آپ کے ہم پلہ لوگ آپ کے ساتھ ہوتے ہیں!"

"یہ عدم اعتماد کا اظہار ہے تم ان حالات سے سمجھوتہ نہیں کر رہے ہو جو ہمیں درپیش ہیں........ تم سارے خطرات مول لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں کل ہی تمہاری اصل حیثیت کا اعلان کردوں گی لیکن اس کے بعد ہمیں یہ سب کچھ چھوڑنا ہوگا اور ہمارے دشمن ہمارے سینوں پر مونگ دلیں گے۔ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے!"

"نہیں میں پر ہوس انسان نہیں ہوں۔ میں پہلے آپ کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے بارے میں سوچوں گا"۔

"بہرحال غلط فہمیوں کا شکار مت بنو۔ پتہ لگاؤ شباب پر کس نے حملہ کیا اور حملہ آور یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"ہمارے دشمنوں کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ رہی میری بات تو میں نے آپ کے سامنے دشمنوں پر گولیاں برسائی تھیں"۔

"لیکن ایک بات تم نے محسوس نہیں کی"۔

"وہ کیا؟"

"خیموں پر گولیاں نہیں برسائی گئیں۔ ایک بھی گولی اس طرف نہیں چلائی گئی۔ وہ سب اسی پر گولیاں برساتے رہے گویا صرف اسے ہی قتل کرنا چاہتے ہوں"۔

"ممکن ہے اس وقت وہ یہی چاہتے ہوں!"

"لیکن کیوں!"

"اس کی ذہانت اور مستعدی کا خطرہ محسوس کر کے!"

"لیکن ان کا مقصد تو مجھے ہی قتل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا اصل کام بھی کرسکتے تھے اور ان خیموں میں' میں محفوظ بھی نہیں تھی"۔

"آپ کی بات گھوم پھر کر وہیں پہنچ رہی ہے"۔ عادل درانی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جس شخص نے اس پر گولیاں برسائی ہیں، وہ ان خیموں کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور ایسا انسان میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے"۔

"تمہاری گفتگو زیادتی کی حدود میں داخل ہوگئی ہے میں تمہیں کیا سمجھتی ہوں، تمہارے لئے کیا جذبات رکھتی ہوں، تم ان کا مذاق اڑا رہے ہو"۔ رانی صاحبہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"معاف کرنا شاہانہ! تمہارے وہ جذبات اب مجھے مشکوک نظر آرہے ہیں"۔ عادل درانی نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ جس بے تکلفی سے اس نے رانی کو مخاطب کیا تھا وہ کچھ اور ہی کہانیاں سناتی تھیں۔

"لیکن کیوں؟"

"حالات......... اور دنیا کے سامنے میری حیثیت اپنی جگہ لیکن تم نے پہلے مجھے اس طرح نظر انداز کبھی نہیں کیا تھا۔ آج کل میں خود کو صرف ایک ملازم .... ایک غلام محسوس کر رہا ہوں"۔

"تو تم سے علی اعلان اظہار عشق کرتی پھروں .... کیوں؟"

رانی کے لہجے میں جھلاہٹ پیدا ہوگئی اور ان الفاظ نے میرے شبے کی تصدیق کر دی۔

"نہیں .... بہرحال میں جو کچھ ہوں، اسے کبھی نہیں بھولوں گا۔ باقی رہے میرے تصورات تو ممکن ہے ان کو بھی سہارا مل جائے؟"

"تمہارے ان الفاظ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔ میں تو تمہیں اپنی رگ جاں سے قریب سمجھتی تھی لیکن آج تم نے اجنبیت کا احساس دلایا ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو .... تو میں اس کو اس کا معاوضہ ادا کر کے واپس بھیج دوں گی"۔

"میں یہ نہیں چاہتا"۔ عادل درانی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

"تب میں نہیں جانتی تم کیا چاہتے ہو......... براہ کرم مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ عادل اس وقت چلے جاؤ۔ تمہارے الفاظ نے مجھے بڑی ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں کہتی ہوں اس وقت چلے جاؤ"۔ رانی نے کسی قدر تیز آواز میں کہا۔

"شکریہ یور ہائی نس!" عادل نے کہا اور شاید باہر نکل گیا۔ رانی کے خیمے میں سے پھر کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ لیکن میرے ذہن میں خیالات کا سمندر موجزن ہوگیا۔ رانی

اور عادل درانی کا کوئی پوشیدہ معاملہ بھی ہے۔ عشق .... لیکن عادل درانی کون ہے؟ مغرور رانی نے اسے اپنے قابل کس طرح سمجھ لیا۔ معاملات پھر کافی دور چلے جاتے تھے۔

بوڑھا نواب۔ اس کے دو بچے۔ رانی، عادل درانی، لیکن رانی عادل درانی کو کس طرح اپنائے گی۔ کیا نواب فیروز کو راستے سے ہٹایا گیا ہے۔ ممکن ہے۔ اوہ۔ اس سازش کی جڑیں گہری بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً، رانی آف اٹر پور نے کسی طرح نواب فیروز کے ساتھ زندگی گزاری لیکن بالآخر اسے ایک منظور نظر مل گیا۔ اس نے اور عادل درانی نے مل کر نواب فیروز کو راستے سے ہٹا دیا اور اس کے بعد، شاہینہ تو بے چاری معذور تھی۔ منصور ہی ایک کانٹا تھا۔ چنانچہ ممکن ہے رانی اور عادل درانی مل کر ہی یہ کھیل کھیل رہے ہوں۔ مقصد منصور کو مجرم قرار دینا ہو۔ تاکہ وہ بھی راستے سے ہٹ جائے۔

کہانی اس طرح جامع ہوگئی تھی کہ مجھے اس کی صداقت کا یقین ہونے لگا۔ پھر تو ذہن راستوں پر آپڑا۔ لیکن پھر یہ حملہ، اور اس کے ساتھ ہی ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں جاگ اٹھا۔ کہیں یہ حملہ کلاریا کی طرف سے نہ ہو۔ اس نے مجھ سے انتقام کی بات کی تھی۔ حملہ آور اس کے دونوں ساتھی بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اب اس وقت ان کے بارے میں معلوم ہونا ناممکن تھا۔ ہاں دن کی روشنی میں کچھ کروں گا۔ لیکن عادل درانی اب میری نگاہوں میں مشکوک ہوگیا تھا۔ رانی کے بارے میں نیا انکشاف ہوا تھا اس لئے اب اسے بھی نگاہ میں رکھنا ہوگا لیکن سرور کو کس خانے میں رکھوں گا۔ ابھی بہت سے سوالات الجھے ہوئے تھے اور انہیں سلجھاتے سلجھاتے مجھے نیند آگئی۔ صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب میری آنکھ کھل گئی۔ گھڑی میں پونے پانچ بجے تھے۔ میں بستر کے نیچے سے نکل کر بستر پر آلیٹا، لیٹنے سے قبل بھیگا ہوا لباس بدل لیا تھا۔ آنکھوں میں ابھی نیند تھی اس لئے دوبارہ سوگیا اور پھر کسی کے جھنجھوڑنے پر ہی آنکھ کھلی تھی.........!"

سب سے پہلے رانی کی صورت نظر آئی۔ وہی جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس کے عقب میں دوسرے لوگ بھی نظر آئے جن میں عادل درانی بھی تھا۔ "کیسے ہو شہاب؟" رانی نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں"۔ میں نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

"زخمی تو نہیں ہوئے؟"

"جی ....؟" میں نے حیرانگی سے کہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"آپ رات کے حملے کی بات کر رہی ہیں۔ آپ لوگ بھی جاگ گئے تھے؟"

"جاگ گئے تھے .... ارے ہم نے مقابلہ کیا تھا حملہ آوروں سے!" رانی نے کہا۔

"کوئی مارا گیا؟"

"بھاگ گئے تھے۔ وہ چٹان پر تھے۔ میں خود جا کر دیکھ آئی۔ وہاں خون وغیرہ موجود نہیں ہے"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا۔

"تب پھر جانے دیں۔ وہ دوبارہ آئیں گے تو دیکھ لیا جائیگا!" میں نے لاپرواہی سے کہا اور سب ہی مجھے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"یوں لگتا ہے جیسے یہ حملہ خود تم نے اپنے اوپر کرایا ہو"۔ کلاریا نے کہا۔

"ہاں لگتی تو بہت سی باتیں ہیں.......... آپ بھی تو یہ کوشش کر سکتی ہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم چلے کہاں گئے تھے شہاب؟" رانی نے جلدی سے بات کاٹ کر پوچھا۔

"حملہ آوروں کی اٹھکیلیوں سے بیزار ہو کر جنگل کی طرف، کمبختوں کو صحیح نشانے لگانے بھی نہیں آتے؟" میں نے بیزاری سے کہا۔

"اب مسٹر شہاب خود کو نڈر ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں!" آسٹریلوی ہوٹ نے کہا اور میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پستول یا بندوق کا ایک بھی کارتوس بیکار ضائع ہو جائے، تو دوبارہ ہاتھ میں بندوق نہیں اٹھانی چاہئے۔ مسٹر ہوٹ! یہی میرا اصول ہے۔"

"تمہارا اصول.......... لیکن شکار کے دوران تو تم نے ایک بھی فائر نہیں کیا"۔ کلاریا نے پھر کہا۔

"میں درندوں کا شکاری ہوں..........بہرحال آپ لوگوں کی تشویش کا شکریہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ فکرمند نہ ہوں"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ عادل درانی بڑی تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس شخص نے رانی کے سامنے چیلنج کیا تھا اور اچانک میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں کسی طرح سے اسے غصہ دلا دوں تاکہ وہ اپنی اوقات سے آگاہ ہو جائے اور ناشتے کے دوران اس کا موقعہ خود عادل درانی نے فراہم کر دیا۔ اس وقت

رانی نے اسے بھی ناشتے میں شریک کیا تھا۔ غالباً رات کی گفتگو کے زیر اثر۔

"شہاب صاحب! آپ کا نشانہ دیکھنے کو دل چاہتا ہے لیکن اب اس جنگل میں درندے کہاں سے لائے جائیں!"

"آپ کی خواہش کی تکمیل سر آنکھوں پر مسٹر عادل! لیکن میری طبیعت دوسروں سے کچھ مختلف ہے۔ اگر گولی چلانے کی بات ہو تو پھر اس کے ضمن میں دوسری چیزیں بھی آتی ہیں"۔

"مثلاً؟" عادل نے پوچھا۔

"اول تو میں ایسے کھیل کھیلتا نہیں اور جب کھیلتا ہوں تو تشنہ نہیں رہنا پسند کرتا۔ مثلاً اگر میں کسی درندے کو زخمی کرتا ہوں تو اس طرح کہ وہ ہلاک نہ ہو اور پھر میں اسے خالی ہاتھوں سے شکست دیتا ہوں۔ آپ کسی ایسے شخص کو لائیے جو جسمانی ورزش میں بھی میرے مقابل آسکے تاکہ کھیل مکمل ہی کھیلا جائے"۔

"عجیب بات ہے۔ ویسے اگر رانی صاحبہ حکم دیں تو میں خود کو اس کے لئے پیش کر دوں"۔ عادل درانی نے کہا۔

"آپ..........!" میں نے کسی قدر مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "ارے نہیں.......... آپ شریف اور نازک سے آدمی ہیں۔ آپ کہاں ان جھگڑوں میں پڑیں گے!"

"تجویز تو عمدہ ہے، کیوں نہ یہ کھیل ہو جائے۔ کیا تم سنجیدہ ہو شہاب؟ دیکھو نا ہم تفریح کے لئے آئے ہیں ان تفریحات میں جو بھی اضافہ کر دیا جائے"۔

"میں بالکل سنجیدہ ہوں، لیکن یہ عادل صاحب پرجوش نظر آ رہے ہیں۔ اگر میرے ہاتھوں سے ٹوٹ پھوٹ گئے تو آپ ناراض ہو جائیں گی! میں نے بدستور مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ اب میں کیا کرتا عادل درانی نے خود ہی اپنی شامت کو آواز دی تھی۔

"میں قطعی ناراض نہ ہوں گی۔ لیکن کھیل.......... کھیل کی حدود میں رہنا چاہئے"۔

"میں تیار ہوں!" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ عادل درانی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تم بھی قواعد کی پابندی کرو گے عادل!" رانی نے کہا۔

"کوشش کروں گا یور ہائی نس! لیکن میرا استاد ایک ریڈ انڈین تھا۔ اس کا قول تھا

کہ جب ہتھیار ہاتھ میں اٹھاؤ تو ہلاک کر کے رکھو!" عادل درانی نے کہا۔

"آپ عادل درانی کو اجازت دے دیں رانی صاحبہ! ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں زخمی کروں گا!"

"یہ غلط ہے جنگی کھیل.......... اخلاق کی گرافت میں نہیں آتے' تم کوئی رعایت نہیں کرو گے"۔ عادل درانی نے غصے سے کہا۔ رانی مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے جلدی سے نگاہیں جھکالیں۔ بہرحال ہم اب باہر نکل آئے۔

ویسے میری لاپرواہ فطرت نے سب کو متاثر کیا تھا اور عادل جل کر خاک ہو رہا تھا!

رانی کی آنکھوں میں دلچسپی کے آثار نظر آ رہے تھے اور اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مجھے گلنار کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔ بہرحال خیموں سے کچھ دور مقابلے کا بندوبست کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں پہلے نشانہ بازی کی مشق' پھر خنجر زنی اور آخر میں جسمانی مقابلے کی ٹھہری' ہم دونوں کو نشانہ بازی کے لئے پستول دیئے گئے۔ تمام لوگ ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہوگئے اور نشانہ بازی کی جگہ منتخب کرلی گئی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کی سب سے بلند شاخ پر ایک پرندے کو نشانہ بنایا گیا یہ گولی عادل درانی نے چلائی تھی۔ پرندے کے چیتھڑے اڑ گئے۔ سب نے بے اختیار تالیاں بجائی تھیں اور پھر ہم کسی دوسرے پرندے کے کسی درخت کی شاخ پر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ فائر کی آواز سے پرندے اڑ گئے لیکن اس کثرت سے تھے کہ کہاں جاتے۔۔۔۔چنانچہ چند ثانیوں کے بعد دوسرا پرندہ عین اسی جگہ آبیٹھا۔

"اب اگر تم بھی اسے نشانہ بنا لیتے تو مقابلہ برابر ہو جائیگا۔ پھر کوئی دوسری کوشش! رانی صاحبہ نے کہا۔

"میں اس نشانے میں ندرت پیش کروں گا"۔ میں نے کہا اور پھر پرندے پر فائر کر دیا۔ پرندہ فضا میں تھوڑا سا اڑا اور لڑکھڑاتا ہوا نیچے آن لگا۔

"اس میں کیا ندرت رہی' میرا خیال ہے ٹھیک نشانہ بھی نہیں لگا۔ کلاریا نے جلدی سے کہا۔

"اس کی صرف چونچ غائب ہوگی" میں نے ہونٹ بھینچ کر رانی کو دیکھتے ہوئے کہا اور رانی چونک پڑی۔

"تمہیں یقین ہے"۔ اس نے پوچھا۔

"ملاحظہ فرمالیں! میں نے کہا۔ ایک ملازم کو پرندہ اٹھانے کے لئے دواڑایا گیا۔ اور وہ پرندہ اٹھالایا۔ پرندے کی چونچ ٹوٹ گئی تھی۔

"چونکہ نشانہ ٹھیک نہیں تھا زخمی چونچ دیکھ لی..........."

عادل درانی نے کہا لیکن میری پستول سے لگاتار تین دھماکے ہوئے' اور عادل درانی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ میں نے اچانک ایک درخت سے پرواز کرنیوالے تین کوؤں کو نشانہ بنایا تھا۔ "ان کے صرف پاؤں ٹوٹے ہوں گے"۔ میں نے مسرور لہجے میں کہا۔

"اوہ' خدا کی پناہ! تینوں کے؟" رانی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جی! پیروں کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ زخمی ہوا تو پانچویں گولی اپنے دماغ میں اتار دوں گا" میں نے جواب دیا۔

"جاؤ' دوڑو' انہیں پکڑو!" رانی نے کچھ فاصلے پر اترنے والے کوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ملازم پھر دوڑ پڑے۔ تینوں کوے لا کر سامنے ڈال دیئے گئے۔ تینوں کے پاؤں غائب تھے۔ "اوہ میرے خدا! کیا یہ بھی اتفاق ہے؟" اس نے کلاریا کی طرف دیکھا پھر عادل سے بولی۔ "عادل! تم کوشش کرو!"

"نشانہ بازی میں یہ مجھ سے زیادہ ماہر ہیں!" عادل درانی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میں نے پستول ایک طرف اچھال دیا' پھر ہم دونوں نے خنجر سنبھال لئے اور لوگوں کے چہروں پر تھوڑی سی تشویش نظر آنے لگی' ہم دونوں ایک دوسرے کو تول رہے تھے۔ دفعتاً عادل درانی ایک پاؤں پر گھوما اور گھومتے ہی اس نے سیدھے ہاتھ میں پکڑا خنجر الٹے ہاتھ میں پکڑلیا۔ اس طرح دھوکہ دے کر وہ کامیاب ہونا چاہتا تھا لیکن اس داؤ سے میں بخوبی واقف تھا۔ میں پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن عادل نہ رکا۔ وہ پھر گھوما اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اس بار پھر اس نے ہاتھ بدل دیا ہے لیکن خنجر اسی ہاتھ میں رہا۔

میں نے خنجر کی چمک دیکھ لی تھی۔ چنانچہ پینترا بدل کر میں نے اسکے خنجر والے ہاتھ پر ہلکا سا چرکا لگا دیا اور عادل ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کے چہرے پر جھلاہٹ نمودار ہو رہی تھی۔ اس بار پھر اس نے الٹی قلابازی کھائی اور نیچے پاؤں ٹکانے کے بجائے فضاء میں ہی اچھل کر میرے اوپر آ رہا۔ کیونکہ وہ جسمانی دھوکے دے رہا تھا اس لئے اس بار میں نے بھی کوشش کی اور اس کے توازن کو نگاہ میں رکھ کر اس کی ٹانگوں پر ایک

ضرب لگائی۔ درانی کروٹ کے بل گرا اور میں نے اس کے خنجر والے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا اور دوسرے لمحے میرے خنجر کی نوک اس کی گردن سے جا لگی۔ رانی نے بے اختیار تالیاں بجائیں اور ملازم بھی بادل ناخواستہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔

"ہٹالوں؟" میں نے رانی سے پوچھا۔

"ہاں.......... اب کیا گنجائش ہے؟" وہ بولی اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ دشمنوں کی طرف سے لاپرواہی پاگل پن ہوتی ہے' رانی عادل درانی کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے قمیض اتار دی۔ اب جسمانی مقابلے کی باری تھی۔ عادل درانی کو دونوں کوششوں میں تکلیف ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ اتر گیا۔ اس جسمانی کوشش کا نتیجہ بھی اسے معلوم تھا۔ کیونکہ ایک بار تجربہ کر چکا تھا!

اس موقع پر رانی نے اس کی مدد کی "میرا خیال ہے یہ مقابلہ ملتوی کر دیا جائے"۔

"اوہ.......... نہیں شاہانہ .... ہونے دو"۔ کلاریا بھوکی نگاہوں سے میرے بدن کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"عادل! اپنے خیمے میں جاؤ"۔ رانی نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ عادل ایک لمحے کے لئے جھجکا اور پھر سیدھا اپنے خیمے کی جانب بڑھ گیا۔ تب رانی نے تحسین آمیز نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولی۔ "تم نے ہر لحاظ سے اس پر فوقیت حاصل کر لی ہے!"

"شکریہ یور ہائی نس!" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ کلاریا کا موڈ کسی حد تک خراب ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے خیمے میں چلی گئی اور اس کے ساتھی بھی! تب رانی کی پیشانی پر کسی قدر ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئیں۔ "کچھ لوگ وقت اور ماحول کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ خود عادل بھی تمہارے سامنے سے ہٹ جانے کا خواہش مند تھا!"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں!" میں نے انکساری سے کہا۔

"تم حیرت انگیز ہو۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ اپنی ذات میں یکتا ہو"۔

"عزت افزائی کے لئے ایک بار پھر شکر گزار ہوں!"

"آؤ..........!" رانی نے ندی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور میں اس سے ایک قدم پیچھے چلتا ہوا کنارے پر پہنچ گیا۔ "ایک بات کہنا چاہتی ہوں' لیکن وعدہ کرو کہ اس

سلسلہ میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرو گے"۔

"جی.......... وعدہ کرتا ہوں"۔

"ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔ رات کو تمہارے اوپر جو حملہ ہوا' میں اسے اپنے دشمنوں کی کارروائی نہیں کہہ سکتی کیونکہ وہ تمہارے اوپر حملہ کرنے کے ساتھ ساتھ میرے خیمے پر بھی گولیاں برسا سکتے تھے!"

"جی.......... قابل غور بات ہے"۔

"کیا کلاریا کے انتقامی جذبے نے تو..........؟"

"لیکن آپ لوگ تو جاگ گئے تھے۔ آپ کے ملازموں نے حملہ آوروں پر فائرنگ بھی کی تھی۔ کیا آپ نے اس وقت کلاریا کے ساتھیوں پر غور کیا تھا؟"

"تصور بھی نہیں تھا ذہن میں اس لئے توجہ ہی نہیں دی۔ لیکن بعد میں انہیں دیکھا تھا"۔

"ممکن ہے مس کلاریا نے یہ شغل کیا ہو؟"

"بہرحال میں اس کی تحقیقات کروں گی۔ وہ انتہا پسند ہے یقین جانو اب تو مجھے بھی تم سے تھوڑی سی شرمندگی ہو رہی ہے"۔

"اوہ' وہ کیوں رانی صاحبہ!" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس مذاق ہی مذاق میں.......... میرا خیال تھا کہ تم کلاریا کو پسند کرو گے مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنے ٹھوس کردار کے مالک نکلو گے' مجھے معاف کرنا!"

"نہیں رانی صاحبہ.......... ٹھوس کردار تو نہیں ہوں البتہ خود پرست ضرور ہوں۔ ان کے سامنے نہیں جھکتا جو میری سربلندی کی جانب سے مشکوک ہوتے ہیں!"

"یہی تو مرد کی شان ہوتی ہے۔ بہرحال یہاں تفریح کی غرض سے آئے تھے لیکن حالات بڑے بیزار کن ہو گئے ہیں۔ کیوں نہ واپس چلیں۔ یقین کرو جب سے یہ خیال آیا ہے کہ ممکن ہے کلاریا نے تم پر فائرنگ کرائی ہو' طبیعت مکدر ہو گئی ہے۔ تمہیں واپس چلنے میں اعتراض تو نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں.......... بلکہ میں تو محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں آکر میں معطل ہو گیا ہوں۔ بہرصورت مجھے اپنے کام کی تکمیل کے بعد واپس بھی جانا ہے!"

"واپس جانے کی بہت جلدی ہے؟" رانی صاحبہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ

پوچھا۔

"ڈاکٹر برہان اصول پرست انسان ہیں۔ ہمیں لمحوں کا تعین کرنا پڑتا ہے!"

"ڈاکٹر برہان!" رانی نے پرخیال انداز میں کہا اور پھر چونک پڑی۔ "آؤ واپس چلیں، کسی اور وقت میں تم سے کچھ ذاتی گفتگو کروں گی قطعی ذاتی!"

"بہتر!" میں نے جواب دیا اور پھر خیموں میں آگئے، لیکن جونہی ہم خیمے کے نزدیک پہنچے، کلاریا اپنے خیمے سے نکل آئی۔

"سوری شاہانہ! میں واپس جانا چاہتی ہوں.......... اگر تم ابھی نہ چل سکو تو براہ کرم میری واپسی کا بندوبست کردو!"

"ارے، اچانک فیصلہ کرلیا..........!" رانی مصنوعی انداز میں مسکرائی..........

"ہاں.......... پلیز میرے لئے"

"ٹھیک ہے ہم سب چلتے ہیں کچھ دیر آرام کرو.......... میں ہدایات دے رہی ہوں"۔

"شکریہ!" کلاریا ایک جھٹکے سے واپس مڑگئی۔ رانی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے خیمے میں داخل ہوگئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم واپسی کا سفر کررہے تھے۔ میرے ذہن میں بے شمار خیالات رقصاں تھے۔ بڑے ہی دلچسپ جھگڑوں میں آپھنسا تھا۔ رانی صاحبہ کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ ان کے محبوب کو میرے ہاتھوں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ نہ جانے ان کے دل میں کیا ہو؟ البتہ عادل درانی کی طرف سے ہوشیار تھا۔ یہ شخص یہاں صاحب اختیار تھا اور میری اس سے براہ راست چل گئی تھی۔ اپنے اوپر ہونیوالے حملے کے بارے میں، ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تھا لیکن رہ رہ کر خیال عادل درانی کی طرف ہی جاتا تھا اور یہ احساس ہوتا تھا کہ اس حملے کا فیصلہ یہاں آکر نہیں کیا گیا بلکہ پہلے ہی سے یہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ بہرصورت دیکھا جائیگا ان عادل صاحب کو بھی، راستے میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور ہم محل پہنچ گئے۔

میں اپنی رہائش گاہ میں چلا آیا تھا۔ یہاں آکر میں نے پہلے اس بات کا جائزہ لیا کہ محل کے اندر اگر میرے اوپر حملہ کیا گیا تو حملہ آوروں کو کیا سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اگر مجھے بستر پر گولی مارنے کی کوشش کی جائے تو اس سے بچاؤ کے کیا انتظامات ہوسکتے ہیں۔

اور یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ میں نے تھوڑی سی کوشش کے بعد اپنے لئے بہترین انتظامات کرلئے اور اس کے بعد مطمئن ہوگیا لیکن اس کام کی طوالت سے الجھن ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر برہان سے یہاں آنے کے بعد کوئی رابطہ نہیں قائم ہوسکا تھا۔ خود ڈاکٹر نے بھی ایسی کوشش نہیں کی تھی اور عموماً نہیں کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھ سے ضرورت سے زیادہ مطمئن تھا۔ لیکن ایسا اس صورت میں مناسب تھا جب حالات ناگفتہ بہ ہوتے اور ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہاں جسمانی ورزش کے بجائے ذہنی ورزش زیادہ تھی۔ ہاں یہ دوسری بات تھی کہ ابھی تک میں کوئی اہم نکتہ تلاش نہیں کرسکا تھا وقت محدود تھا کوئی ایک سرا ہاتھ لگ جاتا تو پھر ساری گتھی آسانی سے سلجھ جاتی۔

دوپہر کے کھانے کے لئے درخواست کی گئی کہ اپنے کمرے ہی میں کھاؤں۔ رات تک رانی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن رات کے کھانے پر ملازمہ بلانے آگئی۔ کھانے کے کمرے میں پہنچا تو رانی صاحبہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"بیٹھو!" انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"مہمان..........؟" میں نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

"واپس چلے گئے"۔

"اوہ، شاید ناراض ہوکر!"

"ہاں! لیکن میں نے کلاریا کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ حالات یونہی خراب ہیں۔ وہ میری الجھنوں کو محسوس کرنے کی بجائے اپنی تفریحات جاری رکھنا چاہتی تھی"۔

"میری طرف سے شکریہ قبول فرمائیں!" میں نے کہا اور رانی بے اختیار ہنس پڑی۔

"ہاں میں شرمندہ ہوں۔ تمہیں غلط سمجھ کر میں نے تمہارے لئے الجھنیں پیدا کردی تھیں۔ یقین کرو اس کے ساتھ میں نے یہ سلوک تمہاری وجہ سے بھی کیا۔ میں محسوس کررہی تھی کہ وہ .... وہ دوسروں کو صرف کھلونا سمجھتی ہے۔ کھانا شروع کرو!" انہوں نے پلیٹیں سرکاتے ہوئے کہا۔ اور ہم کھانے میں مشغول ہوگئے۔

"شہاب!" کھانے کے دوران اچانک رانی نے سرجھکائے جھکائے مجھے پکارا۔

"جی رانی صاحبہ!"

"تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں!"

"فرمایئے!"

"اتنی مختصر بھی نہیں.......... اور پھر یہ جگہ مناسب بھی نہیں ہے"۔

"پھر جہاں آپ فرمائیں"۔

"رات کو تقریباً بارہ بجے' میری خواب گاہ میں آ جانا"۔

رانی نے بدستور سر جھکائے ہوئے کہا اور میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی' جسے میں نے جلدی سے چھپالیا۔

"حاضر ہو جاؤں گا!"

"انتہائی احتیاط سے' یہ تمہاری ذہانت پر مبنی ہو گا کہ کس طرح پہریداروں کو دھوکہ دیتے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ کسی کو خبر ہو"۔

"بہت بہتر"۔ میں نے جواب دیا اور رانی خاموش ہو گئی۔ کھانے کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں چلا آیا۔ لیکن بدن میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ دل میں خوشی کا احساس تھا۔ رانی بے حد حسین تھی اور میری طرف مائل ہو رہی تھی۔ بہرحال وہ کلاریا کی طرح میرے لئے ناپسندیدہ نہیں تھی اور مجھے دوسروں پر فوقیت دے رہی تھی۔ اس لئے اس کی یہ کشش انگیز دعوت میرے لئے دل خوش کن تھی۔

رات کو اپنی خواب گاہ سے نکل آیا۔ پہریداروں کو دھوکا دینا کونسی بڑی بات تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک ستون کی آڑ میں ہلکی سی آہٹ پیدا کی وہ دونوں اس طرف دوڑ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا' میں اندر داخل ہو گیا۔

خواب گاہ میں ٹھنڈی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رانی آف اٹرپور ایک کرسی میں دراز تھیں۔ ان کے بدن پر سیاہ رنگ کا گون تھا جو مکمل طور پر بدن کی پردہ پوشی کر رہا تھا۔ البتہ بال کھلے ہوئے تھے اور ان کھلے ہوئے سیاہ بالوں کے درمیان ان کا سفید چہرہ چمک رہا تھا۔ "دروازہ بند کردو"۔ ان کی آواز سرگوشی کے انداز میں ابھری اور ان کی فرمائش پر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ خواب گاہ بے حد وسیع تھی اور انتہائی نفاست سے آراستہ تھی۔ رانی صاحبہ اس کرسی سے اٹھ گئیں۔ "اس طرف آ جاؤ" انہوں نے خواب گاہ کے دوسرے سرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ان کے پیچھے چلتا ہوا میں اس جگہ پہنچ

گیا جہاں بہت بڑے بڑے آرام دہ صوفے پڑے ہوئے تھے۔

"بیٹھو شہاب!".......... رانی صاحبہ بھی ایک صوفے پر گر گئیں۔ میں ادب سے بیٹھ گیا تھا۔ ان کے چہرے پر میں نے گہری سنجیدگی پائی تھی صرف ایک لمحے کے لئے مجھے حیرت ہوئی.......... شاید میں اس دعوت پر غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے خود کو سنبھال لیا۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولیں۔ "شہاب صاحب! کیا انسان بہت بڑا پیدا ہوتا ہے کیا ذاتوں اور حیثیتوں کی تفریق قدرتی ہوتی ہے؟"

"میرا خیال ہے نہیں!"

"ہم کسی دولت مند گھرانے میں پیدا ہو جاتے ہیں تو رئیس' نواب' اور شہنشاہ کہلانے لگتے ہیں' کسی غریب کی جھونپڑی میں پیدا ہوتے ہیں تو غریب اور پنچ تصور کئے جاتے ہیں' اپنی کوششوں سے کچھ بن جائیں تو لوگ ہمیں وہی درجہ دے دیتے ہیں جو ان کے سامنے ہوتا ہے۔ اس میں ہماری اپنی حیثیت کیا ہے؟"

"صرف ایک بے بس اور بے کس انسان کی!" میں نے جواب دیا۔

"کیا کوئی دولت مند مظلوم نہیں ہوتا؟"

"کیوں نہیں رانی صاحبہ!"

"پھر تو انسان بذات خود کچھ نہیں ہوا۔ لوگ مجھے رانی کہتے ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ خود اپنی ذات میں میرے اختیارات کیا کیا ہیں۔ شہاب! بعض اوقات انسان بے بس ہو کر کسی دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں مدد کی طلب ہوتی ہے۔ دوسرے انسان کو اس وقت کیا کرنا چاہئے؟"

"اگر ممکن ہو تو ضرورت مند کی امداد"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مختصراً اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔ حالات نے مجھے رانی بنا دیا لیکن میرا بستر ہمیشہ خالی رہا۔ اس سے زیادہ میں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ ہاں ایک سوال ضرور کروں گی۔ کیا انسان خالی رہ کر پوری زندگی گزار سکتا ہے؟"

"مشکل ہے.......... لیکن بعض اوقات مجبوریاں مشکل کی تابع نہیں ہوتیں"۔

"وہ فریاد تو کر سکتا ہے؟" رانی نے دکھی لہجے میں کہا۔

"ہاں یہ قدرت اسے حاصل ہے!"

"میں بھی ویسی ہی انسان ہوں.......... بڑی کمزور بنیادوں پر میری نشوونما

ہوئی۔۔۔۔۔۔پتلی پتلی دیواریں میری پشت پناہ نہیں تھیں' اور پھر یہ دیواریں گر گئیں اور میں بے بس ہو کر محل میں آکر قید ہوگئی۔ میں نے تقدیر سے سمجھوتہ کیا لیکن تقدیر کے کھیل نہ بدل سکی۔ نواب فیروز مرگئے اور اس کے بعد میں سازشوں میں گھر گئی۔ کیا اس کو زندگی کہتے ہیں۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ مجھے بھی انسان سمجھا جائے۔ میں نے زندگی کے ایک بڑے حصے کو رو رو کر کاٹا ہے۔ کب تک روتی رہوں۔ شہاب! کب تک روتی رہوں؟" رانی سسکنے لگی۔

"میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں رانی صاحبہ!" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ میں اس تمہید کا اختتام چاہتا تھا!

"شہاب! ایک وعدہ کرو.......... کہ اس وقت پورے خلوص و دیانت سے سچ بولو گے۔ وہ سچ جو کسی کے سامنے نہ بولا جائے۔ میری پہلی خواہش یہ ہے!"

"آپ بولئے.......... میں آپ کے سوالات کے جواب سچ دونگا!"

"میری اس وقت کی دعوت کو تم نے کیا سمجھا تھا؟ دیکھو سچ بولنے بونے کا وعدہ کر چکے ہو"۔

"آپ برداشت کرلیں گی!" میں نے پوچھا۔

"پورے خلوص سے وعدہ کرتی ہوں"۔

"میں نے اسے ایک عورت؟ کی آواز سمجھا تھا۔ ایک نوجوان عورت کی طلب..........اور میں ان لمحات میں' وقفے کے ان لمحات میں ایک مسرت کا شکار رہا ہوں!" میں نے جواب دیا اور اور رانی کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ دیر تک وہ سر جھکائے رہی۔ پھر نگاہیں اٹھائیں تو ان میں پیار جھلک رہا تھا!

"اور یہ جھوٹ بھی نہیں ہے لیکن اس سوچ میں تھوڑی سی ترمیم کرنا چاہتی ہوں"۔

"جی!" میرا دل پھر دھڑک اٹھا تھا۔

"سچ کہہ رہی ہوں شہاب! میرا تعلق ایک شریف گھرانے سے ہے' وہ گھرانہ کن حالات کا شکار ہوا جس کے تحت میں اپنی حیثیت سے بڑھ گئی' یہ ایک طویل داستان ہے جو پھر کبھی سناؤں گی لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ جس منصب پر مجھے زبردستی دھکیلا گیا' اور اتنا کچھ چھینا گیا کہ میں کنگال ہوگئی' اسے آسانی سے چھوڑ دوں' یہ سب کچھ تو اب میری ملکیت

ہے!"

"درست فرمایا آپ نے!"

"میں اسے برقرار رکھتے ہوئے اپنے دل کا سکون بھی چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں میری پشت پر ایک مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے اور کوئی میرا بوجھ اپنے شانوں پر لے لے' لیکن کچھ لوگ مجھ سے میری زندگی کے مسخ شدہ لمحات کا معاوضہ بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ میں یہ سب کچھ کسی کو نہیں دوں گی لیکن اس کے لئے مجھے ایک مضبوط سہارا درکار ہے۔ شہاب! میں' میں تمہاری آغوش میں آنے کی خواہش مند ہوں۔ تم میرے معیار کے انسان ہو۔ لیکن اس طرح نہیں کہ گزارنے والی رات کا تصور مجھے شرمسار کردے۔ میں تمہیں اپنا حق سمجھنا چاہتی ہوں۔ میں تم سے شادی کی خواہش مند ہوں تاکہ لوگ میری حیثیت جان لیں!"

میرے حلق میں قہقہے کا گولہ سا پھٹا اور میں نے اس ہنسی کو کھانسی میں تبدیل کرلیا۔ دل ہی دل میں میں نے سوچا رانی صاحبہ' کیوں میرے دوستوں کو یتیم اور مجھے لاوارث کرنا چاہتی ہو۔ میرا بس چلے تو اس دنیا سے شادی کی رسم ہی ختم کردوں تاکہ انسان ساری زندگی کے لئے گدھا بن کر رہ جائے۔ آپ مجھے بھی گدھوں کی صف میں کھڑا کرنے کی خواہش مند ہیں۔ اور پھر آپ جیسی خاتون.......... میں نے خود کو سنبھالا۔ اب یہاں تو خلوص اور دیانتداری سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اپنا معاوضہ تھوڑی گنوانا تھا!

"خاموش کیوں ہو شہاب! جواب دو"۔

"آپ سے ایک سوال کرسکتا ہوں رانی صاحبہ؟"

"ضرور!"

"عادل درانی کی کیا حیثیت ہے؟" میں نے پوچھا اور رانی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہ اتنی نروس ہوگئی کہ اس کے حلق سے کئی منٹ تک آواز ہی نہ نکل سکی۔ لیکن پھر دروازے پر ہونیوالی دستک نے اس کی مدد کی اور وہ چونک پڑی۔ اوہ' اس وقت کون ہوسکتا ہے۔ شہاب پلیز۔ تم ذرا اس طرف ہٹ جاؤ۔ میں دیکھوں کون ہے؟" رانی نے کہا اور میں ایک دیوار کے پیچھے پوشیدہ ہوگیا جو دوہری تھی۔ اس وقت میں خود کو نمبرون گدھا محسوس کررہا تھا۔

اندر آنیوالا عادل درانی تھا۔ رانی اس کے سامنے اتنی بے بس تھی کہ اس وقت

اسے اندر آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ ”کیا بات ہے درانی!“ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ باہر کی آواز سنائی دی اور میں نے ان کی آوازوں پر کان لگا دیئے۔ گو وہ اس طرف نہیں آئے تھے‘ لیکن آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

”بہت کچھ شاہانہ!“ عادل درانی کی آواز ابھری۔

”لیکن میں تمہیں بتاچکی ہوں کہ میرے سر میں شدید درد ہے۔ میں دیر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت تم نے میرے اوپر ظلم کیا ہے!“

تمہارے صرف سر میں درد ہے شاہانہ‘ لیکن میرا وجود مجسم درد بن گیا ہے۔ بولو کیا اپنے درد کو میرے درد پر ترجیح دوگی!“

”براہ کرم جو کچھ کہنا ہے‘ صبح کو کہہ دینا“۔ رانی نے التجا کی۔

”صبح تک میرا سینہ پھٹ جائیگا شاہانہ! میں یہ رات آسانی سے نہیں گزار سکتا۔ براہ کرم میرے درد کو اس طرح نظرانداز نہ کرو!“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ رانی کی آواز میں لاچاری تھی۔

”تمہارے بدلے ہوئے رویے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ شہاب کون ہے اور تم اس کی جانب ملتفت کیوں ہو؟“

”یہ میرا ذاتی معاملہ ہے درانی!“

”میں بھی تو تمہاری ذات ہی کا ایک حصہ ہوں“۔

”لیکن تم خود کو اس کا اہل ثابت نہیں کرسکے۔ بتاؤ میرے دشمنوں کے خلاف تم کیا کرسکے۔ بتاؤ میں کہاں محفوظ ہوں؟“

”تمہارا دشمن صرف صاحبزادہ منصور ہے مجھے اجازت دو کہ اسے گولی مار دوں۔ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے گا!“

”اور اس کے بعد دنیا کے سامنے جوابدہی کون کرے گا؟“

”دنیا خود بخود خاموش ہو جائے گی‘ ہم اس کی زبان بند کردیں گے؟“

”اور اگر دشمنی جاری رہے تو کیا ایک بے گناہ..........“

”لیکن تم اس بات کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہو۔ اور مجھے ناکام لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے! شہاب کوئی بھی ہے لیکن تم سے برتر ہے۔ تم اس سے ہر طرح شکست کھاچکے ہو!“

”شاہانہ!“ عادل درانی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”تو کیا اب تمہارے دل سے میرا اعتماد‘ میرا پیار ختم ہو گیا ہے؟“

”تم اپنی کوشش میں ناکام رہے ہو درانی!“

”شاہانہ! مجھ سے اس لہجے میں بات مت کرو۔ میں مر جاؤں گا۔ میں.......... میں .... عادل درانی کی آواز بھرا گئی۔

”میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا درانی!۔ اس وقت میں شدید منتشر ہوں‘ تسلی بخش جواب نہ دے سکوں گی! براہ کرم اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔ درانی! میں سونا چاہتی ہوں!“

”میں جا رہا ہوں شاہانہ! لیکن للہ! مجھے اس طرح دل سے نہ نکالو۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میرے بارے میں سوچنا میں جا رہا ہوں۔ میں جا رہا ہوں..........“ درانی دروازے سے باہر نکل گیا اور شاہانہ نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔ دیر تک وہ کھڑی شاید درانی کے چلے جانے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی.......... ”آجاؤ شہاب!“ اور میں دوبارہ اسی صوفے پر آبیٹھا۔

”اب تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ عادل درانی کی کیا حیثیت ہے؟ دراصل شہاب! بے سہارا انسان‘ بڑا بدنصیب ہوتا ہے‘ دنیا اسے لوٹ کا مال سمجھ لیتی ہے۔ عادل درانی مجھے مضبوط نظر آیا تھا۔ میری نگاہیں بھٹک رہی تھیں۔ میں ایک خوفزدہ عورت تھی‘ اس لئے میں نے اس کا سہارا تلاش کیا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میرے دشمنوں کو بے نقاب کر کے انہیں فنا کر دے گا اور اس کے لئے اس نے مجھ سے محبت کا سوانگ رچایا۔ میں نے ایک بے سہارا عورت ہونے کی حیثیت سے اس کی پذیرائی کی اور بس.......... اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اندر سے کیا ہے؟“

”واقعی یہ مجبوری کے لمحات تھے!“ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اس تھوڑی سی دیر میں میں نے اپنا کیس بدل لیا تھا۔ ڈاکٹر برہان نے مجھے یہاں اس لئے بھیجا تھا کہ میں اس کیس پر کام کرکے ادارے کے لئے دولت حاصل کروں۔ یہاں ذاتی چکر میں الجھ کر یہ رقم ڈوبتی محسوس ہو رہی تھی اور مجھے یہ ناکامی پسند نہیں تھی اس لئے ضروری تھا کہ رانی کو مطمئن رکھا جائے۔ میرے ان الفاظ نے رانی صاحبہ کے چہرے پر روشنی پھیلا

دی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری اس مجبوری سے تم کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوئے"۔ رانی نے روتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دل میں میرے لئے کوئی غلط فہمی تو نہیں ہے!"

"بالکل نہیں!"

"اوہ شہاب! تم واقعی بلند انسان ہو' تم.......... تم.......... میں نے آج سے خود کو تمہارے حوالے کر دیا ہے! تم جس طرح چاہو' تم جس طرح پسند کرو!"

"ہمیں کچھ اصولوں کی پابندی کرنی ہوتی ہے رانی صاحبہ! اگر زندگی میں اصول نہ ہوں تو انسان آدھا کہلانے کا مستحق ہے"۔

"یقیناً"!

"اس مسئلے کے اختتام تک.......... ہم دونوں کے درمیان اصول کی دیوار رہے گی.......... میں آپ کو آپکی الجھنوں سے نجات دلا دوں۔ اور ڈاکٹر برہان کو مطمئن کر دوں۔ اس کے بعد ہم اپنی زندگی کا فیصلہ کریں گے!"

"میں خود بھی یہی چاہتی ہوں.......... لیکن اب میرا دل بہت بڑھ گیا ہے۔ اب میں خود کو کمزور اور بے سہارا نہیں سمجھتی"۔

"آپ مطمئن رہیں۔ میں اب اور تیزی سے اپنا کام انجام دوں گا!" میں نے جواب دیا اور رانی اپنی جگہ سے اٹھ کر میری آغوش میں آگری۔ "شہاب! شہاب!.......... میں نے اپنے کردار میں کوئی جھول نہیں آنے دیا۔ میں اپنی ذات میں مکمل طور پر زندہ ہوں۔ اگر مجھے یہ زندگی عزیز نہ ہوتی تو.......... تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں خود میں سمو لوں۔ ان تمام محرومیوں کو قتل کر دوں جو آج تک مجھے قتل کرتی رہی ہیں.......... لیکن تم بھی ایک اصول پرست انسان ہو' میں بھی.......... ہم انتظار کریں گے اس دن کا جب ایک دوسرے کے قریب آتے ہوئے' ہمارے ذہن میں کسی شرمندگی کا احساس نہ ہو.......... !"

"ٹھیک ہے رانی صاحبہ!" میں نے جواب دیا۔

"بس اب تم جاؤ.......... میں تمہاری کامیابی کی منتظر ہوں"۔ اور میں سر کھجاتا باہر نکل آیا۔ آج کل عورت کے معاملے میں ستارہ گردش میں تھا۔ نورین درانی کی تاریخ بھی گزر گئی تھی۔ کلاریا اگر ملکہ نہ بنتی تو قابل توجہ عورت تھی اور رانی صاحبہ

نے شادی کے وعدے پر کھسکا دیا تھا۔ ٹھیک ہے بھائی ستارے!!

دوسری صبح کو درانی صاحبہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتے پر بھی وہ نہیں ملیں۔ کسی کام میں مصروف تھیں۔ میں نے درانی کو تلاش کرنیکی کوشش کی لیکن وہ بھی غائب تھا۔ میں نے سوچا کہ میں خود ہی کیوں نہ غائب ہو جاؤں۔ چنانچہ کار لے کر باہر نکل آیا۔ اب اس سلسلہ میں کسی حل کا خواہش مند تھا۔ رات کو دیر تک رانی صاحبہ کی پیش کش پر سوچتا رہا تھا۔ بھلا مجھ جیسے سیماب صفت انسان کے لئے یہ کس طور ممکن تھا کہ ساری تفریحات اور ہنگامے چھوڑ کر ایک بیوی کا شوہر بن جاؤں اور بچے پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ کرسکوں!

سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا تھا اور پھر دوپہر کو ایک ریستوران میں سے کھانا کھا کر نکل رہا تھا کہ سرور نظر آگیا۔ سرور کو دیکھ کر میں اچھل پڑا تھا۔ وہ بھی چوروں کی طرح ایک اسٹور سے نکل رہا تھا۔ غالبا" ان دنوں روپوش رہا تھا اور کسی ہنگامی ضرورت کے تحت باہر نکل آیا تھا۔ اس وقت اسے چھوڑنا کسی طور ممکن نہیں تھا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ سرور سڑک کے کنارے کنارے پیدل چل رہا تھا۔ ایک لمحے میں میرے ذہن میں ایک پروگرام ترتیب پاگیا۔ میں نے اچانک کار کی رفتار بڑھائی اور اسے کنارے لے جا کر آہستہ سے سرور کو دھکا دیا۔ سرور اچھل کر کئی فٹ دور جاگرا۔ دوسرے لمحے میں دروازہ کھول کر نیچے اترا اور اسے اٹھالیا۔ پھر اس طرح گردن ہلائی جیسے اس سے کوئی بات کی ہو لیکن اس کے بازو پر میری گرفت انتہائی سخت تھی۔ "جنبش کی تو کتے کی موت مار دوں گا!" میں نے انتہائی سفاک لہجے میں کہا۔ سرور جو کار کے دھکے سے نروس ہوگیا تھا' میری آواز سن کر بری طرح کپکپا گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور جیسے اس کی جان نکل گی ہو۔

"تمہیں سڑک پر گولی مار دینا میرے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ اس لئے میرے ساتھ آؤ!" .... میں نے پھر اسی انداز میں کہا اور سرور بے جان سے قدموں سے میری کار کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ کے نزدیک کا دروازہ کھولا اور اسے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ چند لمحات کے بعد میری کار کا رخ پھر اسی لال کوٹھی کی طرف تھا لیکن میں نے سرور پر نگاہ رکھی تھی اور پستول بھی اسی انداز میں تھام رکھا تھا کہ اس کی ذرا سی جنبش سے اسے جہنم واصل کر دوں۔ لال کوٹھی تک

سرور نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جو میرے لئے پریشانی کا باعث ہوتی۔ البتہ کوٹھی میں داخل ہوتے ہوئے وہ بری طرح گڑگڑانے لگا............ ”دیکھو............ مجھے ایک بار اور معاف کر دوں۔ میں حالات کا شکار ہوگیا ہوں۔ اس دن کی غلط باتوں کے لئے میں معافی کا طلب گار ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ آئندہ تم سے بھرپور تعاون کروں گا............ میں وعدہ کرتا ہوں............ یقین کرو میں اس بار............ وہ کوٹھی کے اس کمرے تک بولتا چلا آیا جہاں میں اسے پہلے لایا تھا۔

کمرے میں لاکر میں نے اسے ایک زور دار دھکا دیا اور وہ چاروں شانے چت فرش پر جاپڑا۔ میں اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ”ہوں!............ تو تم اب سچ بولنا چاہتے ہو!؟“

”یقین کرو بالکل سچ! اگر اس بار میری بات جھوٹ ثابت ہو تو تم مجھ سے گفتگو کئے بغیر مجھے گولی مار دینا۔ دراصل میں خود بھی اکتا گیا ہوں۔ حالات اس طرح الجھے ہوئے ہیں کہ مجھے اپنے بس سے باہر معلوم ہوتے ہیں!؟“

”ہوں............ تو سچ بولو............ بتاؤ کس کے لئے کام کر رہے ہو؟“ میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔

”بڑا گہرا چکر ہے............ اتنا الجھا ہوا کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ دراصل مجھے............ “ اس نے کہا اور اچانک ہی کمرے میں دھماکوں کا طوفان آگیا۔ اسٹین گن سے ایک باڑھ ماری گئی تھی۔ بے شمار گولیاں کمرے کی دیواروں سے ٹکرائیں۔ میں نے کئی فٹ اونچی چھلانگ لگائی اور سوچے سمجھے بغیر دروازے کی طرف کئی فائر جھونک دیئے۔ میری یہی کوشش میرے لئے زندگی بن گئی۔ ورنہ شاید وہ مزید فائرنگ کرتا۔ میں دروازے کی طرف بھاگا۔ اس دوران میں نے دو فائر اور کئے تھے۔

حویلی کے دوسرے سرے پر مجھے ایک شخص بھاگتا نظر آیا۔ ایک فائر میں نے اور کیا لیکن دوسرے لمحے وہ ایک دیوار کی آڑ میں ہوگیا تھا۔ سرور کا حشر بھی مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے سوچا کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ چنانچہ میں پھر کمرے میں داخل ہوگیا۔ اور سرور کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی۔ اس کا بدن بری طرح مڑا تڑا پڑا تھا۔ گولیوں کے پانچ زخم اس کے بدن کے مختلف حصوں میں نظر آ رہے تھے اور رہ رہ کر وہ تڑپنے لگتا تھا۔ میں نے اسے سیدھا کر دیا۔ سرور کی آنکھیں خون میں ڈوبی

ہوئی تھیں۔ انتہائی کوشش کے باوجود اس کی آواز نہیں نکل سکی اور پھر وہ سرد ہوگیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ تھوڑی سی غلطی مجھ سے بھی ہوئی تھی۔ میں نے ایک بار بھی تعاقب کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ بات صاف ظاہر تھی۔ میرا تعاقب ہوتا رہا تھا اور پھر سرور کو ساتھ لانے کی کارروائی بھی دیکھی گئی اور تعاقب کرنیوالے نے اس مرحلے پر آکر ہم دونوں کو ہلاک کرنیکی کوشش کی۔ اگر اس کوشش میں بدحواسی نہ ہوتی تو اس کمرے میں اسٹین گن کی گولیوں سے بچنا مشکل تھا۔ بہرحال سرور کے بارے میں اتنا اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ وہ کوئی خاص بات جانتا تھا! اور ممکن ہے کہ اس وقت............ دفعتاً“ میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس خیال کے تحت میں نے سرور کی جیبوں کی تلاشی لی۔ پلاسٹک کے ایک چھوٹے سے پرس میں مجھے چند چیزیں مل گئیں۔ ایک رسید قابل توجہ تھی جس میں ہوٹل شب وروز کا نام چھپا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی روم نمبرانیس بھی درج تھا!

شب وروز کمرہ نمبر19............ میں نے سوچا............ اور پھر اس کی دوبارہ تلاشی لے کر میں وہاں سے نکل آیا۔ اب میری کار برق رفتاری سے شب و روز کی طرف جارہی تھی۔

شب و روز اشرپور کے عمدہ ہوٹلوں میں سے تھا۔ میں وہاں داخل ہوگیا اور پھر اندازے سے اوپر چل پڑا۔ میرا خیال تھا کہ کمرہ نمبر19 پہلی منزل پر ہوگا۔ لیکن ایک جدت کی گئی تھی۔ نمبراوپر سے شروع ہوئے تھے اور کمرہ نمبرانیس ٹاپ فلور پر تھا۔ اب میں اتنا ناکارہ بھی نہیں تھا کہ ایک معمولی سا تالا بھی نہ کھول سکوں۔ جیب سے قلم نکال کر میں نے اس کا ہک کھولا اور اسے الٹاکر کے تالے کے سوراخ میں ڈال دیا۔ اوپری منزل میں چند ہی کمروں کی آبادی تھی‘ اس لئے گیلری سنسان پڑی تھی۔ اندر داخل ہوکر میں نے دروازہ بند کر دیا اور پھرانتہائی پھرتی سے میں نے سرور کے سامان کی تلاشی لے ڈالی لیکن یہاں بھی مایوسی ہوئی تھی۔ ایک بھی چیز اس میں نہ مل سکی جس سے کوئی اندازہ ہوسکتا۔ میرے ذہن میں شدید جھلاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ بہرحال اس کے بعد میں محل چل پڑا۔ لیکن اب میرے ذہن میں چند خوفناک ارادے تھے۔ شرافت کا دور ختم۔ اب اصل کام کرنا ہوگا۔ محل میں داخل ہو کر میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ رانی صاحبہ سے رات کے کھانے پر بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے وہ

شرمندگی کی وجہ سے منہ چھپا رہی ہو۔ اس نے مجھ سے اظہار عشق جو کر دیا تھا!

گلنار ہمیشہ میرے برے وقت کام آئی تھی۔ میں نے اسے تلاش کیا اور وہ محل کے ایک گوشے میں مل گئی۔ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ گلنار.......... میں نے اسے آواز دی۔

"کیا ہے سرکار؟"

"ناراض ہو گئی ہو؟"

"ہماری یہ مجال سرکار!"

"پھر اتنی دور دور کیوں رہتی ہو؟"

"ڈر لگتا ہے سرکار!.......... ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ کتوں کی طرح مار ڈالے جائیں گے!"

"میری زندگی میں یہ ناممکن ہے گلنار!"

"آپ ہمیں اتنا منہ کیوں لگاتے ہیں سرکار! ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ باندی ہیں' باندی رہیں گے۔ نہ نہ سرکار! ہم مارے جائیں گے!"

"خیر.......... میں تمہارے لئے کچھ کروں گا گلنار! کہاں جا رہی تھیں؟"

"مہارانی جی کے کمرے کی صفائی کرنے!"

"عادل درانی کہاں ملے گا؟"

"اپنے کمرے میں سرکار!"

"اس کا کمرہ کہاں ہے؟"

"وہ ہے نا سرکار! گلنار نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے گردن ہلا دی.......... اچھا گلنار! میں جلدی تم سے ملوں گا اور پھر ہم دونوں مل کر کوئی پروگرام بنائیں گے!" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ انتہائی احتیاط کے ساتھ میں نے عادل درانی کے کمرے کے دو چکر لگائے۔ کمرے کی پچویشن میرے حق میں تھی۔ پشت کی ایک کھڑکی سے اندر داخل ہوا جاسکتا تھا۔ کھڑکی کے عقب میں دیوار تھی اور اس دیوار کو آسانی سے عبور کیا جاسکتا تھا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے رانی صاحبہ کے کمرے کا رخ کیا۔ پہریدار بھی مستعد تھے کیونکہ زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ میں نے پیغام بھجوایا کہ شہاب ملنا

چاہتا ہے اور رانی صاحبہ نے فوراً مجھے بلوالیا۔ جب میں اس کے سامنے پہنچا تو وہ کسی قدر شرمائی ہوئی تھی میرا اندازہ درست نکلا۔ "مجھ سے کوئی گستاخی ہو گئی رانی صاحبہ!" میں نے پوچھا۔

"ایسی باتیں نہ کرو شہاب!" رانی صاحبہ نے شرماتے ہوئے کہا۔

"پھر دن میں ملاقات سے کیوں محروم رہا!"

"شہاب! کچھ مہمان بھی آگئے تھے' کچھ ہم شرمندگی کا شکار بھی رہے۔ میں تمہارے سامنے آنے کی ہمت نہیں کر سکی!"

"کیوں؟"

"ہم نے سوچا' نہ جانے تم ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوگے لیکن ہم بے قصور ہیں شہاب! ہم اتنے محروم رہے ہیں کہ ان دلکش امور سے آگاہ بھی نہ ہوسکے' جن کا تعلق عورت کی زندگی سے ہوتا ہے' ہم ان سارے معاملات میں اجنبی ہیں شہاب!" رانی صاحبہ نے دوسری طرف رخ کر کے کہا۔

"لیکن آپ کو ان حقیقتوں کا سامنا تو کرنا ہوگا شاہانہ!"

"کریں گے نا۔ سنبھلنے تو دو!!"

"میں نے تو یہی سوچا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی گستاخی نہ ہو گئی ہو!"

"ایسی باتیں نہ سوچا کرو.......... اب تمہیں ہر گستاخی کی اجازت ہے!" رانی صاحبہ نے بدستور شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس وقت ایک ضروری کام سے حاضر ہوا ہوں"۔

"کہو!"

"اس دوران عادل درانی سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں دوپہر کو ملا تھا!"

"کوئی خاص بات ہوئی؟"

"نہیں! میں نے اسے ہدایت کی ہے کہ جنگل میں تم پر ہونیوالے حملے کی پوری پوری تحقیقات کر کے مجھے رپورٹ دے!"

"اس کے علاوہ اور کچھ؟"

"نہیں.......... کیوں کوئی خاص بات ہے؟" رانی نے بغور مجھے دیکھتے ہوئے

پوچھا۔
"خاص بات تو نہیں ہے بس میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک آپ کے دشمنوں کا مسئلہ حل نہ ہو جائے، ہمیں ایک اور دشمن نہیں بنانا چاہیے"۔ میں نے کہا اور رانی نہ سمجھنے کے انداز سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "تمہاری مراد درانی سے ہے؟"

"ہاں!".......... میں نے جواب دیا۔ اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔ "تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"میرا خیال ہے آپ اسے ابھی طلب کریں اور پھر اس سے گفتگو کریں۔ اسے یہی تاثر دیں کہ میں صرف ایک مہمان ہوں' اس سے زیادہ آپ کے لئے اور کوئی اہمیت نہیں رکھتا!"

"کس دل سے یہ الفاظ کہوں گی!" رانی نے پیار بھری نگاہوں سے مجھے یہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مصلحت رانی صاحب مصلحت!"

"ٹھیک ہے' میں ایسا ہی کرتی ہوں"۔

"بس اس وقت یہی چاہتا ہوں۔ اجازت دیں اور یہ کام کرلیں!"

"کل ناشتے پر ملاقات ہوگی!"

"خیر.........." میں نے کہا اور رانی کے کمرے سے نکل آیا لیکن اس کے بعد میں اپنے کمرے میں نہیں گیا۔ ضروری تیاریاں کر کے نکلا تھا۔ تھوڑی دور سے درانی کے کمرے کی نگرانی کرنے لگا۔ پانچ منٹ کے بعد ایک پہریدار نے درانی کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ پھر ان دونوں کی گفتگو ہوئی اور پہریدار وہیں چلا گیا۔ صرف دو منٹ کے بعد عادل درانی بھی ایک گاؤن پہنے ہوئے رانی کے کمرے کی طرف جاتا نظر آیا اور میں نے گہری سانس لی۔ اندازے کے مطابق جب میں عادل درانی کی طرف سے مطمئن ہوگیا تو اس کے کمرے کی عقبی کھڑکی کی جانب چل پڑا۔ اس کھڑکی کو کھول کر اندر داخل ہونے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ کمرے کی روشنی جل رہی تھی۔ میں نے سب سے پہلے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر برق رفتاری سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ عادل درانی کے سامان کی تلاشی لیتے ہوئے میں ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ الماریوں وغیرہ میں کوئی خاص چیز نہیں ملی تھی لیکن رائٹنگ

ٹیبل کی ایک خفیہ دراز جو اتفاق سے نظر میں آگئی تھی' میرے لئے بے حد کار آمد ثابت ہوئی۔ اس دراز میں مجھے چند کاغذات اور ایک نوٹ بک دستیاب ہوگئی۔ میں نے نوٹ بک کا جائزہ لیا۔ اس میں چند یادداشتیں درج تھیں۔ اس کے علاوہ کاغذات میں مجھے جو کچھ ملا' اسے دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں۔

مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ میں اس وقت ان چیزوں کو یہیں چھوڑ دیتا۔ لیکن جس کام میں اتنا وقت صرف ہو جائے' اس میں مصلحت کا کوئی دخل نہیں رہتا۔ چنانچہ میں نے یہ چیزیں اپنی جیب میں ڈالیں اور پھر حتی الامکان سارے نشانات مٹا دیئے۔ جن سے عادل درانی کو شبہہ ہوسکتا تھا کہ یہاں کوئی داخل ہوا ہے۔ اس کے بعد میں اطمینان سے اپنے کمرے میں آگیا لیکن اس امکان کو میں نے نظر انداز نہیں کیا تھا کہ عادل درانی کو میرے اوپر شبہہ ہوسکتا ہے اس لئے یہ رات میں نے اپنے بستر کے بجائے اس کارنس پر گزارنے کا فیصلہ کیا جسے میں نے پہلے منتخب کرلیا تھا۔ البتہ اپنے بستر کو میں نے اس انداز میں ترتیب دیا تھا کہ نائٹ بلب کی روشنی میں دیکھنے والے کو یہی اندازہ ہو کہ کوئی بستر پر سو رہا ہے۔ جو کچھ میں نے کاغذات میں دیکھا تھا' اس نے میری نیند اڑا دی تھی۔ کافی رات گئے تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور پھر کارنس کے عین اوپر بنے ہوئے روشندان میں مجھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ یہ صرف میری ذہانت تھی کہ میں نے اس آہٹ کو محسوس کرلیا۔ عام لوگ اس پر توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ پھر ایک اور آواز ابھری اور اسے بھی میں نے پہچان لیا۔ چنانچہ میرے منہ سے ایک طویل کراہ نکلی' دوسری آواز' دوسری کراہ اور پھر تیسری آواز کے ساتھ جو کراہ نکلی تھی وہ مدہم اور کسی دم توڑتے ہوئے انسان کی تھی۔

پھر خاموشی چھاگئی۔ حالات خود بھی میرے ساتھ تھے۔ اگر اس وقت میں کارنس کے بجائے بستر پر ہوتا تو سائلنسر پستول کی گولیاں تکیوں کی بجائے میرے بدن میں لگی ہوتیں۔ لیکن یہ تھوڑی سی احتیاط کام آگئی۔ البتہ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ درانی کو نوٹ بک کا فوراً کیوں خیال آگیا۔ سخت حیرت کی بات تھی۔ لیکن اب.......... اب وہ نوٹ بک کی تلاش میں میرے کمرے میں ضرور داخل ہوگا۔ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا اس کھیل کو اسی وقت ختم کر دوں.......... ثبوت تو موجود تھے۔ ان کاغذات کے تحت میں بہ آسانی کام کرسکتا تھا لیکن کچھ تفریح اور ہونی

چاہئے۔ کافی دیر تک میں دروازے کی جانب دیکھتا رہا لیکن کوئی اندر داخل نہیں ہوا۔ تب میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہوا۔ عین ممکن ہے کہ نوٹ بک کا راز نہ کھلا ہو اور یہ پروگرام عادل درانی کے ذہن میں پہلے سے موجود ہو۔ یہی بات قرین قیاس تھی۔ عادل درانی نے سارے جھگڑے ختم کرنے کے لئے مجھے راستے سے ہٹا دینا ہی مناسب سمجھا ہو۔ بہرحال یہ عمدہ بات تھی۔ اس طرح مجھے کام کرنے کا کچھ اور موقع مل گیا تھا۔ اب یہ رات سونے کی رات نہیں تھی۔ آج کی رات مجھے آخری کام انجام دے لینے چاہئیں۔ میں ذہن دوڑانے لگا اور فوری طور پر ایک پروگرام ترتیب دے دیا۔

محل کے ایک حصے میں مرغی خانہ بھی تھا۔ یونہی روا روی میں دیکھ لیا تھا لیکن اس وقت وہ بڑے کام کی چیز تھی۔ کافی دیر انتظار کے بعد میں احتیاط کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ رات کا دوسرا پہر اختتام کو تھا۔ میں مرغی خانے کی طرف چل پڑا۔ مرغی خانے کا محافظ مرغی خانے کے نزدیک ایک چار پائی پر سو رہا تھا۔ میں نے اطمینان سے اس کی گردن بھینچ لی' دوسرا ہاتھ میں نے اس کے منہ پر جما دیا۔ کمزور سا آدمی دو تین بار تڑپا پھر گردن کے دباؤ سے بے ہوش ہوگیا۔ تب میں نے مرغی خانے کی چابی نکالی اور اندر داخل ہوگیا۔ سوئی ہوئی مرغیاں مجھے دیکھ کر چیخ پڑی تھیں۔ مجھے ایک مرغی درکار تھی۔ میں نے اپنی مطلوبہ مرغی کی چونچ دبائی تاکہ وہ چیخ نہ سکے اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کر کے چابی اس کی جیب میں ڈالی اور پھر اپنے کمرے میں آگیا۔ مرغی کے معاملے میں بڑی احتیاط برتنی پڑی تھی۔ اگر چونچ کھل جاتی تو سارا کام بگڑ جاتا۔ مرغی کو اپنے بستر پر لے جا کر میں نے چاقو نکالا اور پھر مظلوم مرغی مجھ پر قربان ہوگئی۔ ذبح شدہ مرغی کو میں نے بستر پر چھوڑ دیا اور وہ تڑپنے لگی۔ سارا بستر خون کے دھبوں سے داغدار ہوگیا تھا۔ اس کے بعد میں نے مرغی کو بستر پر ہی چھوڑا اور اپنے سامان سے چند ضروری چیزیں لے کر مرغی کو ہاتھ میں لٹکائے باہر نکل آیا۔ میں نے ایسے راستوں کا انتخاب کیا جو باہر جانے میں معاون ہوسکتے تھے' خون کے قطرے ٹپکتے آرہے تھے۔ تب میں اس محل سے باہر نکل آیا۔ کافی دیر تک میں مرغی کو اسی طرح لٹکائے لٹکائے چلتا رہا اور پھر میں نے اسے اس طرح سنبھال لیا کہ اب خون نہ ٹپکے۔ اس سلسلہ میں سخت احتیاط برتنی پڑی تھی۔ محل سے کافی دور نکل آیا تھا۔ اور پھر ایک

مناسب جگہ میں نے ذبح شدہ مرغی کو الوداع کہا اور اسے ایک گندے نالے میں ڈال دیا۔

صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔ جب میں ایک پارک کے نزدیک پہنچ گیا۔ پارک کے بنچ پر بقیہ وقت گزارا اور جب خوب دھوپ نکل آئی تو وہاں سے نکل کر بازار کی طرف چل پڑا۔دوکانیں ابھی پوری طرح نہیں کھلی تھیں۔ لیکن مجھے سامان ہی کونسا خریدنا تھا۔ سوٹ کیسوں کی ایک دوکان سے ایک سوٹ کیس خریدا اور اسے لٹکاتے ہوئے ہوٹل شب و روز کا رخ کیا اور شب و روز کا روم نمبر18 مجھے مل گیا۔

ساری رات جاگتے ہوئے گزر گئی تھی۔ کاؤنٹر پر میں نے بتایا کہ میں دارالحکومت میں سے آیا ہوں۔ پھر ناشتہ کرنے کے بعد جو سویا تو تقریباً" تین بجے دوپہر جاگا تھا۔ نیند پوری ہوگئی تھی اس لئے طبیعت بھی ہلکی ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے ہوٹل کے کمرے میں ہی وقت گزارا۔ تین بجے چائے کے ساتھ ہی میں نے کچھ سینڈوچ وغیرہ کھائے تھے۔ شام کا کھانا گول کر دیا۔ تقریباً" پونے دس بجے میں ہوٹل سے باہر آیا۔ پوری طرح تیار تھا اور میرے خیال میں آج اس کھیل کے اختتام کی رات تھی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب محل کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن اندازہ ہوا کہ جلدی آگیا ہوں۔ اس لئے وہیں ایک جگہ میں نے وقت گزاری کی اور ٹھیک بارہ بجے میں محل کے ایک دور افتادہ حصے سے اندر داخل ہوا۔ محل میں اتنا سناٹا نہیں تھا جتنا میں نے تصور کیا تھا۔ ملازموں کی ٹولیاں چہ میگوئیاں کر رہی تھیں۔ ان حصوں میں روشنی ہو رہی تھی جہاں اس وقت اندھیرا ہونا چاہئے تھا۔ کوئی اور بات ہوگئی کیا؟ میں نے سوچا لیکن کہیں موقع نہیں مل سکا کہ میں ان کی باتیں سن سکتا۔ بہرحال میں لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا رانی آف اثرپور کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔ دونوں پہریدار موجود تھے۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور دوسرے لمحے مجھے موقع مل گیا۔ ایک پہریدار کو میں نے عقب سے دبوچا اور اس کی آواز نہیں نکلنے دی۔ میں نے اس کی کنپٹیاں دبا کر اسے بے ہوش کیا اور ایک ستون کی آڑ میں ڈال دیا۔ دوسرا پہریدار خواب گاہ کے دوسرے سرے پر تھا وہ شاید کچھ کہہ رہا تھا اور اسے اپنے ساتھی کا حشر نہیں معلوم تھا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور چند منٹ کے بعد دونوں بے ہوش پڑے تھے۔ تب میں نے رانی کی خواب گاہ پر دستک دی۔ "کیا بات

ہے؟" آواز آئی اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ اندر تیز روشنی تھی۔ رانی
نے مجھے دیکھا اور اس کی سرخ آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے.........
دوسرے لمحے وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور سسکنے لگی۔ میں نے اسے تھوڑا سا پیچھے
دھکیلا اور دروازہ بند کر دیا۔

"اوہ......... شہاب......... شہاب تم......... آہ تم......... کیسے
ہو؟"......... تمہارے زخم........." وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ میرے ہونٹوں پر
مسکراہٹ تھی........."تم زخمی ہو شہاب!"

"مجھے زخمی کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے رانی صاحبہ! حملہ آور ایک بار پھر ناکام
رہے ہیں"۔ میں نے کہا۔

"اوہ شہاب! میری زندگی!!"......... وہ دوبارہ مجھ سے لپٹ گئی۔ بمشکل تمام
اس کا جذباتی طوفان تھما......... "لیکن تمہارا خون آلودہ بستر......... براہ کرم مجھے
بتاؤ......... تمہارے کہاں زخم ہے!" وہ میرا بدن ٹٹولنے لگی۔

"ایک خراش بھی نہیں ہے میرے بدن پر......... میں نے کہا نا مجھے زخمی کرنا
اتنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن......... آپ کے مجرم روشنی میں آگئے!!" میں نے
پراعتماد لہجے میں کہا اور رانی کے ہاتھ کی گرفت میرے بازو پر سخت ہوگئی۔ وہ ہیجانی انداز
میں مجھے دیکھ رہی تھی۔

"سچ شہاب! کیا یہ سچ ہے.........؟" اس نے بمشکل تمام اپنے آپ پر قابو پاتے
ہوئے کہا۔

"ہاں......... میں نے انہیں شکنجے میں کس لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی
ایک شرط بھی ہے"۔

"شرط؟ کیسی اور کس سلسلہ میں؟" رانی نے پوچھا"۔

"میں آج رات آپ کے مجرموں کو آپ کی خدمت میں پیش کردوں
گا.........لیکن اس سے قبل آپ کو وہ کہانی مجھے سنانی پڑے گی جس کے کچھ پہلو
آپ نے پوشیدہ رکھے ہیں!" میں نے اس کی صورت بغور دیکھتے ہوئے کہا اور رانی کا
چہرہ پھیکا پڑگیا۔ وہ سراسیمہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی......... پھر اس نے خشک
ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا"۔ "پہریدار......... پہریداروں کا کیا ہوا!.........

کیا انہیں تمہاری آمد کا علم ہے؟"

رانی آف اڑپور نے نہ جانے کس تصور کے ساتھ یہ سوال کیا تھا۔ میں چند
ساعت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "وہ دونوں بے ہوش ہیں!"

"کسی کی نگاہوں میں تو نہیں آپائیں گے؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ کیا کسی کے یہاں آنے کا امکان ہے؟"

"بظاہر تو نہیں ہے لیکن بہتر سمجھتی ہوں کہ وہ دروازے پر مستعد ہوتے!"

"تب پھر کسی دوسری جگہ چل کر گفتگو کریں"۔ میں نے تجویز پیش کی اور رانی
نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اسے قبول کرلیا۔ "اس کے لئے کوئی مناسب جگہ بھی
آپ ہی تجویز کریں"۔ میں نے دوبارہ کہا۔ رانی صاحبہ مجھے جس کمرے میں لائیں' وہ
محل کا بالکل اندرونی حصہ تھا' لیکن یہاں سے ہم پرنس شاہینہ کے علاقے میں بہ
آسانی جاسکتے تھے۔ میں نے اس کمرے کو دیکھ کر سوچا کہ بلاشبہ محل کے بے شمار گوشے
میری نظروں سے پوشیدہ ہیں"۔

"یہ جگہ مناسب ترین ہے۔ کوئی ہمارے یہاں ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا"۔

"آپ مطمئن ہیں تو ٹھیک ہے۔ ہاں یہ تو بتائیں کہ رات کے اس حصے میں محل
میں غیر معمولی چہل پہل کیوں ہے جبکہ عام دنوں میں اس وقت لوگ سو جاتے ہیں!"

"تمہاری وجہ سے۔ لیکن تم حیرت انگیز انسان ہو۔ تمہارا خون آلود بستر اور خون
کے وہ قطرے جو دور تک چلے گئے ہیں' دیکھ کر تو یہ اندازہ ہوتا تھا کہ تم شدید زخمی
ہوگئے ہو"۔

"حملہ آور نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے بستر میں آپ کو
گولیوں کے نشانات نہیں ملے!" میں نے پوچھا۔

"ملے ہیں' اسی لئے تو یہ خیال تھا کہ تم......... لیکن تم تو واقعی زخمی بھی نہیں
معلوم ہوئے"۔

"ہاں' وہ خون ایک مظلوم مرغی کا تھا جو آپ کے مرغی خانے سے چرائی گئی
تھی"۔

"میرے خدا۔ تم نے چرائی تھی!" رانی صاحبہ حیرت سے چیخ کر بولیں۔

"جی!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟"

"حملہ آور کو یقین دلانے کے لئے وہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا ہے"۔

"خدا کی پناہ! لیکن کیا تم اس وقت اپنے بستر پر موجود نہیں تھے"۔

"صرف تکیئے تھے اور میں سامنے والی کارنس پر تھا۔ اس کارنس پر جس کے اوپر والے روشندان سے گولیاں چلائی گئی تھیں؟"

"اوہ!" رانی کی آنکھوں میں شدید حیرت اور خوف کے آثار تھے۔ پھر اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے تمہارے غیر معمولی ہونے کا تو پہلے ہی یقین تھا لیکن کیا تم نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا؟"

"افسوس اس وقت ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد بہت کچھ ہوگیا"۔

"کیا؟"

"یہاں سے آپ کے سوالات ختم۔ اب مجھے سوالات کرنے کی اجازت دیں۔ اس کے علاوہ رانی صاحبہ! ہمارے اور آپ کے آئندہ معاملات کا دارومدار انہی سوالات کے صحیح جواب پر ہوگا۔ اگر آپ نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی تو میں اسی وقت محل چھوڑ دوں گا اور صبح کو دارالحکومت واپس چلا جاؤں گا!"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ صحیح جواب دوں گی"۔ رانی صاحبہ نے کہا۔

"تب عادل درانی کے اور اپنے تعلقات کی مکمل نوعیت اور اس کے ایک ایک پہلو سے مجھے روشناس کرائیں"۔ میں نے کہا اور رانی کا چہرہ پھر پھیکا پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ گردن جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "تم بدظن تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"وعدہ کرتا ہوں، نہیں!" میں نے جواب دیا۔

"جو کچھ میں نے اب تک تمہیں بتایا ہے اس میں صرف تھوڑا سا اضافہ کروں گی۔ میں نے عادل درانی سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ میں اپنے دشمنوں کو منظر عام پر لاکر ان کے وجود کو ختم کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کے بعد عادل درانی کے ساتھ پرسکون زندگی گزاروں"۔

"آپ کے خیال میں آپ کا دشمن کون ہوسکتا ہے؟"

"میرا شبہ صرف منصور پر ہے۔ اس کی پوزیشن سب سے مضبوط ہے لیکن وہ

بے حد گہرا انسان ہے!"

"عادل درانی کا بھی یہی خیال ہے؟"

"ہاں۔ لیکن کوششوں کے باوجود ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں حاصل کرسکے!"

"پرنسس شاہینہ کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہے؟"

"مجھے اس سے نفرت ہے اور اس نفرت نے نواب فیروز کی زندگی میں ہی جنم لیا۔ اس وقت وہ معذور نہیں تھی۔ نواب فیروز نے اسے ہمیشہ مجھ پر فوقیت دی۔ اسے مجھ پر برتری حاصل رہی اور وہ مجھے خود سے کمتر سمجھتی رہی اور پھر قدرت نے مجھے اس سے انتقام کا موقع فراہم کر دیا۔ اب وہ انتہائی بے کسی کی زندگی گزار رہی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی کیونکہ وعدہ کرچکی ہوں۔ میں نے اس پر زندگی تنگ کر دی ہے۔ منصور کے ساتھ ہی میں اس کا قصہ بھی پاک کر دینا چاہتی تھی!" رانی نے نفرت سے کہا۔

"عادل درانی نے کبھی شاہینہ کی طرفداری کی؟"

"نہیں۔ وہ بھی اسے راستے سے ہٹانے کا خواہش مند تھا"۔ رانی صاحبہ نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ رانی آف اثرپور کسی قدر الجھی ہوئی نگاہوں سے میری مسکراہٹ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آتے تھے۔ پھر اس نے کسی قدر کربناک انداز میں کہا۔ "تم نے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لیا تھا اس لئے میں نے ایک ایک لفظ درست کہا ہے۔ اس بات کا خیال کئے بغیر کہ اس سے میری پوزیشن کیا ہو جائے گی، لیکن یوں لگتا ہے کہ جیسے تم نے میری باتوں پر یقین نہیں کیا۔ آخر کیوں؟"

"نہیں رانی صاحبہ! میں آپ کی بات کو جھوٹ سمجھنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ آپ نے یہ تصور کیوں کیا؟"

"تمہاری مسکراہٹ اس بات کا ثبوت ہے!" اس نے کسی قدر شکایتی لہجے میں کہا۔

"ایک غیر متعلق سا سوال کروں گا۔ آپ ناراض تو نہ ہوں گی؟"

"شباب! کیا دنیا کے تمام مرد عورتوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں خواہ وہ

کسی عمر، کسی حیثیت کی مالک ہوں!" رانی نے سوال کیا۔

"میں نہیں سمجھا!"

"میں نے تمہارے سامنے اپنا دل کھول دیا ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اثر پور کی مطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود میں کتنی بے بس، کتنی لاچار ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے اپنی شخصیت کا ایک ایک پہلو بے نقاب کر دیا ہے۔ کیا صرف اس لئے کہ تم تکلف کی فضا برقرار رکھ کر میرے جذبات اور احساسات اپنائیت سے اس طرح کھیلتے رہو۔ تم اپنی گفتگو میں دوری کی فضا برقرار رکھ کر گفتگو کر رہے ہو جب کہ میں اپنے وجود کی تمام گہرائیاں تمہارے لئے کھول چکی ہوں"۔

"یقین فرمائیے! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو آپ کی سادگی پر مسکرا رہا ہوں۔ آپ نے اپنی دانست میں اپنے بہترین وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اپنے دشمنوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن رانی صاحبہ ! اگر چارہ گر ہی صیاد بن جائے تو..........."

"اب تم مجھے سمجھاؤ"۔ رانی نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن میرا وہ سوال ادھورا رہ جائے گا!"

"تو خدا کے واسطے وہ سوال کر ہی ڈالو! میرا دماغ پھٹ جائے گا!"

"آپ کو جسمانی مظاہرے دیکھنے کا شوق جنون کی حد تک ہے۔ اتنا کہ آپ چھپ چھپ کر کشتیوں کے مقابلے دیکھنے جاتی ہیں!"

"ہاں یہ حقیقت ہے اور میرا خیال ہے کہ اب تمہیں اس کیفیت کی وجہ بھی معلوم ہو ہی جانی چاہئے۔ میں عورت ہوں اور عورت، عمر کی ایک منزل میں داخل ہو کر اپنی ذات کے ہر پہلو کے لئے ایک مضبوط مرد کی طلب گار ہوتی ہے۔ وہ کچھ بھی بن جائے، اس کی فطرت نہیں بدلتی اور پھر میں تو ہمیشہ کی کچلی ہوئی عورت ہوں۔ کیا سیم و زر کے انبار انسانی ذات کے لئے مکمل حیات بن سکتے ہیں۔ نواب صاحب کے بارے میں میں بتا چکی ہوں کہ وہ کیا تھے۔ اپنے خاندان کے بارے میں بھی بتا چکی ہوں۔ بچپن کی تربیت نے میرے کردار پر کوئی داغ نہ لگنے دیا لیکن طلب فطرت کا خاصہ ہے میں ایک درمیانی حیثیت رکھتی ہوں۔ ایک طرف اخلاق و آداب اور کردار کے تقاضے اور دوسری طرف بدن کی پکار۔ آدھا تیتر، آدھا بٹیر۔ اس کے باوجود شباب!

یقین کرو میں نے خود کو زندہ رکھا ہے۔ میں نے اپنے پیاسے وجود کو ہمیشہ تھپکیاں دی ہیں۔ ہاں آنکھوں کا گناہ کرتی رہی ہوں!" اس کے رخسار بھیگ گئے۔

"معاف کیجئے، میں نے ایک غیر متعلق سوال کر کے آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی"۔

"براہ کرم ایسے الفاظ مت ادا کرو مجھے کھول دو۔ میرے وجود کے ذرے ذرے کو جھنجھوڑ دو تاکہ میں تمہارے سامنے ایک حقیقت بن جاؤں اور اس حقیقت کا تجزیہ کر کے اس کے بارے میں فیصلہ کر لو"۔ رانی نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور سسکنے لگی۔ میں دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر جب آہستہ آہستہ وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ "میں دراصل یہی چاہتا تھا رانی صاحبہ! کہ آپ کسی ایک صدمے سے دوچار ہو کر دوسرے صدمے کے لئے تیار ہو جائیں۔ دراصل میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں"۔

میرے ان الفاظ نے رانی کی کیفیت ایک دم بدل دی۔ وہ رونا بھول کر میری شکل دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر سخت حیرت کے اثرات تھے۔ "یعنی.......... یعنی.......... تمہارا مطلب ہے.......... تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے میرے دشمن کی شناخت کر لی ہے!"

"جی.......... میرا یہی مطلب ہے!"

"ثبوت کے ساتھ؟"

"جی ہاں! میں ایک محتاط آدمی ہوں۔ تاریکی کی چھلانگوں میں لگی ہوئی چوٹ کو چھپا لیتا ہوں۔ جب تک روشنی نہ ہو جائے!"

"کون ہے وہ.......... کیا منصور؟" رانی نے سوال کیا۔

"جی نہیں!"

"پھر..........؟" رانی کا ہیجان ابھر رہا تھا۔

"عادل درانی!" میں نے جواب دیا اور رانی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کافی دیر تک وہ گنگ بیٹھی رہی۔ شدت حیرت سے اس کی آواز ہی بند ہو گئی۔ پھر اس نے عجیب سے انداز میں گردن ہلائی۔ "نہیں، یہ ناممکن ہے!"

"مجھے یقین تھا کہ آپ یہی الفاظ ادا کریں گی۔ یہ کچھ کاغذات پیش خدمت ہیں،

امید ہے آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں گے!" میں نے وہ کاغذات نکال کر رانی کے سامنے رکھ دیئے جنہیں میں نے عادل درانی کی قیام گاہ سے حاصل کیا تھا لیکن ان میں سے کچھ کاغذات میں نے اپنے پاس بھی رہنے دیئے تھے۔ انہیں اس وقت رانی کو دکھانا مناسب نہیں تھا اور پھر ان میں سے چند میری ذاتی ضرورت بھی تھے۔ رانی ان کاغذات کو دیکھتی رہی۔ وہ اس قدر ہیجان کا شکار تھی کہ مجھے خطرہ ہوا کہ اس کے دماغ کی کوئی رگ ہی نہ پھٹ جائے۔ کافی دیر تک وہ ان کاغذات کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری طرف دیکھنے لگی۔ "اب.......... اب کیا ہوگا؟" اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"آپ کا مجرم آپ کے سامنے ہے رانی صاحبہ!"

"لیکن.......... لیکن اسے کیا فائدہ تھا..........؟ اس نے یہ سازش کیوں کی.......... اسے اس سے کیا ملتا.......... وہ تو.......... وہ تو میرا ساتھ دے کر ہی فائدے میں رہ سکتا تھا"۔

"یہ دوسرا سوال ہے اور میرے پاس اس کا جواب بھی موجود ہے لیکن اس کے لئے آپ کو چوبیس گھنٹے کی زحمت اور برداشت کرنا پڑے گی..........!"

"کیوں؟"

"ضروری ہے۔ بعض چیزوں کو ثابت کرنے کے لئے کچھ انتظامات بھی ضروری ہوتے ہیں۔ ہاں عادل درانی تو ابھی یہیں موجود ہے۔ اگر میں خون کا چکر نہ چلاتا تو شاید وہ ہمارے سامنے رہتا!"

"کیا مطلب؟"

"اس نے مجھے قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اگر بستر پر اتنا خون نہ ملتا تو وہ خود روپوش ہو جاتا۔ میری موت ہی اس کے لئے سکون بخش ہوسکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ اپنے پورے وسائل سے میری لاش تلاش کر رہا ہوگا!"

"تو اس نے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ان کاغذات کی موجودگی میں بھی آپ اس بات پر شبہ کریں گی؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آہ! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آہ! میں کس قدر تنہا ہوں کوئی بھی تو مجھ سے ہمدردی نہیں رکھتا۔ اسے آخر ان باتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے دل میں کیا تھا؟ اور اب تم ہی مجھے بتاؤ' ان چوبیس گھنٹوں میں' میں کیا کروں گی؟"

"میں آپ کو مشورہ دیتا کہ آپ عادل درانی کو گرفتار کرلیں لیکن اس سے دوسرا مجرم ہوشیار ہو جائے گا۔ آپ صرف اتنا کریں کہ کل شام کو ان لوگوں کو تیار رکھیں جو آپ کے حکم پر کسی کو بھی گرفتار کرسکیں۔ کیا ایسے لوگ آپ کے پاس موجود ہیں۔ اگر نہ ہوں تو میں دوسرا بندوبست بھی کرسکتا ہوں!"

"نہیں! اب میں دوسرے معاملات میں اتنی بے حقیقت بھی نہیں ہوں"۔

"میرا خیال ہے' اب اجازت دیں۔ مجھے ایک ایسا کام کرنا ہے جو بظاہر کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن بہت اہم ہے اور ہاں' ممکن ہو تو کل عادل درانی کو اپنے کاموں' میں مصروف رکھیں اور اپنی کسی بات سے اس کا اظہار نہ ہونے دیں کہ آپ اس کی طرف سے مشکوک ہیں!"

"ٹھیک ہے' لیکن تم..........؟"

"ممکن ہے کل میں کسی وقت واپس آ جاؤں۔ بہرحال آپ سے رات کو ملاقات کروں گا!"

"کس وقت؟"

"ٹھیک آٹھ بجے۔ یا ممکن ہے اس سے کچھ پہلے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ آپ ٹھیک آٹھ بجے اسی جگہ پہنچ جائیں"۔ میں کھڑا ہوگیا۔

"احتیاط سے جانا اور اپنی پوری حفاظت کرنا اور ہاں کل آٹھ بجے تک کا وقت میں جس طرح گزاروں گی' ممکن ہے تم اس کا اندازہ نہ کرسکو۔ ٹھیک وقت پر آ جانا!"

"خدا حافظ"۔ میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

دوسرا دن زیادہ مصروفیت کا نہیں تھا۔ البتہ اثرپور کی سڑکوں اور گلیوں میں کسی سپیرے کی تلاش خاصا مشکل کام ثابت ہوئی لیکن بہرحال میں نے ایک سپیرا تلاش کر ہی لیا۔ سپیرے کو اچھی خاصی رقم دے کر میں نے ایک ایسا سانپ حاصل کیا جس کا زہر اور دانت نکال لئے گئے تھے لیکن دیکھنے میں وہ بہت خوفناک لگتا تھا۔ سپیرے نے مجھے

ایک تھیلی بھی فراہم کر دی جس میں سانپ کو بند رکھا جاسکتا تھا۔ بس آج کے لئے یہی کام تھا۔ میں اطمینان سے اپنے ہوٹل میں واپس آگیا۔

پونے سات بجے میں محل کی طرف چل پڑا۔ محل میں جانے کے لئے مجھے کافی احتیاط برتنی پڑی تھی لیکن کوشش کر کے میں دوسروں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اندر پہنچ گیا۔ محل کے اس گوشے میں جانے کے لئے مجھے سخت جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ بہرحال وقت سے کچھ پہلے ہی میں اس جگہ پہنچ گیا اور آرام سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ٹھیک آٹھ بجے رانی آف اثرپور اندر داخل ہوگئی۔ میں نے روشنی نہیں کی تھی اور تاریکی میں ہی آرام کر رہا تھا۔ رانی نے اندر داخل ہو کر بتی جلائی اور مجھے دیکھ کر اس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی چنانچہ وہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ ”آسانی سے یہاں تک پہنچ گئے تھے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں!“ میں نے جواب دیا۔ اور وہ ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔

”اگر تم انتہائی انوکھے انسان نہ ہوتے تو یہ بات بھی میرے لئے سخت تشویش کا باعث ہوتی کہ میرے محل کے اندرونی گوشوں تک بھی اتنی آسانی سے رسائی ہے حالانکہ یہ حصہ تم نے پہلی بار کل ہی دیکھا ہے“۔

”ہاں! میرے خیال میں اس کے دوسری طرف پرنس شاہینہ کی رہائش گاہ ہے!“ میں نے پوچھا۔

”بے شک! اور اس رہائش گاہ تک پہنچنے کا ایک خفیہ راستہ بھی ہے!“

”خوب! آپ اسی راستے سے آتی جاتی ہوں گی!“

”ہاں!“ رانی نے جواب دیا۔

”کیا اس کے بارے میں شاہینہ کو بھی علم نہیں ہے؟“

”نہیں! میں نے اسے سب سے پوشیدہ رکھا ہے سوائے عادل درانی کے اور کوئی اس راستے سے واقف نہیں ہے!“ اس نے کہا اور اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ نہ تو میں نے اور نہ ہی رانی آف اثرپور نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ دروازہ بند کر دیا جائے۔ ہم دونوں غافل تھے۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والا عادل درانی تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا پستول دبا ہوا تھا اور اس کا چہرہ بے حد خوفناک نظر آ رہا تھا۔ رانی اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگی لیکن عادل درانی میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”تو تم زخمی بھی نہیں ہوئے؟“ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

”تو تم کھل کر سامنے آگئے؟“ میں نے بھی اس کے انداز میں جواب دیا۔ ویسے مجھے اس کے اس طرح آ جانے کی توقع نہیں تھی۔

”ہاں لیکن مجھے یہ امید نہیں تھی کہ اس وقت تم بھی یہاں موجود ہوگے لیکن تقدیر جب کامیابی کے راستے کھولتی ہے تو.........“ عادل درانی کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اوہ، تو تم صرف رانی صاحبہ کے تعاقب میں آئے تھے!“ میں نے کہا۔

”میرے کاغذات کہاں ہیں؟“ عادل درانی نے پوچھا۔

”رانی صاحبہ کے پاس!“ میں نے سکون سے جواب دیا۔ ویسے اس دوران میں نے صورت حال کا جائزہ بھی لیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ عادل درانی اگر تھوڑی دیر تک اپنی جگہ تبدیل نہ کرے تو میں اسے نشانہ بنا سکتا ہوں اور اس کے لئے میرا پاؤں غیر محسوس انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ خاتون شاہانہ فیروز کو سب کچھ معلوم ہوگیا۔ بہرحال مجھے شبے میں مبتلا کرنے والی بھی یہی ہیں۔ ان کا آج کا رویہ میرے لئے بے حد پراسرار تھا۔ ان کی حالت بہتر نہیں تھی لیکن یہ ضرورت سے زیادہ خوش مزاج بننے کی کوشش کرتی رہی ہیں اور آج کا سارا دن بھی انہوں نے میرے ساتھ ہی گزارا ہے“۔ عادل درانی نے کہا اور رانی ایک دم بپھر گئی“۔ عادل درانی! ٹکر گدے کیا تجھے یہ مرتبہ، یہ عزت میرے طفیل نصیب نہیں ہوئی۔ کیا میں نے تجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر نہیں پہنچا دیا!“ وہ غراتی ہوئی آواز میں بولی۔

”یہ تمہاری غلط فہمی ہے شاہانہ! اگر تم اپنی ذات کے لئے مجھے کوئی پیشکش کرتیں تو خدا کی قسم! میں اسے ٹھکرا دیتا۔ مجھے تمہاری دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو......... میں تو صرف شاہینہ کو تمہارے ظلم و استبداد سے بچانا چاہتا تھا!“

”کیسے؟“ رانی چیخ پڑی۔ اس پر حیرت کا شدید حملہ ہوا تھا۔

”میرے کاغذات سے تمہیں سب کچھ پتہ چل گیا ہوگا اس لئے اب اس اداکاری کو جاری رکھنے سے کیا فائدہ۔ ہاں میں شاہینہ سے پیار کرتا ہوں۔ میں اسے اتنی شدت سے چاہتا ہوں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں......... میں جانتا تھا کہ تم شاہینہ کے

سینے کا سانپ ہو۔ میں اسے تم سے بچانا چاہتا تھا چنانچہ میں تمہاری سازش میں شریک ہوگیا اور اس کے بعد میں نے تمہارے لئے ایک جال بچھا دیا۔ تم آسانی سے اس جال کی طرف آ رہی تھیں لیکن یہ کمبخت درمیان میں آگیا اور اس نے میرا سارا کھیل بگاڑ دیا۔ لیکن اب.......... اب میں انتظار نہیں کرسکتا شاہانہ! حالات میرے خلاف جا رہے ہیں۔ تم نے اس چالاک آدمی کا سہارا لے کر یہ سمجھا ہوگا کہ میں.......... میں بے وقوف ہوں.......... میں اس سے ہار مان گیا ہوں۔ اس سے خوفزدہ ہوگیا ہوں لیکن میرے پاس ہربات کا توڑ موجود ہے۔ صرف اس کا خطرہ تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی دور ہوگیا۔ اب تم دونوں.......... اب میں تم دونوں کو..........“ عادل بے اختیار ہنس پڑا۔ ”اور اس کے بعد..........“

”اس کے بعد تم کیا کرو گے؟“ رانی آف اٹرپور کی آواز بے حد خوفناک تھی۔

”میں نے پورا کھیل مکمل کرلیا ہے اور اس شخص کی موجودگی نے تو باقی مشکل بھی حل کر دی ہے۔ رانی قتل ہو جائے گی اور اس کے قاتل کو بھی گولی مار دی جائے گی۔ میں بے شمار ثبوت مہیا کردوں گا کہ تم نے میرے سامنے شاہانہ کو گولی ماری اور تم ہی اس کے پوشیدہ دشمن تھے۔ تمہاری ذات سے کوئی بھی خوبصورت کہانی منسلک کی جاسکتی ہے!“ عادل درانی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”اوہ! عادل کتے! بے ضمیر!! میں نے تیرے ساتھ..........“ رانی بپھرے ہوئے انداز میں اٹھ گئی اور عادل کی نگاہ ذرا سی چوکی تھی کہ میں اپنا کام کرگیا۔ میرا پاؤں اب اس تپائی کے نیچے بھرپور انداز میں موجود تھا جو میرے سامنے رکھی ہوئی تھی‘ بس اسے کامیابی سے اچھالنا تھا جس میں رانی نے میری مدد کی۔ میں نے پوری قوت سے تپائی اچھال دی اور تپائی بھرپور انداز میں عادل کے منہ پر پڑی۔ ضروری نہیں تھا کہ پستول ہی نشانہ بن جاتا‘ اس لئے میں خود بھی تیار تھا چنانچہ میں اڑتا ہوا عادل پر جاپڑا اور میرے بھرپور ہاتھ نے عادل کا پستول بھی گرا دیا جسے میں نے ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا حالانکہ عادل کی پیشانی پر تپائی کی ضرب شدید تھی لیکن اس وقت زندگی موت کا مسئلہ تھا۔ وہ کسی خونخوار درندے کی طرح مجھے بھنبھوڑنے لگا۔ اس نے میرے بازو کو دانتوں میں لیا اور تیز ناخنوں سے میری آنکھیں نوچنے کی کوشش کی لیکن بپھرا ہوا انسان نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ میں نے اس کی پیشانی پر جاپ مارا اور ان کے دانتوں کی گرفت

ڈھیلی پڑگئی۔ دوسری جاپ نے اسے چکرا دیا اور تیسرے ہاتھ نے زمین چٹا دی۔ وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت کا شکار ہوگیا تھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر آخری ٹھوکر رسید کی اور اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

رانی کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پستول اٹھا لیا۔

”میں اس کتے کو گولی مار دوں گی!“ وہ خونخوار لہجے میں بولی۔

”نہیں! ہرگز نہیں!“ میں عادل کے بے ہوش جسم کے سامنے آگیا۔

”ہٹ جاؤ۔ براہ کرم ہٹ جاؤ۔ براہ کرم ہٹ جاؤ۔ میں.......... میں..........“

”نہیں شاہانہ نہیں! اس طرح آپ اپنے مجرم کو عدالت کے سامنے پیش ہونے سے قبل ہی ختم کر دیں گی اور لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کریں گے!“ میں نے کہا اور رانی نے عجیب نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر پستول پھینک دیا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ .... کہ .... کہ ....“

”یہ شاہینہ کو چاہتا ہوگا!“ میں نے جملہ پورا کر دیا۔

”ہاں! لیکن کیا تمہیں یہ بات معلوم تھی؟“ اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

”ظاہر ہے۔ میں نے پوری تفصیل معلوم کرنے کے بعد ہی کھیل شروع کیا تھا لیکن یہ بدحواس ہوکر الٹے سیدھے اقدامات پر اتر آیا۔ مجھے اتنی جلدی کی توقع نہیں تھی“۔ میں نے کہا اور رانی کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ پھر وہ روتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ ”اوہ شہاب! تم موجود نہ ہوتے تو.......... یہ کمینہ مجھے گولی مار دیتا۔ شہاب! تم نے میری جان بچا کر مجھے خرید لیا ہے!“ غم سے وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ بمشکل تمام میں اسے خاموش کرانے میں کامیاب ہو سکا تھا!

”ابھی ایک باقی ہے!“ میں نے کہا اور رانی اچھل پڑی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ ”شاہینہ!“ اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔ ”اس نے ہمیشہ مجھ پر برتری حاصل کی ہے۔ اس نے ہمیشہ مجھے تکلیف دی ہے لیکن آخری بار.......... اور پہلی بار اس نے دھوکہ دیا ہے.......... لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ آہ‘ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ درانی اس سے عشق کرتا ہوگا۔ کم بخت کئی بار مجھے اس کے قتل کے مشورے دے چکا ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ نفرت کا اظہار کرتا تھا اس سے صرف اس کا تحفظ حاصل کرنے کے لئے لیکن شاہینہ! آخر تو تھی

ہی..........!"

"اب مجھے ایک رسی درکار ہے تاکہ عادل کو کس لیا جائے"۔

"میں لاتی ہوں"۔ وہ باہر نکل گئی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ شاہینہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے میں درانی کے سر پر ایک اور ٹھوکر رسید کرکے باہر نکل آیا لیکن وہ رسی ہی لینے گئی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئی۔ رسی سے درانی کو کس کر میں نے اس کے حلق میں کپڑا ٹھونسا اور پھر جادو کی تھیلی لے کر وہاں سے نکل آیا۔

خفیہ راستے سے ہم شاہینہ کی آرام گاہ کی طرف چل پڑے۔ "اس تھیلی میں کیا ہے؟" رانی نے اچانک پوچھا۔

"جادو کی تھیلی ہے۔ اس کی وجہ سے میں نے یہ کھیل آج پر ملتوی کیا تھا!"

"میں نہیں سمجھی!" رانی نے تعجب سے پوچھا۔

"اس تھیلی کے ذریعہ میں ایک اور انکشاف کروں گا۔ کیا آپ اس بات پر یقین کریں گی رانی صاحبہ کہ.........." میں اچانک خاموش ہوگیا۔ ہم شاہینہ کی خواب گاہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دروازے کے سامنے ہی شاہینہ کی پشت نظر آرہی تھی۔ وہ پہیوں والی کرسی پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے رانی کو اشارہ کیا اور ہم بے آواز دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ پھر میں نے تھیلی کھولی اور اس میں سے سانپ نکال کر چشم زدن میں اندر اچھال دیا۔ شاہینہ نے چونک کر گرنے والی چیز کو دیکھا اور پھر.......... اچانک اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ "سانپ"۔ وہ چیخی اور بے اختیار کرسی سے اٹھ کر باہر نکل آئی۔ باہر آکر وہ اپنے لباس میں الجھ کر گرتے گرتے بچی تھی اور رانی آف اثرپور آنکھیں پھاڑے اپاہج شاہینہ کو دیکھ رہی تھی۔ تب میں آگے بڑھ گیا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں' وہ بے ضرر ہے!" میں نے نرم لہجے میں کہا اور وہ خوف سے منہ پھاڑ کر رہ گئی۔ پھر مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔

"کیا.......... کیا مطلب؟"

"وہ آپ کو کاٹ نہیں سکتا!"

"تمہیں کیا معلوم؟" اس نے بے اختیار کہا۔

"اس لئے کہ میں نے اسے بے ضرر بنا ڈالا تھا!"

"کیا بکواس ہے؟" شاہینہ جھنجلا کر بولی۔ ابھی تک اس کی نگاہ رانی پر نہیں پڑی تھی۔

"میں آپ کے پاؤں ٹھیک کرنا چاہتا تھا!" میں نے کہا اور وہ اچھل پڑی۔ پھر اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑگیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ "دراصل رانی صاحبہ سے شرط لگ گئی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ معذور نہیں ہیں لیکن انہوں نے یہ بات نہیں مانی۔ میں نے اس کا عملی تجربہ کرکے ان کو دکھا دیا!"

"ہاں مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ.......... اتنی گندی کتیا ہے! رانی آگے بڑھ آئی اور شاہینہ ایک بار پھر اچھل پڑی اور پھر اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ "یہ تو وقت بتائے گا کہ گندی کتیا کون ہے!" اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا تو نے یہ بات مجھ سے کہی ہے؟"

"ہاں قابل نفرت عورت! کیا روئے زمین پر تجھ سے زیادہ گھناؤنی شخصیت اور کسی کی ہوگی۔ تو نے جس طرح ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالا.........." شاہینہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ رانی اس پر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہاتھ گھمایا لیکن شاہینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اگر تو نے مزید بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو میں تیری آنکھیں نکال لوں گی۔ بہت دنوں سے تمہاری نفرت کا کھیل برداشت کر رہی ہوں"۔ اس نے رانی کو زوردار جھٹکا دیا اور رانی منہ کے بل گرتے گرتے بچی۔ شاہینہ رانی سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔

مجھے یہ کھیل کافی دلچسپ معلوم ہو رہا تھا۔ بہرحال میں نے آگے بڑھ کر مداخلت کی۔ "میرا خیال ہے اب یہ باتیں ختم کی جائیں۔ انہیں درانی کی لاش دکھا دی جائے"۔

"کس کی لاش؟" شاہینہ چیخ پڑی۔

"عادل درانی خود اپنی سازش کا شکار ہوگیا۔ وہ گولی کا نشانہ بن گیا ہے!" میں نے کہا۔

"بکواس مت کرو کتے! ذلیل.......... یہ نہیں ہوسکتا.......... آہ.......... یہ نہیں ہوسکتا۔ عادل۔ عادل!!" شاہینہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی اور پھر وہ مجھ پر ٹوٹ

پڑی۔ اس نے کسی پاگل کتیا کی طرح مجھے بھنبھوڑ کر رکھ دیا اور اسے قابو کرنے میں مجھے بڑی دقت پیش آئی تھی۔ کسی عورت کی یہ بے پناہ طاقت میرے لئے حیرت انگیز چیز تھی لیکن اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگئی تھی!

رانی آف اثرپور کی بری حالت تھی۔ وہ ان دونوں کے خلاف شدید اقدامات پر آمادہ تھی لیکن میں نے اسے روک دیا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ میری بات مانی تھی۔ میں نے اسے مجبور کیا تھا کہ ان پر مقدمہ چلائے اور لوگوں کے سامنے حقیقت لے آئے ورنہ لوگ اسے قاتل اور غاصب سمجھیں گے۔ بہرحال ان دونوں کو قید کر دیا گیا تھا اور رانی نے اپنے تمام مشیروں اور گورنمنٹ کے عہدیداروں کو بلاکر مقدمے کا آغاز کر دیا تھا۔ رانی نے ان دونوں پر شدید الزامات لگائے تھے اور اس کے لئے اس کے پاس ثبوت موجود تھے۔ عادل درانی پر سرور کے قتل کا الزام بھی تھا۔ شاہینہ کو بھی قتل ہی کے مقدمے میں پھانسا گیا تھا تاکہ اسے سزائے موت دی جاسکے۔ میں نے رانی سے درخواست کی تھی کہ میرا نام درمیان میں نہ آنے پائے' ورنہ اس سے میرا پیشہ متاثر ہوتا ہے۔

''اپنے مددگار کی حیثیت سے بھی تمہارا نام نہ لوں!'' رانی نے پوچھا۔

''نہیں' یہ میرے پیشے کا تقاضا ہے اور میں پولیس سے بھی مدد لینا چاہتا ہوں؟''

''اپنی زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے تو میں تمہیں متعارف کراسکتی ہوں؟''

رانی جذباتی آواز میں بولی اور میں گڑبڑا گیا۔ ابھی معاوضے کی رقم کی وصولی کرنی تھی۔ اس لئے کوئی سخت بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ ''ابھی آپ جذبات میں ڈوبی ہوئی ہیں رانی صاحبہ! ان حالات سے نکلنے کے بعد پہلے آپ کیفیات کا جائزہ لیں۔ اس کے بعد آپ کی زندگی میں میری کوئی گنجائش رہے تو..........''

''تمہیں شبہ ہے شہاب!'' رانی شکایتی انداز میں بولی۔

''یہ بات نہیں ہے رانی صاحبہ! آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ کوئی بھی شخص آپ کی قربت میں فخر محسوس کرے گا۔ میں نے آپ کا ایک چھوٹا سا کام کیا ہے جس کا آپ نے مجھے معاوضہ ادا کیا ہے۔ اگر میں فوراً ہی ایک ریاست کا نواب بننے کے خواب دیکھنے لگوں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ اس وقت سوچیں جب ان معاملات سے فارغ ہو جائیں؟''

''شہاب! میں نے ساری زندگی ایک مضبوط سہارے کی آرزو کی ہے اور یقین کرو کہ تم سے بہتر انسان روئے زمین پر میرے لئے کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ بہرحال ان دونوں کو کیفرکردار تک پہنچا دیں' اس کے بعد دیکھا جائے گا!''

''گرفتاری کے بعد آپ نے ان سے ملاقات کی؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا دماغی توازن بگڑنے لگتا ہے ان کی شکلیں دیکھ کر! اس دن عدالت میں دیکھا تھا اس کے بعد سے پھر نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا چاہتی ہوں''۔

''میں ان سے ملوں گا۔ اجازت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ریاستی امور میں کہیں بھی دخل اندازی کرسکتے ہو۔ تمہارا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے''۔

''اس کے علاوہ رانی صاحبہ! چونکہ اصولی طور پر آپ کا کام ہوچکا ہے اس لئے بقیہ معاوضہ بھی ڈاکٹر برہان کو بھجوا دیں''۔

''ٹھیک ہے یہ کام کل ہی ہو جائے گا!''

''میں دو تین روز کے لئے دارالحکومت جاؤں گا۔ یوں بھی فی الوقت آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔ اب کون ہے جو آپ کے راستے میں ہو''۔

''تمہارے طفیل میں اپنے دشمنوں کے غول سے نکل آئی ہوں۔ خدا کی پناہ! سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ میری شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ اور اگر تم نہ ہوتے تو بالاخر میں ان کا شکار ہو جاتی لیکن یہ جانے کی بات تکلیف دہ ہے۔ کیوں جانا چاہتے ہو۔ اب تمہیں اس ملازمت سے کیا دلچسپی ہے!؟''

''پھر بھی رانی صاحبہ! ڈاکٹر میرا دوست بھی ہے۔ وہ جیسا انسان ہے' اگر آپ اس سے کچھ دن قریب رہیں تو آپ کو احساس ہو''۔

''ہم ڈاکٹر سے دوستی جاری رکھیں گے۔ اسے ایک معزز شخصیت کے طور پر مدعو کیا کریں گے!'' رانی نے جواب دیا۔ تصور میں اس نے اپنی ریاست مجھے سونپ دی تھی اور اس کے خیال میں' میں نے قبول بھی کرلی تھی لیکن کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ وہ غلط فہمی کا شکار تھی۔ وہ میری اور میرے گروہ کی فطرت سے واقف نہیں تھی۔ ہمارے سامنے چند نظریات تھے اور ہم نے زندگی کی آخری سانس تک ان نظریات کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان حالات میں ہمیں دولت کی اشد ضرورت تھی

لیکن کسی ریاست کی نہیں اور نہ ہی عورت کی۔ رانی آف اثرپور یعنی شاہانہ فیروز اگر ریاست سے الگ ہو جاتی تو ایک عام سی عورت تھی اور مجھے ریاست کی ضرورت نہیں تھی تو اس عام سی عورت کی ضرورت کیا ہوتی؟

چنانچہ دل ہی دل میں، میں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ ذرا مختلف تھا۔ میں جانتا تھا کہ شاہانہ فیروز کسی قیمت پر ان دونوں کو نہیں بخشے گی۔ وہ صاحب حیثیت تھی لیکن منصور.......... نوابزادہ منصور کا کیا ہوگا؟ اور یہ سوال میں نے اس سے کر دیا۔

"ہاں۔ اس کے لئے میں سوچ رہی ہوں"۔

"کوئی فیصلہ نہیں کیا؟"

"ایک خیال ہے ذہن میں۔ ظاہر ہے وہ کتنا ہی معصوم ہو لیکن اس ناگن کا بھائی ہے اور میں سانپوں کو قریب نہیں رکھنا چاہتی، میرا خیال ہے اس کے لئے ایک وظیفہ مقرر کر دوں اور اسے ریاست سے باہر نکال دوں!"

"یہی مناسب ہے"۔ میں نے تائید کر دی لیکن میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہوگیا تھا۔ جو فیصلہ میں نے کیا تھا اس کے تحت منصور کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ رانی منتقم المزاج تھی۔ وہ کسی قیمت پر منصور کو نہ چھوڑتی اور میرے ذہن میں بہت سی نئی راہیں کھل گئیں۔

"اسی رات میں اس قید خانے میں پہنچ گیا جہاں شاہینہ اور عادل درانی قید تھے۔ نہ جانے کیوں یہاں رانی کا ذہن انتقام کا شکار نہیں ہوا تھا، ورنہ وہ ان دونوں کو کبھی ساتھ نہ رکھتی لیکن ان کی صورتیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ دونوں خوش و خرم اور مسرور تھے!

"ہیلو مسٹر شہاب! کیسے ہیں آپ!" عادل درانی نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ لیکن آپ دونوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی!"

"کیوں؟" عادل درانی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ دونوں سخت مایوسی اور اداسی کا شکار ہوں گے۔ رانی آف اثرپور آپ کی جان کی دشمن ہے۔ ظاہر ہے وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گی!"

"ہاں ہم دونوں اس بات سے بخوبی واقف ہیں لیکن میرے دوست! زندگی کے کچھ اور بھی تقاضے ہیں۔ میں شاہینہ کو چاہتا ہوں اور وہ مجھے۔ ہم دونوں اس بات پر

خوش ہیں کہ ایک ساتھ ہی دنیا سے جا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے زندگی اتنی ہی تھی، کوئی کیا کرسکتا ہے، کیا ہم ان لمحات کو افسردگی کے جہنم میں جھونک دیں۔ ہم نے وقت کی خوشیاں سمیٹ لی ہیں۔ لمحات مختصر ہیں لیکن ہم نے انہی لمحات کو جاوداں کرلیا ہے اور بس یہی ہماری خوشی کا راز ہے!"

"خوب!" میں نے تعریفی نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔

"تمہارا کردار آج تک ذہن میں الجھا ہوا ہے دوست! درحقیقت تم کون ہو۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ اب تم اسٹیٹ کے سربراہ ہوگئے، وہ تمہی سے شادی کرے گی اور اس کے لئے میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔ حالانکہ تمہاری وجہ سے ہم قید ہوئے لیکن ہم نے وقت کے فیصلے کو خلوص دل سے قبول کرلیا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی کھیل، کھیل رہے تھے، تم جیت گئے۔ ایک کو جیتنا ہی تھا۔ بحث اس سے نہیں کہ کون جیتا۔ لیکن درحقیقت تم کون ہو؟"

"کرائے کا ٹٹو!" میں نے اطمینان سے کہا۔

"ہاں میری معلومات بھی یہی ہیں۔ کتنی رقم دی تھی رانی نے..........!"

"دس لاکھ"۔

"بہرحال اب تو وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اب تو جو کچھ ہے، وہ تمہارا ہی ہے!"

"تمہارے کاغذات سے پتہ چلتا ہے عادل درانی کہ تم نے بھی ریاست سے زبردست دولت کمائی ہے!"

"کیا مطلب؟"

"مقامی بینکوں میں تمہارا سرمایہ کم از کم پچھتر لاکھ ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دولت تم نے باہر بھی منتقل کی ہے"۔

"ہاں دوست! خیال تھا کہ اگر ریاست کے کھیل میں ہار گئے تو دونوں باہر نکل جائیں گے۔ سوچا تو بہت کچھ تھا۔ رانی سے تو نمٹ لیتے لیکن تم بھاری پڑ گئے"۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ایک کاروباری آدمی ہوں۔ رانی نے مجھے اپنے مقصد کے لئے حاصل کیا تھا اور اس کا معاوضہ دس لاکھ روپے لیا تھا۔ میں نے اس کا کام کر دیا اور اس کے دشمنوں کو بے نقاب کرکے اس کے حوالے کر دیا۔ میرا کام ختم ہوگیا۔ اب تم دونوں بھی تو مجھے کرائے پر حاصل کرسکتے ہو!"

”کیا مطلب؟“ عادل درانی چونک پڑا۔

”رانی کے پاس سے میری ڈیوٹی ختم ہوچکی ہے“۔

”تو پھر.......... تو پھر..........؟“ عادل درانی کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی تھی۔

”تم اگر چاہو تو اب میں تمہارے لئے کام کرسکتا ہوں۔ معاوضہ دس لاکھ..........!“ میں نے کہا اور عادل درانی کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

”دیکھو۔ دشمن کتنا ہی قابل نفرت کیوں نہ ہوں‘ جب وہ تمہارے قابو میں آ جائے اور تم اسے موت کا یقین دلا دو تو کم از کم اسے زندگی کا فریب مت دو۔ یہ کم ظرفی ہے!“

”خوبصورت الفاظ کی ادائیگی کی بجائے معاملے کی بات کرو عادل درانی!“ میں نے خشک لہجے میں نے کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا کرو گے ہمارے لئے؟“ عادل درانی نے کہا۔

”تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ تمہارے پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ تیار کرا دوں گا۔ معاوضہ دس لاکھ!“

”اوہ‘ لیکن۔۔۔ لیکن ہم یہ دس لاکھ کہاں سے ادا کریں گے کاغذات وغیرہ تو..........“

”بھئی میں کاروباری انسان ہوں۔ اس وقت تم نے ساری پول کھول دی۔ راز میں نے رانی کو ایک حد تک بتایا تھا۔ بہرحال تمہارے بینکوں وغیرہ کے کاغذات اور فرار کے منصوبے سے رانی صاحبہ قطعی طور پر ناواقف ہیں“۔

عادل درانی کی سانس پھولنے لگی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور پھر وہ نڈھال لہجے میں بولا۔ ”طاقتور اور کامران انسان! خدا کے واسطے زندگی کا مذاق نہ کرو۔ خدا کے واسطے!“

”وہ کاغذات میں تمہیں اسی وقت پیش کرسکتا ہوں!“ میں نے کہا اور اپنے لباس سے کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ عادل درانی سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ”لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا

رانی تم سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔؟“

”ہاں تیار تو ہے‘ لیکن بات ادھوری ہے!“ میں نے مایوسی سے کہا۔

”کیوں؟“

”میں تیار نہیں ہوں!“.......... میں نے کہا اور عادل درانی نے سلاخوں سے ہاتھ نکال کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”کیا یہ درست ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے؟“ وہ گھگھیا کر بولا۔

”ہاں یار! میرا ابھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور پھر رانی آف اٹرپور مجھے بالکل پسند نہیں ہے! ہونہہ کوئی عورت ہے۔ رہی دولت کی بات تو یار.......... عورت کی دولت مزیدار نہیں ہوتی۔ خود شکار کرو‘ خود کھاؤ۔ فطرت کی بات ہے۔ تم خود سوچو میری اپنی حیثیت کیا رہے گی؟لوگ مجھے رانی کے شوہر کی حیثیت سے جانیں گے!“

”دونوں تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ عادل درانی کو ابھی تک میری بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ”ایک بار پھر مجھے یقین دلا دو کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو‘ درست ہے!“

”یار کاغذات تمہارے پاس موجود ہیں۔ اس کے بعد کیا گنجائش ہے؟“

”تب پھر ہماری مدد کرو۔ ہمیں تمہاری شرط منظور ہے!“

”اس کے علاوہ کچھ ہدایات بھی دینا چاہتا ہوں“۔

”ضرور‘ بتاؤ میرے دوست! بڑی انوکھی بات ہوئی ہے۔ تم نے اس وقت ہمیں زندگی کی خبر دی ہے جب موت کے علاوہ اور کوئی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ اگر یہ مذاق نہیں ہے تو تقدیر کا انوکھا کارنامہ ہے“۔ عادل درانی نے کہا۔

”نوابزادہ منصور کو اپنے ساتھ لیتے جانا۔ وہ معصوم انسان درمیان میں پس جائے گا۔ تم دونوں کے فرار کے بعد رانی بے قابو ہو جائے گی اور پھر اس کا نشانہ ایک ہی ہو گا!“

”میں اپنے بھائی کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں؟“ شاہینہ تڑپ کر بولی۔

”لیکن اس سلسلہ میں بھی تم ہماری مدد کرو گے نا!“

”یقیناً“ میں معاوضہ لیتا ہوں تو کام پورا کرتا ہوں۔ رانی آف اٹرپور نے ہمارا

معاوضہ منظور کیا تو ہم نے اس کے دشمن اسے پیش کر دیئے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ میں تم دونوں کی محبت سے بھی متاثر ہوا ہوں اس کے علاوہ خصوصی آمدنی کی بات بھی ہے"۔

"خیر اس مذاق کو چھوڑو۔ جو شخص ایک ریاست ٹھکرا سکتا ہے اس کے لئے دس بیس لاکھ کیا حیثیت رکھتے ہیں!" عادل نے گردن ہلا کر کہا۔

"بات جائز آمدنی کی ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں"۔ میں نے کہا اور ان دونوں سے اجازت لے کر وہاں سے چلا آیا۔ لیکن ان کی رہائی کے لئے میں نے مناسب راستوں کی تلاش کا کام نہیں چھوڑا تھا۔ بظاہر اب مجھے یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ رانی کی محبت آمیز گفتگو میں میرے لئے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ اب تو باقی پانچ لاکھ کمانے کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ میں نے رانی سے اجازت مانگی۔

"ہم رقم بھجوائے دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی تم ڈاکٹر برہان کو استعفیٰ بھی بھجوا دو اب میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی!"

"اخلاق و مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے شاہانہ! میں اتنی بے رخی سے تو ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا اور پھر ابھی تو ان لوگوں پر مقدمہ چل رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے چند روز کے لئے جانے دیں"۔

"میں شدید تنہائی محسوس کروں گی!"

"چند روز کی بات ہے!"

"ٹھیک ہے اب تم بضد ہو تو میں تمہیں روک بھی نہیں سکتی۔ رقم موجود ہے"۔ رانی نے اداسی سے کہا اور میں تیاریاں کرنے لگا۔ پھر جس دن میں روانہ ہو رہا تھا تو رانی پر سوگ طاری تھا۔ وہ روئی بھی تھی اور مجھے سرکاری اعزاز کے ساتھ ایئرپورٹ پر چھوڑنے آئی تھی۔ جہاز کی سیڑھیوں پر میں نے نورین درانی کو دیکھا اور چونک پڑا۔ واپسی میں بھی وہ میری ہم سفر تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا تعلق ریاست سے ہے!" راستے میں اس نے کہا۔

"میرا تعلق کہیں سے ہو لیکن تم بے حد مغرور معلوم ہوتی ہو۔ میں نے تمہاری تلاش میں.........."

"غلط........." اس نے میری بات کاٹ دی۔ "میں نے مقررہ تاریخ کو تمہارا

انتظار کیا تھا!"

"تب پھر یہ تاریخی غلطی ہے۔ کیا ہم دوبارہ کہیں ملاقات کا وعدہ نہیں کر سکتے؟؟"

"اب بیکار ہے۔ یہ میری آخری فلائٹ ہے اس کے بعد میں شادی کر رہی ہوں اور شادی کے بعد میں ملازمت چھوڑ دوں گی!" نورین نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

○ ------------ ☆ ------------ ○

میں نے ڈاکٹر برہان کو اپنی آمد کی کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ بس اچانک ہی ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا۔ ڈاکٹر ہیڈکوارٹر کے آفس میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ تھی۔ ''ہیلو شہاب!'' اس نے مسرور لہجے میں کہا اور مجھے اس کے انداز پر تھوڑی سی حیرت ہوئی۔

''ہیلو ڈاکٹر' کیسے ہو''۔

''بالکل ٹھیک تم سناؤ کیس ختم کرلیا؟''

''ہاں اور یہ معاوضے کی بقیہ رقم..........!'' میں نے نوٹوں کا بیگ ڈاکٹر کے سامنے رکھ دیا۔ ''لیکن آپ کے انداز سے یوں لگتا ہے جیسے میری اچانک آمد آپ کے لئے غیر متوقع نہ ہوا؟'' میں نے ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری آمد تو غیر متوقع ہے ہی کیونکہ تم نے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی لیکن میں چند لمحات قبل حیرت کے دور سے نکل چکا ہوں''۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔ ایئرپورٹ پر شاید مجھے دیکھ لیا گیا اور کسی نے آپ کو میری واپسی کی اطلاع دیدی''۔

''یہ بات بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے تم بھی دیکھ لو۔ تھوڑا سا رخ بدل کر بیٹھو یعنی اس دیوار پر دیکھو جو میرے سامنے ہے!'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں نے چونک کر عقب میں دیکھا۔ دیوار سادہ تھی۔ پھر ڈاکٹر نے ہی کوئی عمل کیا تھا۔ دیوار پر سبز رنگ کی ایک لکیر کھنچ گئی اور اس لکیر کے درمیان کا حصہ روشن ہوگیا۔ اس جگہ عمارت کے بیرونی

دروازے کا منظر صاف نظر آنے لگا۔ میں نے خود کو دیکھا۔ میں بیگ لئے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ پھر اچانک میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور میں ساکت نظر آنے لگا۔ پھر ڈاکٹر برہان کی آواز ابھری''۔ اس طرح دروازے سے اندر داخل ہونے والی ہر شے میرے سامنے آ جاتی ہے۔ اب یہ دوسرا منظر ہے''۔ ڈاکٹر برہان نے کہا اور اچانک میں بے لباس ہوگیا۔ میرا بدن برہنہ نظر آ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ میرے لباس میں رکھی ہوئی ایک ایک شے نظر آنے لگی اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تب ڈاکٹر نے وہ مشین بند کر دی جس کا کنٹرول شاید میز میں تھا۔

''یہ سب کچھ فیضان نے میرے لئے کیا ہے۔ اس نظام کے تحت جو شخص بھی اندر داخل ہوگا مجھے اشارہ مل جائے گا' اور جب تک میرے پاس پہنچے گا یا اس عمارت کے کسی حصے میں جائے گا' میں اس کی مکمل شخصیت سے واقف ہو جاؤں گا اور اس کے ہر اقدام کے لئے تیار رہوں گا۔ بات صرف یہیں تک نہیں ہے' وہ جہاں بھی جائے گا' میری نگاہوں میں رہے گا جیسے.........'' ڈاکٹر نے پھر کوئی بٹن دبایا اور سکرین پر متحرک تصویریں نمایاں ہوگئیں۔ ان میں میرے ڈاکٹر برہان کے کمرے تک آنے کا عمل تھا۔

میں نے اس انوکھے نظام کو دل سے پسند کیا تھا۔ ''بہت عمدہ ہے یہ سب کچھ ڈاکٹر! لیکن عمارت میں کوئی لڑکی بھی داخل ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ نظام قابل اعتراض ہے۔ اس کے علاوہ ہم سب کی جسمانی حالت بھی آپ کے علم میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ میں اس پر اعتراض کرتا ہوں''۔ میں نے کہا۔

''ابھی تک کوئی نہیں آئی۔ میری بدقسمتی ہے۔ ویسے میں پروگرام بنا رہا ہوں''۔

''کیا؟''

''یہی کہ اپنی چند شناسا خواتین کو یہاں آنے کی دعوت دوں!''

''ہم سب بھی ان خواتین سے ملنے کے مشتاق ہیں ڈاکٹر! ہمیں مدعو کرنا نہ بھولیئے''۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر ہنس پڑا۔ ''لیکن اس کے بعد یہ تصاویر محفوظ کس طرح رہ گئیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اسکرین پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ خودبخود سلو لائیڈ پر منتقل ہو جاتا ہے تاکہ میری غیر موجودگی کے حالات بھی میری نگاہ میں رہیں۔ بہت جلد یہ عمارت لوگوں کی توجہ کا

مرکز بن جائے گی۔ ہمیں دوستوں سے زیادہ دشمنوں کے استقبال کے لئے تیار رہنا چاہئے"۔

"بہرحال یہ سب کچھ بہت خوب ہے اور یہ فیضان۔ یہ بہتوں کے لئے مصیبت بن جائے گا۔ ویسے سب خیریت سے ہیں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔ بس شارق کو تمہاری غیر موجودگی میں ایک مہم پر بھیجا ہے۔ ابھی تک مجھے اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔ بہرصورت چھوڑو ان باتوں کو۔ رانی آف اثر پور کا کام تسلی بخش طور پر نمٹ گیا ہے!"

"ہاں ڈاکٹر! لیکن میں بغیر تسلی کے ہوں"۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیس کی نوعیت کیا تھی؟" ڈاکٹر برہان نے پوچھا اور میں نے اسے پوری تفصیل سنا دی۔ ڈاکٹر دلچسپی سے یہ کہانی سن رہا تھا۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔

"لیکن اس میں تمہاری الجھن کہیں نہیں نظر آئی؟"

"میں نے ان واقعات کو اس کہانی میں شامل نہیں کیا ہے۔ ان کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ آپ کو میرا استعفیٰ قبول کرنا پڑے گا' اس کے لئے رانی آپ کو ہر معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوگی کیونکہ وہ مجھ سے شادی کرکے مجھے اسٹیٹ کا سربراہ بنانا چاہتی ہے"۔

"واہ نواب صاحب قبلہ! اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے!" ڈاکٹر ہنس پڑا۔

"تو پھر کیا قیمت وصول کریں گے آپ میری!"

"بس شادی میں مدعو کرلینا اور کیا لینا دینا' آپس کی بات ہے!" ڈاکٹر نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"آپ یقین کریں ڈاکٹر! وہ مجھے اپنی ملکیت سمجھ بیٹھی ہے۔ خاصی مصیبت بن جائے گی۔ اب اس کیس کا دوسرا پہلو بھی سن لیں"۔

"اوہ' کوئی اور پہلو بھی ہے؟"

"جی ہاں معاوضہ پانچ لاکھ!"

"خوب' وہ کیا؟"

"عادل درانی' شاہینہ فیروز اور نواب زادہ منصور کو اس ملک سے فرار کرانا ہے۔ ان کے پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ درکار ہوں گے۔ میں ان سے معاملے کی بات کرچکا

ہوں"۔ میں نے اطمینان سے کہا اور ڈاکٹر حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے ڈاکٹر!" میں نے سوال کیا۔

"صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ بات ہمارے پیشے کی ایمانداری پر حرف تو نہیں بن جائے گی"۔

"بالکل دوسری نوعیت کا کیس ہے ڈاکٹر! شاہانہ فیروز انہیں راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔ بات ان کی بھی جائز ہے۔ اگر وہ ہم سے اس مدد کی درخواست کرتے تو کیا حالات کی نوعیت جاننے کے بعد ہم ان کی مدد نہ کرتے۔ رانی کا کام ایمانداری کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔ اب ان لوگوں کے لئے کام کرنے میں کیا عار ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی اعتبار سے بھی یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔ شاہینہ فیروز ایک بے بس لڑکی ہے۔ اگر اسے عادل درانی کا سہارا نہ ملتا تو وہ پس کر رہ جاتی۔ ظاہر ہے رانی آف اثر پور اس سے نفرت کرتی تھی۔ ایک طرح سے اس بے بس لڑکی نے سہارا تلاش کیا۔ عادل درانی لاکھ مجرم سہی لیکن اس کے کردار کا ایک پہلو نمایاں ہے۔ اس نے رانی آف اثر پور کے اثر میں آنے کی بجائے مظلوم شاہینہ سے محبت کی اور اس میں ثابت قدم رہا۔ یہ چند دلائل ہیں۔ جن کی بنیاد پر میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں"۔

"ہوں۔ وہ انہیں پھانسی دیدے گی؟"

"نہ صرف انہیں بلکہ ممکن ہے کہ وہ منصور کے خطرے کو بھی نظرانداز نہ کرے!"

"یہ لوگ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

"اس ملک سے باہر کسی بھی جگہ۔ اگر اس ملک میں رہے تو رانی اپنے تعلقات سے کام لے کر انہیں تلاش کرسکتی ہے۔ اس لئے فی الحال ان کا کہیں نکل جانا ہی بہتر ہے!"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بس ان لوگوں کے پاسپورٹ وغیرہ کی تیاری اور اس کے بعد انہیں رانی کے چنگل سے نکال لوں گا!"

"وہ کس طرح؟"

"بڑی آسانی سے۔ اس سلسلے میں میرے ذہن میں منصوبہ ہے!"

"اپنے آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی!"

"ہرگز نہیں۔ ایسے معمولی کام میں خود کرلوں گا۔ کرائے کے چند لوگ میرے چھوٹے موٹے کام کرلیا کرتے ہیں۔ چار چھ ہزار خرچ کرکے ان سے یہ کام کرا لوں گا!"

"ٹھیک ہے میری طرف سے اجازت ہے۔ ان کے پاسپورٹ وغیرہ کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔ بس ان کی تصاویر وغیرہ کا بندوبست کردو۔ یہ کام میں ایک ہفتے میں مکمل کرلوں گا!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں ڈاکٹر کے بے پناہ وسائل سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ ڈاکٹر کے لئے ایسے چھوٹے موٹے کام کوئی حیثیت نہیں رکھتے!

اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور تیسرے دن میں چند افراد کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ ایسے چند لوگوں کو میں نے ضروری مواقع کے لئے پھانس رکھا تھا اور کئی بار ان سے کام لے چکا تھا۔

رانی آف اٹرپور مجھے دیکھ کر مسرت سے کھل اٹھی تھی۔ "مجھے یقین تھا کہ تم بھی مجھ سے دور نہ رہ سکو گے۔ میں ان لوگوں کے قصے جلد سے جلد پاک کر دینا چاہتی ہوں تاکہ اس کے بعد سکون سے تمہاری ہو سکوں۔ آہ! اس پرمسرت زندگی کے خواب میری نگاہوں میں ہیں جو تمہارے ساتھ گزرے گی۔ شہاب! میں ریاست کے امور میں اب بہت زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتی۔ میں عورت ہوں۔ مجھے زندگی میں پہلی بار منزل ملے گی۔ میں اس منزل میں گم ہو جانا چاہتی ہوں۔ بولو' مجھے اس کا موقع دو گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں" میں نے تلخ گولیاں نگلتے ہوئے پوچھا۔

"بس یہ ساری ذمہ داریاں تم سنبھالو گے۔ ہم چند قابل اعتماد لوگوں کا انتخاب کریں گے اور یہاں کی ذمہ داریاں انہیں سونپ کر خود ایک طویل عرصے کے لئے یورپ چلیں گے تاکہ زندگی سے لطف اندوز ہوسکیں"۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی دوسرے مسائل سے تو نمٹ لیں!"

"دوسرے مسائل اب کیا رہ گئے ہیں؟ میں نے سارے انتظامات مکمل کرلئے ہیں!" رانی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں چونک پڑا۔

"وہ کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔

"ذاتی طور پر میں نے ہدایات جاری کی ہیں۔ اس بار کی پیشی پر عدالت ان دونوں کو سزائے موت سنا دے گی اور دوسرے دن میں اس کی توثیق کردوں گی' تیسرے دن انہیں سزائے موت دیدی جائے گی۔ منصور کو بھی اسی دن شہربدر کر دیا جائے گا!"

"خوب!" میں نے مسکرا کہا۔ "دوسری پیشی کب ہوگی؟"

"تمیں تاریخ کو.......... آج بائیس تاریخ ہے۔ اس دوران میں سارے انتظامات مکمل کرادوں گی!"

"ٹھیک ہے!" میں نے جواب دیا۔ انتظامات تو مجھے بھی کرنے تھے اور کچھ زیادہ ہی تیزی سے کرنے تھے۔ چنانچہ پہلے مرحلے کے طور پر میں نے باقاعدہ پروگرام کے تحت منصور سے ملاقات کی۔ یہ نیک نفس انسان ان چند دنوں میں بے حد لاغر ہوگیا تھا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"اپنی بہن کی گرفتاری کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات کیا ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"رضائے الٰہی! انسان کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ظلم کاشکار ہے لیکن ہم مشیت کے امتحان میں پورے اتریں گے!"

"عملی طور پر آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں کریں گے منصور صاحب!"

"میں نے بہت سوچا لیکن میں مشیت ایزدی کے سامنے بے بس ہوں!"

"آپ کو رانی صاحبہ نے طلب کیا ہے!" میں نے کہا اور وہ مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میری یہی آرزو تھی کہ میرا انجام بھی میری بہن کے ساتھ ہو جائے چلو!" وہ اٹھ گیا اور میں اسے ساتھ لئے باہر نکل آیا۔ پہلے اقدام کے طور پر میں نے ضروری انتظامات کرلئے تھے چنانچہ میرا ایک کارکن تیار تھا۔ سادہ لوح منصور نے یہ بھی نہ پوچھا کہ رانی نے اسے محل کے بجائے دوسری جگہ کیوں بلایا ہے البتہ ایئرپورٹ پر اس نے یہ سوال ضرور کیا۔ "کیا مجھے شہر سے کہیں باہر جانا ہے!"

"ہاں رانی صاحبہ ایک مخصوص مقام پر آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں"۔ میں نے جواب دیا۔

"بہتر ہے!" اس نے جواب دیا اور میں اس کٹھ پتلی کو روانہ کرکے مطمئن واپس

آیا۔ تیس تاریخ کے لئے میں نے مکمل انتظامات کرلئے تھے۔

اسی دوران رانی آف اٹرپور کو بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ بحیثیت عورت وہ بری نہیں تھی۔ محرومی کی پیاس تنہائیوں میں اجاگر ہو جاتی تھی اور میں نے ایسے موقعوں پر ہمیشہ اس کی پذیرائی کی لیکن عجیب عورت تھی۔ شدید ترین آزمائش کے وقت میں خود کو سنبھال لیتی تھی اور مستقبل کے خوابوں میں کھو جاتی تھی جبکہ میں ان خوابوں کی تعبیر جانتا تھا۔ میں نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ اس کاروبار کی آمدنی کے گوشوارے میں' میں پندرہ لاکھ روپے نقد کے ساتھ ایک عورت کو درج نہیں کرسکتا تھا!

بہرحال تیس تاریخ آگئی۔ میرے آدمی پوری طرح تیار تھے جو وین قیدیوں کو عدالت لانے والی تھی اور جس کا کنٹرول رانی کے خاص لوگوں کے ہاتھوں میں تھا اب میرے آدمیوں کے پاس تھی اور رانی کے آدمی محل ہی کے ایک گیراج میں بندھے پڑے تھے۔ میں رانی آف اٹرپور کے ساتھ عدالت پہنچ گیا تھا اور مقدمے کی کارروائی شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

دیر تک مجرم نہیں پہنچے تو رانی کے سکریٹری نے اسے اس کی اطلاع دی۔ "کیا مطلب؟" رانی چونک پڑی۔

"وین ابھی تک نہیں آئی"۔

"کیوں؟"

"خدا جانے۔ کیا میں ٹیلیفون کروں؟"

"کیا یہ پوچھنے کی بات ہے؟" رانی پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی اور سکریٹری کان دبا کر چلا گیا۔ "ابھی تک......... حالانکہ......... میں نے چلتے وقت انہیں جلدی پہنچنے کی ہدایت کی تھی اور وہ لوگ غیر مستعد بھی نہیں ہیں!" رانی بڑبڑائی۔

"ممکن ہے کوئی وجہ ہوگئی ہو۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" میں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

"نہ جانے کیوں میں وحشت کا شکار ہوگئی ہوں"۔ رانی نے نروس انداز میں کہا۔

پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا رانی کی وحشت بڑھتی گئی۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی۔ "یہ سکریٹری کمبخت کہاں مرگیا؟"

"میں دیکھتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا لیکن میں دروازے سے نکلا بھی نہیں تھا

کہ سکریٹری اندر آگیا۔ "وہ......... وہ تو بہت دیر ہوئی وہاں سے چل پڑے ہیں!"

"تم اتنی دیر سے یہی معلوم کر رہے تھے؟" رانی دہاڑی

"جی نہیں۔ میں نے کئی آدمی ان راستوں پر دوڑا دیئے ہیں جہاں سے وین کی رگاہ ہے۔ ممکن ہے وہ کسی حادثے کا شکار ہوگئی ہو"۔

"اوہ حادثہ......... نہ جانے کیسا حادثہ......... جلدی کرو......... فوراً مجھے اطلاع دو"۔ رانی نے کہا اور سکریٹری پھر باہر بھاگ گیا۔ رانی کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اب کہاں ہوں گے؟ پھر رانی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور میں بھی اس کے ساتھ سرگرمی دکھانے لگا لیکن جو ہونا تھا' وہ تو ہوچکا تھا۔ وین ایئرپورٹ سے مل گئی اور اس کے عملے کے لوگ گیراج ہیں۔ رانی پر غشی طاری ہوگئی تھی اور میں نے طنزیہ رویہ اختیار کرلیا تھا۔ "اگر آپ آخری لمحات تک کے لئے ان کی نگرانی میرے سپرد کر دیتیں تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی"۔

"لیکن میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ........." رانی اچھل پڑی۔ "منصور.........! آہ جلدی کرو۔ منصور کو قبضے میں کرلو ہم انہیں الٹی میٹم دیں گے کہ اگر وہ حاضر نہ ہوئے تو منصور کو جرم کی سزا دی جائے گی!"

"گڈ۔ عمدہ منصوبہ ہے! جلدی کریں!" میں نے اس بیوقوف عورت سے کہا جسے تین دن گزرنے کے باوجود بھی منصور کی غیر موجودگی کا علم نہیں ہوا تھا اور اس کے بعد تو رانی پاگل ہوگئی جب اسے پتہ چلا کہ منصور تین دن سے غائب ہے"۔ آہ......... اب کیا ہوگا"۔ وہ ڈوبتے لہجے میں بولی۔

"عادل درانی جیسے چالاک اور سازشی انسان کے مقابلے میں آپ نے غلط لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ رانی صاحبہ! اگر مجھے شبہ بھی ہوتا کہ آپ اس کا بہتر بندوبست نہیں کرسکیں گی تو میں خود اس کا چارج سنبھال لیتا"۔

"آہ۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کمبخت منصور بھی فتنہ نکلے گا۔ ان لوگوں کی رہائی کے سلسلے میں منصور کے علاوہ اور کون کوشش کرسکتا ہے؟"

"بے شک!" میں نے تائید کی۔

"شہاب! شہاب......... تم ہی کچھ کرو۔ خدا کے لئے تم کچھ کرو!"

"مجھے اس کے لئے ڈاکٹر برہان سے مشورہ کرنا پڑے گا کیونکہ یہ ایک نیا سلسلہ

ہے اور اس کا ہمارے معاہدے سے کوئی تعلق نہیں ہے!"

"ڈاکٹر برہان کو جہنم میں جھونکو۔ اب ہمارا اس سے کیا واسطہ.......... تم کچھ کرو"۔ رانی نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اس کے لئے مجھے بھی جانا پڑے گا۔ دارالحکومت سے ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ نہ جانے وہ لوگ کہاں گئے ہیں؟"

"اخراجات کی پروا مت کرو.......... جاؤ.......... میں ہر قیمت پر ان تینوں کی موت چاہتی ہوں۔ یہاں میں ان کے لئے جال پھیلاتی ہوں"۔

اور میں نے اخراجات کی کوئی پرواہ نہیں کی اور دوسرے دن واپس آگیا۔ عادل درانی، شاہینہ فیروز اور نوابزادہ منصور تینوں ڈاکٹر برہان کی شاندار کوٹھی میں مقیم تھے اور ڈاکٹر برہان نے میک اپ کے ذریعہ ان کی شخصیت ہی بدل دی تھی۔ وہ تینوں میرے اوپر نثار ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر میں ان کی زندگی نہ بچاتا تو رانی انہیں پاتال میں بھی نہ چھوڑتی۔

بہرحال ایک ہفتے کے بعد وہ ایک امریکی طیارے کے ذریعے روانہ ہوگئے۔ میرے پانچ لاکھ روپے وہ ادا کرگئے تھے اور اب میری چھٹی تھی۔ کسی بھی کیس کو نمٹانے کے بعد تقریباً" ایک ماہ مکمل آرام کیا جاتا تھا تاکہ تازہ دم ہوکر کسی نئے سلسلے میں کام شروع کیا جاسکے۔

اور اب میں اپنی خوبصورت اور آرام دہ رہائش گاہ میں مقیم سوچ رہا تھا کہ کسی پرانی محبوبہ ہی سے رجوع کیا جائے یا کوئی نیا ساتھی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ فرصت کے دن تنہا گزارنا سب سے بڑا عذاب ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے دن سے میں تگ و دو میں مصروف ہوگیا۔ میرے ذہن میں فیرائل ابھر آئی۔ ذہنی کوفت کی سب سے مؤثر دوا۔ اس کے اندر صرف دو خوبیاں تھیں۔ اس کی خوبصورت آنکھیں اور خوبصورت باتیں چنانچہ میں نے اس کی فرم میں فون کیا۔ وہ دوائیں امپورٹ کرنے کے ایک ادارے میں ملازم تھی۔ فون پر فیرائل سے گفتگو ہوگئی۔ رسمی باتوں کے بعد میں پوچھا۔ "کتنے دن کی چھٹی مل سکتی ہے تمہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"چھٹی کا مطلب چھٹی ہی ہوتا ہے اور چھٹیاں ہمیشہ کسی پرفضا مقام پر گزاری جاتی ہیں!"

"شام کو ملو۔ تفصیل سے گفتگو ہوگی!"

"کم از کم ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست دیتی آنا!" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ شام کو فیرائل کے فلیٹ پر پہنچا تو وہ میری منتظر تھی۔

"میری ایک دوست آئی ہوئی ہے۔ اچانک آگئی ہے، آؤ اس سے ملاؤں"۔ فیرائل نے کہا اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا لیکن اس دوست کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی تھی۔ نورین درانی بھی مجھے دیکھ کر چونک پڑی تھی لیکن فیرائل نے یہ بات محسوس نہیں کی۔

"یہ نورین درانی ہے اور نورین یہ شہاب ہیں میرے بہت اچھے دوست!"

"تم دلہن کے لباس میں نہیں ہو نورین!" میں نے پوچھا اور نورین کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ فیرائل نے حیرت سے ہم دونوں کو دیکھا پھر بولی۔ "ہوں تو تم دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہو؟"

"اچھی طرح! لیکن نورین میری بات کا جواب نہیں ملا؟"

"وہ شادی ملتوی ہوگئی"۔ نورین نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"میرے منگیتر نے ایک دوسری لڑکی سے شادی کرلی اور سوئٹزرلینڈ چلا گیا"۔

"بڑا بے وقوف تھا گدھا کہیں کا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے"۔ میں نے کہا اور نورین ہنسنے لگی۔ فیرائل ہماری خاطر مدارت کی تیاریاں کرنے لگی۔ پھر ہمارے سامنے کافی سجاتے ہوئے اس نے کہا۔ "افسوس شہاب! میں نے ابھی دو ماہ قبل چھٹیاں لی تھیں، اس لئے ابھی طویل عرصہ تک مجھے کوئی چھٹی نہیں مل سکتی"۔

"کوئی بات نہیں ہے ڈیر!.......... میں نے بھی مذاق کیا تھا!" میں نے جواب دیا۔ پھر فیرائل کے ہاں سے واپسی پر جب میں نورین کو اس کی رہائش گاہ پر چھوڑنے جا رہا تھا تو میں نے اسے پیشکش کی۔ "اگر تم مصروف نہ ہو نورین! اور تمہیں اجازت مل سکتی ہو تو کچھ روز میرے ساتھ گزارو"۔

"اجازت!" اس نے عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ہاں۔ میرا مطلب ہے تمہاری ذمہ داریاں!!"

"افسوس، میری نوکری بھی ختم ہوگئی ہے۔ میرے منگیتر نے ایک ماہ قبل مجھ سے

استعفیٰ دلوایا تھا کیونکہ اسے میری ہوسٹس کی ملازمت پسند نہیں تھی چنانچہ اب میں فارغ البال ہوں"۔ نورین نے کہا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی خصوصی آمدنی میں سے ایک معقول رقم اسے بطور امداد دیدوں گا تاکہ دوسری نوکری اور دوسرے منگیتر کی تلاش میں اسے دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

○ ---------- ☆ ---------- ○

سیر گڑھ کے پرفضا مقام کا حسین ماحول نورین کی دلکش رفاقت میں اور حسین ہوگیا تھا۔ ایک انتہائی خوبصورت ہوٹل میں ہمارے قیام کو سترہ دن گزر چکے تھے اور ان سترہ دنوں نے میرے ذہن کو بڑی فرحت بخشی تھی۔ نورین درانی ایک بری عادت کے علاوہ بہترین صفات کی مالک تھی اور بری عادت بھی شاید اس نے نئے حادثے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے منگیتر نے اسے چھوڑ دیا تھا اور دوسری شادی کرلی تھی اور اب شاید وہ اس کا انتقام کسی دوسرے مرد سے لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ اندازے کے مطابق اس کی بیس باتوں کے بعد اکیسویں بات یہی ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے بے حد متاثر ہے اور میری زندگی بھر کی رفاقت کی طلبگار ہے اور اس بات پر میں مغموم ہو جاتا تھا۔ اس کے سوا اور کیا کرتا پھر وہ پوچھتی رہ جاتی کہ میری اس کیفیت کی کیا وجہ ہے لیکن میں چپ رہتا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح وہ خوشگوار لمحات کو ضائع کرنے سے کترائے گی لیکن وہ کترانے والی لڑکی نہیں تھی اور وقتاً فوقتاً اپنے مطالبے کو دہراتی رہتی تھی۔

اس شام ہم دونوں خوشگوار موڈ میں تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ نورین نے کافی دیر سے اپنا مطالبہ نہیں دہرایا تھا۔ نورین بھی ایک خوبصورت لباس میں ملبوس تھی اور میں نے بھی بہترین لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ہم دونوں کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ہال میں داخل ہوگئے جہاں ہماری میز مخصوص تھی۔ نورین نے بیٹھنے کے بعد ایک شراب کا آرڈر دیدیا اور پھر ویٹر شراب کے ساتھ ہی ایک پیغام بھی لایا۔

"جناب میز نمبر تیرہ پر موجود جوڑے نے آپ کو سلام دیا ہے!"

"میز نمبر تیرہ کونسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اس طرف"۔ ویٹر نے اشارہ کیا اور جونہی میں نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا' میری جان نکل گئی۔ پہلی نگاہ رانی پر پڑی تھی اور اس کے ساتھ جو شخص

تھا' وہ بھی میرے لئے سخت حیران کن شخصیت تھی۔ ماجد.......... میرا ساتھی.......... اور ہمارے ادارے کا اہم کارکن..........

نورین نے میری بوکھلاہٹ کو پوری طرح محسوس کیا تھا۔ وہ آہستہ سے بولی۔ "وہ شاید رانی آف اٹرپور ہے!"

"میں ابھی آیا"۔ میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نورین منہ کھول کر رہ گئی تھی لیکن میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ قریب پہنچا تو رانی کا چہرہ اترا نظر آیا۔ اس کی کیفیت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ اس نے شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اسی وقت ماجد بول پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں بیٹھنے کی بجائے کیوں نہ ہم اپنے کمرے میں چلیں۔ لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں"۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں!" رانی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر اٹھیے!" ماجد جلدی سے کھڑا ہوگیا اور ہم نے بھی اس کی تقلید کی۔

"آپ لوگ اس ہوٹل میں مقیم ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں روم نمبر اٹھائیس!" ماجد بولا۔

"ٹھیک ہے آپ لوگ چلئے"۔

"آپ چلئے رانی صاحبہ! میں انہیں لے کر آتا ہوں"۔ ماجد نے کہا اور رانی ہم دونوں کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے دانت پیس کر ماجد کی طرف دیکھا اور ماجد نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا یار کہ تم جیسا اوٹ پٹانگ آدمی بھی اتنا باذوق ہوسکتا ہے کہ سیر گڑھ جیسے مقام پر آجائے"۔

"کیا بکواس ہے۔ تفصیل بکو"۔ میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر برہان کی زندگی عذاب کر دی تھی۔ دن میں چھ ٹیلیفون یقینی تھے۔ سب کے سب تمہارے بارے میں ہوتے تھے تم کہاں ہو۔ کوئی پتہ ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر عاجز آگئے تھے۔ پھر خاتون خود پہنچ گئیں۔ تھوڑی سی سرکاری حیثیت بھی رکھتی ہیں' اس لئے ڈاکٹر نے خشک روی اختیار نہیں کی اور ان سے کہہ دیا کہ تم پابند تو نہیں ہو جو بتا کر جاؤ۔ تب نزلہ مجھ پر گرا۔ اتفاق سے میں ہاتھ لگ گیا۔ دو لاکھ روپے کی رقم معمولی تو نہیں ہوتی اور وہ بھی صرف اتنے سے کام کی کہ رانی صاحبہ کے ساتھ مل کر تمہیں

تلاش کیا جائے۔ دیگر اخراجات الگ۔ میں نے سوچا عورت اور دولت ایک ساتھ آئیں تو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے تیار ہوگیا۔ ایسی جگہوں کی سیر کراتا پھرا ہوں جہاں تمہاری موجودگی کے امکانات ہی نہ ہوں۔ اب اسے کیا کروں کہ تم مل ہی گئے"۔ ماجد نے تفصیل بتائی۔

"ہوں!" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "اب میں کیا کروں؟"

"مل ہی لو یار.......... وہ پیچھا نہیں چھوڑے گی!"

"اور اپنی بیوی سے کیا کہوں؟" میں نے نورین کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"بیوی..........؟" ماجد نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور بولا۔ "اس کے باوجود مل لو.......... اور بیوی سے کوئی بہانہ کر دو۔ میں دو لاکھ روپے وصول کرلوں۔ پھر جو دل چاہے کرنا!"

ماجد کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا تھا وہ میرے ان جملوں پر ذرا بھی نہیں چونکا تھا اور جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی مجھے اتنا ہی جانتا تھا جتنا میں اسے..........

نورین کے پاس میں بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں پہنچا تھا۔ "نورین ڈارلنگ! اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک میں تمہارے پاس نہ پہنچ جاؤں!"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں وہ کم بخت بے حد بددماغ ہے غصے میں دیوانی بھی ہو جاتی ہے۔ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر بے قابو ہوگئی ہے۔ اسے سنبھالنا پڑے گا"۔

"لیکن..........!" نورین نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"پلیز نورین! باقی گفتگو بعد میں"۔ میں نے پریشانی سے کہا اور نورین اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ"۔ میں نے نورین کو ہدایت کی اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر ماجد کے ساتھ واپس پلٹ پڑا۔

راستے میں ماجد سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی اور ہم دونوں خاموشی سے کمرہ نمبر اٹھائیس کے سامنے پہنچ گئے۔ رانی ایک صوفے پر دراز تھی۔ اس نے مجھے بغور دیکھا اور پھر ماجد کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مسٹر ماجد پلیز!"

"ہاں، ہاں، کوئی حرج نہیں ہے۔ میں باہر ہوں!" ماجد نے کہا اور باہر نکل گیا۔ رانی صوفے سے اٹھی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ میری طرف مڑی۔ میں نے اپنی اداکاری شروع کر دی تھی۔ میرے چہرے پر بھی حزن و ملال نظر آنے لگا تھا۔ اس سے قبل کہ رانی کچھ بولتی، میں ہی بول پڑا۔ "تم مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آگئیں شاہانہ!"

"ہاں تمہیں یاد دلانے کہ دلوں کے سودے اتنے سستے نہیں ہوتے!"

"لیکن بعض اوقات سب کچھ کوڑیوں کے مول بک جاتا ہے"۔ میں نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"تم واپس کیوں نہیں آئے شہاب!" رانی نے سسکی لے کر پوچھا۔

"واپس!" میں نے ایک سرد آہ بھری۔ "میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا شاہانہ! میں اپنی کوشش میں ناکام رہا"۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی۔ وہ عورت جو ساری زندگی مظلومیت کا شکار رہی۔ ایک بار پھر اعتماد کے جہنم کا ایندھن بن جائے حالانکہ شاہانہ فیروز! تمہارے شوہر کی حیثیت سے جو جاہ و حشم مجھے ملتا، اس کی دلکشی نے میرے ضمیر کو سلا دیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تمہاری قربت حاصل کرلوں اور اپنی حیثیت بدل لوں لیکن تمہاری پوری زندگی حادثات کا شکار رہی ہے۔ عین وقت پر میرا ضمیر جاگا.......... اور.......... شاہانہ! میں تمہارے پاس نہ پہنچ سکا!"

"میں نہیں سمجھی شہاب!"

"میں شادی شدہ ہوں شاہانہ! تم میرے ساتھ میری بیوی کو دیکھ چکی ہو۔ میرے پانچ بچے ہیں۔ میں سات انسانوں کے سینے پر داغ نہیں بن سکتا۔ میری بیوی جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ چاہتی ہے۔ میرے بچے جو میری ذات کو اپنے لئے دنیا میں سب سے برتر سمجھتے ہیں، اور تم.......... بتاؤ شاہانہ! کیا دولت اور عزت حاصل کرنے کے لئے یہ سات خون کئے جاسکتے ہیں؟"

"تم.......... تم شادی شدہ ہو شہاب!" شاہانہ حیرت سے بولی۔

"ہاں میں اس جرم کا اعتراف کرچکا ہوں"۔

"اور تم نے مجھے دھوکہ دیا تھا؟" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"میں تو ہمیشہ الجھ جاتا تھا۔ یاد کرو شاہانہ! میں نے کبھی تمہاری اس بات پر کھلے دل سے گفتگو نہیں کی تھی!"

"لیکن.......... لیکن تم نے.......... تم نے.......... تم نے.........." وہ سخت بے چین ہوکر بولی اور پھر سسک سسک کر رونے لگی۔ میں ان کٹھن لمحات کو برداشت کرنے کے لئے مجبور تھا۔ "تم سب یکساں ہوتے ہو.......... تم سب.......... میں تم سے انتقام لوں گی تم سے.........." وہ بپھرے ہوئے انداز میں بولی اور پھر رونے لگی۔ پھر اچانک گردن اٹھاکر بولی۔ "تم اسے طلاق دیدو۔ سمجھے تم اسے طلاق دیدو۔ میں تمہارے بچوں سے تعرض نہیں کروں گی۔ وہ محل ہی میں پرورش پائیں گے لیکن تم کبھی اس بات کا اعلان نہیں کرو گے کہ وہ تمہارے بچے ہیں!" رانی نے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے رانی صاحبہ! اور مناسب بھی نہیں ہے۔ اس طرح آپ کی شخصیت ہمیشہ داغدار رہے گی۔ میں آپ کے ذہن پر بوجھ نہیں بنوں گا' مجھے آپ سے ہمدردی ہے!"

"تمہیں میرا فیصلہ ماننا ہوگا شہاب! میں تمہیں غور کرنے کا موقع دیتی ہوں۔ اگر تم تیار نہ ہوئے تو میں نہیں جانتی کہ میں کیا کر بیٹھوں گی!"

"میں آپ کو اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں رانی اثرپورا! میں اپنی بیوی اور بچوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے انصاف کے تقاضے پر آپ کو دھوکہ دینے سے پرہیز کیا ہے۔ اسی انصاف کے تقاضے پر میں اپنی بیوی کو بھی دھوکہ نہیں دے سکتا!" میں نے سرد اور ٹھوس لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ رانی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

بہرحال مجھے زیادہ دکھ نہیں ہوا۔ وہ خود بھی ایک سنگدل اور مفاد پرست عورت تھی۔ پہلے اس نے عادل درانی پر ڈورے ڈالے تھے' وہ تو اتفاق سے عادل درانی دوسرے ٹائپ کا آدمی نکل آیا۔ ورنہ وہ بے چارا رو رہا ہوتا! ماجد کو تلاش کیا اور وہ نظر آگیا۔ خود ہی میری طرف بڑھ آیا تھا۔ "کیا نمٹی بھائی!" ماجد نے پوچھا۔

"معاوضہ وصول کراؤ کسی ترکیب سے اور ہاں یاد رہے' وہ میری بیوی ہے!" میں نے کہا۔

"غلطی ہوگئی یار! رقم پہلے وصول کرلینی چاہئے تھی۔ بہرحال کوشش کرتا ہوں!

ماجد نے کہا اور رانی کے کمرے کی طرف چل دیا۔ میں واپس نورین درانی کے پاس آگیا۔ میں نے ایک پنتھ دو کاج کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ میں پشیمان سی صورت بنائے نورین کے پاس پہنچا۔ نورین نے مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ "کیا بات ہے شہاب! تم اسے دیکھ کر سخت پریشان نظر آ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سامان سمیٹو نورین! ہمیں تھوڑی دیر کے اندر اندر ہوٹل چھوڑ دینا ہے!" میں نے مضطرب انداز میں کہا۔

"لیکن بات کیا ہے؟ مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے!"

"وہ جنونی عورت ہے۔ صاحب اثر ہے اس لئے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا اور وہ تمہیں گولی مار دے گی!"

"مجھے؟" نورین تعجب سے بولی۔

"ممکن ہے ہم دونوں کو!"

"لیکن کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ میری بیوی ہے!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور اب نورین کے حیران ہونے کی باری تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ "تم نے ایئرپورٹ پر نہیں دیکھا تھا نورین! اس دن وہ مجھے چھوڑنے آئی تھی۔ نواب فیروز کے انتقال کے ایک سال کے بعد ہی بعض مجبوریوں کے تحت میں نے اس سے شادی کرلی تھی لیکن نورین! اس شادی کے بعد مجھے ایک لمحے کا اطمینان بھی نصیب نہیں ہوا۔ وہ انتہائی سخت گیر عورت ہے۔ غصے سے دیوانی ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر وہ جنون کا شکار ہوگئی ہے!"

"لیکن.......... لیکن تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم شادی شدہ ہو"۔

"آہ! تم ان اوقات میں میرے چہرے پر غور نہیں کرتی تھیں نورین! جب تم مجھے شادی کی پیشکش کرتی تھیں۔ تمہاری اس پیشکش پر میں ہمیشہ احساس محرومی کا شکار ہو جاتا تھا۔ میرے دل میں حسرت جاگ اٹھتی تھی کہ کاش میں رانی آف اثرپور کا شوہر ہونے کے بجائے تم جیسی حسین اور محبت کرنے والی لڑکی کا شوہر ہوتا!"

نورین درانی منہ ڈھک کر رونے لگی لیکن میں ان سارے مراحل سے گزرنے

کے لئے تیار تھا۔ ممکن ہے آپ مجھے بے حس اور آوارہ منش سمجھیں لیکن ذرا آپ بھی تو بتائیں کہ جب نورین درانی ایک منگیتر رکھتی تھی تو اس نے مجھے اپنے ساتھ ہوٹل کے قیام کی دعوت کیوں دی تھی۔ بات ایک عام سی ہے!

بہرحال میں نے نورین درانی کو فوری واپسی کے لئے تیار کرلیا۔ رانی آف اٹرپور سے اب دوسری ملاقات نہیں چاہتا تھا۔ میں اسی دن واپس چل دیا۔ بے چارے ماجد کی رقم کا کیا ہوا؟ مجھے معلوم نہیں تھا۔ نورین درانی روتی ہوئی رخصت ہوگئی تھی۔ بہرحال سیرگڑھ میں جو وقت گزرا تھا' وہ اطمینان بخش تھا اور اس کے بعد میں خود کو کافی چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر برہان کی کوٹھی کا رخ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ اب مجھے کوئی کام سونپ دیا جائے۔ ڈاکٹر برہان نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور بڑے تپاک سے ملا۔ "خدا کا شکر ہے تم واپس آگئے۔ میں شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہمیں اپنے اصولوں میں تھوڑی ترمیم کرنی ہوگی!"

"مثلاً"!" میں نے اس کے جملے پر غور کرتے ہوئے پوچھا۔ میں کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ میرے لئے کوئی کام تیار ہے۔ ہم لوگ بہرحال ایک دوسرے کی حرکات و سکنات سے واقف تھے!

"مثلاً" آج تک یہ ہوتا آیا ہے کہ کسی کام کی انجام دہی کے بعد ایک مخصوص وقت ذہن کو تازہ کرنے میں صرف کیا جاتا ہے اور ہر قید و بند سے آزادی حاصل کرلی جاتی ہے۔ ترمیم صرف یہ ہے کہ اس جگہ کے بارے میں کم از کم مجھے معلومات ضرور ہوں جہاں فرصت کے یہ اوقات گزارے جائیں"۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ماجد تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے اور اس کے ساتھ رانی آف اٹرپور بھی ہے۔ عورت کی کیفیت کافی الجھی ہوئی ہے!"

"ماجد کی خصوصی آمدنی کی کوشش پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے!" وہ مجھ سے مل لیا۔ رانی آف اٹرپور کا مافی الضمیر آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ میں اس احمق عورت کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟"

"اوہ' لیکن تم نے اس سے پیچھا کس طرح چھڑایا؟"

"خود کو شادی شدہ ظاہر کرکے!"

"خدا کی پناہ! ناک میں دم کر دیا تھا اس نے........ اب تو قصہ ختم ہوگیا؟"

"ہاں میری طرف سے تو ہوگیا۔ وہ کوئی حماقت کرے گی تو خواہ مخواہ بدنام ہوگی۔ میں اس کا سارا کچا چٹھا کھول دوں گا!"

"خیر چھوڑو........ اگر اس نے کوئی حماقت کی تو اسے روک دیا جائے گا۔ یہ بتاؤ تم کچھ کرنے کے لئے تیار ہو؟"

"ہاں' بالکل تیار ہوں"۔

"تب پھر میں تمہیں ایک اہم ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں۔ کیا میں تفصیل بتاؤں یا تمہیں کچھ وقت درکار ہے؟"

"نہیں آپ بتایئے ڈاکٹر!" میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔

"کرنل جہانگیر کا قیام سرحد کے علاقے سمن آباد میں ہے اور وہ جلال پور چھاؤنی کے دفاتر میں کام کرتے ہیں۔ وہیں ملٹری کے بہت سے دفاتر ہیں اور کرنل جہانگیر ایک اہم ڈیپارٹمنٹ کے انچارج ہیں۔ ایک ٹانگ ضائع ہونے کے بعد انہیں ان کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں ایک اہم عہدہ دیدیا گیا ہے اور وہ وہاں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بے حد نفیس اور خاندانی آدمی ہیں۔ تم میجر حسن جیلانی سے واقف ہونا........؟"

"سرجن جیلانی والے کیس میں شاید ان سے ملاقات ہوئی تھی"۔ میں نے جواب دیا۔

"بالکل درست! سرجن محمود جیلانی ان کے بھائی ہیں تو کرنل جہانگیر حسن جیلانی کے بہنوئی ہیں اور حسن جیلانی ہی انہیں میرے پاس لائے تھے!"

"خوب! قصہ کیا ہے؟" میں نے ان رشتوں سے اکتا کر پوچھا۔

"تمہیں کرنل جہانگیر کے پاس جانا ہے۔ میں نے اسی کیس میں شارق کو بھیج دیا تھا لیکن........" ڈاکٹر برہان رکا اور اس نے میز کی دراز سے ایک ٹیلی گرام نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔ "اسے پڑھو........!" میں نے ٹیلی گرام اٹھالیا۔ لکھا تھا:۔

"آپ کا آدمی چھ دن سے غائب ہے' اسے تلاش کی ہر کوشش ناکام رہی ہے!" جہانگیر۔

"اوہ شارق وہیں تھا؟" میں اب پوری طرح سنجیدہ ہوگیا۔

"ہاں! اور صورت حال میرے لئے تسلی بخش نہیں ہے!" ڈاکٹر برہان نے ہونٹ سکیڑ کر جواب دیا۔

"وہ کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔

"جس نوعیت کا کیس ہے' اسے مدنگاہ رکھتے ہوئے شارق کے لئے کسی خطرے کا امکان بھی ہوسکتا ہے"۔

"میرا خیال ہے ڈاکٹر برہان! اب آپ کو پوری تفصیل بتا دینی چاہئے"۔ میں نے سنجیدگی سے سے کہا اور ڈاکٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لہجے کا خیال رکھو ورنہ میں رانی آف اثرپور کو یہاں دعوت دے سکتا ہوں"۔ اس نے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔ وہ بولا۔ "اب سے تقریباً" اڑھائی ماہ قبل کی بات ہے' کرنل جہانگیر اپنی ڈیوٹی پر تھے۔ وہ پندرہ دن میں ایک بار بذریعہ کار جلال پور سے حسن آباد جاتے ہیں۔ انہیں اطلاع ملی کہ ان کی نوجوان لڑکی روبی کو اغوا کرلیا گیا ہے۔ معمولی بات نہیں تھی پولیس کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ کرنل جہانگیر معمولی حیثیت کے انسان نہیں تھے بہرحال ابھی پولیس روبی کو تلاش ہی کر رہی تھی کہ وہ گھر پہنچ گئی۔ وہ نارمل حالت میں تھی۔ اس نے بتایا کہ اسے چار آدمیوں نے اغوا کرلیا تھا اور کسی پہاڑی نما غار میں رکھا تھا لیکن پانچویں شریف آدمی نے ان لوگوں کو سخت ست کہا اور اسے واپس پہنچا دیا۔

روبی کی کہانی پر کسی نے یقین نہیں کیا لیکن چوتھے دن اچانک اس کی دماغی کیفیت بدل گئی۔ اس نے گھر کا سامان توڑ پھوڑ ڈالا اور کئی نوکروں کو زخمی کر دیا۔ عجیب دماغی دورہ تھا۔ کرنل جہانگیر نے بمشکل اس پر قابو پایا اور پھر ڈاکٹروں سے رجوع کیا لیکن روبی کے دماغ پر کسی قسم کے اثرات نہیں ملے۔ وہ ایک نارمل لڑکی ہے۔ کرنل کی تھوڑی سی بدنامی بھی ہوئی۔ لوگوں نے روبی کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیں لیکن کرنل بے چارہ کیا جواب دے۔ ایک ہفتے بعد روبی کی طبیعت پھر خراب ہوگئی اور اس کے بعد سے اسے مسلسل دورے پڑتے ہیں!"

"تو کیا شارق کو ان دوروں کا سراغ لگانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"درمیان میں دخل مت دو۔ پوری بات سنو۔ دماغی دورے ہی کی ایک رات کو

روبی نے ایک اہم فوجی فائل چرالیا۔ کرنل جہانگیر خاص خاص چیزوں کو انتہائی حفاظت سے رکھتے ہیں۔ خاص طور سے جب وہ چھٹی پر جاتے ہیں تو ایسی چیزیں دفتر میں نہیں رکھتے جو پوری طرح ریکارڈ سیکشن کے حوالے نہیں کی جاتیں اور جن کا کام باقی ہوتا ہے۔ ایسی کوئی چیز ریکارڈ سیکشن کے حوالے کرکے ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے چنانچہ وہ فائل ان کی تحویل میں تھا اور وہ اسے گھرلے آئے تھے۔ گھر میں بھی وہ فائل ان کی خفیہ تجوری میں تھی جس تک کسی کی پہنچ ممکن نہیں تھی سوائے روبی کے۔ لاڈلی بیٹی ہونے کی حیثیت سے وہ باپ کے اہم ترین رازوں سے واقف رہتی ہے۔ تجوری کھولنا بھی صرف وہی جانتی تھی۔ فائل کے ساتھ ہی نوٹوں کی ایک گڈی بھی غائب تھی جو روبی کے پرس سے مل گئی.........."

"کرنل جہانگیر فائل کی گمشدگی سے اتنے بدحواس ہوئے کہ انہیں بخار آ گیا۔ فائل سو فیصدی انہی کی ذمہ داری ہے۔ اتفاق سے میجر جیلانی ان سے ملاقات کے لئے پہنچ گئے تھے اور نہ جانے کس طرح کرنل جہانگیر نے انہیں اپنا رازدار بنا لیا۔ دونوں نے غور و خوض کے بعد ہمارے بارے میں فیصلہ کیا اور میں نے شارق کو بھیج دیا"۔

"کرنل جہانگیر نے آپ سے ملاقات کی تھی؟"

"نہیں! انہوں نے علالت کی وجہ سے لمبی چھٹی لے لی ہے اور بقول مسٹر جیلانی کے بستر سے جالگے ہیں۔ فائل کی بازیابی سے قبل وہ اپنی ڈیوٹی پر جانا نہیں چاہتے۔ مجھ سے میجر جیلانی ملے تھے"۔

"صرف فائل تلاش کرنا تھا!"

"ہاں ظاہر ہے!"

"اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ نشاندہی بھی کی تھی؟"

"نہیں۔ ویسے معاملات کو انتہائی خفیہ رکھا گیا ہے۔ اس میں کرنل اور اس کے خاندان کی بقاء ہے۔ فائل کی نوعیت کچھ ایسی ہی ہے کہ کرنل کا سارا کیریئر تباہ ہو جائے گا!"

"ہوں۔ شارق کی گمشدگی کیا حیثیت رکھتی ہے؟"

"خدا جانے۔ یہ تو وہاں جاکر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ میں شدت سے تمہارا منتظر تھا اگر تم نہ آتے تو شاید مجھے ہی حسن آباد جانا پڑتا"۔

"ٹھیک ہے' میں تیار ہوں۔ معاوضے وغیرہ کی بات طے ہوچکی ہے؟"
"میجر جیلانی نے ایک لاکھ روپے کا چیک مجھے دیدیا ہے۔ یوں بھی حکومت کے لوگوں کا معاملہ ہے۔ ویسے ہمیں دوسرے ذرائع سے کمانے کی اجازت ہے"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا۔
"کب روانہ ہونا ہے؟"
"شارق کی وجہ سے یہ معاملہ............"
"بہتر ڈاکٹر! روانگی کا بندوبست ہے؟" میں نے ڈاکٹر کا مطلب سمجھ کر اس کی بات درمیان سے کاٹ دی۔
"میں ایک گھنٹے کے بعد انہیں فون کروں گا۔ میجر جیلانی سے میں نے ان کا کارڈ لے لیا ہے جو کرنل جہانگیر سے تعارف کا ذریعہ بن جائے گا!"
"میں ایک گھنٹے کے بعد ایئرپورٹ پہنچ جاؤں گا"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان نے مطمئن نگاہوں سے مجھے دیکھ کر گردن ہلا دی۔ "اس سلسلہ سے فارغ ہو جاؤ تو میں ایک میٹنگ کر کے کچھ تبدیلیوں کا اعلان کروں گا۔ اس دوران میں ایسی وجوہ تلاش کرتا ہوں جو ہمارے کام میں مشکلات کا باعث بنتی ہیں۔ اس میٹنگ میں ہم اپنے کام کے پھیلاؤ کے لحاظ سے آسانیاں تلاش کریں گے!"
"میں ایئرپورٹ پہنچ جاؤں؟"
"اس کے بجائے بہتر ہے گھر پر فون کا انتظار کرو"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں ڈاکٹر سے مصافحہ کر کے اٹھ گیا۔

○ ------------ ☆ ------------ ○

ہر شخص کے ذہن میں زندگی کی دلچسپیوں سے لطف اندوز ہونے کے مختلف انداز ہوتے ہیں۔ باقی رہنمائی فطرت کرتی ہے لیکن صحیح معنوں میں "تحریک" جینے میں معاون ہوتی ہے۔ رواں دواں زندگی کھولت سے دوچار نہیں ہوتی۔ باقی اپنی اپنی سوچ۔
میں نے فوکر طیارے میں حسن پور کا سفر کیا جو چار گھنٹے کا تھا۔ نورین درانی کے ساتھ گزرے ہوئے سترہ دن منافع کے دن تھے۔ انہیں فرصت کے دن کہنا غلط ہے کیونکہ اٹرپور میں ہی میں نے کونسی مشقت کی تھی۔ تفریحات تو کام کے دوران بھی جاری رہتی تھیں۔ کام بھی اس نوعیت کا تھا۔ فوکر سروس میں کوئی جاذب نظر چہرہ نہیں

تھا جو طبیعت جمتی چنانچہ میں نے سیٹ سے ٹک کر آنکھیں بند کرلی تھیں اور میرا ذہن شارق کی طرف تھا۔ شارق جیسا خونخوار شخص آسانی سے کسی چکر میں نہیں پھنس سکتا۔ ممکن ہے کام ہی کے سلسلہ میں وہ کسی راہ پر جالگا ہو اور اپنے طور پر مصروف ہوگیا ہو۔ یہ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔
چار گھنٹے گزارنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر میں میرا ذہن تھک گیا اور میں نے آنکھیں کھول لیں لیکن کوئی مرکز نگاہ نہیں تھا۔ بہرحال حسن پور کے کہر میں ڈوبے ہوئے ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ کہر کی دبیز چادر کی وجہ سے طیارے کو اترنے میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایک بار تو یہ بھی فیصلہ ہوا کہ طیارہ جلال پور میں نکالا جائے لیکن پھر پائلٹ کی ہمت اور مہارت نے یہ مشکل آسان کر دی۔
یہاں کافی سردی تھی جب کہ دارالحکومت کا موسم معتدل تھا' اور وہاں سردی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے فوری طور پر گرم لباس کی خریداری کرنی پڑے گی۔ موسم کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ کر کے غلطی ہوئی تھی۔ ایئرپورٹ کے کسٹم ہاؤس پہنچا اور پھر وہاں سے فراغت کے بعد باہر نکل آیا۔ حسن پور برف پوش پہاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا ایک جدید شہر تھا۔ اس سے قبل یہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور ایک ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اپنے وطن کے بہت سے علاقے نہ دیکھ کر بیوقوفی کی ہے۔ نہ جانے لوگ اس شہر کی تعریفیں کیوں نہیں کرتے۔ قدیم و جدید ثقافت کا نمونہ یہ شہر یورپ کے کسی بھی حسین ترین شہر سے کم نہیں تھا۔ کشادہ سڑکیں' جو کہر کے باعث سنسان پڑی تھیں۔ سورج کا نام و نشان نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں کوئی کاروبار نہ ہو رہا ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ایک ہوٹل کی عمارت کے سامنے ٹیکسی روک دی۔ "الفراز" جدید طرز کا ہوٹل تھا۔ بس لفٹ نہیں تھی لیکن راہداریاں مخصوص طرز کی تھیں اور انہی سپاٹ راہداریوں کے ذریعہ اوپر جانے کا راستہ تھا!
میرا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ صاف اور کشادہ کمرہ............ میں سخت حیران تھا۔ ہر چیز سے نفاست اور سلیقے کا احساس ہوتا تھا۔ پھر یہ جگہ سیاحوں کی نگاہوں میں کیوں نہیں ہے۔ اس کی صرف ایک وجہ ہوسکتی ہے وہ یہ کہ یہاں کے لوگوں کے بارے میں لوگوں کی معلومات محدود ہے۔ کمرے میں آکر میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور پھر ویٹر

کو بلا کر کافی طلب کرلی۔ خوش ذائقہ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے میں لائحہ عمل تعین کر رہا تھا۔ کمرے میں فون موجود نہیں تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد فون کرنے کے لئے نیچے جانا پڑا۔ کاؤنٹر پر کئی ٹیلیفون رکھے ہوئے تھے اور کاؤنٹر کے عقب میں ایک طویل القامت شخص جس کا چہرہ چوڑا اور کسی حد تک خونخوار تھا' مستعد کھڑا تھا۔

"فون چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا۔

"ضرور جناب!" اس نے زبردستی خوش اخلاق بن کر کہا حالانکہ اس کی آواز کافی کرخت تھی۔ بہرحال میں نے فون نزدیک سرکالیا۔ کاؤنٹر کلرک کی عقابی نگاہیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں نے کسی قدر کوفت محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر برہان کے فراہم کردہ نمبرڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ چند ساعت کے بعد ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"فرمایئے!"

"کرنل جہانگیر سے بات کرنی ہے!"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"ان کے ایک دوست کے پاس سے آیا ہوں۔ براہ کرم ان سے بات کرائیں!"

"معاف کیجئے' میں ان کا سیکرٹری ہوں۔ کرنل صاحب بیماری کے باعث براہ راست کسی سے فون پر بات نہیں کرتے۔ آپ اپنے بارے میں تفصیلات مہیا کردیں۔ اگر ضروری ہوا تو ان سے بات کرا دی جائے گی!"

"اوہ کیا وہ شدید بیمار ہیں!" میں نے پوچھا۔ ایک خیال تیزی سے میرے ذہن میں سرایت کرگیا تھا۔

"ہاں ان کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے!"

"ہو بھی نہیں سکتی!" میں نے آہستہ سے قہقہہ لگایا اور دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ "کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کون ہو' اپنے بارے میں تفصیل بتاؤ!" بھاری آواز غضبناک ہوگئی۔

"کیا ہم لوگوں کے بارے مین مزید تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت ہے!" میں نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"سنو! اگر تم جلال خان کے آدمی ہو' تو میرے بارے میں بھی جان لو۔ میں زبیر

ہوں۔ طراب خان کا بیٹا زبیر!" بس اتنا کہا گیا اور فون بند ہوگیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ دوہری کوشش کامیاب رہی تھی۔ پہلے ہی فون پر ایک عمدہ مرحلہ آگیا تھا۔ سیکرٹری کا نام سن کر میں نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ گو تیر نشانے پر نہیں بیٹھا تھا لیکن ہدف ضرور معلوم ہوگیا۔ کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں یہ دونوں نام نوٹ کرلئے۔

اس بات سے یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ کرنل جہانگیر یا تو واقعی سخت بیمار ہے یا پھر کچھ لوگوں سے خوفزدہ ہے اور براہ راست گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ میں کاؤنٹر سے لوٹ آیا۔ کاؤنٹر کلرک اب میری طرف سے لاپرواہ تھا اور کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ میں واپس اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کمرے کی عقبی کھڑکی سے باہر کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ کہر اب بھی اتنا ہی گہرا تھا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب اور گہرا ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سردی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے بازار جاکر سردی کا بندوبست کرلیا جائے۔ اس کے لئے کسی کی رہنمائی کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے ویٹر کو بلایا اور اس کے ذریعہ روم سپروائزر کو طلب کرلیا۔ سپروائزر فوراً ہی آگیا تھا۔ "کوئی غلطی ہوگئی جناب!" اس نے ادب سے پوچھا۔

"اوہ' نہیں۔ بس اتفاق ہوگیا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا؟"

"یہاں آتے ہوئے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں سردی اتنی شدید ہوگی۔ میں موسم کے لباس کے بغیر آگیا اور اب سردی کا شکار ہوں"۔

"میں آتشدان میں آگ روشن کرائے دیتا ہوں"۔ سپروائزر بولا۔

"لیکن میں آتشدان کے سہارے زندگی نہیں گزار سکتا!" میں نے بدستور (مسکراتے ہوئے کہا۔ اور سپروائزر سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔) "میں چاہتا ہوں میرے دوست کہ تم میری راہنمائی کرو کہ مجھے گرم کپڑے کہاں سے دستیاب ہوسکیں گے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کہریلے شہر میں کوئی کاروبار نہ کھلا ہو"۔

"اوہ!" سپروائزر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "جی ہاں سردی کی یہ لہر بس اچانک ہی آئی ہے۔ ویسے مقامی لوگ اس کے عادی ہیں۔ یہ کہر یہاں عموماً رہتا ہے۔

آپ شاید پہلی بار حسن آباد تشریف لائے ہیں؟"

"ہاں بھائی! یہی بات ہے!"

"موسم اب تو سرد سے سرد ہوتا چلا جائے گا۔ اگر آپ یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں اور بہتر لباس کے خواہشمند ہیں تو آپ اس مارکیٹ میں چلے جائیں جہاں غیر ملکی سامان ملتا ہے"۔

"افسوس میں اس مارکیٹ سے ناواقف ہوں!"

"کوئی ہرج نہیں ہے جناب! میں آپ کو گاڑی بھی مہیا کردوں گا اور ایک راہبر بھی!"

"واہ بہت ہی اچھی بات ہے میں اس کا ہر معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں!" میں نے جواب دیا اور سپروائزر نے گردن ہلا دی۔

"آپ اجازت دیں تو میں ایسے آدمی کو آپ کے پاس بھیج دوں؟"

"ضرور بلکہ فوراً"!" میں نے کہا اور سپروائزر گردن جھکا کر باہر چلا گیا۔ جو شخص میرے پاس آیا' یہ وہی کاؤنٹر کلرک تھا جس کا چہرہ مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر گردن خم کی اور بولا۔ "سپروائزر صاحب نے بھیجا ہے۔ اگر آپ تیار ہوں تو میرے ساتھ تشریف لائیے"۔ اس بار بھی اس کا لہجہ نرم ہی تھا لیکن چہرے کی کرختگی کو وہ کیا کرتا۔ میں جس حد تک اپنے آپ کو سرد ہواؤں سے محفوظ کرسکتا تھا' کیا اور اس کے بعد میں اس شخص کے ساتھ باہر نکل آیا۔

چھوٹی سی کار زیادہ اچھی تو نہیں تھی' لیکن قوی ہیکل آدمی اسے خاصی تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا اور میں کہر میں ڈوبی ہوئی سڑک سے گزرتے ہوئے قرب و جوار کے مناظر کو دیکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا' کیونکہ مناظر زیادہ واضح نظر نہیں آ رہے تھے۔ بہرحال خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک ایسے بازار میں پہنچ گئے جو ایک پہاڑی درے میں لگایا گیا تھا۔ میں راستوں سے تو قطعی ناواقف تھا اس لئے یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ ہم ہوٹل سے کتنی دور آئے ہیں۔ بہرصورت پہاڑی درے کا بازار کھلا ہوا تھا۔ پکی پکی دکانوں پر مشتمل اس بازار میں لاکھوں روپے کی مالیت کی اشیاء موجود تھیں اور یہ سب کی سب اسمگل شدہ تھیں!

بہترین پوستین' بڑے بڑے بالوں والی ٹوپیاں اور ایسی ہی بے شمار دوسری چیزیں

جو سردیوں کے لئے انتہائی کار آمد ہوسکتی تھیں یہاں موجود تھیں! میں نے بھاؤ تاؤ کرنے کے بارے میں غور ہی نہیں کیا.......... اور جس پہلی دکان میں داخل ہوا وہاں سے اپنے لئے بہترین پوستین تلاش کرکے اپنے بدن پر چڑھالی۔ اس کے بعد ہی میں نے اس کی قیمت پوچھی تھی اور ادائیگی کی تھی۔ دوسرے چند کپڑے بھی اسی انداز کے خرید لئے گئے جو سردی میں کام آسکیں اور تب کہیں مجھے سکون محسوس ہوا لیکن وہ شخص جو میرے ساتھ تھا' معمولی قسم کے لباس میں تھا اور ایسے مطمئن نظر آ رہا تھا جیسے کسی عام موسم میں ہو۔ سردی اس پر زیادہ اثرانداز نہیں تھی' مجھے دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ تو اس سردی کے عادی ہیں جناب!"

"یقیناً" - یقیناً"!" میں نے اس کی قیافہ شناسی کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر دوسرا سوال کیا۔ "لیکن کیا اس موسم میں یہاں بازار بند رہتے ہیں؟"

"جی ہاں عموماً" - ویسے یہ موسم دیرپا نہیں ہوتا۔ بس لہر آتی ہے اور اس کے بعد مہینوں کے لئے غائب ہو جاتی ہے البتہ کہر ضرور رہتا ہے"۔

"ٹھیک!" میں نے گردن ہلائی۔ اس شخص سے میں اور کیا بات کرتا۔ کافی دیر تک ہم لوگ اس بازار میں گھومتے رہے۔ اب ذرا سردی کم محسوس ہو رہی تھی' اس لئے مجھے کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ پھر میں نے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دوبارہ ہوٹل میں پہنچ گئے تھے۔

اس کے بعد میں شام تک ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا۔ ویٹر کو بلا کر البتہ میں نے حسن آباد کے بارے میں کافی معلومات حاصل کی تھیں اور ان معلومات سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ حسن آباد اتنا جدید کیوں ہے؟ یہاں سے سترہ میل دور تیل کے کنویں دریافت ہوئے تھے اور ان سے کافی تیل نکلنے کی امید تھی' اس لئے تیل کے کنوؤں کے قریب ایک بڑی آبادی قائم کردی گئی تھی جس کے مکین زیادہ غیر ملکی تھے اور انہی غیر ملکیوں کی وجہ سے حسن پور کو یہ اہمیت حاصل ہوئی تھی اور یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی!

کہر کی وجہ سے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سات بجے گہری تاریکی پھیل گئی اور میں لباس تبدیل کرکے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ ہوٹل میں کوئی خاص رونق نہیں تھی۔ ڈائننگ ہال میں بھی چند ہی افراد نظر آ رہے تھے۔ ٹیکسی البتہ آسانی سے مل گئی اور

حیران کن بات یہ تھی کہ یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور بڑے بااخلاق اور خوش مزاج تھے۔ کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ تلاش کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی ایک خوبصورت کوٹھی تھی جس کے چاروں طرف اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے۔ اگر سامنے کی سمت بڑا گیٹ اور دیوار نہ ہوتی تو اسے کوئی چھوٹا سا باغ بھی سمجھا جاسکتا تھا کیونکہ اصل عمارت ان درختوں میں چھپی ہوئی تھی۔

میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پھر عمارت کا چاروں طرف سے جائزہ لینے لگا۔ اگر میں چاہتا تو باقاعدہ اندر داخل ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے میرے پاس میجر جیلانی کا تعارفی کارڈ تھا لیکن ان حالات میں اپنی اصل حیثیت سے کسی کو آگاہ کرنا مناسب نہیں تھا چنانچہ ایک مناسب جگہ کا انتخاب کرکے میں نے کوٹھی کی چہار دیواری عبور کی اور اس انوکھے باغ میں اتر گیا۔ صرف ایک خوف تھا اور وہ یہ کہ کہیں کتے نہ چھوڑے ہوئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اس خطرے کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں درختوں کے درمیان سے نکل آیا۔ اب اصلی عمارت میرے سامنے تھی۔ کرنل جہانگیر کی اصل حیثیت سے بھی میں واقف تھا ورنہ اس خوبصورت کوٹھی کو دیکھ کر ضرور حیرت ہوتی۔ بہرحال کوٹھی کے عقبی راستے سے اندر داخل ہونے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی اور میں ایک سنسان راہداری میں پہنچ گیا جو روشن تھی۔ کوئی اور جگہ ایسی نہیں تھی جس کی آڑ لے کر آگے بڑھتا مجبوراً یونہی گزارا کرنا پڑا اور میں راہداری کے سرے سے گھوم گیا لیکن جونہی میں دوسری طرف گھوما دفعتاً عقب سے کسی نے مجھ پر چھلانگ لگا دی اور میں جھونک میں گرتے گرتے بچا لیکن دوسرے لمحے سنبھل کر پلٹا اور حیران رہ گیا۔

سفید رنگ کے خوبصورت گاؤن میں ملبوس ایک لڑکی شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور اس طرح ہوشیار تھی جیسے میرا راستہ روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ "بھاگو........." اس نے مجھے شرارت سے چیلنج کیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر معصومیت آمیز شرارت تھی۔ میری کھوپڑی گھوم کر رہ گئی۔ کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

"ہار گئے نا.........!" اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نکل بھی نہیں سکتے تھے۔ میں نے کئی بار اولمپک ٹائٹل جیتا ہے۔ تم نے اخبارات میں میری تصاویر دیکھی ہوں گی!"

"دفعتاً" مجھے کچھ یاد آگیا اور دوسرے لمحے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خدا کی پناہ! تو وہ تم ہی ہو؟"

"جناب!" لڑکی سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکی۔

"تم کرنل جہانگیر کی بیٹی ہو نا.........!"

"بکواس! کرنل جہانگیر خود میری بیٹی ہیں!"

"اچھا پھر مجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی! کیا نام ہے تمہارا.........؟"

"زہرہ بائی انبالے والی!" اس نے فوراً جواب دیا اور ایک بار پھر میں سر جھکانے پر مجبور ہوگیا۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ وہ کرنل جہانگیر کی وہی پاگل بیٹی ہے جسے اغوا کرلیا گیا تھا اور یقیناً اس وقت وہ دورے کی حالت میں ہے۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"لیکن تم نے اولمپک چیمپئن شپ کب جیتی؟" میں نے سوال کیا۔

"پچھلی رات"۔ لڑکی نے سکون سے جواب دیا۔

"اس کا ثبوت؟" میں نے اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور لڑکی چونک کر میری شکل دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔ "تمہیں یقین نہیں ہے؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"میں کیا جانوں کرنل جہانگیر ہی لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کی بیٹی جھوٹی ہے!"

"پاپا نے یہ بات کہی ہے!" اس کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"ہاں، چاہو تو ان سے پوچھ لو"۔ میں نے لاپرواہی سے شانے ہلانے اور اسے غور سے دیکھنے لگا لیکن تیر نشانے پر بیٹھا۔ اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "آؤ میرے ساتھ!" اور آگے بڑھ گئی۔ میں اطمینان سے اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ ایک خوابگاہ کے دروازے پر پہنچ گئی اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک نرس کی شکل نظر آئی جو لڑکی کو دیکھ کر آہستہ سے چیخ پڑی تھی۔ پھر وہ بھنچی بھنچی آواز میں بولی۔ "اوہ بے بی! پاپا سو رہے ہیں!"

"جگاؤ انہیں۔ ہو جائیں دو دو ہاتھ۔ سو رہے ہیں!" اس نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"اوہ بے بی! اس وقت انہیں جگانا مناسب نہیں ہے!"

"ٹھیک نہیں ہے بتاؤں تمہیں"۔ لڑکی آگے بڑھی اور نرس گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ دوسرے لمحے لڑکی اس مسہری کے قریب پہنچ گئی جس پہ کوئی شخص چادر اوڑھے سو رہا تھا۔ اس نے کرنل جہانگیر کو جھنجوڑ دیا تھا اور کرنل جہانگیر ہڑبڑا کر اٹھ گئے.......... "کیا بات ہے.......... کیا بات ہے..........؟" انہوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا اور لڑکی کی شکل دیکھ کر ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ "بے بی.......... بے بی.......... بے بی.......... کیا بات ہے.......... خیریت سے تو ہو..........؟"

"اٹھ کر بیٹھ جائیے کرنل صاحب! فیصلہ ابھی ابھی ہو جائے گا کہ جھوٹے آپ ہیں یا میں؟"

"کیا ہوا بے بی.......... کیا ہوا..........؟" کرنل جہانگیر مسہری پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خاصے تن و توش کا مالک تھا اور صورت ہی سے فوجی نظر آتا تھا۔ بہترین شخصیت تھی لیکن چہرہ بیمار بیمار سا تھا۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ بری طرح اچھل پڑا۔ "تم کون ہو؟" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"میں کہتی ہوں، پہلے آپ مجھ سے بات کریں!" لڑکی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر سینہ تان کر بولی۔

"ہاں ہاں تم کہو کیا بات ہے؟ اس وقت.......... اس وقت.......... نرس"۔

کرنل نے نرس کو آواز دی اور نرس سہمی ہوئی کرنل کے سامنے پہنچ گئی۔ "بے بی اس وقت یہاں کیسے پہنچ گئی۔ اسے اس وقت اس کے کمرے سے کیوں نکلنے دیا گیا؟" کرنل جہانگیر نے خاصے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی تھی جناب! ابھی چند ساعت پہلے انہوں نے دروازہ زور سے بجایا تھا۔ میں نے کھولا تو یہ دونوں موجود تھے!"

"دونوں.......... ہاں.......... ہاں.......... تم نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو؟" کرنل جہانگیر اٹھ بیٹھا۔

"بتا دوں گا جناب! پہلے آپ بے بی سے بات کریں!"

"میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے.......... تم کون.......... نرس کسی کو بلاؤ"۔ کرنل جہانگیر بری طرح بپھر کر بولا۔

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں کرنل! آپ کی تسلی کے لئے میں میجر جیلانی کا نام لے سکتا ہوں!"

"جیلانی!" .... کرنل کے خدوخال کسی حد تک نرم پڑ گئے.......... "لیکن اس وقت.......... جانتے ہو کیا وقت ہوا ہے؟"

"بہت زیادہ وقت نہیں ہے کرنل! مجھے آپ سے ملنا بے حد ضروری تھا!"

"لیکن وہ بے بی کا کیا مسئلہ ہے؟"

"ارے میں کہتی ہوں تم میرا مسئلہ مجھ سے پوچھنے کی بجائے دوسروں سے کیوں پوچھ رہے ہو؟" لڑکی پاؤں پٹخ کر بولی اور کرنل نے گہری سانس لی۔ "اول تو اس وقت یہاں آئی کیوں ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ تمہارے کمرے کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہاں ہیں؟"

"میں نے ان کے سر کی پشت سہلا دی ہے!" لڑکی نے کہا اور ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کرنل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا مطلب؟"

"سر کی پشت سہلانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہاتھ سے سہلائی جائے۔ بس گلدان رکھا ہوا تھا کام آ گیا۔ اور اب۔ وہ دونوں اوندھے منہ پڑے ہوئے ہیں۔ بالکل کسی مردہ چھپکلی کی مانند!" لڑکی نے کہا اور بے تحاشہ قہقہے لگانے لگی۔

"اوہ.......... اوہ.........." کرنل کراہتی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر اس نے نرس کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جاؤ.......... جاؤ دیکھو ان بیچاروں کو.........." اور نرس باہر نکل گئی۔ "ٹھیک ہے بی بی! بڑا اچھا کیا تم نے.......... لیکن تم یہاں کیوں آئی ہو"۔ کرنل نے بے بسی سے سوال کیا۔

"کیا میں پچھلی رات اولمپک مقابلے نہیں جیتی؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"پچھلی زات، اولمپک مقابلے.........." کرنل نے تحیرانہ انداز میں دہرایا پھر وہ بولا۔ "ہاں جیتی تھیں!"

"پھر آپ نے ان صاحب سے جھوٹ کیوں بولا!؟"

"ان صاحب سے۔ کیا جھوٹ بولا میں نے؟" کرنل ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا آپ نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں لوگوں سے جھوٹ بولتی پھر رہی ہوں!" لڑکی آنکھیں نکال کر بولی۔ اور کرنل میری طرف دیکھنے لگا۔

"تو کیا بے بی نے واقعی اولمپک ٹائٹل جیتا ہے؟" میں نے بے اختیار سوال کیا۔

"ہاں جیتا ہے۔ لیکن تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟"

"تب تو بے بی واقعی قابل تعریف ہیں۔ لیکن عمدہ کھلاڑیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رات کو آرام کریں ورنہ دن میں ان کی صلاحیتیں کند ہو جاتی ہیں اور پھر وہ مقابلہ ہار جاتے ہیں!" میں نے کہا اور لڑکی کے چہرے پر بدحواسی نظر آنے لگی۔ "کیا واقعی؟ ایسی ہی بات ہے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"یقیناً" بے بی!" کرنل پریشان لہجے میں بولا۔

"تب تو............ تب تو میں واپس جا رہی ہوں۔ میں ابھی جاکر سو جاتی ہوں۔ سوری پاپا! میں نے آپ کی بھی نیند خراب کی!" وہ پلٹ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔ خوبصورت بدن کی نوجوان لڑکی تھی۔ چال میں بے حد دلکشی تھی۔ خاص طور سے اس کے بدن کا عقبی حصہ بے حد خوبصورت تھا جس سے اس کی چال کی دلکشی بڑھ گئی تھی۔ گھنے بال بے حد لمبے اور ضرورت سے کہیں زیادہ تھے جو اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے لیکن اس کے پاگل پن نے اس سے نسوانیت کا سارا حسن چھین لیا تھا۔

کرنل مغموم نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ میری طرف پلٹا اور اس کا چہرہ کرخت ہوگیا۔ "جیلانی کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"میں انہی کے ایماء پر آیا ہوں جناب!"

"نوجوان! میں بیمار ضرور ہوں لیکن اب بھی تم جیسوں کو خالی ہاتھوں کتے کی موت مار سکتا ہوں۔ جواب دو تم کون ہو؟" .... اور............ ہاتھ اٹھا دو............!" اچانک کرنل نے اپنے سلیپنگ سوٹ کے کسی حصے سے سیاہ رنگ کا ایک پستول نکال لیا۔

"سوری کرنل! میرا طریقہ کار واقعی ایسا ہے کہ آپ فوراً" میری طرف سے مطمئن نہیں ہوسکتے۔ میرے لباس سے پستول نکال لیں اور اوپر کی جیب سے وہ کارڈ

بھی جو مجھے میرے چیف ڈاکٹر برہان نے دیا ہے"۔ میں نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا اور کرنل اپنی جگہ کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور اس نے پہلے میرا پستول پھر وہ کارڈ نکال لیا اور پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ کارڈ نے شاید اسے مطمئن کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے پستول واپس رکھ دیا اور بولا۔ "لیکن یہ وقت اور یہ طریقہ کار؟"

"معذرت خواہ ہوں کرنل! ڈاکٹر برہان کے پاس آپ کی اطلاع پہنچی تھی۔ ہمارے آدمی کی گمشدگی ہمارے لئے بھی تشویشناک ہے کیونکہ وہ عام لوگوں سے زیر ہو جانے والوں میں سے نہیں ہے۔ میں نے براہ راست آپ کے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا اور پہلے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل سے میں نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو آپ کے سیکرٹری زبیر نے فون اٹھایا اور کہا کہ براہ راست آپ سے گفتگو کرنا ناممکن ہے جب کہ میں آپ کے علاوہ کسی کو رازدار نہیں بنا سکتا تھا چنانچہ مجھے اس طرح اندر داخل ہونا پڑا!!"

"اوہ! یہ بات ہے!" کرنل اب بالکل نرم پڑ گیا۔ "بیٹھو"۔ اس نے ایک نشست کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ کرنل!" میں بیٹھ گیا۔

"بے بی کہاں مل گئی؟"

"راہداری میں............ اور میں چونکہ آپ کی خوابگاہ سے واقف نہیں تھا' اس لئے ان کی مدد لینی پڑی"۔

"ہوں"۔ کرنل نے گردن ہلائی۔ "ڈاکٹر برہان کے تمام آدمی ذہین ہیں............!"

"شکریہ کرنل!"

"لیکن اب میں کیا کروں؟"

"آپ کی طبیعت کیسی ہے کرنل!" میں نے سوال کیا۔

"طبیعت اتنی خراب نہیں ہے۔ بس شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوں اور کم سے کم لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس لئے چند لوگوں کو ہدایت کر دی ہے!"

"تب براہ کرم مجھے کچھ حالات سے آگاہ کریں"۔

"سب سے مشکل کام یہی ہے میرے لئے۔ مجھے اس تذکرے سے شدید وحشت

ہوتی ہے۔ ابتدائی تفصیل تمہیں معلوم ہوگی یعنی اس حد تک جتنی ڈاکٹر برہان یا میجر جیلانی کو معلوم ہے؟"

"جی ہاں!"

"اس میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ یوں سمجھو میری پریشانیوں میں شاید اضافہ ہوا ہے۔ تمہارا آدمی ان سارے حالات سے واقف تھا۔ بے حد ذہین اور چالاک آدمی تھا وہ۔ کسی راہ پر لگ گیا تھا۔ لیکن اس کی گمشدگی میرے لئے بھی اتنی ہی پریشان کن ہے۔ اس نے چند ہی دنوں میں مجھے کافی حد تک مطمئن کر دیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر وہ اسی انداز میں کام کرتا رہتا تو یقینی طور پر جلد ہی کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا لیکن اس کی گمشدگی کے بعد سے میں اور زیادہ پریشان ہوگیا ہوں!"

"آپ بے فکر رہیں' وہ جس قسم کا آدمی ہے' اس کے تحت میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ وہ آسانی سے کسی چکر میں نہیں آسکتا! ممکن ہے پھنس ہی گیا ہو لیکن اسے قتل کرنا اتنا آسان کام نہیں ہوگا!"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مجھے وہ شخص پسند تھا!" کرنل جہانگیر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا خیال ہے' ہم ابتدائی تفصیل چھوڑ دیں"۔

"جی ہاں' اس حد تک جہاں سے بے بی کے اغوا اور فائل کی گمشدگی کے معاملات شروع ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شارق کیا کر رہا تھا؟"

"یہ بات تو وہی جانتا ہوگا' البتہ اس نے کچھ چیزوں کا سراغ لگایا تھا۔ مثلاً" میرا ایک دشمن.........!" کرنل جہانگیر نے کہا اور میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"غالباً" آپ جلال خان کی بات کر رہے ہیں؟" میں نے کرنل جہانگیر کی طرف دیکھا اور کرنل بری طرح اچھل پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور ایک بار پھر اس کا ہاتھ جیب میں رکھے ہوئے پستول پر جاپڑا۔

"نہیں کرنل! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' مجھے یہاں آئے ہوئے ابھی چند گھنٹے گزرے ہیں اور یہ میری ان چند گھنٹوں میں سے چند لمحات کی کاوش ہے!"

"کیا مطلب؟ تم نے اتنی جلدی جلال خان کے بارے میں کس طرح معلوم

کرلیا؟"

"ایک معمولی سی کوشش سے!" میں نے جواب دیا۔

"کونسی کوشش' کیسی کوشش؟" کرنل جہانگیر کا لہجہ پھر سخت ہوگیا تھا!

"جب میں نے آپ کے سیکرٹری کو فون کیا تھا تو مجھے اس کی آواز کافی کرخت معلوم ہوئی۔ اس نے غالباً" مجھے شبہ کی نگاہ سے دیکھا تھا اور پھر میں نے یونہی اندھیرے میں ایک تیر پھینکا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کرنل جہانگیر! کہ ممکن ہے آپ کے چند دشمن آپ کے اردگرد بلکہ ممکن ہے آپ سے بہت نزدیک ہوں۔ دشمنوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے فائل غائب کیا ہے' تو میں نے یونہی اس شخص سے کچھ اس قسم کی گفتگو کی کہ وہ مجھے غلط آدمی سمجھنے پر مجبور ہوگیا اور اس نے جلال خان کے نام ایک وارننگ دی' اس نے کہا کہ وہ تراب خان کا بیٹا ہے اور کرنل جہانگیر کا محافظ ہے' اس لئے جلال خان کو ہوشیار ہو جانا چاہئے"۔

"اوہ' میں کہہ چکا ہوں کہ ڈاکٹر برہان کے آدمی بے پناہ ذہین ہیں۔ واقعی میں تم لوگوں کی دل سے قدر کرنے لگا ہوں"۔ کرنل جہانگیر نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "تو جلال خان کا نام تمہارے ہی آدمی نے پیش کیا تھا اور شبہ ظاہر کیا تھا کہ جلال خان شاید ان لوگوں کے ساتھ ملوث ہے' ان کا شریک کار ہے جنہوں نے مجھے بدنام کرنے اور اپنے لئے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے!"

"شارق غائب کس طرح ہوا؟"

"بس وہ مصروف رہتا تھا لیکن رات کو بارہ بجے میری اور اس کی ملاقات ضرور ہوا کرتی تھی۔ میں نے ایک دن انتظار کیا۔ دو دن انتظار کیا۔ تین دن انتظار کرنے کے بعد میں پریشان ہوگیا اور میں نے فوری طور پر زبیر خان کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ زبیر خان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور اعلیٰ تربیت یافتہ بھی۔ جلال خان سے تراب خان کی دیرینہ دشمنی تھی' اور زبیر خان بچپن ہی میں غیر ممالک میں نکل گیا تھا۔ واپس آیا تو میں نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا کیونکہ تراب خان کو قتل کیا جاچکا تھا۔ زبیر خان کا خیال دراصل مجھے جلال خان کے نام کے ساتھ آیا اور میں نے بہتر سمجھا کہ اسے اپنے ساتھ ملا لوں کیونکہ کم از کم جلال خان سے انتقام لینے کا خواہش مند ہے چنانچہ مجھے اس سے بہتر محافظ اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ بہرصورت اس کے بعد سے ابھی تک شارق کا کوئی

پتہ نہ چل سکا حالانکہ اس کی تلاش کے لئے میں نے بھی بہت کوششیں کی ہیں۔ میں ایک بیمار کی حیثیت سے بستر پر پڑا ہوں لیکن میرے بے شمار آدمی اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں لیکن میجر جیلانی کے ایماء پر میں نے ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کیا تھا!"

"ٹھیک، شارق کے بارے میں تو تفصیلات یہ ہوئیں، فائل کی چوری کے بعد سے جو معاملات آپ کے لئے پریشانی کا باعث بنے، براہ کرم ان کے بارے میں بھی بتایئے"۔ میں نے کہا اور اسی وقت دروازے میں مجھے ایک دیو قامت شخص نظر آیا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ میں اچھل پڑا تھا، لیکن اس کے پیچھے نرس کو دیکھ کر میں مطمئن ہوگیا۔

"آؤ زبیر خان!" کرنل جہانگیر نے اس شخص کو طلب کیا اور وہ مجھے گھورتا ہوا اندر آ گیا۔ "کچھ نہیں۔ یہ دوست ہیں!" کرنل جہانگیر نے کہا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ تب کرنل جہانگیر نرس کی جانب متوجہ ہوکر بولا۔ "کیا ہوا......... بے بی اپنے کمرے میں گئی؟"

"ہاں! وہ دروازہ بند کرکے سوگئی ہیں!"

"باہر جو لوگ موجود تھے، ان کا کیا ہوا؟"

"ان کے سر پھٹ چکے ہیں۔ گلدان مار کر انہیں زخمی کر دیا گیا تھا۔ شاید وہ دروازہ باہر سے بند کرنا بھول گئے تھے!" نرس نے جواب دیا۔

"قصور ان گدھوں کا ہی ہے۔ کیا یہ بھول جانے کی بات تھی۔ بہرحال زیادہ زخمی تو نہیں ہیں؟"

"خاصے گہرے زخم ہیں لیکن میں نے ان کی مرہم پٹی کی ہدایت کر دی ہے!" زبیر خان نے جواب دیا لیکن وہ بدستور مجھے گھورے جا رہا تھا۔

"باہر کسی کو تعینات کیا؟" کرنل نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے انتظام کرلیا ہے۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟" زبیر خان نے پوچھا۔

"آرام کرو۔ سب ٹھیک ہے!" کرنل نے جواب دیا اور زبیر خان واپس پلٹ گیا۔

یوں تو اس پہاڑی علاقے میں مجھے تندرست و توانا آدمی بھی نظر آتے تھے لیکن زبیر خان تو واقعی دیو تھا۔ صورت شکل سے ذہین اور چالاک بھی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد کرنل نے نرس کو مخاطب کیا۔ "نرس پلیز! تم بھی باہر جاؤ۔ میں ذرا ذاتی

گفتگو کر رہا ہوں"۔

"میں باہر موجود ہوں جناب، ضرورت ہو تو طلب کر لیں"۔

"ضرورت تو ہے لیکن تمہیں تکلیف ہوگی۔ اگر کافی مل جائے تو........."

"تکلیف کیسی، میں تیار کرلاتی ہوں"۔ نرس نے کہا اور باہر نکل گئی۔

"نرس کون ہے کرنل؟" میں نے پوچھا۔

"میرے ایک ملازم کی بچی ہے، پوری طرح قابل اعتماد!" کرنل نے جواب دیا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "یہ بات بہت زیادہ پریشان کن نہیں ہے۔ لیکن تم ایک ایسے شخص کے بارے میں سوچو جس نے اپنا ماضی درست اور غلطیوں سے پاک گزارا ہو۔ بلاشبہ فائل بے حد اہم ہے لیکن اگر میں چاہوں تو حکومت کو اپنی کوتاہی کی اطلاع دے سکتا ہوں۔ پوری مشینری حرکت میں آجائے گی اور پھر میرا مسئلہ نہیں رہ جائے گا لیکن نوجوان! میں وہ ہوں جسے معذور ہونے کے بعد بھی نوازا گیا ہے۔ صرف اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے۔ اس لئے فائل کی گمشدگی میرے لئے سوہان روح ہے اور میں اسے واپس کرنا چاہتا ہوں"۔

"بات درست ہے"۔ میں نے گردن ہلائی اور بولا۔ "میں اپنے بارے میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا کہ میں آپ کے لئے بہتر ثابت ہوں گا لیکن ان لوگوں کو روشنی میں لانے کے لئے یہ سوال ضروری ہے کہ فائل میں کیا تھا اور وہ کس قسم کے لوگوں کے لئے باعث دلچسپی ہو سکتی ہے!"

"بدقسمتی سے میں تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ہاں خان جلال کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل تمہارے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"شہاب!" میں نے جواب دیا۔

"خان جلال اپنے علاقے کی بااثر شخصیت ہے۔ آزاد علاقے میں رہتا ہے اور کچھ عرصہ قبل اس علاقے کے جرگے کا سردار بھی تھا لیکن پھر اسے سرحدوں سے ہٹا دیا گیا کیونکہ وہ پڑوسی ملک سے تعلقات بڑھا رہا تھا۔ پڑوسی ملک میں اندرونی خلفشار ہے اور وہ ہم سے بدظن بھی ہے۔ حالانکہ اس فائل میں پڑوسی ملک کے خلاف کوئی مواد نہیں ہے، لیکن اگر وہ اس ملک کے ہاتھ لگ جائے تو......... وہ کسی نہ کسی طور ہمیں

نقصان پہنچا سکتا ہے!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا اور میری پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔

"جلال خان آزاد علاقے میں رہتا ہے؟"

"ہاں.........! لیکن یہاں بھی ایک سیرگاہ موجود ہے......... وہ بے حد دولت مند شخص ہے۔ کئی چراگاہوں کا مالک......... مقامی سیرگاہ میں اس کی ایک کوٹھی بھی موجود ہے جہاں وہ کبھی کبھی قیام کرتا ہے!"

"لیکن آپ نے اپنی نئی پریشانی کی تفصیل نہیں بتائی؟"

"وہ فائل مکمل نہیں ہے۔ اس سے متعلق ایک اور فائل سرکاری ریکارڈ میں موجود ہے جس کے بغیر وہ فائل ادھوری اور ان لوگوں کے لئے بیکار ہے۔ چنانچہ فون پر مطالبہ کیا گیا ہے کہ میں فائل کا دوسرا حصہ بھی انہیں مہیا کردوں ورنہ......... اول تو روبی کا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے خراب کر دیا جائے گا۔ دوئم یہ کہ وہ اس گمشدہ فائل کی گمشدگی کی تشہیر کر دیں گے اور اس قسم کا سکینڈل بنائیں گے جس سے یہ اظہار ہو کہ فائل ان کے ہاتھ فروخت کیا گیا ہے!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا اور میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس شخص کی پریشانی برحق تھی اور وہ واقعی زبردست بلیک میلنگ کا شکار ہوگیا تھا!

○ ------------ ☆ ------------ ○
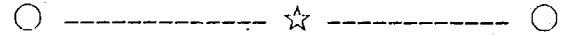
تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھاگئی تھی۔ کرنل جہانگیر گردن جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کسی قدر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں جن مشکلات کا شکار ہوں میرا دل جانتا ہے۔ ہما میری اکلوتی بچی ہے، تم شاید یقین نہ کرو، عام حالات میں وہ انتہائی سنجیدہ اور متین لڑکی ہے، علم و ادب کی رسیا۔ اس کی شخصیت جس قدر مضحکہ خیز ہوگئی ہے، اسے دیکھ کر میرا دل روتا ہے۔ میں.........!" کرنل کی آواز شدت جذبات سے بند ہوگئی۔ اسی وقت نرس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ وہ کافی لے آئی تھی۔ کرنل جہانگیر نے خود کو سنبھال لیا۔ نرس نے خاموشی سے کافی کی دو پیالیاں بنائیں اور ہم دونوں کو سرو کرنے کے بعد بولی۔ "میں باہر موجود ہوں جناب! کوئی ضرورت ہو تو آواز دے لیں"۔

"نہیں شکریہ بے بی! بس تم آرام کرو!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا۔ اور نرس سر جھکا کر چلی گئی۔ "کافی پیو"۔ کرنل نے اپنی پیالی اٹھا کر کافی کے چند گھونٹ لئے اور پھر اسے رکھ کر ہونٹ خشک کرنے لگا۔ "انہوں نے میرے اوپر نہایت کامیاب وار کیا ہے۔ اگر میں ان مسائل میں نہ الجھ جاتا تو حکومت کو تمام اطلاع دے دیتا اس طرح میری الجھنیں باقی نہ رہتیں!"

"کوئی ایسا کردار کرنل! جو آپ کے ساتھ رہ کر آپ کے دشمنوں کا مخبر ہو؟" میں نے کافی پیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے مجھے اپنی عملی زندگی میں بے شمار سنسنی خیز حالات سے واسطہ پڑچکا ہے اس لئے تم مجھے غیر محتاط انسان نہ سمجھو۔ بستر پر ہونے کے

بادجود میں کم از کم اپنے گھر اور اپنے اردگرد کے حالات پر پوری نگاہ رکھتا ہوں بلکہ بعض اوقات میں خود کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپا کر خفیہ طور پر عمارت میں چکر لگاتا ہوں تاکہ اپنے دشمنوں کا جائزہ لوں لیکن آج تک مجھے کوئی شبہہ نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ جو لوگ میرے اردگرد ہیں' وہ انتہائی حد تک قابل اعتماد ہیں۔ کسی ایسے فرد کی یہاں موجودگی کا امکان نہیں ہے!" کرنل نے جواب دیا۔

میں خاموشی سے کافی کے گھونٹ پیتا رہا۔ پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"فائل کے راز کو آپ کب تک چھپا سکتے ہیں کرنل ....!"

کرنل سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ایک گہری سانس لیکر بولا۔ "اگر خدا میری مدد کرے تو میری تو یہی خواہش ہے کہ جلد از جلد میری روح پر سے یہ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ حالات کے تحت ابھی اس فائل کی حکومت کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ خاص طور سے اس وقت تک جب تک میں بیمار ہوں لیکن خدانخواستہ کسی اتفاقیہ معاملے کے بارے میں میں نہیں کہہ سکتا! اگر ایسی کوئی نوبت آگئی' تو مجھے خودکشی ہی کرنا پڑے گی۔ دوسرے فائل کے لئے مجھے جس طرح مجبور کیا جا رہا ہے اگر مجھے واقعی ان کے ہاتھوں میں کھلونا بننا پڑا تو پھر یہ الجھنیں اور بڑھ جائیں گی۔ بہرحال میں اپنی نیک نامی کو داغدار نہیں ہونے دوں گا خواہ اس کے لئے مجھے اپنے خاندان کو داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑ جائے"۔

"اس کی نوبت نہیں آئے گی کرنل! آپ اس قدر دل برداشتہ نہ ہوں"۔ میں نے کرنل کو تسلی دینے والے انداز میں کہا اور کرنل بے بسی کے انداز میں میری صورت دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میری ذہنی کیفیت کو تم سمجھ چکے ہو گے نوجوان! بس یہ جان لو کہ میں کیسے حالات کا شکار ہوں۔ ڈاکٹر برہان کی تشکیل کردہ ٹیم ذہین افراد پر مشتمل ہے۔ اس وقت میرا یہ ذاتی معاملہ ہی نہیں بلکہ ایک قومی مسئلہ بھی ہے جس کا شکار میں بدقسمتی سے ہو گیا ہوں!"

"مجھے احساس ہے کرنل! اور میں آپ کو پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔ مجھے اپنی اس عمارت میں کوئی ایسی حیثیت دے دیں' جس کی وجہ سے میں آزادانہ یہاں کے معاملات میں دخیل ہو سکوں۔ ایک آدھ دن یہاں رہ کر پہلے میں یہاں موجود افراد کا جائزہ لینا چاہتا ہوں!"

"میں اس کا انتظام کردوں گا۔ مجھے کل تک کی مہلت دو گے؟"

"ضرور.......... میں الفراز میں مقیم ہوں۔ آپ ٹیلی فون پر مجھے آگاہ کر سکتے ہیں!"

"بہتر ہے ہمیں کوڈ الفاظ کا تعین کر لینا چاہئے"۔ میں نے کہا اور ہم دونوں اس سلسلہ میں فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کرنل نے مجھے بتایا کہ اس کا ایک بھتیجا یورپ میں مقیم ہے اور پچھلے بارہ سال سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں کے رہنے والے اس کی شخصیت سے تو واقف ہیں صورت سے نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نعمان کی حیثیت سے یہاں آ جاؤ۔ گھر کے لوگوں کو بھی شبہہ نہیں ہو گا۔ ہاں یہ دو افراد ہیں صرف انہیں سمجھانا ہو گا۔ میری مراد زبیر اور عذرا سے ہے!"

"سوچ لیں کرنل! یہ دونوں اتنے ہی قابل اعتماد ہیں!" میں نے کہا۔

"تمہاری تشویش بے جا نہیں ہے لیکن پوری طرح اطمینان رکھو۔ مجھے ان پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا خود پر' ورنہ ان حالات میں انہیں اتنا قریب نہ رکھتا!"

"بہتر.......... تو پھر کل میں آپ کی فون کال کا انتظار کروں گا' میرے خیال میں کسی وقت کا تعین بھی کر لیا جائے"۔

"شام کو ٹھیک پانچ بجے!" کرنل نے جواب دیا۔

"مناسب!" میں نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اجازت ہے کرنل؟"

"واپسی کے لئے..........؟" کرنل نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"وہی راستہ مناسب ہو گا جہاں سے آیا ہوں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کرنل کو سلام کر کے باہر نکل آیا۔ باہر فرض شناس نرس موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "عمدہ کافی کا شکریہ۔ آپ تشریف رکھیں!" میں نے اخلاقاً گردن جھکا کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں واپس الفراز کی جانب جا رہا تھا۔ کہر میں ڈوبی ہوئی سڑکوں پر سفر کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ ٹیکسی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بہرحال کافی دیر کے بعد منزل پر پہنچا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر لباس اتارا اور پھر بستر میں گھس گیا۔ تھوڑی تھکن ہو گئی تھی لیکن بہرحال ایک کامیاب قدم اٹھایا تھا۔ اب مجھے ان حالات پر غور کرنا تھا اور بستر اس کے لئے نہایت مناسب جگہ تھی۔ میں اپنے ذہن میں حالات کی ترتیب کرنے لگا۔ کرنل جہانگیر کی سوچ غلط نہیں تھی۔ ایک بے داغ ماضی کے انسان کی یہ تشویش بجا تھی۔ ان لوگوں نے کرنل کی دکھتی رگ کو پکڑا تھا یعنی اس کی بیٹی۔ جلال

خان جو کرنل کا دشمن تھا' فائل سے پڑوسی ملک کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ براہ راست نہ سہی دوسرے ذریعہ سے۔ شارق کی گمشدگی.......... اس نے بہرحال ایک مقام بنایا تھا۔ اور پھر زبیر خان.......... جلال خان اس کے باپ کا قاتل تھا۔ زبیر خان کی شخصیت مشکوک تو نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس کے باوجود اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن شارق کہاں ہے اس پر مشکل ہی سے قابو پایا گیا ہوگا لیکن اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ دیر تک میں ایک ایک نکتے پر غور کرتا رہا اور جب ذہن دکھنے لگا تو باقی معاملات کل پر چھوڑ کر گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح سکون بخش تھی۔ حسن پور کے موسم میں ایک طرح کا سکون پوشیدہ تھا۔ کھڑکی سے باہر کہر کی دھند بکھری ہوئی تھی۔ اس دھند میں ہلکی سی سردی پوشیدہ تھی جو بدن کو بھلی لگتی تھی۔ میں نے ناشتہ طلب کرلیا اور عمدہ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد دن کا پروگرام طے کرنے لگا۔ اور کوئی کام تو تھا نہیں۔ چنانچہ سوچا کہ دن میں حسن پور اور اس کے نواح کی سیر بھی کرلی جائے۔ چنانچہ تیار ہو کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ باہر آکر ایک ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور ایک نوجوان آدمی تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیا اور پھر بولا۔

"تمہارے شہر میں اجنبی ہوں"۔

"جی صاحب! کہاں جائیں گے؟"

"حسن پور میں سیاحوں کے لئے جو جگہیں ہوں' مجھے ان کی سیر کراؤ اور ان جگہوں کا تعین تمہارا کام ہے؟"

"بہت بہتر جناب.......... لیکن.........."

"معاوضہ وہ ہوگا جو تم طلب کرو چاہو تو پہلے ادا کیا جاسکتا ہے؟"

"نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے چلئے!" ڈرائیور نے خوش ہو کر کہا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سواری فراخ دل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی پسند کی جگہوں کا انتخاب کیا۔ موتی محل کے کھنڈرات' بارہ دری' عیسیٰ خان کا باغ' کچی گڑھی' غرض حسن پور کے بے شمار مقامات کی اس نے سیر کرائی اور دوپہر تک ہم حسن پور کی ساری قابل ذکر جگہیں گھوم چکے۔ تب میں نے ایک ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکوائی"۔ آؤ اب کھانا کھالیں امجد!" میں نے اس سے کہا۔

"میں باہر کھالوں گا صاحب!" ڈرائیور نے کہا۔

"آجاؤ یار! حسن پور میں میرا کوئی شناسا نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ہی دوست بنا لیا ہے۔ شام کو جب تم معاوضہ وصول کرو تو کاروباری بن جانا' مجھے اعتراض نہیں ہوگا"۔ میں نے بے تکلفی سے کہا اور ڈرائیور جھجکتا ہوا میرے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ عمدہ قسم کا کھانا منگوا کر میں نے ڈرائیور کے ساتھ کھایا اور اس کی بوکھلاہٹوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے میں نے کہا۔ "اب کیا ارادہ ہے امجد صاحب!"

"گھومنے کے قابل جگہیں تو ساری دکھا دی ہیں جناب! باقی جہاں آپ کہیں"۔ ڈرائیور نے نیازمندی سے کہا۔

"یہاں کہیں تیل کالونی بنی ہے؟"

"تیل کالونی!" ڈرائیور نے کہا اور پھر ہنس پڑا۔ "اسے تیل کالونی نہیں کہتے صاحب! باہر کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ تیل نکالنے کے لئے کھدائی ہو رہی ہے!"

"وہ بھی دیکھ لیں!"

"چلئے صاحب!" ڈرائیور نے مستعدی سے کہا اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہر کی سب سے عمدہ سڑک تھی۔ دونوں طرف حسین باغات لگے ہوئے تھے۔ درختوں کی بہتات تھی اور کہر میں ڈوبے ہوئے درخت بے حد حسین لگ رہے تھے۔ شہر سے خاصا طویل فاصلہ تھا۔ بہرحال اس کے بعد ہم کالونی پہنچ گئے۔ سڑک کا اختتام ایک چیک پوسٹ پر ہوا تھا جہاں چند مسلح گارڈ تعینات تھے"۔ بس یہیں تک آنے کی اجازت ہے۔ صرف وہ لوگ اندر جاسکتے ہیں جن کے شناسا یہاں رہتے ہوں"۔

"ہوں!" میں نے چاروں طرف دیکھا۔ خاردار تاروں سے گھرے ہوئے علاقے میں دیو پیکر مشینیں نصب تھیں جن پر کام ہو رہا تھا۔ ایک بورڈ لکھا ہوا تھا"۔ تصویریں اتارنا منع ہے"۔ عمدہ جگہ ہے لیکن افسوس میرا کوئی شناسا نہیں ہے اس لئے واپس چلو اور ڈرائیور نے ٹیکسی واپس موڑ دی۔ "ارے ہاں.......... وہاں خان جلال کی سیرگاہ بھی تو ہے!" میں نے اچانک کہا۔

"اس جگہ سے تقریباً پچاس میل دور ہوگی صاحب!" ڈرائیور بولا۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ابھی تو رات ہونے میں کافی دیر ہے!" میں نے کہا اور ڈرائیور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے اس کے انداز میں کسی قدر ہچکچاہٹ محسوس

کی تھی۔

"دراصل سڑکیں کہر کی وجہ سے گیلی ہو رہی ہیں اور اس طرف کا راستہ بھی کافی خراب ہے۔ اس کے علاوہ جناب آپ پردیسی ہیں' میں آپ کو اس طرف جانے کا مشورہ نہیں دوں گا!"

"کیوں؟"

"خان جلال شہنشاہ ہے۔ بس جو دل میں آ جائے۔ وہ ہمیں ٹیکسی سمیت کسی کھڈ میں بھی پھینک سکتا ہے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوش ہو تو مالا مال کر دے۔ اس کے بارے میں آپ کو یہاں بہت سی کہانیاں ملیں گی!"

"خوب! لیکن میرے دوست! اس طرح تو تم نے میرا اشتیاق اور بڑھا دیا ہے۔ ویسے تم صورت سے بزدل تو نظر نہیں آتے۔ یوں بھی ٹیکسی چلانے والے عام لوگوں سے کہیں زیادہ بہادر ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے خوف ذہن سے نکال دو جو حال ہوگا دونوں کا ہوگا تم تنہا تو نہیں ہوگے!"

"جیسی آپ کی مرضی' لیکن خان جلال کی اجازت بھی تو نہیں ہے"۔

"ہم دور ہی سے سیرگاہ تو دیکھ لیں گے!"

"آپ اصرار کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے چلئے آپ مالک ہیں!" ڈرائیور نے کہا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی لیکن پورے دن کی طرح اس وقت وہ ہشاش بشاش نہیں تھا۔ ٹیکسی کی رفتار بھی سست تھی جیسے وہ کشمکش کا شکار ہو۔

خان جلال کی شخصیت سے مجھے بہت دلچسپ محسوس ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ اگر وہ کرنل جہانگیر والے کیس میں ملوث نہ بھی ہوا تب بھی اس سے ملاقات دلچسپ رہے گی۔ ایسے ہٹلر صفت آدمی سے ملنا تو بے حد ضروری ہے۔ اپنی آزمائش بھی ہو جاتی ہے۔ سیرگاہ کا سفر جاری رہا۔ ڈرائیور تھوڑی دیر تک تو متفکر رہا تھا پھر وہ بھی لاپرواہ ہوگیا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے راستے اور دلکش ہوتے جا رہے تھے۔ ایک پتلی سی شفاف سڑک دور تک نظر آ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں سمت ڈھلان تھی جو سرسبز گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی اور ڈھلانوں کے اختتام پر درختوں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو پس منظر میں نظر آنیوالی پہاڑیوں تک چلا گیا تھا۔ کہر میں ڈوبی ہوئی برف پوش پہاڑیاں دھویں کی دیوار کے سوا کچھ نہ لگ رہی تھیں۔ ماحول بے حد خوابناک تھا۔ ہم نے تقریباً

چالیس میل کا سفر طے کر لیا اور پھر ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار سست کر دی۔ "یہ بورڈ پڑھ لیں جناب! بس اس سے آگے جانا مناسب نہ ہوگا!" اس نے ٹیکسی سڑک کے کنارے لگے ایک بورڈ کے نزدیک روک دی اور میں گردن نکال کر بورڈ پڑھنے لگا۔

زندگی بے حد قیمتی چیز ہے۔ زندگی کی حفاظت کیجئے۔ آگے جانا منع ہے"۔

بحکم خان جلال خان!

"خوب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "زندگی واقعی قیمتی چیز ہے چلو واپس چلو"۔ اور ڈرائیور نے سکون کی سانس لے کر ٹیکسی واپس موڑ دی۔ "بڑا دلچسپ آدمی ہے خان جلال۔ لیکن لوگ اس سے خوفزدہ کیوں ہیں؟"

"شہر میں اس کے نام پر وارداتیں ہوتی ہیں اور لوگ کان دبا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پولیس اس کے خلاف رپورٹ درج کرانے والے کو قید کر دیتی ہے اور اس وقت تک مارتی ہے جب تک وہ رپورٹ درج کرنے کی وجہ تک نہ بھول جائے"۔

"اس طرف آنے والوں کے ساتھ وہ کیا سلوک کرتا ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ کھال اتروا کر کسی چوراہے پر بھی رکھوا دیتا ہے اور وہ موڈ میں ہو تو زندگی بھر کے لئے فارغ البال کر دیتا ہے۔ شہر میں کئی لوگ ایسے ہیں جو خان جلال کی وجہ سے کچھ سے کچھ بن گئے ہیں۔ وہ بے تاج بادشاہ ہے اس علاقے کا!"

"حالانکہ خود اس کا تعلق آزاد علاقے سے ہے!"

"ہاں' لیکن یہ سیرگاہ بھی اس نے آزاد علاقہ ہی قرار دے دی ہے!" ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا۔

درحقیقت خان جلال کے بارے میں تفصیلات سن کر مجھے اس سے ملاقات کا بے حد اشتیاق پیدا ہوگیا تھا' میں بھی اس بے تاج شہنشاہ کو دیکھنا چاہتا تھا' لیکن اس وقت یہ کسی طور ممکن نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور بہت خوفزدہ تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ کسی بھی طرح اس جگہ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ میں خود بھی اسے شکست کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ خان جلال کی شکارگاہ کو تو میں اچھی طرح دیکھوں گا۔ تب میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "ٹھیک ہے دوست اسی جگہ اتار دو جہاں سے تم نے مجھے لیا تھا!"

"بہت بہتر جناب!" ٹیکسی ڈرائیور نے سعادت مندی سے کہا اور ٹیکسی واپس موڑ دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں الفراز سے تقریباً دو سو گز دور ٹیکسی سے اتر گیا۔ ڈرائیور

کو میں نے تین بڑے نوٹ تھما دیئے تھے۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان نوٹوں کو دیکھا اور مودبانہ لہجے میں بولا۔ "نہیں جناب! یہ بہت زیادہ ہیں۔ کرایہ تو صرف ایک نوٹ میں پورا ہو جاتا ہے!"

"میں نے تم سے انعام کا بھی وعدہ کیا تھا' تینوں رکھ لو!" میں نے کہا اور ڈرائیور نے مجھے کئی سلام کر ڈالے۔ ٹیکسی جب نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو میں ہوٹل کی جانب پلٹ پڑا۔ حسن پور کے بارے میں تو اب اتنی معلومات ہوگئی تھیں کہ میں کہیں سے کہیں آجاسکتا تھا اور ان علاقوں میں آنے جانے میں مجھے کوئی خاص دقت نہیں ہوتی! ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ پانچ بجنے میں صرف بیس منٹ باقی تھے' یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ میں واپس آگیا تھا۔ اگر اور آگے بڑھ جاتا یا کسی اور چکر میں پھنس جاتا تو وقت مقررہ پر ہوٹل واپس نہیں پہنچ سکتا تھا جبکہ مجھے ٹھیک پانچ بجے ہوٹل واپس پہنچ کر کرنل جہانگیر کا فون ریسیو کرنا تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور پھر ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر چائے طلب کی۔

جونہی ویٹر چائے لایا فون کی گھنٹی بھی بج اٹھی۔ ٹھیک پانچ بجے تھے۔ "شکریہ۔ تم جاؤ!" میں نے ویٹر سے کہا اور وہ گردن جھکا کر چلا گیا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔ "ہیلو!" میں نے بھرائی آواز میں کہا۔

"کیا بادبان کھل گئے؟" دوسری سے آواز سنائی دی۔

"ہاں سمندر پرسکون ہے!" میں نے جواب دیا۔

"پونے ساتھ بجے فلائٹ آئے گی اور کنول کھل اٹھیں گے۔ ایئرپورٹ کا نظارہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ جانے پہچانے لوگ یہاں انتظار کریں گے۔ کیسی رہی!"

"بہت مناسب!" میں نے جواب دیا۔

"نقلی شہد تیار کرنیکا فارمولا معلوم ہے؟"

"مکمل طور پر' شہد کی بوتلیں وقت پر پہنچ جائیں گی!"

"تب خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" میں نے جواب دیا۔ اور دوسرے طرف سے فون بند ہوگیا۔ اس فضول بکواس پر مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن کرنل جہانگیر محتاط انسان تھا۔ اس نے اپنا مافی الضمیر سمجھا دیا تھا یعنی مجھے پونے سات بجے ایئرپورٹ پر پہنچنا تھا۔ جہاں کوئی مجھے لینے آئیگا

اور جانے پہچانے لوگ زبیر خان یا نرس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

میں اطمینان سے کرسی پر آبیٹھا اور چائے کی ٹرے کھسکا کر اپنے لئے چائے بنانے لگا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ الفراز کو نہ چھوڑا جائے۔ دوسرے ٹھکانے ضروری ہوتے ہیں۔ چائے پینے کے بعد میں آرام کرتا رہا اور پھر ٹھیک سوا چھ بجے کچھ ضروری سامان ایک سوٹ کیس میں رکھ کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ باہر نکلنے سے قبل میں نے کاؤنٹر پر ایک ہفتے کا کمرے کا کرایہ ایڈوانس ادا کر دیا تاکہ کمرہ میرے نام محفوظ رہے اور پھر وہاں سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دور چل کر ٹیکسی روکی اور ایئرپورٹ چل پڑا۔

چھوٹی سی عمارت کے ایک گوشے میں میں نے ٹیکسی رکوائی اور بل ادا کر کے سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوگیا۔ ایئرپورٹ پر کم لوگ تھے۔ چند غیر ملکی ایک طرف کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ میں ان کے نزدیک سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں کا تعلق یقینی طور پر تیل کالونی سے ہوگا لیکن اتنا موقع نہیں تھا کہ میں ان میں سے کسی سے ربط و ضبط بڑھانے کی کوشش کرتا اور پھر اتنی جلدی ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ چند ہی منٹ کے بعد مجھے ایک اور حیثیت اختیار کرنا تھی۔ چنانچہ میں نے ان لوگوں کو نظرانداز کر دیا۔ ویسے میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ ایک بار اس کالونی کا جائزہ ضرور لوں گا۔ نہ جانے یہ خواہش کیوں میرے دل میں بیدار ہوئی تھی۔ اس کالونی سے متعلق کوئی ایسی بات ضرور تھی' جس کا تجزیہ میں خود بھی نہیں کرسکا تھا!"

پونے سات بجنے میں اب زیادہ دیر باقی نہیں تھی۔ میں نے فلائٹ کے آنے کا اعلان سنا اور پھر باہر نگاہ دوڑائی۔ ابھی تک کوئی نہیں پہنچا تھا' لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے ایک خوبصورت لمبی کار ایئرپورٹ کے صدر دروازے کے سامنے رکتے دیکھی۔ کار ڈرائیو کرنے والا زبیر خان تھا۔ وہ تنہا ہی تھا اور ایک خوبصورت تراش کے سوٹ میں ملبوس وہ بیحد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ تن و توش کے اعتبار سے وہ کوئی پہلوان معلوم ہوتا تھا' ویسے اس کی شاندار شخصیت کی میں نے دل ہی دل میں داد دی تھی۔ حالات یہاں بھی کچھ عجیب ہی تھے۔ رانی آف اثر پور کے پاس بھی ایک ایسی ہی شاندار شخصیت کا مالک شخص موجود تھا' عادل درانی کچھ سے کچھ نکلا تھا لیکن بہرصورت اس کی شخصیت سے میں متاثر ہوا تھا لیکن زبیر خان کی شخصیت عادل درانی سے کہیں زیادہ دیدہ زیب اور شاندار تھی'

سرحدی علاقے کا باشندہ ہونے کی وجہ سے وہ بالکل سرخ و سفید رنگ کا تھا اور پھر یورپ میں اس نے پرورش پائی تھی۔ وہاں کا اثر اس کی شخصیت پر پڑا تھا اور وہ بے حد نکھر گیا تھا۔ اس کی یہ رنگت اور خوبصورتی مجھے بے حد پسند تھی لیکن اس کی جلد کے نیچے ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک کھردراپن سا اور ایک کرختگی سی۔ جیسے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا ہو۔ جیسے ساری دنیا اس کی نگاہوں میں مشتبہ ہو۔ ممکن ہے یہ شخص بھی دوسرا عادل درانی ثابت ہو۔ عادل درانی کی طرح اگر کبھی اس سے زور آزمائی کی ضرورت پیش آگئی تو یہ عادل درانی کی طرح نرم چارہ نہیں ثابت ہوگا یہ اس کے تن و توش سے اندازہ ہوتا تھا۔

بہرحال میں انتظار کرتا رہا تاوقتیکہ فلائٹ سے آنیوالے مسافر باہر نکلنا شروع ہوگئے۔ ٹیکسیاں حرکت میں آئیں۔ چند غیر ملکی بھی آئے تھے اور تیل تلاش کرنیوالی کمپنی کی ایک گاڑی انہیں ریسیو کرنے کے لئے موجود تھی۔ ریسیو کرنیوالوں میں وہی لوگ تھے جنہیں میں نے دیکھا تھا۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ تب میں آگے بڑھا اور زبیر خان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سگریٹ نیچے پھینک دی اور اس طرح اسے مسلنے لگا جیسے اپنے کسی دشمن کو جوتے کی نوک سے رگڑ دیا ہو!

"ہیلو!" میں نے خوش اخلاقی سے کہا اور زبیر خان نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "دوست! تمہارے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔ پیچھے بیٹھنا کچھ اچھا نہیں لگتا"۔

"بیٹھ جاؤ!" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تمہاری مرضی لیکن.........." میں نے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا اور اس نے دروازہ بند کرکے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

"کرنل جہانگیر نے تمہارے انتخاب میں غلطی کی ہے!" راستے میں زبیر خان نے کہا۔

"خوب ذرا تفصیل"۔ میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"کیا تم میری حیثیت سے ناواقف ہو؟"

"کسی حد تک.......... صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم کرنل جہانگیر کے معتمد ہو!"

"ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کیا مالک ملازموں کے ساتھ بیٹھتے ہیں؟" اس نے

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور میں نے پسندیدگی سے بھنویں سکوڑیں۔ بات اس نے واقعی ذہانت کی کی تھی۔ میں نے اتنی باریکی سے نہیں سوچا تھا"۔ ذہین آدمی ہو!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"ہاں میں ذہین لوگوں سے دوستی رکھتا ہوں۔ گاؤدی قسم کے لوگ مجھے ناپسند ہیں۔ کرنل جن حالات میں گھرے ہوئے ہیں ان کو مدنگاہ رکھتے ہوئے معمولی لوگوں سے دلچسپی نہیں رکھنی چاہئے۔ شارق تمہارا ساتھی تھا؟"

"کرنل نے تمہیں تفصیل بتائی ہوگی؟"

"ہاں' بتائی تھی اور میں نے دبی زبان میں ان سے کہا بھی تھا کہ ہر شخص پر بھروسہ مناسب نہیں ہوتا۔ تم ہی نے مجھ سے فون پر بات کی تھی؟"

"یہ بات بھی کرنل ہی نے تمہیں بتائی ہوگی؟"

"نہیں"۔ وہ دفعتاً مسکرا دیا۔ "تم کرنل سے پوچھ سکتے ہو۔ یہ صرف میرا اندازہ تھا اور تم نے اعتراف کرلیا"۔ اس نے قہقہہ لگایا اور اب میرے مسکرانے کی باری تھی۔

"ساری ذہانتیں اسی وقت صرف کردو گے میرے دوست!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے میں صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کرنل کے معاملے میں کام کرنے کے لئے ایک ایک لمحے چوکنا رہنا پڑے گا۔ جس لاپرواہی سے تم نے اب تک کام کیا ہے' وہ کرنل کو صرف نقصان پہنچا سکتا ہے فائدہ نہیں..........!!"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری طرح ذہانت کے مظاہرے کرسکوں"۔

میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا اور اس نے عقب نما آئینے میں میری صورت دیکھی پھر ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں کرنل کا وفادار ہوں۔ میرا باپ بھی ان کا نمک خوار تھا' لیکن میں بعض ذاتی حالات میں پٹڑی سے اتر جاتا ہوں۔ کرنل کو مدنگاہ رکھتے ہوئے تمہارا صرف اتنا احترام کروں گا کہ تم میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرو اور اپنی زبان اور لہجے پر قابو رکھو۔ اگر یہاں مجھے مایوسی ہوئی تو میں کرنل سے معذرت کرلوں گا!" اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ بلاوجہ تلخ ہونا مناسب نہیں تھا۔ زبیر خان تند مزاج معلوم ہوتا تھا اور اسے ذہانت کا خبط بھی تھا۔ بہرصورت مجھے معاملات بگاڑنے نہیں تھے۔ وقت اگر کبھی اجازت دے گا تو زبیر خان کو بھی اس کی اصلیت بتادی جائے گی۔ فی الوقت میں اس کی جانب سے لاپرواہ یوں تھا کہ خود کرنل جہانگیر نے اس کی طرف سے پورے

اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ میں خاموش ہوگیا۔ کار کرنل جہانگیر کی کوٹھی میں داخل ہوگئی تھی۔

پورچ میں کار روک کر زبیر خان ادب سے نیچے اترا اور عقبی دروازہ کھول دیا۔ پھر اس نے میرا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکایا اور ادب سے مجھے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں آگے بڑھ گیا تھا۔ بہرحال اس شخص کی یہ حرکات مجھے پسند آئی تھیں۔ آدمی کو کم از کم اتنا محتاط ضرور ہونا چاہئے............!

میرا استقبال ایک معمر خاتون نے کیا۔ بڑی پروقار شخصیت تھی۔ وہ یقیناً کرنل جہانگیر کی بیوی تھیں۔ کیونکہ ان کے خدوخال میں ہما کی جھلک نظر آتی تھی' ان کے ہونٹوں پر ایک مشفقانہ مسکراہٹ ابھری اور وہ چند قدم آگے بڑھ گئیں۔ "آہا نعمان! میرے بچے تم تو ماشاء اللہ بڑے خوبصورت نکلے۔ آؤ!" معمر عورت نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آداب پیش کرتا ہوں چچی جان!" میں نے گردن جھکا کر کہا۔

"جیتے رہو! میں نے تو سمجھی تھی کہ یورپ سے درآمد شدہ نوجوانوں کی طرح تمہارا حلیہ بھی انہی جیسا ہوگا۔ لمبے لمبے بال' بگڑی ہوئی شکل' اور بگڑا ہوا لہجہ' لیکن تمہارے انداز میں تو بڑی شائستگی ہے۔ مجھے دلی مسرت ہوئی"۔

"شکریہ چچی جان!" میں نے جواب دیا اور معمر خاتون مجھے لئے ہوئے اندر پہنچ گئیں۔ ایک کمرہ میرے لئے درست کرا دیا گیا تھا' یہ کمرہ اندر زنان خانے ہی میں تھا' گویا میں ان لوگوں سے بہت قریب تھا!

"عارضی طور پر تمہاری رہائش گاہ کے لئے میں نے یہ کمرہ درست کیا ہے۔ کوئی تکلیف ہو تو بتا دینا۔ آہ تمہیں دیکھ کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ تمہارے والد تو ایسے گئے کہ پھر ہمیں بھول ہی گئے"۔

"میں نے آپ کو یاد کرلیا چچی جان!"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ باقی لوگ کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہیں' آپ لوگوں کو سلام کہا ہے؟"

"خدا عمریں دراز کرے' سفر سے تھک گئے ہوگے۔ تھوڑی دیر آرام کرو۔ چائے وغیرہ کی طلب ہو تو بتا دو۔ ورنہ رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی"۔

"بہتر' تایامیاں کچھ علیل ہیں' مجھے اطلاع ملی تھی"۔

"ہاں' ان کی اس وقت کی غیرموجودگی کو نظرانداز کر دو۔ ممکن ہے رات کے کھانے پر وہ موجود ہوں"۔ معمر عورت نے کہا اور واپس چلی گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کرنل جہانگیر کو برا بھلا کہا تھا۔ نہ تو مجھے مسز جہانگیر کے بارے میں کچھ معلوم تھا' نہ اپنے ان والدین کے بارے میں جو یورپ جا کر انہیں بھول گئے تھے۔ تھوڑی سی تفصیل تو ضروری تھی۔ بمشکل کام چلایا تھا۔ بہرحال اب اور محتاط رہنا تھا اور اس احتیاط کے پیش نگاہ میں نے اپنے کمرے میں مقید رہنا مناسب سمجھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بھونچال آگیا۔ کمرے کا دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا تھا اور اندر آنیوالی ہما تھی۔ ایک حسین لباس میں ملبوس اس کے ساتھ ہی دو لڑکیاں اور تھیں جو شکل و صورت سے شوخ معلوم ہوتی تھیں لیکن خواہ مخواہ مودب رہنے کی کوشش میں مضحکہ خیز ہوگئی تھیں!"

"تم دونوں باہر رکو!" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"جی............ جی بہتر............" دونوں نے بیک وقت کہا۔ ہما مجھے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ "تم گولکنڈہ کے قیدی ہو؟" وہ تعجب سے بولی۔

"نہیں! یہ آپ سے کس نے کہا"۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہمیں خدام نے یہی اطلاع دی تھی۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ تم گولکنڈہ سے فرار ہو کر یہاں پہنچے ہو اور تمہیں سیاسی پناہ دی گئی ہے!"

"ان تمام خدام کو پھانسی کی سزا دی جائے کیونکہ انہوں نے نپولین بونا پارٹ کی توہین کی ہے۔ خادم کو نپولین کہتے ہیں!" میں نے جواب دیا اور ہما کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آنے لگے۔

"آہ بونا پارٹ! مجھے تمہاری صورت ہی جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ جانتے ہو میں کون ہوں .... افوہ............ تمہیں ایک نگاہ دیکھ کر میں چونک پڑی تھی۔ میں "ماری لویزا" کی بہن! میری شامس" ہوں۔ شاید تمہیں وہ ملاقات یاد ہو جب تم برائن کے فوجی اسکول میں زیرتربیت تھے اور ایک پتھریلے علاقے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہوگئے تھے۔ میری تم سے دوسری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب تم نے پیرس میں حکومت کا تختہ الٹا تھا اور یہاں کے قونصل اول ہوگئے تھے۔ شاہ آسٹریا کے نمائندے کی حیثیت سے

سب سے پہلی مبارکباد میں نے تمہیں دی تھی۔ یہ شاید 1779ء کی بات ہے۔ پھر 18 مئی 1804ء کو تم نے اپنے شہنشاہ ہونیکا اعلان کیا۔ 1805ء میں تم نے آسٹریا کو 1806ء میں جرمنی کو شکست دی اور پھراپنی بیوی جوزیفائن کو طلاق دے کر میری بہن ماری لویزا سے شادی کرلی۔ لیکن واٹرلو میں شکست کھانے کے بعد تمہیں سینٹ ہیلنا میں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے تمہاری خبر نہیں ملی۔ یہ وقت تم نے کہاں گزارا بونا پارٹ!"
اس نے والہیت سے پوچھا اور میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے درحقیقت نپولین کی تاریخ دہرا دی تھی۔ کرنل جہانگیر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ علم و ادب کی رسیا ہی ہے۔ اس ذہین لڑکی کی یہ کیفیت مجھ پر اثر انداز ہوئی تھی۔

"کسی مناسب وقت میں تمہیں تفصیل بتاؤں گا!" میں نے جان بچانے کی غرض سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں پھر تم سے ملوں گی اور معلوم کروں گی کہ واٹرلو میں تمہاری شکست کے اسباب کیا تھے؟" وہ واپس پلٹ گئی اور میں نے دل ہی دل میں گہری سانس لی۔ اس بقراط سے توجان بچی ہی رہے تو بہتر ہے۔ رات کو وہ اولمپک چیمپئن تھی اور اس وقت شاہ آسٹریا کی بیٹی میری شامس اور پھر معلومات تھیں کہ خدا کی پناہ! انسان بول کر پھنس جائے۔ ویسے درحقیقت اتنی ذہین لڑکی کی یہ کیفیت غم انگیز تھی۔

دیر تک میں ہما کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ لڑکی ان لوگوں کی آلہ کار کس طرح بنی۔ اغوا کرنے کے بعد اس بیچاری کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ دماغ الٹ دنیا دوسری بات ہے لیکن اس کے ساتھ کیا ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کے لئے کام بھی کرنے لگے۔ جب کہ کرنل جہانگیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہما اس فائل کی چوری کا ذریعہ بنی ہے اور ضروری نہیں ہے کہ اس کے بعد ہما ان کے لئے کام نہ کرے۔ جب وہ ایک بار اس سے کوئی کام لے سکتے ہیں تو دوبارہ بھی یہی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے ہما سے بہتر کارکن انہیں اور کون مل سکتا تھا۔ مجھے اس لڑکی پر خصوصی توجہ دینا ہوگی۔

دوسرا کردار زبیر خان کا تھا۔ زبیر خان کا کردار کسی قدر عادل درانی سے ملتا جلتا تھا۔ کرنل جہانگیر کا اعتماد بے معنی نہیں تھا۔ زبیر خان کے باپ کو جلال خان نے قتل کر دیا تھا لیکن یہ دشمنی ختم بھی تو ہو سکتی ہے' کسی بڑے مفاد کی خاطر اور اس کے لئے دشمنی کی روایت کا سہارا بہ آسانی لیا جاسکتا ہے۔ رانی آف اثر پور بھی تو عادل درانی ہی کو سب

سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتی تھی۔ بہرحال اب تو میں یہاں آ ہی گیا تھا۔ دوسرے لوگوں پر بھی نگاہ رکھی جائے گی لیکن ان دونوں افراد پر خصوصی توجہ دینا ہوگی۔ اور میں دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس سلسلہ میں ایک طریقہ کار کا تعین کیا تھا اور اس کے بعد میں مطمئن ہوگیا۔

رات سے قبل کرنل جہانگیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کھانے کی میز پر وہ خاص طور پر میرے لئے آئے تھے۔ بیگم جہانگیر تھیں' خاندان کے دو افراد اور بھی تھے اور خاص بات یہ تھی کہ ہما بھی تھی لیکن بالکل بدلی ہوئی کیفیت میں۔ ایک سادہ سی قمیض شلوار میں ملبوس' خدوخال میں بے حد نرمی اور معصومیت تھی۔

"روبی بیٹے! نعمان سے ملیں۔ یہ تمہارے چچا کے بیٹے ہیں!" کرنل جہانگیر نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"آداب! بچپن میں ملاقات ہوئی ہوگی۔ طویل عرصہ سے تو یہ ہمارے ہاں آتے ہی نہیں تھے!" ہمانے سادگی سے کہا۔

"ہاں یہ شکایت سب کو ہے' لیکن نعمان نے یہ شکایت دور کر دی ہے!" کرنل جہانگیر کے لہجے میں مسرت تھی اور مجھے حیرت۔ ہمانے بالکل اس انداز میں گفتگو کی تھی جیسے واقعی پہلی بار مجھے دیکھا ہو۔ اس کے چہرے پر شناسائی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ کرنل جہانگیر مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے اپنی بیماری کے بارے میں بھی بتایا تھا اور پھرانہوں نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں لینے ایئرپورٹ نہ آسکا اور اس کی وجہ یہی بیماری تھی۔ بہرحال یہ تمہارا گھر ہے' یہاں کوئی تکلیف نہ اٹھانا!"

"شکریہ تایا جان! آپ بے فکر رہیں!"

"آؤ' مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دو۔ تم سے کچھ باتیں ہوں گی!"

کھانے کے بعد کرنل جہانگیر نے کہا اور میں نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ان کے ساتھ ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ "بیٹھو شباب! درحقیقت مجھے یہی لگ رہا ہے جیسے تم میرے ہی خاندان کے فرد ہو۔ اب تمہارا کیا پروگرام؟"

"دن کے تھوڑے سے وقت میں حالات کا معمولی جائزہ لیا ہے' اپنے طور پر کام کروں گا ممکن ہے میرے بارے میں آپ کو کچھ ناخوش گوار اطلاعات بھی ملیں لیکن براہ

کرم انہیں نظرانداز کردیں"۔

"میں نہیں سمجھا!" کرنل جہانگیر بولے۔

"میں بھی کسی حد تک خبط الحواس ہوں' اس لئے بعض اوقات اوٹ پٹانگ حرکات کرجاتا ہوں۔ آپ متردد نہ ہوں"۔

بس میرے لئے کچھ اور پریشانیاں نہ پیدا ہوں۔ ویسے تم لوگوں کی ذہانت کا اعتراف کرچکا ہوں!" کرنل جہانگیر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"چند شکایتوں کے علاوہ اور کوئی پریشانی نہ ہوگی آپ کو۔ ہاں ذرا ایک بار زبیر خان کے بارے میں گفتگو کروں گا!"

"کیا؟" کرنل جہانگیر نے پوچھا۔

"یہ آدمی کافی گہرا اور خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ آپ ہر پہلو سے اس کی طرف سے مطمئن ہیں۔ دراصل بعض اوقات ہم کسی ایسے شخص کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتے جس کے ماضی پر ہمیں اطمینان ہو' لیکن حال انسان میں بہت سی تبدیلیاں لاتا ہے اور ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ میں صرف اس الجھن کا شکار ہوں کہ کہیں دشمن ہماری شہ رگ کے قریب نہ ہو!"

میری اس بات سے کرنل جہانگیر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے۔ "دیکھو شہاب! تراب خان میرا ملازم ہی نہیں' دوست سمجھو۔ زبیر خان کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی میں نے ہی بھیجا تھا اور میرے ان احسانات کے بارے میں زبیر خان کو بھی معلوم ہے۔ شہاب بیٹے! اچھا خون کچھ نہ کچھ اثر ضرور رکھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کی مسموم ہوائیں کسی کے کردار پر اثر انداز ہوسکتی ہیں یا نہیں' البتہ خون کی اگر کوئی تاریخ ہے تو زبیر خان جیسے لوگ اپنے اجداد کا خون بھلا نہیں سکتے اور کم از کم ایسے دشمن کے آلہ کار نہیں بن سکتے جن کے ہاتھ ان کے اجداد کے خون سے رنگے ہوں۔ اس کے باوجود تمہیں آزادی ہے کہ اپنے طور پر جو چاہے کرو البتہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے بدظن ہو جائے"۔

"میں اس بات کا خیال رکھوں گا!"

"بس یہی میری خواہش ہے اور اس کے علاوہ کوئی ایسی بات جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو"۔

"فی الوقت نہیں۔ ضرورت ہوئی تو عرض کروں گا"۔

"بہتر!" کرنل جہانگیر بولے۔ "اب تم آرام کرو۔ میں درحقیقت بیمار ہوگیا ہوں۔ ایک عجیب سی کمزوری کا احساس ہوتا ہے بعض اوقات!"

"خود کو سنبھالے رکھیں۔ آپ پر بہت ذمہ داریاں ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ان ذمہ داریوں میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا!"

"میں تمہاری اس ڈھارس پر شکرگزار ہوں"۔

"ہاں ایک سوال اور......." میں نے چونک کر پوچھا اور کرنل جہانگیر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "اس وقت ہما بالکل بدلی ہوئی کیفیت میں تھیں!"

میں نے شاید تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ کبھی کبھی اس کی ذہنی حالت بالکل اعتدال پر ہوتی ہے۔ گو ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔ اس وقت اسے اپنی پرانی کیفیت یاد نہیں رہتی اور اگر کوئی اسے اس کے بارے میں بتا دے تو وہ سخت متوحش ہو جاتی ہے"۔

"بس یہی معلوم کرنا چاہتا تھا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ کرنل جہانگیر نے میری اس مسکراہٹ کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں اور میں وہاں سے نکل آیا۔ میرے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے اور میں ان پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔

اس رات تقریباً دو بجے میں اپنی رہائش گاہ سے نکل آیا اور پوری عمارت کا گشت کرنے لگا۔ میں نے چچی جان کی خواب گاہ دیکھی وہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ ہما کی خواب گاہ پر آج پہریدار مستعد تھے کیونکہ پچھلی رات کے پہریدار زخمی پڑے تھے اس لئے آج جو لوگ تھے' وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار تھے۔ چنانچہ وہاں ذرا پوشیدہ رہنا پڑا۔ پھر میں زبیر خان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ زبیر خان البتہ اپنی خواب گاہ میں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں اطمینان سے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ کمرے کا دروازہ میں نے کھلا چھوڑ دیا تھا لیکن میری تیز نگاہوں نے ایسی جگہوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا جہاں زبیر خان کی خفیہ چیزیں پوشیدہ ہوں۔ پھر انتہائی پھرتی سے میں نے ان جگہوں کی تلاشی لی اور اس کے سارے کاغذات وغیرہ دیکھ ڈالے۔ ہر اس ممکنہ جگہ کا میں نے جائزہ لے لیا جہاں مجھے کوئی چیز مل سکتی تھی لیکن زبیر خان کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوسکی۔ تب میں

نے نہایت احتیاط سے زبیر خان کی ساری چیزیں ان کی جگہ اسی انداز میں رکھ دیں کہ اسے شبہ بھی نہ ہوسکے اور اس کے بعد نہایت اطمینان سے زبیر خان کے بستر میں گھس گیا۔

سونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اس وقت رات کے تقریباً چار بجے تھے جب زبیر خان اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ اندر آکر اس نے اسٹین گن ایک جانب رکھی اور پھر ایک الماری سے شب خوابی کا لباس نکالا۔ میرے سامنے ہی بے فکری سے اسے زیب تن کیا۔ ابھی تک اس نے اپنے بستر پر توجہ نہیں دی تھی لیکن پھر وہ بستر کی طرف مڑا اور پھر اس کی پھرتی قابل دید تھی۔ اس نے برق کی طرح کوند کر اسٹین گن اٹھائی تھی اور میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ زبیر خان نے مسہری کو زور دار ٹھوکر ماری تھی۔ "کھڑے ہو جاؤ!" وہ خونخوار لہجے میں بولا لیکن یہاں کس کے کان پر جوں رینگتی۔ دوسرے لمحے اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر مجھے مسہری سے گھسیٹ لیا۔ بلامبالغہ انتہائی طاقتور آدمی تھا' میں کھڑا ہوگیا لیکن میری آنکھیں بدستور بند تھیں۔ جونہی زبیر خان نے مجھے چھوڑا' میں ایک طرف گر گیا' کمبخت نے مجھے سنبھالنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی اور میرے کافی زور سے چوٹ لگی تھی لیکن میں جس انداز میں پڑا تھا اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔

"میں تمہاری بے ہوشی دائمی بھی کرسکتا ہوں!! اٹھو........." اس نے میری پسلی میں ٹھوکر ماری اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اس سے اس ٹھوکر کا انتقام ضرور لوں گا لیکن اس وقت میں نے تکلیف کے آثار بھی نمودار نہ ہونے دیئے تھے!

زبیر خان پریشان اور غصے سے ناچنے لگا۔ "تم اٹھتے ہو سور کے بچے کہ میں اسٹین گن کی گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں!" وہ دہاڑا......... لیکن اس وقت تو سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ تب زبیر خان نے اسٹین گن رکھ دی اور جھک کر مجھے اٹھا لیا۔ اس نے کئی تھپڑ میرے منہ پر مارے اور پھر مجھے اٹھا کر مسہری پر پھینک دیا۔ اس کے بعد شاید وہ باتھ روم میں گیا اور پانی لاکر سارا پانی اس نے میرے اوپر انڈیل دیا لیکن اس وقت تو اگر وہ میرے بدن کے کسی حصے میں خنجر بھی بھونک دیتا تو میں جنبش نہ کرتا۔ وہ سر کھجانے لگا تھا۔ پھر اس نے جھک کر مجھے اٹھایا اور کندھے پر ڈالے باہر نکل آیا۔ کہیں کسی گٹر وغیرہ میں نہ ڈال دے۔ میں نے سوچا اور آنکھیں کھول لیں۔ لیکن زبیر خان مجھے لئے ہوئے شاید کرنل جہانگیر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور پھر میں نے نرس کو دیکھ کر دوبارہ

آنکھیں بند کرلیں جو زبیر خان کو دیکھ بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہوگئی تھی۔

".........یہ کون ہے؟"

اس نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"کرنل جہانگیر کا چہیتا جاسوس! کرنل کو جگاؤ"۔

"جاگ رہے ہیں راتوں کو وہ عموماً بہت کم سوتے ہیں۔ ابھی کافی دے کر آئی ہوں!"

"دروازہ کھولو!"

"اوہ' اچھا لیکن اسے کیا ہوا؟"

"مرگیا شاید"۔ زبیر خان نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔ اور پھر مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ کرنل ایک آرام کرسی میں دراز تھا۔ ہمیں دیکھ کر چونک کر کھڑا ہوگیا۔

"اوہ......... یہ.........!"

"ملاحظہ فرمایئے!" زبیر خان نے مجھے بستر پر اچھال دیا۔ میں بے سدھ بستر پر پڑا تھا۔ کرنل مضطربانہ انداز میں مجھ پر جھک گیا۔ "اسے کیا ہوا زبیر خان!" کرنل کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ میرے بستر پر پڑا تھا"۔

"تمہارے بستر پر!" کرنل کے لہجے میں سخت حیرت تھی۔

"جی' اور مجھے قطعی نہیں معلوم کہ یہ میرے بستر پر کس طرح آیا"۔ زبیر خان نے جواب دیا۔

"تم مجھ سے کس طرح گفتگو کر رہے ہو زبیر خان!" کرنل کا لہجہ کرخت ہوگیا۔

"میری پریشانی بھی تو بجا ہے۔ میں سرے سے اس قسم کے لوگوں کے خلاف ہوں۔ میں کسی پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ لیکن معاف کیجئے کرنل آپ .... کیا آپ کے خیال میں' میں آپ کے کسی حکم سے انحراف کرسکتا ہوں!"

"اس کی بے ہوشی کی وجہ تمہاری ناپسندیدگی تو نہیں ہے؟"

"ثابت ہو جائے تو پہلے مجھے گولی مار دیں۔ یہ میرے بستر پر آرام سے سو رہا تھا اور ہوش میں لانے کی ہر کوشش ناکام رہی ہے"۔

"اوہ!" کرنل پھر مجھ پر جھک گیا۔ وہ میرے بدن کو ٹٹول رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا"۔ شاید تم نے اس پر پانی بھی ڈالا ہے"۔

"جی صرف ہوش میں لانے کے لئے"۔ زبیر خان نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"زبیر خان! اسے زہر وغیرہ دینے کی کوشش تو نہیں کی گئی۔ ہمیں کسی بھی امکان کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے"۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

زبیر خان کے لہجے میں بدستور بیزاری تھی۔ کرنل جہانگیر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر بھاری لہجے میں بولا۔ "نہیں اس وقت مناسب نہیں ہے۔ لیکن یہ بے ہوشی معنی خیز ہے تم شاید آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں ...."

"جی ہاں' آخری گشت کے بعد"۔

"تو جاؤ آرام کرو۔ میں دیکھوں گا اسے!"

"اتنا جاگنا آپ کی صحت کے لئے بھی مناسب نہیں ہے!"

"شکریہ زبیر! اب تم جاؤ"۔ کرنل نے نرم لہجے میں کہا۔ زبیر خان چند ساعت کھڑا رہا۔ پھر اس نے شانے اچکائے اور واپس پلٹ گیا۔ کرنل نے میرے نزدیک کرسی گھسیٹ لی تھی۔ چند ساعت کے بعد نرس اندر آگئی"۔ انہیں کیا ہوا جناب!!"

"ذرا تم دیکھو.......... یہ صرف بے ہوش ہے یا زہر خورانی کا کیس ہے۔ تم تو اندازہ لگا سکتی ہو"۔ اور نرس مجھ پر جھک گئی۔ اس نے چیر کر میری آنکھیں دیکھیں' ناخن وغیرہ دیکھے اور بولی۔

"نہیں جناب! زہر کے کوئی آثار نہیں ہیں"۔

"پھر اب میں کیا کروں؟"

"دو ہی باتیں ہیں یا تو انہیں ہسپتال بھجوایا جائے یا.........."

نرس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میں نے جنبش کی تھی اور پھر میں نے اندھوں کی طرح ادھر ادھر ٹٹولا اور آنکھیں بند کئے کئے سہارا لے کر کھڑا ہوگیا۔ نرس اور کرنل جہانگیر اچھل کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ وہ دونوں احمقوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے آنکھوں میں اتنی خفیف جھری رکھی تھی کہ انہیں کوئی شبہ نہ ہوسکے۔ پھر میں کھڑا ہوگیا اور اسی طرح آگے بڑھنے لگا۔ رخ دیوار کی طرف تھا۔ چند ساعت کے بعد میں دیوار

سے ٹکرایا اور پھر پلٹ کر دوسری طرف چل پڑا۔ دونوں کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ مجھے ٹوکتے۔ بالآخر میں نے دروازہ ٹٹول لیا اور اسے کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ دونوں میرے پیچھے چلے آئے تھے۔ میں نے عمارت کے عقبی لان کا رخ کیا تھا اور پھر گھاس پر پہنچ کر میں اطمینان سے لیٹ گیا۔

وہ دونوں یہاں تک پیچھے آئے تھے اور اب میرے گرد کھڑے تھے۔ "نیند میں چلنے کا مریض ہے!" نرس نے کہا۔

"اب میں کیا کروں؟" کرنل جہانگیر نے پریشان لہجے میں کہا۔

"مناسب سمجھیں تو اٹھوا کر ان کے کمرے میں پہنچوا دیں!" نرس نے کہا۔

"جاؤ انتظام کرو.......... کسی کو لاؤ .... نہ جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے میری عزت کا جنازہ نکل کر رہے گا۔ جاؤ لڑکی جاؤ"۔ اور نرس دوڑتی چلی گئی۔ کرنل جہانگیر اپنی جگہ کھڑا سر کھجا رہا تھا۔

"ہیلو کرنل!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ اچھل پڑا۔ اس نے جھک کر مجھے دیکھا اور میں نے اسے آنکھ مار دی"۔ کیسا جا رہا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

کیا .... کیا تم پاگل ہو.......... تم بن رہے تھے اب تک .... اور تم نے .... تم نے ...." کرنل اب شدید غصے کا شکار ہوگیا تھا۔

"سوری کرنل! لیکن میں آپ کی اجازت لے چکا ہوں!"

"اجازت کے بچے.......... میں کہتا ہوں تم نے یہ ڈھونگ کیوں رچایا تھا۔ رات کے اس وقت تم نے .... تم نے ...."

"کرنل! میں نے پہلے ہی معذرت کرلی تھی کہ ممکن ہے کچھ ناخوشگوار شکایات آپ کے کانوں تک پہنچیں تو آپ انہیں نظرانداز کردیں!"

"میں کہتا ہوں اس سے فائدہ؟"

"فائدہ اور نقصان میرے اوپر چھوڑ دیں کرنل! یا پھر آپ کی اجازت سے واپس چلا جاؤں"۔ میں نے بھی خشک لہجے میں کہا اور کرنل مجھے گھورتا رہا۔ پھر گردن جھٹک کر کسی قدر بے بسی سے بولا۔

"لیکن اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی"۔

"پہلی اور آخری بار بتانے کی زحمت کر رہا ہوں۔ آپ کے بار بار کے سوالات

کے جواب نہیں دوں گا۔ میں اس کیفیت یا اس بیماری کا اظہار کر کے اپنے کام میں آسانی پیدا کر رہا ہوں۔ میری نیند میں چلنے کی عادت کی پبلسٹی ہونے دی جائے۔ کسی کو حقیقت نہ معلوم ہو۔ اگر مجھے آپ سے ہمدردی نہ ہوتی تو آپ کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ سمجھ گئے آپ!"

"اوہ گویا......... گویا تمہارا مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں تمہیں دیکھ لیا جائے تو .... تو تم اپنی اس کیفیت سے فائدہ اٹھاؤ گے"۔ کرنل دھیمے لہجے میں بولا۔

"اب آپ ڈاکٹر برہان کے ساتھیوں کی ذہانت کا تذکرہ کریں گے۔ لیکن براہ کرم خاموش رہیں۔ نرس کچھ لوگوں کے ساتھ واپس آ رہی ہے!" میں نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ کرنل جہانگیر کی حالت عجیب ہو رہی تھی' بہرحال نرس پہنچ گئی۔

"ہوش آیا؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں!" کرنل جہانگیر نے کسی قدر ہچکچائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور پھر دوسرے لوگوں کی طرف رخ کر کے بولے۔ "احتیاط سے اٹھاؤ۔ کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کمرے میں پہنچا دو"۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ حالانکہ اس حماقت کی ضرورت نہیں تھی۔ خاموشی سے کام ہو سکتا تھا لیکن بس ہما کو دیکھ کر طبیعت پر جولانی آ گئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ کرنل کی کوٹھی میں تھوڑی سی رونق ہی رہے۔

ہما رات کو ٹھیک تھی لیکن دوسرے دن وہ ناشتے کی میز پر نہیں آئی۔ کرنل جہانگیر بھی موجود نہیں تھے۔ رات کی ہنگامہ خیزی ان پر اثر انداز ہوئی تھی اور ناشتے کے کمرے میں اس نرس نے آ کر بتایا تھا کہ کرنل نہیں پہنچ سکیں گے' آپ لوگ ناشتہ کرلیں۔ لے دے کر بے چاری بیگم جہانگیر رہ گئی تھیں جو کسی قدر افسردہ سی نظر آتی تھیں۔

"روبی بھی نہیں آئی چچی جان!" میں نے ہما کے بارے میں پوچھا۔ یہ لوگ اسے روبی کے نام سے ہی پکارتے تھے۔

"کہیں اس کی بھی طبیعت خراب نہ ہو"۔ بیگم جہانگیر نے تشویش سے کہا اور پھر ایک ملازمہ کو ہدایت کی کہ جا کر ہما کو دیکھے۔ "ناشتہ شروع کرو نعمان! میں جانتی ہوں تمہیں یہاں آ کر خوشی نہ ہوئی ہو گی!"

"کیوں چچی جان!"

"یہاں کا ماحول' تھوڑے دن قبل ہمارے خاندان پر نحوست کے یہ سائے موجود

نہیں تھے۔ بس اچانک ہی تقدیر بدل گئی اور اب یہ ایک سوگوار گھرانہ ہے!"

"آپ کو افسردہ دیکھ کر مجھے بہت رنج ہو رہا ہے چچی جان!" کوئی ایسی بات ہے جو مجھے بتائی نہیں جاسکتی!"

"نہیں' بس کرنل صاحب کی بیماری' ہما کی ذہنی کیفیت' ان دونوں چیزوں نے گھر کا ماحول بدل دیا ہے!"

"سب ٹھیک ہو جائے گا چچی جان! آپ فکرمند نہ ہوں"۔

میں نے کہا اور بیگم جہانگیر نے گردن ہلا دی۔ پھر بولیں۔ "شکریہ بیٹے! چلو ناشتہ کرو!!"

"روبی آ جائے"۔ میں نے کہا اور اسی وقت ہما اندر داخل ہو گئی لیکن عجیب جاہ و جلال تھا۔ سر پر بہت سے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ لباس بھی عجیب و غریب انداز سے پہنا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ پیچھے پیچھے دو خادمائیں موجود تھیں۔ تب اس نے بڑے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ میں دیوی ایرس (ERIS) ٹرائے کی تباہی کا پیغام دینے آئی ہوں۔ پلیوس (PELUS) اور تھیٹس (THETIS) کی شادی کے موقع پر مجھے شرکت کی دعوت نہ دے کر تروجن حملہ کا آغاز کیا گیا ہے سونے کا سیب سب سے حسین شخصیت کی ملکیت ہوگا اور تم........." اس نے میری طرف دیکھا۔

"پریام کے بیٹے پیرس (PARIS) میں جانتی ہوں ایک ثالث کی حیثیت سے تم کیا فیصلہ دو گے۔ ہیرا (HERA) ایتھنا (ATHENA) اور افرودیتہ تمہیں رشوت پیش کریں گی اور تم یہ سنہرا سیب افرودیتہ کی محبت کی نذر کر دو گے لیکن تمہاری فطرت بالآخر ایک دن تم پر تباہی لائے گی۔ اسپارٹا کی ہیلن کی رفاقت طویل نہیں ہو گی اور تمہیں سفید لوگوں کے ہاتھوں شکست اٹھانی پڑے گی۔ سمجھے یہ ایرس کا پیغام ہے!"

بیگم جہانگیر رو دینے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں' اب بند بھی کرو گی یہ بکواس!........." وہ آگے بڑھ کر بولیں اور ہما نے چونک کر انہیں دیکھا"۔

"یہ کون ہے؟ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ پینی لوپی ہو۔ مگر اس جہان فانی میں کون رہا ہے۔ انقلاب زندہ باد' انقلاب........." اس نے رک کر خونخوار نگاہوں سے دونوں ملازماؤں کی طرف دیکھا۔

"ز......... زندہ باد!" انہوں نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا اور پلیٹ کر

بھاگ نکلیں۔ ہما نے ایک گرجدار قہقہہ لگایا۔ "دیکھا دشمن میدان چھوڑ گیا' لکڑی کے گھوڑے کو میدان میں لانا ہی نہ پڑا' لیکن میں ان کا تعاقب کروں گی' میں انہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گی۔ انقلاب زندہ باد........ انقلاب زندہ باد........" وہ واپس پلٹ گئی اور بیگم جہانگیر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھیں نمناک تھیں۔ ناشتہ غارت ہو چکا تھا اور اب بھلا اس سوگوار ماحول میں ناشتے کا کیا سوال تھا۔ میں بھی سوگوار بیٹھا رہا۔ پھر بیگم جہانگیر چونک کر بولیں۔ "اوہ' نعمان بیٹے! ناشتے کرو۔ پلیز' پلیز"۔

"مجھے سخت افسوس ہے چچی جان! لیکن حیرت بھی ہے اس بات پر کہ آپ روبی کا علاج کیوں نہیں کراتیں؟"

"براہ کرم اس موضوع کو جانے دو۔ پھر کبھی اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔ چلو ناشتہ کرو"۔ انہوں نے کہا اور میں نے ناشتہ شروع کردیا۔ بیگم جہانگیر نے تو خیر ناشتہ کیا کیا' صرف فرض پورا کیا لیکن میں ناشتہ کی میز پر بیٹھ کر باقی فرائض بھول جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور بیگم جہانگیر بے چاری مجبوراً میرا ساتھ دیتی رہیں۔ ناشتے کے بعد ہم اٹھ گئے۔

پورا دن بیکاری کا دن تھا' لیکن اپنے طور میں بیکار نہیں رہا تھا۔ میں نے اس پورے دن میں اس عمارت میں رہنے والے ایک ایک فرد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلی تھیں اور پھر یہی سوچا تھا کہ گھر کے کسی فرد پر شبہ کرنا تقریباً بے مقصد ہی ہوگا۔ صرف دو افراد ایسے تھے جو کرنل جہانگیر کے سب سے زیادہ قریب تھے' لیکن کرنل جہانگیر ان پر اس قدر اعتماد کا اظہار کرچکا تھا کہ اب ان پر شبہ کرنا مناسب نہیں رہا تھا۔ چنانچہ گھر کی طرف سے توجہ ہٹانا پڑے گی۔ لیکن اب اس کے بعد میرا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے اور پھر ایک ہی نام میرے ذہن میں گونجا۔ خان جلال........ ہاں خان جلال کو اب دیکھنا ہی پڑے گا۔ شارق کی الجھن بھی بدستور موجود تھی۔ اس کی گمشدگی ذاتی طور پر میرے لئے تکلیف دہ تھی۔ ڈاکٹر برہان بھی اس کے سلسلے میں تشویش کا شکار ہوگیا۔ ویسے یہاں سے ڈاکٹر برہان سے بہ آسانی رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا لیکن کوئی کام کی بات ہو تو ڈاکٹر برہان سے رابطہ بھی قائم کیا جائے۔ اس وقت تو بے مصرف تھا۔

شام کو کرنل جہانگیر نے خود مجھے بلوا بھیجا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بشاشت نظر آرہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ تنہا ہی تھا اور باہر نرس بھی

موجود نہیں تھی۔

"ہیلو کرنل!"

"بھئی تھوڑے دن کے لئے تایا جان کہنے کی عادت ڈال لو۔ کوئی دوسرا نہ سن لے؟" کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تایا جان!"

"یوں بھی' رشتہ برا نہیں ہے!"

"بے شک!"

اس کے علاوہ دن میں ایک آدھ بار میری تیمار داری کرنے بھی آجایا کرو۔ کم از کم رشتوں کا اتنا پاس رکھنا تو ضروری ہے!"

"بہتر ہے۔ لیکن اب اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی!"

"کیوں........؟"

"صرف آپ کے قرب و جوار کا جائزہ لینا تھا........ اپنے طور پر میں مطمئن ہوگیا ہوں"۔

"خوب!" کرنل جہانگیر گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "لیکن میں سمجھا نہیں!" اس نے کہا۔

"کیا آپ مجھے حسن پور کے نواح کی سیر کی اجازت نہیں دیں گے تایا جان!" میں نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اوہ تو اب تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟ لیکن نواح کی سیر' میرا مطلب ہے........؟"

"بس خان جلال کی سیرگاہ میرے لئے باعث کشش ہے' ویسے میں اس کا تھوڑا سا نظارہ کرچکا ہوں!"

"کیا مطلب؟" کرنل جہانگیر نے چونک کر پوچھا۔

"اس وقت تک یہاں نہیں پہنچا تھا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے حسن پور کے قرب و جوار کا جائزہ لیا تھا۔ وہ علاقہ بھی دیکھا تھا جہاں تیل کی تلاش کرنیوالی کمپنیوں کے افراد کے رہنے کی کالونی ہے۔ لیکن اس جگہ تک جہاں تک پہنچ ممکن ہے۔ خان جلال کی سیرگاہ کے ایک مخصوص حصے تک جہاں بورڈ لگا ہوا ہے' ٹیکسی ڈرائیور مجھے لے گیا' اس

سے آگے بڑھنے کی جرات اس نے نہیں کی تھی!"

"تعجب ہے بھئی تعجب ہے۔ تم ہر لمحے مجھے چونکا دیتے ہو۔ اول تو تمہاری رات والی شرارت ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی"۔

"شرارت نہیں جناب' ضرورت کہئے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکوں گا"۔

"خیر اس سے زیادہ میں کچھ پوچھنا بھی نہیں چاہتا لیکن تم مجھے یہ بتاؤ اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟" کرنل جہانگیر نے سوال کیا۔

"میں خان جلال کی سیرگاہ کو دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"اس طرف جانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے' خان جلال نے سرکاری طور پر بھی اس بات کی اجازت حاصل کرلی ہے' اور اس کی وجہ اس نے یہی بتائی ہے کہ عموماً سیرگاہ میں شکار ہوتا رہتا ہے' اجنبی لوگوں کو اس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے"۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ کیا حکومت کے ارکان کو اس سلسلے میں کوئی تشویش پیدا نہیں ہوتی؟" میں نے سوال کیا۔

"قطعی نہیں کیونکہ اکثر اعلیٰ عہدیداران خود بھی اس کے ساتھ شکار میں شریک ہوتے ہیں۔ خان جلال حکام سے بنا کر رکھتا ہے۔ نہ جانے اس کی وجوہ کیا ہیں؟ میں نے کبھی اس سلسلہ میں معلومات کی ضرورت محسوس نہیں کی!"

"خان جلال قانون شکنی بھی کرتا ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کسی کو اس کی ذات سے نقصان بھی پہنچ جائے تو چشم پوشی اختیار کرلی جاتی ہے!"

"ہاں جب قانون اس کا دوست ہے تو اس کے لئے سب کچھ جائز ہے!"

"ایک فوجی ہونے کے باوجود آپ یہ بات کہہ رہے ہیں!"

"میں صرف فوجی ہوں' اس ملک کا وزیراعظم نہیں"۔ کرنل جہانگیر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے! میں اس بحث میں کیوں الجھوں' بہرحال میں سیرگاہ دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"تنہا جاؤ گے!" کرنل نے پر تشویش انداز میں پوچھا۔

"ظاہر ہے!"

"ایک تجویز پیش کروں!"

"جی فرمائیے!"

"کیوں نہ زبیر خان کو بھی ساتھ لے لو!"

"اوہ!" میں نے ہونٹ سکوڑ دیئے!

"وہ خود بھی کئی بار یہ ارادہ کرچکا ہے۔ میں نے ہی روکا ہے لیکن اگر تم دونوں ساتھ ہو جاؤ گے تو............"

"کیا وہ پسند کرے گا!"

"کیوں نہیں' میں اس سے بات کرلوں گا۔ کب جانا چاہتے ہو؟"

"زیادہ سے زیادہ کل"۔ میں نے جواب دیا اور کرنل جہانگیر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے بلکہ یہ بہتر ہے کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے"۔

"ایک بات اور کرنل!" میں نے پرخیال انداز میں کہا اور کرنل سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "کیا تیل کالونی میں آپ کا کوئی ایسا شناسا موجود ہے جس پر آپ کو مکمل اعتماد ہو!"

"اوہ' کیوں؟" کرنل نے چونک کر پوچھا۔

"میں اسے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے بیرونی لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے"۔

"ہاں' لیکن اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟" کرنل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے طور پر کرنل! کوئی خاص بات نہیں"۔

"میرا ایک بہترین دوست میجر یوسف وہاں سیکیورٹی انچارج ہے۔ ریٹائرڈ فوجی ہے۔ بے حد اعتدال پسند' میرا خیال ہے تمہارے لئے کوئی دقت نہ ہوگی!"

"بہت عمدہ' بہرصورت یہ بات میرے پروگرام مین شامل ہے لیکن خان جلال کی سیرگاہ کی سیر کے بعد"۔ میں نے جواب دیا اور کرنل سرہلانے لگا۔ تھوڑی دیر تک میں مختلف موضوعات پر کرنل کے پاس بیٹھا گفتگو کرتا رہا۔ کرنل کی طبیعت آج خاصی بہتر نظر آتی تھی۔ بہرصورت تھوڑی دیر کے بعد نرس وہاں پہنچ گئی اور میں نے اجازت طلب

کرلی۔ کرنل کے کمرے سے نکل کر میں اپنی رہائش گاہ واپس آگیا اور یونہی سرسری طور پر حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ شام ہوگئی' رات کے کھانے پر ہما موجود نہیں تھی۔ یقیناً اپنے کمرے میں ہوگی۔ میں نے سوچا لیکن بیگم جہانگیر سے اس موضوع پر بات ہوئی تو پتہ چلا کہ ہما سرِ شام ہی سے غائب ہے اور میں چونک پڑا۔

"کہاں چلی گئی؟" میں نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں!" بیگم جہانگیر گہری گہری سانسیں لے کر بولیں۔

"کیا مطلب .... کیا آپ کو تشویش نہیں ہے؟"

"نہیں!" بیگم جہانگیر نے عجیب سے انداز میں جواب دیا۔

"کیوں؟"

"اکثر وہ چلی جاتی ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں ماری ماری پھرتی رہتی ہے اور پھر خود ہی واپس آجاتی ہے۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے!"

"تعجب کی بات ہے چچی جان! اس کی ذہنی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اسے نظرانداز نہیں کرسکتے"۔

"میں عاجز ہوں' میں جتنی پریشان ہوں تم اندازہ نہیں لگا سکتے نعمان! میں تو اس بات پر ہی شرمندہ ہوں کہ یہاں آکر تم ہماری الجھنوں کا شکار ہوگئے' ہم تو نہ جانے کون کون سی مصیبتوں کا شکار ہیں"۔

"بیگم جہانگیر کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے ہمدردی سے انہیں دیکھا۔

"لیکن چچی جان! ان سب کے باوجود ہم ہما کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ وہ کہیں چلی جاتی ہے لیکن آپ نے اس کے لئے لوگوں کو بھی تو مقرر کر رکھا ہے"۔

"وہ انتہائی چالاکی سے انہیں دھوکہ دے کر نکل جاتی ہے۔ وہ ہر وقت اس کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ میں نے خاص طور پر لوگوں کو اس کے لئے ملازم رکھا ہے لیکن وہ انہیں آسانی سے چکر دے لیتی ہے۔ اس وقت بھی وہ ہمارے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہما اندر موجود تھی۔ لیکن پھر جب اسے کسی کام سے تلاش کیا گیا تو وہ موجود نہیں تھی اور عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی"۔

"کیا یہ بات چچا جان کو معلوم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں انہیں کہاں' کہاں پریشان کروں۔ ابتداء میں ایک دوبار میں نے انہیں بتایا تھا

لیکن اس کے بعد جب وہ واپس آگئی تو میں نے یہ بتانا چھوڑ دیا"۔ بیگم جہانگیر نے جواب دیا۔

"میں بیگم جہانگیر کی بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ حالات بعض اوقات اس حد تک بھی لے جاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کرے؟ لیکن مجھے تشویش رہی۔ بیگم جہانگیر سے میں نے کچھ نہیں کہا لیکن اپنے طور پر ہما کو تلاش کرتا رہا۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے وہ کوٹھی کے کسی حصے میں موجود ہو لیکن کوٹھی میں ہما کا کوئی نشان نہیں مل سکا تھا۔

رات کو تقریباً ایک بجے میں پھر باہر نکل آیا۔ ایسے راستوں پر جہاں کسی کے ملنے کے امکانات نہیں تھے' میں آرام سے چلتا رہا۔ اگر کوئی نظر آجاتا تو میں نیند میں چلنے کی اداکاری کرسکتا تھا لیکن اس کی ضرورت نہیں پیش آئی اور میں نے تقریباً پوری کوٹھی کا گشت کرلیا۔ پھر شرارتاً میں کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ کی طرف جانکلا۔ مجھے یقین تھا کہ چوکیدار نما نرس یا نرس نما چوکیدار باہر موجود ہوگی لیکن جونہی میں اس طرف پہنچا' کرنل جہانگیر کی خواب گاہ کے دروازے کو دیکھ کر چونک پڑا۔ نرس دروازے کے نزدیک اوندھی پڑی تھی۔ دوسرے لمحے میں نے اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ نرس کے سر کی پشت سے خون بہہ رہا تھا اور کرنل جہانگیر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس وقت نرس کی تیمار داری کی بجائے کرنل جہانگیر کی خبر لینا ضروری تھا۔ چنانچہ میں برق رفتاری سے اندر داخل ہوگیا۔ اندر کی حالات حال واقعی خوفناک تھی۔ کرنل جہانگیر کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور ہما ان کے سامنے پستول تانے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول میں سائلنسر لگا ہوا تھا۔

صورت حال کی تفتیش کے بجائے اس پر قابو پانا ضروری تھا' اس لئے میں بے آواز آگے بڑھا اور ایک جچا تلا ہوا ہاتھ ہما کے پستول والے ہاتھ پر مارا۔ پستول فضا میں اچھل گیا اور میں نے اسے اطمینان سے لپک لیا۔ ہما غرائے انداز میں پلٹی اور پھر اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ وہ کسی وحشی شیرنی کی مانند میرے اوپر جھپٹ پڑی اور مجھے مجبوراً اس کی کنپٹی سہلانی پڑی۔ میرے ایک ہی ہاتھ میں وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور پھر وہ میرے بازو میں جھول گئی۔ اسے احتیاط سے نیچے لٹانے کے بعد میں کرنل کی جانب متوجہ ہوا' گولی نے صرف کرنل کے بازو کی کھال ادھیڑ دی تھی اور سرہانے کے تکئے

میں پیوست ہوگئی تھی۔ میں نے زخم دیکھا اور پھر کرنل کے نزدیک پڑی ہوئی چادر سے ایک پٹی پھاڑ کر کرنل کے بازو پر کس دی۔ کرنل اس وقت بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ میں نے انہیں پانی پلایا اور اطمینان سے لٹا دیا۔ کرنل نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"کیا آپ بہت زیادہ کمزوری محسوس کر رہے ہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں حواس باختہ ہوں"۔

"خود کو سنبھالئے۔ یہ صورت حال میری سمجھ میں نہیں آئی"۔

"اب تو بار بار تقدیر کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آنے لگی ہے میں جن حالات کا شکار ہوں' وہ یقیناً مجھے خودکشی تک لے جائیں گے!"

"نہیں کرنل! آپ فوجی ہیں اور فوجی اتنے کم ہمت نہیں ہوتے!"

"ہوں"۔ کرنل نے گہری سانس لی۔ "جانتے ہو وہ مجھ سے کیا کہہ رہی تھی؟" کرنل نے سوال کیا۔

"جاننا چاہتا ہوں"۔ میں نے جواب دیا۔

"وہ کہہ رہی تھی فائل کا دوسرا حصہ کل شام تک اسے مہیا کر دیا جائے ورنہ وہ مجھے گولی مار دے گی اور اس نے ثبوت کے طور پر میرا بازو زخمی کر دیا"۔

"اوہ"۔ میں گہری نگاہوں سے کرنل کا جائزہ لینے لگا جو آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"لیکن کرنل! کیا اس بات پر آپ کو تعجب نہیں ہے؟" میں نے چند ساعت کے بعد پوچھا۔

"کیا مطلب؟" کرنل نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔

"ذہنی توازن بگڑ جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ آدمی کسی مخصوص لائن پر کام شروع کر دے۔ میرا مطلب ہے کہ ہما ان لوگوں کے آلہ کار کی حیثیت سے ہی کام کر رہی ہے۔ اگر آپ کو خوفزدہ کرنے کے لئے انہوں نے ہما کا ذہنی توازن خراب کر دیا تو اس کے بعد یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ اس ذہنی توازن کی خرابی کے باعث آپ سے اس کام کا مطالبہ بھی کرے جو آپ کے دشمن چاہتے ہیں!"

"ہاں یہ نکتہ تم نے مجھے سمجھایا ہے' مجھے تو ابھی تک غور کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا"۔

"ایک اطلاع اور دوں آپ کو!" میں نے کرنل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور کرنل مجھے بے بسی سے دیکھنے لگا۔ "ہما شام سے غائب تھی۔ رات کو کھانے تک وہ نہیں پہنچ سکی تھی۔ میں نے بیگم جہانگیر سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اکثر اس طرح غائب ہو جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کیا اس بات کی اطلاع کرنل جہانگیر کو دی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کی پریشانیوں میں کہاں تک اضافہ کروں۔ ہما غائب ہو جانے کے بعد خود ہی پراسرار طور پر کوٹھی میں واپس پہنچ جاتی ہے"۔

"اوہ .... اوہ......... اس کا مطلب ہے......... اس کا مطلب ہے"۔

"مطلب کچھ بھی ہے کرنل جہانگیر! بس اب آپ میری ہدایات پر عمل کریں!" میں نے مضبوط لہجے میں کہا اور کرنل جہانگیر کے چہرے پر امید کی ایک کرن نمودار ہوگئی۔ نہ جانے میرے اس لہجے سے انہیں کیا تقویت ملی تھی۔ "کہو......... کہو......... انہوں نے گہری گہری' سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہما کی نگرانی سخت کر دی جائے۔ اسے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے جو اس سے رحم کا سلوک نہ کریں' اسے کمرے میں قید رکھا جائے۔ کمرے میں ہی کھانے پینے کی چیزیں دی جائیں اور صرف کسی ایسے اقدام سے باز رکھا جائے جو اس کی ذات کو نقصان پہنچا سکے۔ ورنہ ہر قیمت پر اسے کمرے میں ہی رہنا چاہئے اور اگر وہ کمرے سے باہر نکلی تو میں نہیں کہہ سکتا کرنل! کہ آپ کو کن حالات سے واسطہ پڑے"۔

"میں ہدایات جاری کر دوں گا بے شک اب وہ اپنے کمرے سے نہیں نکل سکے گی!" کرنل نے جواب دیا۔

"بس یہ ضروری ہے؟"

"لیکن کیا تم کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو؟"

"کرنل ابھی میں اس کا اظہار ضروری نہیں سمجھتا۔ ہما کے بارے میں بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ ویسے اس بات کا تو آپ کو یقین ہے کہ وہ کسی طور بہک نہیں سکتی!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میرے بیٹے! تم خود سوچو ہما کیا ہے اور میں اس کے لئے کیا ہوں لیکن تقدیر ان دنوں ہم سے بڑے خطرناک مذاق کر رہی ہے"۔ کرنل نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے کرنل! آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں' ہاں بازو کے زخم کی کیا کیفیت

ہے؟"

"زخم تو کوئی خاص گہرا نہیں ہے لیکن سینے کے زخم بہت گہرے ہیں"۔

"آپ خود کو سنبھالیں' اگر آپ نہ سنبھل سکے تو دشمنوں کی کامیابی یقینی ہے۔ اس وقت آپ کی آہنی قوت ہی دشمنوں کو شکست دے سکتی ہے۔ میں دل و جان سے آپ کے ساتھ ہوں۔ زخم کے لئے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے فرما دیں' نرس تو باہر بے ہوش پڑی ہے"۔

"کیا مطلب؟" کرنل چونک کر بولا۔

"اس بیچاری کا سر بھی پھاڑ دیا گیا ہے!"

"اوہ.......... اوہ..........!" کرنل نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ بہرصورت میں نے انہیں اسی حالت میں چھوڑا اور باہر آکر بے ہوش نرس کو اٹھایا' اور اندر لے گیا۔ اس کے سر کا زخم صاف کر کے پٹی باندھ دی۔ اس سے زیادہ میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کرنل نے اسے بستر پر لٹانے کے لئے کہا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ کرنل کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"اب بتاؤ۔ اب میں کیا کروں؟"

"اس عمارت میں آپ کے دشمنوں کی آلہ کار صرف ہما ہے کرنل! اور ہما کو کسی طور انہوں نے اپنے زیر اثر لے رکھا ہے۔ میرے خیال میں آپ صرف ہما پر نگاہ رکھیں۔ آپ اتنی ذمہ داری قبول کریں کرنل! باقی حالات میں دیکھ لوں گا"۔

"تم بڑے اعتماد سے یہ بات کہہ رہے ہو"۔

"ہاں کرنل! آپ کو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں رکھوں گا۔ کسی بہت اہم نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ آپ محفوظ ہیں"۔

"کک.......... کیا مطلب؟"

"وہ نہ تو آپ کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ دیگر کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بس ہما کو ان کے ہتھے نہ چڑھنے دیں"۔

"لیکن خود ہما' اگر اس کا نشانہ ذرا سا چوک جاتا تو.........."

"نہیں چوکتا کرنل! وہ صرف دھمکی تھی جسے شدید کرنے کے لئے آپ کو معمولی سا زخمی کر دیا گیا"۔

لیکن پھر وہی سوال آجاتا ہے شہاب بیٹے ہما!"

"آپ کی تسلی کے لئے صرف اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ ہما کو ہپناٹائز کیا گیا ہے' وہ تنویمی عمل کے تحت کام کر رہی ہے اور اس کی عارضی گمشدگی اس بات کا ثبوت ہے"۔ میں نے کہا اور کرنل جہانگیر ایک بار پھر اچھل پڑا۔ کیا تمہیں یقین ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہما کی ذہنی حالت بھی صرف اس تنویمی کیفیت کے تحت منتشر ہے شاید اس لئے کہ وہ ان لوگوں کی نشاندہی نہ کر سکے۔ جن اوقات میں آپ اسے درست سمجھتے ہیں۔ ان اوقات میں بھی وہ بالکل درست کیفیت میں نہیں ہوتی"۔

"لیکن پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ دور بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کے ذریعہ اپنے خیالات اس کے ذہن تک نہیں پہنچا سکتے ہیں تو اسے بلانے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے"۔

"اپنے پیشے کی ضرورت کے تحت میں نے اس علم کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کی ہیں۔ کرنل! میں زیادہ نہیں جانتا۔ ممکن ہے کوئی مخصوص ہدایت دینے کے لئے معمول کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہو۔ بہرحال یہ تو کوئی ماہر ہی بتا سکتا ہے"۔

"درست کہتے ہو' تب میں ایک اور کام کیوں نہ کروں"۔ کرنل پر خیال انداز میں بولا۔

"کیا؟"

"کیوں نہ کچھ عرصہ کے لئے ہما کو کہیں بھجوا دوں۔ میرا مطلب ہے یہاں سے کہیں دور.........؟" کرنل نے کہا اور میں اس بارے میں سوچنے لگا پھر میں نے گردن ہلا کر کہا۔ "نہیں کرنل! یہ مناسب نہیں ہوگا۔ یا تو آپ ہما کو کسی ایسے ماہر کے حوالے کریں جو اس کی ذہنی کیفیت درست کر سکے۔ ورنہ پھر یہیں رہنے دیں۔ اگر ہمارے اندازے کے مطابق ہما تنویمی کیفیت کے زیر اثر ہے تو وہ جہاں ہوگی' اسے طلب کیا جا سکتا ہے اور دوسرے لوگ اس کی بہتر حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ دوسری بات یہ کہ ہما سے مایوس ہو کر وہ لوگ فوری طور پر دوسرے اقدامات کریں گے اور انہیں یہ احساس بھی ہو جائے گا کہ ان کے خلاف موثر طور پر کام ہو رہا ہے جب کہ اس وقت وہ مطمئن ہیں' انہیں دھوکے میں رہنا چاہئے"۔

کرنل سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ بھی درست ہے!"

"بس آپ ہما کو قید کر دیں اور اس پر بھرپور نگاہ رکھی جائے"۔

"ٹھیک ہے جب تک تقدیر کی گردش ہے، بھگتنا پڑے گی۔ تم کل جا رہے ہو؟"

"ہاں آپ اس چھوٹے سے مسئلے کو سنبھال لیں اور مجھے اپنے کام پر کام کرنے دیں۔ ہاں زبیر سے گفتگو ہوئی تھی؟"

"ہاں وہ تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہے بلکہ بے چین ہو گیا ہے؟"

"کوئی تعرض نہیں کیا اس نے؟"

"نہیں بلکہ وہ تم سے خوش ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے خلوص کا ثبوت مل گیا ہے۔ تم نے شاید اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی"۔

"اوہ، تو یہ تلاشی میرے خلوص کا ثبوت ہے!" میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔

"ہاں، کہنے لگا بے ہوشی کی آڑ میں تم نے ابتدائی صحیح لائنوں پر کام شروع کیا ہے۔ ضروری تھا کہ گھر میں موجود لوگوں کے بارے میں اطمینان کیا جائے۔ بس اس بات پر اس کا خیال ہے کہ تم صحیح آدمی ہو!"

"ہوں!" میں نے مختصراً کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر کرنل سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ بقیہ رات آرام سے گزری۔

دوسری صبح زبیر خان خود ہی میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ "میں نے بیگم صاحبہ سے اجازت لے لی ہے کہ آج ناشتہ تم میرے ساتھ کرو گے!"

"شکریہ زبیر خان! بیٹھو"۔

"نہیں بس تیار ہو جاؤ۔ میرے کمرے میں چلو ناشتہ تیار ہے"۔

اس نے نرم لہجے میں کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ہاتھ منہ دھو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور زبیر خان کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"آج تم اس بستر پر جوتوں سمیت بھی بیٹھ جاؤ تو مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ میں بس اسی قسم کا آدمی ہوں جس سے متاثر ہوتا ہوں اس کی ہر ادا مجھے پیاری لگتی ہے!"

"ہاں یار.......... تم ذہین آدمی ہو.......... باریک بیں نگاہ کے مالک اور تیز سوچ رکھنے والے۔ اس رات تم نے جوتے نہیں پہنے تھے۔ نیند میں چلنے والے عموماً ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ یہ تمہاری ذہانت کا ثبوت ہے جب کہ درحقیقت تم نیند میں نہیں بلکہ ہوش و حواس کے عالم میں چل دیئے تھے اور یہ ایک بہترین کوشش تھی تاکہ

اگر دیکھ بھی لئے جاؤ تو شبہ نہ ہو سکے۔ دوسری بات یہ کہ تم نے میرے کمرے کی تلاشی اتنے خوبصورت انداز میں لی کہ مجھے گمان بھی نہیں ہو سکا۔ وہ تو بس ایک اتفاق سے میرا ذہن اس طرف متوجہ ہوا اور یقین کرو اسی وقت سے میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہوا"۔ زبیر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلو شکر ہے زبیر خان! یوں بھی اب ہمیں ایک ساتھ رہ کر کام کرنا ہے!" میں نے جواب دیا۔

"ارے کام کرنے کا صحیح لطف اب آئیگا! زبیر خان نے جواب دیا۔ اسی وقت ناشتہ آ گیا جو روزانہ کے ناشتوں سے مختلف تھا۔ زبیر خان بسیار خور تھا۔ کئی بھنی ہوئی رانیں، مکھن کا پورا پیالہ، خالص دودھ وغیرہ۔ اس نے مجھے ناشتہ شروع کرنے کا اشارہ کیا"۔

"یہ ناشتہ ہے؟" میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"اوہ! ہاں ذرا مختلف ہے، لیکن میں تو غیر ممالک میں بھی اپنی ہی طرز کا ناشتہ کرتا تھا اور نازک اندام انگریز حیران رہ جاتے تھے۔ زبیر خان نے ایک ران ادھیڑتے ہوئے جواب دیا۔ بہرحال لذیذ چیزیں تھیں۔ میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔

"تمہاری خوراک پر مجھے اپنا ساتھی یاد آ رہا ہے!"

"کون شارق؟"

"ہاں!"

"بہت مختصر ملاقات رہی اس سے، لیکن پہلی ہی نگاہ میں متاثر کرنیوالا آدمی تھا۔ نہ جانے کس جال میں پھنس گیا بے چارہ!"

"اسے بھی تلاش کریں گے!" میں نے کہا۔

"ضرور تلاش کریں گے۔ اب تو خان جلال کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا موقع آیا ہے۔ دیکھو دوست! تمہیں دل کی کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ یقین کرنا نہ کرنا تمہاری مرضی ہے لیکن میرے سامنے میری باتوں کو جھوٹ سمجھنے کا اظہار مت کرنا۔ دل ہی دل میں جو چاہو سمجھنا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک کمزوری ضرور ہوتی ہے"۔

"وہ کیا زبیر خان؟" میں نے پوچھا۔

"تھوڑی سی اپنائیت کا احساس ہونے پر دل کی بات کہہ دینے کی کمزوری۔ کیا خیال ہے؟"

"متفق ہوں تم سے!" میں نے جواب دیا۔

"بس میں بھی اسی کیفیت کا شکار ہوں۔ دراصل میری زندگی کا مسلک خان جلال سے انتقام لینا ہے۔ اس نے ہمیں بہت پیسا ہے' زیادہ عرصہ قبل کی بات نہیں ہے۔ میرا باپ تراب خان ترائی کے علاقے کا سب سے بڑا آدمی تھا۔ ہمارے ہاں پشتوں کی دشمنی چلتی ہے۔ کسی پشت میں ہمارے خاندان کے کسی فرد نے جلال خان کے خاندان کے کسی شخص کو قتل کر دیا تھا اور جلال خان کے دل میں اس کی آگ بھڑک رہی تھی۔ یورپ سے واپسی پر اس نے اپنی کارروائی شروع کر دی۔ میرا باپ سادہ فطرت کا انسان تھا۔ جلال خان نے پہلے تو کوشش کر کے ہماری زمینداری ختم کی اور میرے باپ کی سادگی سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ ہم دربدر پھرنے لگے۔ لیکن میرا سادہ لوح باپ جلال خان کے دل کا راز نہیں پاسکا۔ پھر جب ہم زندگی کی الجھنوں میں پھنس کر رہ گئے تو جلال خان نے میرے باپ کو قتل کر دیا۔ میں اس وقت ملک سے باہر تھا۔ طویل عرصہ کے بعد مجھے اس کی اطلاع ملی"۔

"اوہ!" میں نے زبیر خان کے خاموش ہونے پر گردن ہلائی۔ "کرنل جہانگیر سے تمہارے تعلقات کب سے ہوئے"۔

"اس وقت میں یہیں تھا۔ پریشانی کے دور میں میرے باپ کو کرنل کے ہاں نوکری کرنا پڑی لیکن کرنل عظیم انسان ہے۔ جب انہیں ہماری حیثیت معلوم ہوئی تو انہوں نے ہمیں ہمارے شایان شان مقام دیا اور اتنے احترام سے نوازا کہ ہمارا رواں رواں ان کا شکر گزار ہے۔ انہوں نے مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھجوایا تھا!"

"تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ جلال خان نے تراب خان کو قتل کرایا؟"

"میری ماں نے مجھے بتایا تھا!"

"اوہ' تمہاری ماں کہاں ہے زبیر خان؟"

"ان کا بھی انتقال ہوگیا!" زبیر خان نے جواب دیا اور میں ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد زبیر خان نے پھر کہا۔ "کرنل جہانگیر کی الجھن رفع کرنا میری ذمہ داری ہے۔ میں زندگی کی قیمت پر بھی ان کی الجھنوں کا حل تلاش کروں گا۔ لیکن جب سے یہ بات میرے علم میں آئی ہے کہ خان جلال بھی اس میں ملوث ہے' میں......... میں اپنی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ ہم لوگ......... ہم لوگ دنیا کے کسی خطے

تک پہنچ جائیں' ہماری رگوں میں رواں خون ہمارا ہی رہتا ہے۔ یقین کرو میرے دوست! یورپ میں لڑکیاں کتیوں کی طرح میرے پیچھے لگی رہتی تھیں' ان میں سے چند مجھے پسند بھی تھیں' لیکن میں نے کبھی اپنا خون تقسیم نہیں کیا۔ کیونکہ اس خون میں چند خوبیاں ہیں۔ یہ خون میری رگوں میں میرے خاندان کی امانت ہے۔ ہم اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتے اور دوست سے دغا نہیں کرتے۔ کرنل جہانگیر ہمارا محسن ہے اور خان جلال ہمارا دشمن......... میں نے تمہیں شبہہ کی نگاہ سے صرف اس لئے دیکھا کہ کرنل کو تمہاری ذات سے نقصان نہ پہنچے اور تم نے بھی مجھے شبہے کی نگاہ سے دیکھا۔ بس میری غلط فہمی دور ہوگئی۔ چاہو تو میری دوستی قبول کرلو!"

"ٹھیک ہے' زبیر خان' میں تمہارا دوست ہوں اور آج سے ہمارے راستے یکجا ہوگئے ہیں۔ جلال خان اس کیس میں ملوث ہو یا نہ ہو' وہ ہم دونوں کا دشمن ہے"۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور زبیر خان نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"وہ یہاں کا بہت بااثر انسان ہے۔ بے تاج شہنشاہ بن گیا ہے لیکن ہم اس سے اس کا تخت چھین لیں گے!"

"کرنل کا معاملہ نمٹانے کے بعد!" میں نے کہا۔

"بالکل!" زبیر خان نے جواب دیا۔ اس دوران ناشتہ جاری تھا۔ میں تو تھوڑی ہی دیر میں فارغ ہوگیا تھا لیکن زبیر خان نے برتنوں کی صفائی ضروری سمجھی تھی۔ چنانچہ وہ مصروف رہا اور سب کچھ ختم کر کے ہی دم لیا۔

"ہاں اب بتاؤ۔ پروگرام کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کرنل جہانگیر نے تمہیں رات کا واقعہ بتایا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہما والا؟"

"ہاں"۔

"میں بے بی کے لئے سخت پریشان ہوں۔ اگر اس کی عزت پر کوئی داغ آیا تو میرے لئے خودکشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ لیکن........."

"وہ لوگ کرنل کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر اقدام کرسکتے ہیں۔ ہمیں ہر بات پر نگاہ رکھنا ہوگی"۔

"تم اسے کہیں بھجوانے کی مخالفت کیوں کر رہے ہوں"۔

"کرنل نے تمہیں اس کی وجہ بھی بتا دی ہوگی۔ کیا وہ نئے سرے سے کوئی اقدام نہیں کریں گے؟ ابھی تو ہمیں معلوم ہے کہ ان کی کارروائی کا ذریعہ کیا ہے لیکن اس کے بعد ہمیں نئے سرے سے مصروف ہونا پڑیگا"۔

"ہاں تمہارا یہ خیال درست ہے لیکن ایک بات اور سوچ لو۔ وہ یہ کہ کیا ان حالات میں ہمارا یہ عمارت چھوڑنا مناسب ہوگا؟"

"عمارت میں محدود رہ کر تو ہم کوئی کارروائی نہیں کرسکتے"۔

"لیکن خان جلال تو صرف ایک مفروضہ ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ پس پشت وہی ہو۔ اس کے علاوہ کرنل جہانگیر کی مدد کئے بغیر اگر ہم خان جلال کے چکر میں الجھ گئے تو پھر کرنل تنہا رہ جائے گا اور وہ لوگ"۔

"ہوں' یہ خیال بھی درست ہے لیکن اس کے باوجود خان جلال کا جائزہ لینا ضروری ہے"۔

"میرا خیال ہے ہم کرنل سے بھی گفتگو کرلیں"۔

"مناسب بات ہے' آؤ"۔ میں نے کہا اور ہم دونوں اٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد ہم کرنل کے سامنے بیٹھے تھے۔ کرنل نے ہماری بات سنی تھی اور غور کر رہا تھا پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ "تم دونوں کو اس بات کا یقین ہے کہ بظاہر ہما کے علاوہ ان کا اور کوئی کارکن اس عمارت میں موجود نہیں ہے؟"

"ہاں کرنل آپ نے لفظ بظاہر مناسب استعمال کیا ہے۔ بظاہر واقعی یہاں اور کوئی محسوس نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ اگر انہوں نے ہما کو ٹرانس میں لے لیا ہے تو اس کے بعد انہوں نے یہاں کسی اور کی موجودگی ضروری نہیں سمجھی ہوگی۔ یوں بھی وہ لوگ محتاط تو ہوں گے ہی اور اپنے کسی آدمی کو یہاں نہیں چھوڑیں گے تاکہ ان کا راز نہ کھل سکے"۔

"تب ٹھیک ہے"۔ کرنل گہری سانس لے کر بولا۔ "میں تمہاری غیرموجودگی میں حالات سے نمٹنے کی کوشش کروں گا اور اس کا بہتر ذریعہ یہی ہے کہ اگر دوبارہ مجھ سے اس فائل کا مطالبہ کیا جائے تو میں ان سے ایسی گفتگو کروں جیسے میں نے شکست تسلیم کرلی ہو۔ لیکن مجھے ایک بات اور بتاؤ"۔

"ضرور پوچھئے کرنل؟"

"خان جلال کی سیرگاہ میں جا کر تم لوگ کرو گے کیا؟"

"بس اس شبہے کا جائزہ لیں گے کہ کیا اس کیس میں خان جلال کا براہ راست کوئی ہاتھ ہے یا نہیں"۔

"کس طرح؟" کرنل نے سوال کیا۔

"یہ بات تو وہاں جانے کے بعد ہی مناسب طور پر معلوم ہو سکے گی۔ فی الوقت ہمارے سامنے کوئی خاص طریقہ کار نہیں ہے۔ ہم خان جلال سے چھیڑچھاڑ کریں گے اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات میں سے اپنے لئے راستہ نکالیں گے"۔

"ٹھیک ہے"۔ کرنل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ کوئی ایسا راستہ تو ہے نہیں جس پر ہم آگے بڑھیں اگر خان جلال پر شبہ ہے تو سب سے پہلے اسے اس شبہے کو ٹٹولیں گے اور میرا خیال ہے یہی طریقہ کار مناسب بھی ہے۔ تم لوگ بے فکر ہو کر جاؤ اور اپنا کام انجام دو۔ میں یہاں حالات پر قابو پانے کی کوشش کروں گا اور اس کے لئے مجھے کسی قدر بہتر طبیعت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا"۔

کرنل جہانگیر کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔ کرنل کو اسی وقت خدا حافظ کہہ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہم آخری تیاریوں کے لئے۔ زبیر خان کی خواب گاہ ہی میں آگئے۔ زبیر خان گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب میں تمہیں نعمان کے نام سے مخاطب نہیں کروں گا۔ میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو ابتداء سے تمہاری حقیقت جانتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ میرا نام شہاب ہے"۔

"تو ڈیئر شہاب یہ بتاؤ ہم وہاں کس حیثیت سے داخل ہوں گے؟"

"ظاہر ہے کرنل جہانگیر کے آدمیوں کی حیثیت سے نہیں"۔

"یقیناً' لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارا کچھ پس منظر بھی ضرور ہونا چاہئے"۔

"الفراز کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسا ہوٹل موجود ہے جو معیاری ہو"۔ میں نے سوال کیا۔

"ہاں کئی ہیں۔ مثلاً کیلی فورنیا' جدید ترین ہوٹلوں میں سے ہے"۔

"سیروشکار کے لئے گھوڑوں کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ بہرحال یہ میرا علاقہ ہے۔ یہاں میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔

لیکن.........."

"دو لاابالی قسم کے سیاح جو حسن پور آکر ٹھہرے اور اس کے قرب و جوار کی سیر کی۔ کیا خیال ہے؟" میں نے زبیر خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ پھر اچانک مسکرا پڑا۔ "عمدہ ترکیب ہے اور یہ سیاح کسی پہاڑی علاقے کے باشندے ہی ہوں گے"۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہاں اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

"آسانی بھی ہے۔ میں شام تک لباس اور دوسری چیزوں کا بندوبست کرلوں گا۔ آج کا دن اور ضائع کرکے سیرگاہ کا رخ کریں گے۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟"

"نہیں کیا حرج ہے؟" میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد زبیر خان چلا گیا۔

شام کو تقریباً پانچ بجے ہم لوگ مخصوص لباس پہن کر کوٹھی کے عقبی دروازے سے باہر نکل آئے۔ یہ لباس زبیر خان نے مہیا کئے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں چمڑے کے سوٹ کیس تھے، جسم پر لمبی پوستین اور بڑے بالوں والی ٹوپیاں، جو موسم کے لحاظ سے مناسب تھیں۔ یہ لباس یوں بھی خاص سردی والے علاقوں میں پہنا جاتا ہے بہرحال ہمیں خاصی دور تک پیدل چلنا پڑا۔ تب کہیں جاکر ٹیکسی ملی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ہم ہوٹل چل پڑے۔

ہوٹل کیلی فورنیا بلاشبہ بہترین ہوٹلوں میں سے تھا، یقینی طور پر یہ الفراز سے زیادہ خوبصورت تھا۔ بہرصورت مجھے یہاں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اس لئے میں الفراز میں ہی ٹھہرا تھا۔ ہوٹل کیلی فورنیا میں داخل ہو کر مجھے احساس ہوا کہ یہ ہوٹل یہاں کے بہترین ہوٹلوں میں سے ہوگا۔ ہوٹل میں بے شمار غیر ملکی تھے اور یقیناً یہ تیل کالونی کی وجہ سے تھے۔ ہمیں بھی ایک خوبصورت کمرہ مل گیا۔ دوسری منزل پر تھا اور عقبی منظر خاصا حسین تھا۔ کمرے میں ٹھہرنا تو صرف ایک ضرورت کے تحت تھا چنانچہ موسم کی طرف کون توجہ دیتا، یہ رات ہم نے ہوٹل ہی میں گزاری۔ دوسری صبح زبیر خان گھوڑوں کا انتظام کرنے چلا گیا۔ دوسری تمام چیزیں مہیا کرلی گئی تھیں جن میں عمدہ ساخت کے دو پستول بھی تھے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے زبیر خان واپس آیا اور مسکراتا ہوا بولا۔

"سارے انتظامات مکمل ہوگئے ہیں دوست! اور میرا خیال ہے دوپہر کے کھانے کے بعد ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے"۔

"کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں کیا خیال ہے زبیر خان؟" میں نے سوال

کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سیرگاہ کے باغات پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور کبھی کبھی انسان کو پھلوں پر بھی گزارا کرنا چاہئے اور پھر ہم تو خان جلال کے مہمان ہوں گے"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

آخرکار سیرگاہ کا سفر شروع ہوگیا۔ گھوڑے بے حد شاندار تھے۔ زبیر خان نے تشویش کی نگاہ سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "اوہ شہاب، تمہیں گھوڑے کی سواری آتی ہے؟" میں یہ پوچھنا تو بسوں ہی گیا تھا۔ اور میں نے جواب میں مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی پھر وہ جگہ آگئی جہاں بورڈ لگا ہوا تھا۔ کافی بڑا بورڈ تھا اور مضبوط بلیوں پر نصب تھا لیکن اس جگہ زبیر خان نے گھوڑا روکا، نیچے اترا اور بے مثال قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے دونوں بلیاں اکھاڑ کر پھینک دیں اور بورڈ کی چادر کو درمیان سے پھاڑ دیا۔ یہ گویا خان جلال کی پہلی توہین تھی۔ میں دلچسپ نگاہوں سے زبیر خان کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ پھر ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی تھوڑی دیر تک تو درختوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ہم درختوں کی دوسری سمت نکل آئے۔ تاحد نگاہ سرسبز گھاس کے میدان نظر آرہے تھے۔ بہت طویل علاقہ تھا۔ ہم میدان میں سفر کرتے رہے۔ درختوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو زبیر خان نے کہا۔ "اب خان جلال کا خاص علاقہ شروع ہوگیا ہے"۔

"تمہیں کیسے معلوم، کیا اس طرف آئے ہو؟"

"بچپن میں یہ علاقہ ہمارا تھا۔ خان جلال نے اس میں تبدیلیاں ضرور کرالی ہیں لیکن اپنی زمین کو کون بھول سکتا ہے"۔

"ہوں.........." میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔ پھر میں نے کہا۔ "ایک نصیحت کروں زبیر خان"۔

"ضرور"۔ زبیر خان نے بے اختیار مسکرا کر کہا۔

"لومڑی کو مکاری سے مارنا چاہئے زبیر خان! مجھے یاد ہے تم نے فون پر مجھ سے اپنا تعارف کرایا تھا اور جلال خان کو دھمکی دی تھی"۔

"ہاں مجھے یاد ہے"۔

"لیکن اب تمہیں بھولنا ہوگا کہ تم زبیر خان ہو"۔

"سمجھتا ہوں دوست، جس نسل کے ساتھ میں نے زندگی کے بہت سے سال

گزارے ہیں اس نے مجھے مکاری بھی سکھائی ہے"۔ زبیر خان نے ہنستے ہوئے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ابھی تک ہمیں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ خان جلال اور اس کے آدمیوں کو وہم و گمان بھی نہیں ہوگا کہ کوئی اس علاقے میں آنے کی جرات کر سکتا ہے۔ ہم نے کافی طویل سفر کرلیا تھا۔ درختوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہونے سے پہلے ہم لوگ رک گئے اور زبیر خان نے تجویز پیش کی کہ یہاں تھوڑی دیر تک آرام کرلیا جائے۔ ممکن ہے اس کے بعد کسی جدوجہد کا آغاز ہو جائے۔ چنانچہ اس کے ایماء پر میں گھوڑے سے اتر گیا۔ گھوڑوں کو ہم نے گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود آرام کرنے لگے۔

"سوال یہ ہے زبیر خان کہ اگر خان جلال کے آدمی ہم تک پہنچ جاتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کریں؟"

"تم بتاؤ میرے دوست!" زبیر خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے تھوڑا سا اندر جانے کے لئے ہمیں ذرا سی مفاہمت سے کام لینا ہوگا"۔

"ٹھیک ہے تمہارے اقدامات پر عمل کروں گا"۔ زبیر خان نے جواب دیا اور میں کسی قدر مطمئن ہوگیا۔ میرا خیال تھا یہ سرکش گھوڑا مشکل ہی سے رام ہوگا اور بعض معاملات میں اسے قابو میں کرنا مشکل ہو جائے گا۔ یوں بھی بظاہر تو اس نے وعدہ کرلیا تھا لیکن اب دیکھنا یہ تھا کہ دشمن کے سامنے آنے کے بعد زبیر خان جیسے خونخوار انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ بہرصورت تقریباً دو گھنٹے تک ہم نے آرام کیا۔ گھوڑے بھی گھاس کھا کر شکم سیر ہوگئے تھے اور اب ایک جگہ سر میں سر دیئے خاموش کھڑے تھے۔

تب زبیر خان نے کہا۔ "ہمیں تھوڑا بہت سفر اور کرلینا چاہئے۔ رات جنگلوں میں ہی ہوگی"۔

"جلال خان کی قیام گاہ کے بارے میں جو سنا تھا وہ کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ تو میں نے بھی نہیں دیکھی۔ بہرصورت ممکن ہے انہی جنگلوں میں کسی جگہ ہو یا اس کے بعد جو علاقہ شروع ہوتا ہے وہاں ہو"۔

"یہ علاقہ ہے کتنا طویل؟" میں نے سوال کیا۔

"انتہائی طویل۔ دور تک چلا گیا ہے۔ اتنا کہ تم دو دن تک مسلسل سفر کرتے رہو تب بھی ختم نہ ہو"۔

"لیکن اس طرف کا علاقہ تو بڑا دشوار گزار ہے۔ کیا خان جلال نے کثیر سرمایہ خرچ کرکے اسے بھی درست کرایا ہے؟ ورنہ اس جگہ تو عمارت بنانے کی کوئی تک نہیں تھی"۔ میں نے سوال کیا۔

"بہرصورت دیکھیں گے"۔ زبیر خان نے لاپرواہی سے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ پھر ہم دوبارہ گھوڑوں پر سوار ہوگئے اور گھوڑوں کو ہم نے جنگل میں ڈال دیا لیکن ابھی ہمیں آگے بڑھتے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ پیچھے سے ہمیں آہٹیں سنائی دیں اور زبیر خان چوکنا ہوگیا۔

چند ساعت کے بعد ہم نے ان گھوڑے سواروں کو دیکھ لیا جو عربی النسل گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے جسموں پر باقاعدہ فوجیوں کی سی وردی تھی۔ زبیر خان نے گھوڑے کی رفتار سست کی اور ہم دونوں رک گئے۔ چاروں سوار قریب آگئے تھے۔ انہوں نے رائفلیں اپنے ہاتھوں میں لے لی تھیں۔ جدید ساخت کی بہترین رائفلیں تھیں۔ انہوں نے چاروں طرف سے گھیر کر ہم پر رائفلیں تان لیں اور خونخوار نگاہوں سے ہمیں گھورنے لگے۔ تب ان میں سے ایک نے رائفل کی نال نیچے کی اور آگے بڑھ آیا۔

"کون لوگ ہو تم؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا اور زبیر خان عجیب سی نگاہوں سے اس کی صورت دیکھنے لگا"۔ تم کون ہو دوستو؟" اس نے سوال کیا۔

"تمہیں یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ اس شخص نے بدستور اسی انداز میں کہا جس میں جارحیت تھی۔

"تمہیں یہ حق کس نے دیا؟"

"خان جلال نے' یہ اس کا علاقہ ہے"۔

"اوہ۔ وہ ٹین کے تختے پر اسی بے وقوف کا نام لکھا ہوا تھا۔ مگر زمین خدا کی ہے۔ اس پر کسی احمق کا حکم"۔ زبیر خان نے اتنا ہی کہا تھا کہ مجھے جنبش کرنی پڑی۔ میرے پستول کی گولی نے اس شخص کا بھیجا اڑا دیا جس نے زبیر خان پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید خان جلال کے خلاف یہ توہین آمیز الفاظ اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے مجھے دو فائر اور کرنے پڑے تھے۔ باقی دو رائفل برداروں کی دلخراش چیخیں بھی جنگل میں گونج اٹھی تھیں۔ لیکن میں نے صرف ان کی کلائیاں زخمی کی تھیں۔ ان کے گھوڑے ٹھہر گئے اور وہ دونوں کراہتے ہوئے نیچے آرہے۔

"نہیں چل سکتا سمجھے تم"۔ زبیر خان نے لاپرواہی سے ایک نگاہ ان تینوں پر ڈالی جن میں سے ایک تو دم توڑ رہا تھا اور دو اپنی کلائیاں پکڑے کراہ رہے تھے۔ بچ جانے والے آدمی کا رنگ اڑ گیا۔ چہرے کی ساری کرختگی دور ہوگئی۔ اب تو جھکی ہوئی رائفل سیدھی کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ لجاجت سے بولا۔

"ہم تو......... ہم تو حکم کے بندے ہیں خان!"

"تمہارا خدا خان جلال ہے؟ کیوں؟"

"نہیں خان! لیکن لیکن"۔ اس شخص کا انداز اب گڑگڑانے والا ہوگیا تھا۔

"نیچے اترو۔ نیچے اترو۔ اور اسے پھینک دو۔ یہ بیکار چیز تم جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں اچھی نہیں لگتی۔ پھینک دو"۔ زبیر خان گرجا اور اس شخص نے جلدی سے رائفل پھینک دی۔ "اب نیچے اتر جاؤ"۔ زبیر خان کی مسکراہٹ بھی بہت بھیانک تھی۔ اور رائفل بردار جلدی سے گھوڑے سے نیچے کود گیا۔ زبیر خان بھی اطمینان سے اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا تھا۔ پھر اس نے اپنا پستول نکال کر میری جانب اچھال دیا اور میں نے اسے دوسرے ہاتھ میں لپک لیا۔

زبیر خان کا مقصد شاید یہی تھا کہ میں پستول کا استعمال نہ کروں۔ وہ کچھ اور کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر وہ دونوں رائفلیں اٹھالیں جو زخمی ہونے والوں کی تھیں اور پھر بلاشبہ زبیر خان کی طاقت کا میں نے دوسرا کارنامہ دیکھا۔ اس نے رائفلوں کی نالیں گھٹنوں پر رکھیں اور انہیں موڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ پھر وہ اس شخص کی جانب متوجہ ہوا جو چند ساعت قبل شیر بنا ہوا تھا۔ "ہاں دوست تو میں اس بے وقوف کی بات کر رہا تھا جو خدا کی زمین پر اپنا حکم چلاتا ہے۔ بتاؤ کیا زمین پر سفر کرنا انسان کا حق نہیں ہے؟"

"ہے خان!" وہ شخص جلدی سے بولا۔

"تو پھر تم مجھ سے یہ سوال کرنے کیوں آئے تھے کہ میں کون ہوں؟" زبیر خان اس شخص کے سر پر پہنچ کر بولا۔ اس شخص کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا تھا۔ وہ زبیر خان کو خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور زبیر خان کسی دیو کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ "جواب دو"۔ زبیر خان دہاڑا۔

"خان ۔ خان ۔ میں تو بتا چکا ہوں ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ خان جلال کو شاید تم نہیں جانتے وہ اس علاقے کا بے تاج شہنشاہ ہے"۔

"بے تاج شہنشاہ!" زبیر خان قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "جس شخص کے سر پر تاج ہی نہ ہو وہ شخص اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوانے کا کیا حق رکھتا ہے۔ جواب دو کیا تمہارا جلال خان گدھا نہیں ہے؟" زبیر خان نے اس شخص کے بال پکڑ کر اسے کھڑا کردیا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ "بولو تمہارا جلال خان گدھا ہے کہ نہیں؟" زبیر خان نے اس کا سر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ہے خان ہے۔ بالکل گدھا ہے"۔ وہ جلدی سے بولا۔ اور زبیر خان پھر ہنس پڑا۔

دیکھا شیر خان۔ یہ آجکل کے نمک خوار ہیں اپنے مالک کو صفائی سے گدھا کہہ رہا ہے"۔ زبیر خان نے ایک تھپڑ اس شخص کے رسید کردیا اور وہ چت جاگرا۔ "بول خدائی خوار تو نے کس لیے ہمیں روکا تھا"۔

"تم مجھے مار ڈالو خان۔ اگر تم نے مجھے زندہ چھوڑدیا تو خان جلال زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہماری ڈیوٹی ہے کہ یہاں کسی کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔ خان جلال کا حکم ہے کہ کوئی یہاں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے بے دریغ گولی ماردی جائے۔ ہم لوگ علاقے سے تھوڑی دور باہر نکل گئے تھے اس لیے تم لوگوں کو نہیں دیکھا۔ پھر ہم نے بورڈ ٹوٹا ہوا دیکھا تو ہم تمہاری تلاش میں ادھر آگئے"۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" زبیر خان نے نرم لہجے میں کہا اور پھر دانت پیس کر ان لوگوں کی طرف دیکھا جن کی کلائی کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور جو درد سے بری طرح کراہ رہے تھے۔

"احمد خان"۔ اس نے جواب دیا۔

"شیر خان! ایک ایک گولی ان کی کھوپڑیوں میں بھی اتار دو۔ کتوں کی طرح چیخ رہے ہیں زنخے کہیں کے۔ لیکن چیخنے والے اب حواس کھوتے جارہے تھے۔ چند ساعت کے بعد ان کی آوازیں خودبخود بند ہوگئیں اور وہ لمبے ہوگئے۔ "اب ٹھیک ہے"۔ زبیر خان پھر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی کسی بھیڑیے کا قہقہہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ "ہاں تو جیالے ذرا جلال خان کے بارے میں کچھ اور بتاؤ"۔

"کیا بتاؤں خان؟" احمد خان کی حالت بھی بگڑتی جارہی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ یہاں تمہارے علاوہ ڈیوٹی پر اور کتنے ہیں؟"

"علاقے کی نگرانی تو صرف ہم چاروں ہی کرتے ہیں۔ آگے خان جلال کی رہائش

گاہ ہے۔ وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں"۔

"تمہارے بدن پر وردی تو فوجی ہے؟"

"خان جلال کے سارے آدمیوں کی یہی وردی ہے"۔

"پوری فوج بنا رکھی ہے خنزیر نے۔ حکومت کر رہا ہے پہاڑوں پر اور پہاڑ کسی کی حکومت قبول نہیں کرتے۔ احمد خان کب جاؤ گے اپنے آقا کے پاس؟"

"خان۔ خان' میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ میری جان بخشی کر دو۔ میں کہیں اور بھاگ جاؤں گا"۔

"ارے نہیں نہیں۔ میں تمہیں نہیں ماروں گا۔ میں تو تم میں سے کسی کو نہ مارتا پر تم نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ زمین خدا کی ہے یہاں کسی اور کی حکومت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ چلیں شیر خان؟" زبیر خان نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"چلو"۔ میں نے جواب دیا اور زبیر خان اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ہم سیرگاہ کے اگلے حصے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم نے احمد خان کو پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ گھوڑے آگے بڑھ گئے۔ تب میں نے زبیر خان کو مخاطب کیا۔ "ایک بات پوچھنا بھول گئے زبیر خان"۔

"کیا؟" خان جلال سیرگاہ میں موجود ہے یا نہیں"۔

"ہاں۔ واقعی کیا خیال ہے واپس چلیں؟"

"نہیں' اب اتنی محنت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر وہ موجود نہیں ہے تو ہماری یہاں موجودگی کی خبر سن کر پہنچ جائے گا اور اسے ہماری موجودگی کی اطلاع تو بہت جلد مل ہی جائے گی"۔

"ہاں اطلاع تو یقیناً مل جائے گی"۔ زبیر خان ایک دم مسکرا پڑا۔ گھوڑے گھنے درختوں میں آگے بڑھ رہے تھے اور پھر سورج چھپ گیا۔ درختوں کے نیچے رات اتر آئی لیکن ہم نے سفر جاری رکھا اور اس وقت رکے جب دور سے ہمیں روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ روشنیاں کسی عمارت سے چھن رہی تھیں۔

"بجلی موجود ہے یہاں؟" میں نے بڑبڑانے کے سے انداز میں کہا۔

"اوہ۔ اس خنزیر نے جنریٹر وغیرہ لگائے ہوں گے۔ کیا مشکل ہے اس کے لیے تم اس کی پوزیشن دیکھ ہی چکے ہو"۔

"ہاں یہ درست ہے اور ظاہر ہے حکومت اس کی اس حیثیت سے واقف ہو گی"۔ میں نے کہا۔

"حکومت کے بارے میں جہاں تک میں نے معلومات حاصل کی ہیں"۔ زبیر خان نے کہا "جتنے سربرآوردہ لوگ ہیں وہ سب خان جلال کے وفادار ہیں۔ اول تو دارالحکومت تک بات ہی نہیں پہنچتی ہو گی اور اگر پہنچتی ہو گی تو وفاشعار اور تنخواہ دار لوگ یہ کہہ دیتے ہوں گے کہ خان جلال تو بے حد نیک فطرت اور اچھا انسان ہے۔ دولت کی حکمرانی تو پوری دنیا پر مسلط ہے۔ میرے دوست' خان جلال ہی کیا جگہ جگہ ایسے دولت مند بکھرے نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنی حکومتیں الگ بنا رکھی ہیں اور ان حکومتوں میں وہ آزاد حکمران ہیں"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے"۔ میری آواز میں کسی قدر غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ زبیر خان چونک کر مجھے دیکھنے لگا اور پھر جیسے وہ آہستہ سے چونک پڑا۔ ایک بات بتاؤ شہاب' میں نے خود تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے اور ہم لوگوں نے دوستی کے ہاتھ ملائے ہیں تو اس کے بعد مجھے بھی تو حق پہنچتا ہے کہ تمہارے بارے میں کچھ پوچھوں"۔

"ہاں ضرور پوچھو"۔ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"خود تمہارا اپنا جغرافیہ کیا ہے؟"

"نہایت معمولی اور مختصر' ڈاکٹر برہان ہمارا چیف ہے اور ہم لوگ مناسب معاوضہ لے کر ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔ البتہ کچھ اقدار ہماری بھی ہیں۔ مثلاً" کہ ہم صرف ان لوگوں کی مدد نہیں کرتے جو دولت سے ہماری جیبیں بھر دیں بلکہ کسی کے لیے کام شروع کرنے سے پہلے ہم یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ کام کسی ایسے مظلوم کے خلاف جارحیت تو نہیں ہے جو ہم سے کام لینے والے کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ ہم ایسے کام نہیں کرتے جو کسی کے خلاف جارحیت ہو۔ ہاں کسی الجھے ہوئے انسان کو الجھنوں سے نکالنا اور معاوضہ لے کر اس سے تعاون کرنا ہماری ڈیوٹی میں شامل ہے۔ بڑی الجھنیں بڑے لوگوں ہی کو پیش آتی ہیں غریب لوگوں کی الجھن تو صرف ایک ہوتی ہے اور سخت مشقت کے بعد وہ اس الجھن کو معدے میں رخصت کر کے سکون کی نیند سو جاتے ہیں۔ البتہ نیند جیسی حسین شے بڑے لوگوں کی تابع نہیں ہے۔ چنانچہ وہ سونے کے لیے

ہماری خدمات حاصل کرتے ہیں۔ ہر ملک کا قانون اس کے شہریوں کا ایمان ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر برہان کے اصولوں کے مطابق جو شہری قانون کو اپنا گھوڑا سمجھتا ہو ہم اس کے سامنے اپنا قانون پیش کردیتے ہیں۔ بس ان چند چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈاکٹر برہان کی ٹیم کا انحصار ہے"۔

"بڑے دلچسپ لوگ ہو تم۔ اگر زندگی رہی تو کبھی تمہاری پوری ٹیم سے ملاقات کروں گا۔ اور خاص طور سے ڈاکٹر برہان سے"۔

"ضرور"۔

"لیکن ڈاکٹر برہان سے پہلے بھی تو تم کچھ ہوگے"۔ زبیرخان نے پوچھا۔ لیکن دوسرے لمحے ہم چونک پڑے اچانک عمارت لاتعداد روشنیوں سے جگمگا اٹھی۔ یہ سرچ لائٹیں تھیں جو عمارت کے مختلف حصوں میں نصب تھیں۔ انتہائی طاقتور روشنیوں کی لکیریں درختوں کو منور کرنے لگیں اور زبیرخان ہنس پڑا۔ "مہمانوں کی آمد کی اطلاع مل گئی"۔

"ہاں رات ہنگاموں میں گزرے گی"۔

"سونا چاہتے تھے؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"اوہ نہیں ۔ سونے کے لیے کرنل جہانگیر کی خوبصورت رہائش گاہ زیادہ موزوں تھی یہ سیرگاہ نہیں"۔

"خوبصورت ہو"۔ زبیرخان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے ایسے لوگوں سے عشق ہے جو ذہین بھی ہوں امیر بھی اور عمدہ کارکردگی کے مالک بھی۔ اس گدھے نے شاید مجھ پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی جس کو تم نے گولی ماردی؟؟"

میں نے گھوڑا روک لیا اور سامنے کی جانب اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "دیکھو خان جلال کی فوج حرکت میں آگئی ہے۔ عمارت کی جانب سے ہم نے چند گھڑسواروں کو دیکھا تھا جو تاریکی سے روشنی میں آگئے تھے۔ ان کا رخ اسی طرف تھا جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ یقینی طور پر وہ ہم لوگوں کی آمد سے مطلع تھے۔ میں نے کہا اور زبیرخان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"خوب ۔ کیا پروگرام ہے؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"ظاہر ہے ان لوگوں کے قتل عام سے کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فی الوقت

ہم ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کریں"۔ میں نے کہا اور زبیرخان کو اشارہ کرکے ایک جانب کھسک گیا۔ ہم لوگ سرچ لائٹوں کی رینج سے بچنے کی کوشش کررہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم کافی پیچھے واپس لوٹ آئے۔ تب میں نے بائیں سمت اختیار کی۔ یہاں روشنیوں کے دائرے ہم تک ، نہیں پہنچ رہے تھے۔ دائیں سمت سے گھوم کر ہم دوبارہ اسی عمارت کی جانب بڑھنے لگے۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ جلال خان کے آدمی سامنے ہی کے رخ پر سفر کررہے ہیں۔ چنانچہ بائیں سمت آہستہ آہستہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہم کافی آگے بڑھ گئے۔ وہاں سے ہم نے عمارت کی طرف کا رخ اختیار کیا۔ سرچ لائٹیں چاروں طرف نہیں لگی ہوئی تھیں' بلکہ ان کا زیادہ تر رخ سامنے کی سمت تھا۔ چنانچہ اس بار ہم جس سمت سے عمارت کی جانب پہنچے وہاں روشنی نہیں تھی۔ تب ہم دونوں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور ان کی پشت پر آہستہ سے ہاتھ مار کر انہیں آگے بھگا دیا۔ زبیرخان نے ایک لمحے کے لیے، کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر وہ خاموش ہوگیا اور میرے ساتھ چلنے لگا۔ عمارت کے نزدیک پہنچ کر اس نے کہا۔ "ہاں اب کیا ارادہ ہے؟"

"میرا خیال ہے اس وقت ہمارے لیے . بہترین پناہ گاہ یہی عمارت ہے"۔ میں نے جواب دیا اور زبیرخان رک کر ایک لمحے کے لیے میری صورت دیکھنے لگا۔ تاریکی کی وجہ سے میں اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ تو نہ لگا سکا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ بڑی پرجوش گرفت تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "آؤ" اور ہم دونوں عمارت کی طرف بڑھ گئے۔

دفعتہً ہمیں فائرنگ کی آواز سنائی دی اور زبیر آہستہ سے ہنس پڑا۔ "وہ دشمن پر اہتمام سے گولیاں برسا رہے ہیں"۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور آخرکار ہم عمارت کی چاردیواری کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس طرف کوئی دروازہ نہیں تھا بلکہ لمبی دیوار دور تک چلی گئی تھی۔ میں نے اس کی بلندی کا جائزہ لیا۔ تقریباً نو فٹ اونچی دیوار تھی۔ زبیرخان کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "عمارت میں داخلے کا کوئی دوسرا دروازہ بھی ضرور ہونا چاہیے"۔

"تم میرے شانوں پر چڑھ کر دیوار پر پہنچو زبیرخان"۔

"اوہ۔ میرا وزن دو سو ستر پونڈ ہے"۔ زبیرخان ہنس پڑا۔

"ایک پونڈ کم ہے۔ میں دو سو اکہتر پونڈ وزن اٹھانے کا ریکارڈ رکھتا ہوں۔ آجاؤ"
میں بیٹھ گیا اور زبیرخان جوتے اتارنے لگا۔ "ان تکلفات میں نہ پڑو۔ جلدی کرو"۔ میں
نے کہا اور وہ ہنستا ہوا میرے کندھوں پر کھڑا ہوگیا۔ میں اطمینان سے کھڑا ہوچکا تھا اور
زبیرخان اطمینان سے دیوار پر چڑھ گیا۔ جونہی اس کا وزن میرے شانوں سے ہٹا میں نے
پنجے جوڑے اور دوسرے لمحے اچھل کر دیوار پر پہنچ گیا۔ زبیرخان ابھی اپنا وزن سنبھال ہی
رہا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ وہ اوپر پہنچ کر کسی طرح مجھے اوپر کھینچنے کی کوشش کرے گا۔
مجھے دیوار پر دیکھ کر اس کے حلق سے ہلکی سے آواز نکلی لیکن پھر وہ خاموش ہوگیا۔
دوسرے لمحے ہم دونوں نیچے پہنچ گئے۔ تھوڑے فاصلے پر عمارت موجود تھی۔ اس طرف
زیادہ روشنی نہیں تھی۔ عمارت کا یہ حصہ نیم تاریک تھا۔ ہم دونوں عمارت کے اس حصے
کی طرف بڑھ گئے۔ پھر اندر داخل ہونے میں ہمیں زیادہ دقت نہ ہوئی۔ زیادہ تر لوگ تو
ہماری تلاش میں سرگرداں تھے۔

روشن راہداریاں سنسان پڑی تھیں لیکن ان کا حسن اور رکھ رکھاؤ دیکھنے کے
قابل تھا۔ موٹے موٹے قالین تمام راہداریوں میں بچھے ہوئے تھے جن پر قدموں کی چاپ
کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔ دیواریں انتہائی حسین روشنیوں سے آراستہ تھیں۔ جگہ
جگہ آرائشی چیزیں نصب تھیں۔ ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک
بڑے سے ہال میں کھڑے تھے لیکن یہاں رکنا بے حد خطرناک تھا۔ چنانچہ ہم نے فوری
طور پر اس دروازے کا رخ کیا جو ہال کے ایک جانب نظر آرہا تھا۔ دروازے کے اس
جانب بھی ایک راہداری تھی لیکن اس راہداری کے دونوں سمت کمروں کے دروازے
بھی تھے۔ یقینی طور پر یہ عمارت کے نگرانوں کے کمرے تھے۔ چنانچہ ہم وہاں سے گزر
گئے۔ پھر یہ راہداری ایک سمت گھومی اور ایک بڑا محرابی دروازہ نظر آیا۔ ہم نے اس
دروازے کا رخ کیا تھا۔ دروازے کو دھکیلا تو وہ اندر سے کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ہوشیار ہو
کر اندر داخل ہوگئے۔ میں نے زبیرخان کا پستول اسے واپس کردیا تھا۔

دروازے کے دوسری جانب ایک ہال نما کمرہ تھا۔ حسین ترین خواب گاہ جو یقینی
طور پر خان جلال کی ہوگی۔ اس کی آرائش اور شان وشوکت سے اسی بات کا اظہار ہوتا
تھا۔ زبیرخان نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور کہنے لگا۔ "آج ہم اپنے دشمن کے مہمان
ہیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے خان جلال یہاں موجود نہ ہو"۔

"ہاں اگر وہ موجود ہوتا تو یہ بستر بے شکن نہ ہوتا اور اس کے علاوہ اس خوابگاہ کا
اندازہ بتاتا ہے کہ فی الوقت یہ خالی ہے"۔

"یقیناً لیکن میرا خیال ہے اب یہ خالی نہیں رہنی چاہیے۔ آخر ہم خان جلال کے
مہمان ہیں"۔ زبیرخان نے ہنس کر کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ خواب گاہ میں ہلکی روشنی
پھیلی ہوئی تھی۔ ہم نے پورے ماحول کا جائزہ لیا۔ ضرورت کے وقت چھپنے کا معقول
بندوبست تھا اور یہ بندوبست وہ بڑی بڑی الماریاں تھیں جن میں ایک کیا کئی آدمی باآسانی
سما سکتے تھے۔

زبیرخان پسندیدگی کی نگاہوں سے اس جگہ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے
کہا۔ "مجھے یقین ہے خان جلال کے آدمی علاقے کا کونہ کونہ چھان ماریں گے اور اس کام
میں انہیں کافی وقت لگے گا۔ زیادہ سے زیادہ انہیں ہمارے گھوڑے دستیاب ہوسکیں گے
اور وہ بے وقوف ہمیں درختوں پر تلاش کریں گے۔ اس لیے یہ رات سکون کی رات
ہے"۔

"سکون کی نہیں زبیرخان! یہ الماریاں ہمیں سونے نہ دیں گی۔" میں نے الماریوں
کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ زبیرخان چند ساعت میری صورت دیکھتا رہا۔ غالباً میری بات
سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ ہنس پڑا"۔ اوہ ٹھیک کہا تم نے۔ ہاں یہ سونے کی رات
نہیں ہے۔ ہم الماریوں کی تلاشی لیں گے۔ لیکن کیا دروازہ بند کردیا جائے؟"

"دروازہ کھلا ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔ ہم میں سے ایک آدمی دروازے پر
جما رہے تاکہ اگر کوئی اس طرف آئے تو اسے شبہ نہ ہو۔ ایک آدمی الماریوں کی تلاشی
لے۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو پھر یہ الماریاں ہماری پناہ گاہ بنیں"۔

"بہتر ہے لیکن کیا یہ الماریاں بھی اس دروازے کی مانند کھلی ہوں گی؟"

"کیا بند دروازے تمہاری راہ روکتے ہیں زبیرخان؟"

"ہاں بھئی۔ میں ڈاکٹر برہان جیسے کسی شخص کے زیر تربیت نہیں رہا اس لیے میں
دروازے پر جم جاتا ہوں"۔ زبیرخان نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر پستول لے کر دروازے پر
جم گیا۔ میں نے پہلی الماری سے ابتدا کی۔ الماریاں مقفل ضرور تھیں لیکن ان کے تالے
غیر اہم تھے۔ پہلی الماری زنانہ مردانہ ملبوسات سے بھری ہوئی تھی۔ میں اس کا جائزہ لیتا
رہا اور زبیرخان چوکنے انداز میں پہرہ دیتا رہا۔ پھر دوسری اور تیسری الماری بھی میں نے

دیکھ ڈالی اور چوتھی الماری کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دفعتہً زبیر خان کی آواز ابھری۔ "ہوشیار ۔ کوئی آرہا ہے!" اور دوسرے لمحے ہم غڑاپ سے الماریوں کے پیچھے پہنچ گئے۔ قدموں کی چاپ دروازے تک آگئی تھی۔

دروازہ کھلا اور قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ہم دونوں ساکت کھڑے رہے تھے۔ یہ اندازہ لگانا ضروری تھا کہ آنے والوں کی تعداد کتنی ہے۔ پھر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا اور ایک نسوانی آواز ابھری۔ "وہ لوگ یا تو دیوانے ہوں گے یا پھر اجنبی! ورنہ حسن پور میں کون ہے جو خان جلال کی حکم عدولی کی جرات کرسکے۔ وہ معمولی سی حکم عدولی کرنیوالوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے! بولنے والی انگریزی زبان میں بول رہی تھی لیکن لہجہ دیسی ہی تھا!

"اوہ لیکن میرا موڈ چوپٹ ہوگیا۔ بھلا ان حسین لمحات میں یہ ہنگامے کسے پسند آسکتے ہیں؟" یہ آواز مردانہ تھی اور لہجہ مقامی نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور زبیر خان کھسک کر میرے بالکل نزدیک آگیا۔ اس کا مطلب ہے صرف دو ہیں! اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ڈیڑھ! ۔ عورت کو میں نے کبھی ایک نہیں گنا! میں نے بھی سرگوشی ہی میں جواب دیا۔

"پھر اب؟" زبیر خان نے پوچھا۔

"مرد نے حسین لمحات کا ذکر کیا ہے۔ کیا ہم اتنے بے غیرت ہیں کہ ہماری موجودگی میں یہ حسین لمحات برقرار رہیں۔ ویسے زبیر خان! تم نے تو غیر ممالک میں زندگی گزاری ہے۔ تمہاری زندگی تو بے شمار حسین لمحات سے پر ہوگی!

"فضول باتیں مت کرو یار! میری زندگی تو ابتدا ہی سے ایک مشن رہی ہے۔ میں نے ہمیشہ اس پر ایک قرض ایک بوجھ محسوس کیا ہے اور اس بوجھ نے مجھے دوسری چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟"

"بس ایسے ہی!" میں نے جواب دیا۔ جو خیال میرے ذہن میں آیا تھا' میں نے اسے جھٹک دیا۔ زبیر خان کی موجودگی میں کوئی ہلکا پن مناسب نہیں تھا۔ وہ ایک سنجیدہ شخص تھا۔ ہم دونوں خاموش ہو کر باہر کی آوازیں سننے لگے۔ بوتل کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد غٹ غٹ.......... ایسے ماحول میں یہ آواز شراب کے علاوہ اور کس چیز

کی ہوسکتی تھی۔ ہم نے مزید کچھ دیر انتظار کیا اور پھر زبیر خان دوبارہ بولا۔ "اب کب تک انتظار کروگے؟"

"بس بس انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ آؤ' میں نے کہا اور ہم دونوں الماری کی آڑ سے باہر نکل آئے۔ کمرے میں مدھم رنگین روشنی ہو رہی تھی۔ خوبصورت مسہری پر ایک غیر ملکی مرد نظر آیا جو پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ دوسری ایک ایسی لڑکی تھی جس کے بدن پر اوپری لباس موجود نہیں تھا۔ صرف گلے میں رنگین موتیوں کا جھالر والا ہار تھا۔ جس نے اس کے بدن کے کچھ حصے کو ڈھکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ گلاس میں شراب انڈیل رہی تھی۔

مرد نے فوراً ہی ہمیں دیکھ لیا اور ایک دم کانپ کر رہ گیا۔ اسکے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی اور اس آواز پر لڑکی نے پہلے اسے دیکھا اور پھر پلٹ کر ہمیں۔ "چیخنے کے لئے منہ کھولا تو گولی حلق میں گھس کر گدی سے نکل جائے گی"۔ میں نے پستول ہلاتے ہوئے کہا اور لڑکی کی چیخ حلق ہی میں گھٹ گئی۔ "تم کھڑے ہو جاؤ! میں نے انگریزی میں مرد سے کہا اور وہ دونوں ہاتھ مسہری پر ٹکا کر کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ کافی بزدل آدمی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ ہاتھی خان! تم ذرا اس کے سرہانے دیکھو' پستول وغیرہ تو نہیں ہے! میں نے زبیر خان سے کہا اور وہ سرعت سے آگے بڑھ گیا!

نوجوان کے سرہانے پستول وغیرہ نہیں تھا۔ لڑکی کے ہاتھ کا گلاس اوندھ گیا تھا اور شراب بہہ رہی تھی۔ بدن ڈھکو اپنا!" زبیر خان غرایا اور لڑکی نے نزدیک پڑے اوپری لباس پر جھپٹا مارا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا بدن ڈھکا تھا۔ دونوں کے چہرے خوف سے بگڑے ہوئے تھے۔

"تعارف ہو جائے! میں نے کہا اور لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے مرد سے کہا۔

"ٹول۔ ایمس ٹول"۔ پینتیس سالہ شخص نے جواب دیا۔

"یہاں کس طرح آئے؟" میں نے پھر سرد لہجے میں پوچھا اور مرد کسی قدر ہچکچایا لیکن خاموش رہنے کی ہمت نہیں کرسکا!

"خان جلال کا مہمان ہوں!"

"اوہ میزبان موجود نہیں ہے اور مہمان عیش کر رہا ہے۔ خوب کیا خان جلال کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہے؟"

"ہاں' وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا ہے؟"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"میں ۔ میں یہاں کام کرتا ہوں تیل کالونی میں ۔ اکثر خان جلال کے پاس آتا رہتا ہوں' خان میرا دوست ہے!"

"تو اب خان جلال نے یہ کام بھی شروع کردیا ہے۔ اس لئے بنائی ہے اس نے یہ سرکاری سیرگاہ کہ اپنے دوستوں کو خوش کرے۔ تم کون ہو؟ اس بار زبیرخان نے لڑکی کو مخاطب کیا تھا۔ لڑکی کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ غالباً" ہمارے اچانک نمودار ہونے کا ردعمل تھا ورنہ خوفزدہ ہونے کی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔

"میرا نام اینی ساریا تو ہے!" وہ بمشکل بولی۔

"کاروباری عورت ہو!" زبیرخان کے لہجے میں سخت متانت تھی۔

"نہیں خان جلال کی نوکر ہوں!"

"یہی کام کرتی ہو یا کچھ اور بھی!" زبیرخان بدستور اسی انداز میں بولا اور لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اس بات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ زبیرخان میری طرف متوجہ ہوگیا۔ "کیا کرنا ہے' ان دونوں کا!"

"ان سے معلومات حاصل کریں گے۔ اگر انہوں نے صحیح جوابات دیئے تو ٹھیک ہے' ورنہ گردن دبا کر مار ڈالیں گے!" میں نے انگلش میں کہا تاکہ دونوں ہی سمجھ لیں۔ لڑکی دیسی عیسائی تھی اور انگریزی سے بخوبی واقف معلوم ہوتی تھی۔ دونوں کے چہروں سے کچھ اور خوف ٹپکنے لگا۔

"خان جلال کہاں ہے؟" میں نے لڑکی سے پوچھا۔

"سبز حویلی میں۔ آجکل سیرگاہ میں نہیں ہے"۔

"تم یہیں رہتی ہو؟"

"ہاں!"

"کتنے افراد ہیں یہاں؟"

"پوری سیرگاہ میں تقریباً" چالیس۔ اس عمارت میں سولہ افراد ہیں"۔ لڑکی نے

جواب دیا۔

"لڑکیاں بھی ہیں تمہارے علاوہ!"

"ہاں پانچ لڑکیاں ہیں!"

"کیا کرتی ہیں؟"

"عمارت کے چھوٹے چھوٹے کام.......... اور.......... بس! لڑکی جھینپے ہوئے سے انداز میں خاموش ہوگئی۔

"خوب! خان جلال نے اپنی خاندانی روایات سے خوب بغاوت کی ہے۔ ورنہ سرحد کے رہنے والوں کی غیرت مندی کی تو قسم کھائی جاسکتی ہے ہاں' اب تم بولو مٹی کے شیر۔ خان جلال سے تمہاری دوستی کس سلسلہ میں ہوئی ہے؟" میں نے غیر ملکی کو مخاطب کیا۔

"تم کون ہو؟" غیرملکی اس دوران سنبھلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ میں نے زبیرخان کی طرف دیکھا اور زبیرخان آہستہ آہستہ سے آگے بڑھا اور پھر اس کا تھپڑ بھی مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ غیرملکی نے قلابازی کھائی اور فرش پر آگرا۔ آواز بھی شاندار تھی۔ زبیرخان نے مزید آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا اور اسے پھر مسہری پر بٹھادیا۔

"تمہارے ہر سوال کا صرف یہی جواب ملے گا۔ اس لئے صرف جواب دو سوال مت کرو"۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ غیرملکی چکرا کر رہ گیا تھا۔ اس نے کئی بار آنکھیں بند کرکے گردن جھٹکی اور پھر کینہ توز نگاہوں سے زبیرخان کو دیکھنے لگا۔

"ہاں تو تمہاری دوستی کس نوعیت کی ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"وہ براہ راست میرا دوست نہیں ہے' مسٹر ڈریک نے میرا تعارف کرایا تھا۔ خان نے مجھے سیرگاہ آنے کی دعوت دی تھی اور سیرگاہ عمدہ شراب اور حسین عورتوں کے لئے مشہور ہے!" ٹول نے جواب دیا۔

"مسٹر ڈریک کون ہیں؟"

"چیف انجینئر ہیں۔ تیل کالونی میں بنگلہ نمبر آٹھ میں رہتے ہیں!"

"اس میں جھوٹ کتنے فیصد ہے؟"

"بالکل نہیں ہے۔ میں یہاں تفریحاً" آیا تھا کسی سازش کے مشن پر نہیں۔ یہاں یہ بھی ہوتا ہے' یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی!" غیرملکی نے اپنا گال سہلاتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو بہت کچھ ہوتا ہے اور ابھی بہت کچھ اور ہوگا۔ اس لئے تم شراب پیو میری جان!" میں نے کہا اور لڑکی کو اشارہ کیا"۔ مسٹر ٹول کو پلاؤ.........!!"

"نہیں بس اب میں جانا چاہتا ہوں"۔ ٹول بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا.........؟" زبیر خان غرایا اور ٹول بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا۔

"مم.........میں نے کوئی غلط بات کہہ دی کیا؟" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تمہیں شراب پینا ہوگی اس وقت تک جب تک کہ وہ تمہارے حلق سے واپس نہ آنے لگے۔ چلو لڑکی شروع ہو جاؤ"۔ زبیر خان نے لڑکی کو اشارہ کیا اور پستول نکال لیا۔ دونوں کے چہروں پر سخت ہیجان نظر آرہا تھا لیکن لڑکی نے شراب کا گلاس ٹول کو دے ہی دیا اور پستول کے اشارے پر ٹول نے شراب حلق میں انڈیل لی۔

"تم بھی شروع کرو جان من! مسٹر ٹول کو تنہا پینے میں کیا مزا آئیگا؟ میں نے لڑکی سے کہا۔

"میں زیادہ نہیں پیتی!" لڑکی ملتجی انداز میں بولی۔

"پیؤ!" زبیر خان گرجا اور میز کو ٹھوکر ماردی۔ لڑکی نے بھی جلدی سے اپنے لئے گلاس بھرلیا تھا۔ میں نے ایک الماری سے شراب کی دو بوتلیں اور نکال لی تھیں اور پھر ہم دونوں اس وقت وہاں سے نکلے جب تک وہ پی پی کر اوندھے نہ ہوگئے۔ خاصا وقت لگ گیا تھا لیکن کرتے بھی کیا۔ اور کوئی بات ذہن میں ہی نہیں تھی۔ باہر کے ماحول میں خاموشی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے ہمیں تلاش کرنیوالے محافظ تھک گئے ہوں اور اب انہوں نے ہماری تلاش ترک کردی ہو۔ خان جلال موجود نہیں تھا' ورنہ اس سے ملاقات کرنیکی کی کوشش ضرور کی جاتی!

"اس عمارت میں خان جلال کی رہائش گاہ کونسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ' ظاہر ہے مجھے نہیں معلوم۔ لڑکی ضرور جانتی ہوگی لیکن ہمیں بعد ازوقت خیال آیا!

"وقت تو گزارنا ہی ہے' آؤ عمارت کا جو کمرہ سامنے آئے اس کی تلاشی لیں۔ میرا خیال ہے ہم خان جلال کی خواب گاہ کے بارے میں اندازہ تو لگا ہی سکتے ہیں!" میں نے کہا اور زبیر خان نے آمادگی ظاہر کردی۔ لیکن ہم نے باقی وقت ضائع ہی کیا تھا۔ تقریباً دس کمرے ایسے ملے جو خواب گاہ کی حیثیت سے بیش قیمت فرنیچر اور سازوسامان سے آراستہ

تھے لیکن آرائشی سامان کے علاوہ ایسی اور کوئی چیز نہیں ملی جو ہمارے لئے کارآمد ہوسکتی تھی۔ تب ہم اس کام سے اکتا کر سیرگاہ کے عقبی کھلے حصے میں آگئے۔ تھوڑے فاصلے پر گھوڑوں کا اصطبل نظر آرہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم نے وقت ضائع ہی کیا ہے!" زبیر خان بے دلی سے بولا۔

"نہیں زبیر خان! ایسا تو نہیں کہہ سکتے!"

"کیوں؟"

"کچھ نہ کچھ تو ملا ہی ہے۔ مثلاً یہ کہ ہمیں جلال خان کے کردار کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ تیل کی تلاش کرنے والے کچھ لوگوں سے اس کا رابطہ ہے اور وہ ان کے لئے اس قدر گر گیا ہے کہ اپنی سیرگاہ میں بلا کر انہیں لڑکیاں سپلائی کرتا ہے!"

"اوہ ہاں یہ تو درست ہے!"

"اس کے علاوہ ایک نام بھی علم میں آیا ہے یعنی مسٹر ڈریک جو وہاں چیف انجینئر ہے!" میں نے کہا اور زبیر خان پرخیال انداز میں میری صورت دیکھنے لگا۔ "تم اس نام کو کوئی خاص اہمیت دے رہے ہو؟"

"دینا چاہیے زبیر خان! یہ وہ شخص ہے جس کے لئے خان جلال سب کچھ کرسکتا ہے' اسے ضرور دیکھنا ہوگا!"

"اگر تم اس پر توجہ دے رہے تو پھر ٹھیک ہے کچھ نہ کچھ ہوا......... لیکن اگر خان جلال مل جاتا تو پھر لطف آتا۔ ہم دونوں دوست ہی اس کے سامنے آجاتے اور کوئی فیصلہ کن بات ہوجاتی!"

"اوہ نہیں زبیر خان! فیصلے اتنے جلدی نہیں ہوتے۔ ویسے خان کی رہائش گاہ کہاں ہے؟"

"لڑکی نے سبز حویلی کا نام لیا تھا۔ حویلی یہاں سے تقریباً تیس میل دور ہوگی"۔

"کیا خیال ہے حویلی کی سیر کی جائے"۔ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور زبیر خان مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھروہ بھی مسکرادیا۔

"اگر اتنی ہمت ہے تو ضرور کرو۔ اگر ہم وہاں تک پہنچ گئے اور صاف نکل آئے تو خان بوکھلا جائیگا!"

"تب ٹھیک ہے آؤ۔ میرا خیال ہے ہم اپنے لئے اب اس اصطبل سے عمدہ قسم

کے گھوڑے چھانٹ لیں۔ ہمارے گھوڑے تو ان لوگوں کے قبضے میں جا چکے ہوں گے!"

"اوہ۔ خان کوئی غیر نہیں ہے۔ ہماری اور اس کی چیز میں کیا فرق ہے؟" زبیرخان نے ہنستے ہوئے کہا اور ہم اصطبل کی طرف چل پڑے۔ اصطبل کا محافظ ایک چارپائی پر سو رہا تھا۔ ہم نے اسے قابو میں کر کے چارپائی کی ادوائن سے باندھ دیا اور اس کا بڑا رومال اس کے حلق میں ٹھونس دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہم اصطبل میں داخل ہو گئے۔ ہم نے اپنے لئے عمدہ قسم کے دو گھوڑے منتخب کئے لیکن گھوڑوں کی زین یہاں نہ مل سکی۔ ہم نے کافی تلاش کی تھی' تب زبیرخان بولا۔ "ویسے گھوڑوں کی سواری بغیر زین کے ہی لطف دیتی ہے' کیا تمہیں مشکل پیش آئے گی"۔

"مشکل کا لفظ میری لغت میں نہیں ہے زبیرخان!" میں نے گھوڑے کو اصطبل سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔ زبیرخان بھی اپنا گھوڑا نکال لایا تھا لیکن اسی وقت ایک مصیبت آ گئی۔ نہ جانے کہاں سے دو خوفناک السیشن نکل آئے اور غراتے ہوئے ہماری طرف دوڑے۔ دوسرے لمحے ہم دونوں اچھل کر گھوڑوں پر آ گئے۔ لیکن السیشن آن کی آن میں ہم تک پہنچ گئے تھے اور ان میں سے ایک نے گھوڑے پر چھلانگ لگائی۔ گھوڑا الف ہو گیا تھا اور اگر زبیرخان انتہائی مہارت سے کتے کی کھوپڑی کو نشانہ نہ بنا لیتا تو کتے نے یقیناً میرے بدن کے کئی حصوں کو ادھیڑ دیا ہوتا۔ کتے کی کھوپڑی کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ زبیرخان کے گھوڑے نے بدک کر ایک طرف چھلانگ لگا دی تو دوسرے کتے نے بھی چھلانگ لگا دی تھی!

دفعتاً عقب سے کئی فائر ہوئے اور گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے نزدیک سے نکل گئیں۔ لیکن ان لوگوں نے ہماری دوسری مشکل خود حل کر دی تھی۔ کتے کا جسم اس وقت فضاء میں ہی تھا جب گولیاں ہماری طرف لپکی تھیں اور وہ ان میں سے کئی گولیوں کا شکار ہو گیا۔ ہمارے گھوڑے اب سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ راہ کا کوئی تعین نہیں تھا۔ وحشت زدہ گھوڑوں کو اس وقت قابو میں کرنا بھی ناممکن ہی تھا۔ چنانچہ ہم نے انہیں ان کے رخ پر دوڑنے دیا۔ البتہ عقب سے اب ہمارا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔ وہ لوگ گولیاں بھی چلا رہے تھے' اور ان کے پیچھے ہی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ گویا محافظوں کے ساتھ کتے بھی تھے۔ بہرحال یہ کافی خطرناک بات تھی اور مجھے اور زبیرخان کو اس کا پورا پورا احساس تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی کوشش کار آمد تھی۔ وہ یہ کہ جتنی

دور نکلا جا سکے' نکل جاؤ اور ہم اس پر عمل کر رہے تھے۔ گھوڑے اب بھی جان توڑ کر دوڑ رہے تھے اور ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ زمین نظر نہیں آ رہی تھی اور پھر ایک حادثہ ہو گیا۔ دوڑتے ہوئے گھوڑے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے ایک گہری کھائی کی ابتدا ہوتی تھی۔ زبیرخان کا گھوڑا چونکہ مجھ سے آگے تھا اس لئے پہلے وہی اس حادثے کا شکار ہوا۔ کیونکہ وہ گہرائیوں میں جانے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے جیسے ہی اچانک گھوڑا جھکا' زبیرخان سے اس کی پشت چھوٹ گئی۔ ایک آواز اس کے حلق سے نکلی اور اچھل کر ڈھلان پر آ گرا۔ میرا گھوڑا تقریباً پچاس گز دور تھا اس لئے میں نے اس حادثے کو دیکھ لیا اور اس وقت اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ کسی بھی خطرے کی پرواہ کئے بغیر گھوڑے کی پشت چھوڑ دوں۔ گھوڑا جس رفتار سے دوڑ رہا تھا اس کے تحت پچاس گز کا یہ فاصلہ پلک جھپکتے ہی طے ہو جاتا اور اسی اثناء میں مجھے یہ کام کر لینا تھا! چنانچہ برق رفتاری سے میں نے اپنے بدن کو تولا اور گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ سخت اور کھردرے پتھروں پر میں دور تک گھسٹتا چلا گیا تھا۔ کہنیوں پر اور بدن کے مختلف حصوں پر بے شمار خراشیں آئی تھیں لیکن میں نے ان کی پرواہ نہیں کی اور کھائی کے کنارے کی طرف دوڑا۔ نیچے کا منظر کافی خوفناک تھا۔ گھوڑا لڑھکنیاں کھاتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔ رکنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب ہے زبیرخان کام آ گیا۔ میں نے سوچا۔ لیکن اسی وقت بائیں سمت سے چھوٹے چھوٹے پتھروں کے لڑھکنے کی آوازیں سنائی دیں اور میں چونک پڑا۔ زبیرخان اوپر آ گیا تھا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ دوسرے لمحے اس کی مدد کرنے دوڑا لیکن زبیرخان کی آواز سنائی دی! نہیں میں ٹھیک ہوں' میں تمہارے لئے فکر مند تھا!"

"اوہ زبیرخان کیا تم شدید زخمی ہو؟"

"نہیں یار! ایک پتھر سے رک گیا ورنہ شاید نہ بچ سکتا!" زبیرخان نے کہا اور پھر وہ کھائی کے کنارے پر آ گیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا!

"گھوڑے تو گئے کام سے!" میں نے کہا۔

"ہاں' لیکن تم گھوڑے سے نیچے کس طرح آ گئے؟"

"بس تمہیں گرتے دیکھ کر بروقت چھلانگ لگا دی"۔

"خوب! دراصل گھوڑے بے قابو تھے اس لئے اس جگہ کا اندازہ نہیں ہو سکا لیکن اب میں اس علاقے کو پہچان گیا ہوں۔ وہ دیکھو ڈھلان سے بائیں طرف جنگل ہے!"

زبیر خان نے کہا اور میں نے اسکے اشارے کی طرف دیکھا۔ درختوں کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ گو وہ تاریکی میں لپٹے ہوئے تھے لیکن صاف اندازہ ہو رہا تھا۔ "میرا خیال ہے ہمیں درختوں کی سمت نکل جانا چاہیے۔ مسلح محافظ کتوں کی مدد سے یہاں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ ہم ان سے تو نمٹ سکتے ہیں لیکن کتے؟"

"ٹھیک ہے آؤ!" میں نے زبیر خان کی بات سے اتفاق کیا اور ہم جنگل کی طرف چل پڑے۔ گھنے درختوں کا فاصلہ وہاں سے ایک میل کے قریب تھا۔ ان کے نزدیک پہنچتے پہنچتے صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ابھی ہم ان کے نزدیک ہی پہنچے تھے کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز ہمارے کانوں میں پڑی اور ہم اچھل پڑے۔ "اوہ! وہ کمبخت کسی دوسرے راستے سے آگئے ہیں۔ بھاگو ان کا رخ اسی طرف ہے!" زبیر خان نے کہا اور ایک بار پھر ہم جنگل کی مخالف سمت دوڑنے لگے۔ "ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں کتے نہ پہنچ سکیں!" زبیر خان نے دوڑتے دوڑتے کہا۔ میں خاموشی سے دوڑ رہا تھا اور روشنی پھیلتی جارہی تھی۔ میں ان علاقوں سے قطعی ناواقف تھا جب کہ زبیر خان یہاں کافی وقت گزار چکا تھا۔ اس لئے کسی مسئلے میں اس سے اختلاف نہیں کر رہا تھا۔ ہم بے تحاشہ دوڑتے رہے اور جنگل کے علاقے سے کافی دور پہنچ گئے۔ پھر جب آوازیں مدہم ہوگئیں تو زبیر خان سانس لینے کے لئے رکا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا"۔ "وہ اس طرف"۔ اس نے ایک سمت اشارہ کیا۔ "تم نرسلوں کے جھنڈ دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"آؤ' اس سمت چلیں۔ تھوڑی سی احتیاط کرنی ہوگی۔ دراصل وہ دلدلی علاقہ ہے۔ وہ لوگ اس طرف آنے کی جرات نہیں کر سکیں گے!"

"لیکن زبیر خان! ہم دلدل کا شکار نہیں ہوسکتے؟"

"ہم اس طرف جائیں گے ہی نہیں۔ بس انہیں دھوکا دینا مقصود ہے۔ میں طویل عرصہ تک اس طرف آتا رہا ہوں تم آجاؤ"۔ زبیر خان نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ دراصل نرسلوں کے درمیان خوفناک دلدلی گڑھے لاتعداد بکھرے ہوئے تھے۔ بے تحاشہ دوڑنے والے ان گڑھوں کا شکار ہوسکتے تھے لیکن زبیر خان کافی مہارت سے سفر کر رہا تھا۔ ہم نرسلوں کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ زبیر خان یہاں رک گیا تھا۔ "یہ جگہ بہترین ہے۔

یہاں سے وہ ہمیں نظر بھی آسکتے ہیں بشرطیکہ انہوں نے یہاں تک آنے کی جرات کی"۔ زبیر خان نے کہا۔

"نرسلوں کا سلسلہ یہاں ختم ہوگیا ہے؟" میں نے عقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں آگے میدانی علاقہ ہے اس کو عبور کر کے ہم سبز حویلی والے علاقے میں پہنچ سکتے ہیں۔ گو سبز حویلی پھر بھی دور رہ جائے گی لیکن کم ازکم اس کے اطراف کی آبادی میں ضرور پہنچ جائیں گے!"

"لیکن کیا خان جلال بھی یہی راستہ استعمال کرتا ہے؟"

"اوہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم بالکل دوسرے راستے سے یہاں تک آئے ہیں۔ یہ راستہ تو بہت ہی مختصر ہے اور اسے ناقابلِ عبور سمجھا جاتا ہے!" زبیر خان بات بھی پوری نہیں کرنے پایا تھا کہ ایک بار پھر کتوں کا شور سنائی دیا اور زبیر خان نے پستول نکال لیا۔ میں یہاں بھی اسے سے متفق تھا۔ چنانچہ میں بھی تیار ہوگیا۔ محافظ پیدل ہی تھے۔ کتوں کی زنجیریں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ تین کتے تھے اور پانچ محافظ۔ تعاقب کرنے کی وجہ سے وہ بھی نڈھال نظر آرہے تھے۔ "پہلے کتے!" زبیر خان کی آواز ابھری اور پھر جونہی وہ سامنے نظر آئے۔ اچانک ہمارے پستولوں نے شعلے اگل دیئے۔ تینوں کتوں کے سر نشانہ بنے تھے۔ وہ اچھل کر نیچے گرے اور زمین پر لوٹنے لگے۔ محافظ ایک لمحے کے لئے ہکا بکا رہ گئے۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے تھے لیکن ہم نے انہیں موقع نہیں دیا اور ہماری گولیاں دو محافظوں کو چاٹ گئیں۔ بقیہ تین بوکھلاہٹ میں بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بوکھلاہٹ اور بدحواسی میں بھاگنے کا جو بھی نتیجہ ہوسکتا تھا وہ سامنے آگیا۔ تینوں ایک دلدلی گڑھے میں جاپڑے تھے۔ دیر تک ان کی خوفزدہ چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے اور دوسروں کو مدد کے لئے پکار رہے تھے۔ پھر یہ آوازیں معدوم ہوگئیں۔ زبیر خان کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ "خان جلال کو بھی ایک دن ایسی ہی کسی دلدل میں غرق ہونا پڑے گا"۔ اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور اس کے بعد خاموشی چھائی رہی۔ ان لوگوں کے علاوہ شاید اور کوئی نہیں تھا۔ ورنہ ان آوازوں پر ضرور آتا! جب یہ خاموشی طویل ہوگئی تو میں نے زبیر خان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اب کیا ارادہ ہے زبیر خان؟"

"جو تم کہو دوست!" وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"خان جلال تو سیر گاہ میں موجود نہیں ہے اس لئے دوبارہ وہاں جانا بے سود ہے۔

ہماری مڈبھیڑ صرف محافظوں سے ہوگی اور ان کرائے کے لوگوں کو قتل کرنے سے کیا حاصل؟"

"ٹھیک ہے' یہ بے قصور ہیں!"

"تب پھر ہمیں کسی دوسرے راستے سے واپس چلنا چاہئے"۔

"دوسرا راستہ مل تو جائیگا لیکن بہت طویل ہوگا۔ ہمیں بہرطور سبزحویلی کی طرف سے گزرنا ہوگا اور پھر میری دلی خواہش ہے کہ خان جلال سے مڈبھیڑ ہوجائے"۔

"اگر خان جلال سے ملاقات ہوگئی زبیرخان! تو کیا تم خود کو اس پر ظاہر کردو گے جیسا کہ تم نے فون پر مجھ سے بات کرنے کے دوران کیا تھا!"

"تو کیا میں چوروں کی طرح اسے ماروں گا!" زبیرخان نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے!" میں نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"یہ تو ہمارے ہاں کا دستور ہے دوست! اگر ہم دوسرے کسی سے انتقام لے لیں تو اس انتقام میں لذت نہیں ہوگی اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ مزا تو یہ ہے کہ مرنے والے کو یہ علم ہو جائے کہ اس نے کونسی بات پر موت کا مزہ چکھا ہے؟"

"گویا تم اسے للکار کر مارو گے؟"

"ہاں ہاں مردوں کی یہی شان ہے!"

"لیکن یہ بات کرنل جہانگیر کے مفاد کے خلاف ہوگی۔ جلال خان اگر ہمیں مل بھی جائے تو پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کرنل جہانگیر والے معاملے میں کس قدر ملوث ہے؟ اس سے دوسرے مجرموں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوں گی' اس کے بعد ہی اسے قتل کرنا مناسب ہوگا!"

"تو ٹھیک ہے' اسے قتل کرنے سے پہلے ہم اس سے یہ باتیں معلوم کریں گے!" زبیرخان بولا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ پہلے پوری دلجمعی سے ہمیں اپنے کام کرنے ہوں گے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی صورت دیکھ کر تم جذباتی ہو جاؤ اور اسے فوراً قتل کردو!"

"نہیں۔ گو میرے لئے یہ مشکل بات ہے کہ اپنے باپ کے قاتل کو دیکھوں اور خود پر قابو رکھوں لیکن میں تمہاری ہدایات کا خیال رکھوں گا!"

"شکریہ زبیرخان! میرا خیال ہے اب ہم آگے بڑھیں۔ گھوڑوں کی غیرموجودگی سے بڑی تکلیف ہوگئی لیکن بہرحال.........!" اور زبیرخان تیار ہوگیا۔ تب ہم نے ایک سمت اختیار کی اور اس پر متفق ہو کر چل پڑے۔ ظاہر ہے سفر زیادہ تیزرفتاری سے نہیں طے ہو سکتا تھا' اس کے باوجود ہم میں سے کوئی کمزور نہیں تھا۔ ہم چلتے رہے۔ سورج پوری طرح ابھر آیا تھا اور مناسب روی سے سفر کر رہا تھا۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ نہ ہی اس میدانی علاقے میں کوئی شکار نظر آیا۔ ہاں پانی جگہ جگہ مل جاتا تھا چنانچہ کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی اور سورج ڈھل گیا۔

زبیرخان طویل عرصہ قبل کی یادداشت کے سہارے چل رہا تھا ویسے اس نے......... چند نشانات کے بارے میں پہلے سے بتادیا تھا اور وہ نشانات ملتے جارہے تھے۔ اس لئے کسی قدر اطمینان تھا کہ ہم درست راستے پر چل رہے ہیں۔ زبیرخان کو اس پختہ سڑک کی تلاش تھی جو سبزحویلی سے حسن پور جاتی تھی۔ یہ سڑک بھی کافی پرانی تھی اور زبیرخان اپنے باپ کی زندگی میں اس پر کئی بار سفر کر چکا تھا۔

سورج ڈوبنے سے قبل ہم نے ایک جگہ رات کے قیام کے لئے منتخب کرلی۔ یہ ایک بلند اور مسطح چٹان تھی جس پر سبزہ بھی تھا۔ تمام دن کی مشقت کے بعد پیٹ خوراک طلب کررہے تھے لیکن خوراک کا حصول ناممکن تھا۔ طبیعت میں کسی قدر اضمحلال پیدا ہوگیا تھا۔ زبیرخان نے بھی زیادہ گفتگو نہیں کی اور ہم دونوں چٹانوں پر دراز ہوگئے۔ آسمان پر اکادکا تارے نظر آرہے تھے۔ میں خاموشی سے ان تاروں کو دیکھتا رہا تب اچانک زبیرخان نے مجھے پکارا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "میرا خیال ہے بھوک نے ہم دونوں کی زبان بند کردی ہے۔ کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟"

"نہیں!"

"تو پھر کوئی بات کرو!"

"تم خاموش تھے' اس لئے میں نے بھی خاموشی اختیار کی!!"

"سچ بات تو یہ ہے دوست کے مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے۔ میں اس کا اعتراف کر رہا ہوں لیکن یہ بھوک مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی!"

"اوہ' بے شک تم بے حد توانا ہو"۔

"تمہاری شخصیت ابھی تک میرے ذہن میں الجھی ہوئی ہے شباب!"

"کیوں؟"

"کرنل جہانگیر کا کہنا ہے کہ تم معاوضہ لے کر ان کی مدد کے لئے آئے ہو اور تمہاری ٹیم مناسب معاوضہ لے کر دوسروں کی مدد کرتی ہے کیا یہ دوست ہے؟"

"ہاں بالکل"۔

"لیکن میرے دوست! اس معاوضے کے لئے تم اس طرح اپنی زندگی خطرات میں ڈال دیتے ہو؟"

"خطرات تو زندگی کے گزرنے والے ہر لمحے میں پوشیدہ ہوتے ہیں ان سے مفر کہاں ہے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن معاوضے پر کام کرنیوالوں کے سینے میں وہ جذبے کہاں پرورش پاتے ہیں، جو ناقابل یقین کارنامے انجام دیتے ہیں"۔

"اپنے پیشے سے دلچسپی یہ جذبے پیدا کرتی ہے!"

"پیشہ ورانہ جذبوں اور حقیقی جذبوں میں بہرحال فرق ہوتا ہے!"

"اور اگر پیشہ ہی شوق بھی ہو تو.........!" میں نے سوال کیا۔

"یہ دوسری بات ہے!" زبیرخان کسی قدر الجھے انداز میں بولا۔ اور اسی وقت ایک آواز ہمارے کانوں میں ابھری اور ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ ڈھول کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجیرے بج رہے تھے۔ آواز کافی صاف تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زیادہ دور نہیں ہے!

"غول بیابانی!" زبیرخان مسکرایا۔

"یہی لگتا ہے"۔

"ملاقات کرو گے؟"

"آؤ!" میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ ہم دونوں چٹان پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ شمال کی طرف ایک بڑے ٹیلے کی آڑ سے روشنی نظر آرہی تھی۔ جو کوئی تھا اس ٹیلے کے عقب میں تھا۔ "یہاں رک کر تو اس موسیقی سے لطف اندوز ہونا حماقت ہے۔ دیکھیں تو سہی کون ہے؟"

"چلو"۔ میں نے کہا اور ہم چٹان سے نیچے اترنے لگے۔ اور پھر روشنی کی سمت اختیار کر کے چل پڑے۔ دور کی پہاڑیوں سے چاند بلند ہورہا تھا۔ تھوڑی دیر تک ہم اس

آواز کے سہارے خاموشی سے چلتے رہے پھر زبیرخان نے پوچھا۔ "کبھی ان چیزوں سے بھی واسطہ پڑا ہے؟ میرا مطلب بھوت پریت سے ہے؟"

"اتفاق سے نہیں!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"بچپن میں بے شمار کہانیاں سنی ہیں۔ آباؤاجداد قسم کھا کر اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات سناتے تھے لیکن مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا"۔

"یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں؟"

"نزدیک جاکر ہی معلوم ہوگا!" زبیرخان نے کہا اور ہم آگے بڑھتے رہے۔ وہ ٹیلا نزدیک آتا جارہا تھا جس کے عقب سے روشنی ابھر رہی تھی۔ اور پھر ہم اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ ڈھول اور پیتل کے ساز کی آواز کے ساتھ ہی گھنگھروؤں کی جھنکار ابھر رہی تھی اور آوازیں اور قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ "ضرور کوئی گڑبڑ ہے ورنہ.........!"

"ورنہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"ان ویرانوں میں آبادیاں کہاں ہوتی ہیں؟"

"جو کچھ ہے سامنے آجائیگا؟" میں نے بے خوفی سے کہا اور جو کچھ تھا سامنے آگیا۔ ٹیلے کے دوسری جانب لاتعداد خیمے لگے ہوئے تھے جن میں روشنیاں ہورہی تھیں۔ بہت سے مشعل بردار ٹیلے کے بالکل نزدیک ایک دائرہ بنائے کھڑے تھے اور دائرے کے درمیان ایک آتش بدن رقص کر رہی تھی۔ خانہ بدوشوں کے روایتی لباس میں ملبوس، پورے لباس میں روپہلے سکے جڑے ہوئے تھے۔ شیشے بھی لگے ہوئے تھے اور جب کسی مشعل کی روشنی ان پر منعکس ہوتی تو لڑکی کے وجود پر ستارے چمکنے لگتے۔ یوں بھی وہ بہت حسین تھی۔ دو چوٹیاں رقص کے زاویوں کے ساتھ جنبش کر رہی تھیں۔ بھرا بھرا بدن تھا اور عضو عضو سے مستی ٹپک رہی تھی۔ وہ بڑی محویت کے عالم میں رقص کر رہی تھی اور دیکھنے والے بے خود ہورہے تھے۔

"خانہ بدوش!" زبیرخان ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"ہمارے اندیشے بے بنیاد نکلے!" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں، شاید ارواح خبیثہ ہماری تقدیر میں ہی نہیں ہیں!" زبیرخان مایوسی سے بولا۔

"یہ نہ کہو زبیرخان!"

"کیوں؟" وہ چونک کر بولا۔

"خان جلال کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے ہنس کر کہا اور زبیر خان سنجیدہ ہوگیا۔ اوہ' اس کے لئے تو میں خود ایک خبیث روح بن جاؤں گا۔ چور نظر تو آئے"۔ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور میں گردن ہلا کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جس کی پیشانی پر پسینے کے قطرات سجے ہوئے تھے۔

"کیا ان لوگوں کے سامنے آنا مناسب ہوگا؟" میں نے اچانک زبیر خان سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"اب جب یہ مل ہی گئے ہیں تو کیوں نہ ان سے خوراک طلب کی جائے"۔

"سوچ لو۔ کافی تعداد ہے۔ اگر بات بگڑ گئی تو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا!" زبیر خان نے کہا۔

"دیکھا جائے گا یار! لیکن ایک بات کا وعدہ تمہیں کرنا ہوگا!"

"کیا؟"

"میں ان سے گفتگو کروں گا' تم اس میں دخل نہیں دو گے۔ بعض اوقات مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے"۔

"ٹھیک ہے اب میں بالکل ہی گھوڑے کے دماغ کا مالک نہیں ہوں۔ میں سمجھ گیا تم اس سے کیا کہو گے؟" زبیر خان نے کہا۔

"بتاؤ؟"

"خان جلال کے نام کا سہارا لو گے!"

"ٹھیک سمجھا تم نے ۔ یہ بھی پتہ چل جائیگا کہ خان جلال کے علاقے میں ان لوگوں کی موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے"۔

"لڑکی بہت اچھی رقاصہ ہے۔ ذرا اس کا رقص دیکھو"۔ زبیر خان نے شاید بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔ میں خاموشی سے رقص دیکھنے لگا۔ ڈھول کی آواز اب طوفانی ہوگئی تھی اور لڑکی کے قدم بھی اسی تیز رفتاری سے اٹھنے لگے تھے۔ پھر رقص عروج پر پہنچ کر رک گیا۔ ڈھول کی آواز بند ہوگئی۔ خانہ بدوش تالیاں بجارہے تھے۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر دو تین مرد لمبے لمبے چاقو لئے اس دائرے میں آگئے اور رقص کے انداز میں کرتب دکھانے لگے لیکن یہ وقت زیادہ طویل نہیں تھا اس کے بعد دو آدمی ایک موٹی سلاخ لے کر دائرے میں آئے اور انہوں نے وہ سلاخ درمیان میں ڈال دی۔ تین چار

آدمی ایک چٹان نما پتھر کو دھکیلتے ہوئے لائے اور اسے بھی ایک طرف ڈال دیا گیا اور اس کے بعد ایک شخص خانہ بدوشوں کے روایتی لباس میں اس دائرے میں آیا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس پٹی میں ایک خوبصورت پر اڑسا ہوا تھا۔ اس شخص کو دیکھ کر اچانک میرے بدن میں گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ ۔ کیونکہ یہ میرا ساتھی شارق تھا۔ سوفیصدی شارق۔ صرف لباس بدلا ہوا تھا ورنہ جسامت' خدوخال..........

شارق دائرے میں آیا اور اس نے جھک کر لوہے کی سلاخ اٹھالی۔ "ارے' دفعتاً زبیر خان کے منہ سے بھی حیرت بھری آواز ابھری۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے میرا شانہ دبایا"۔ شہاب' شہاب یہ.........."

"سوفیصدی وہی ہے۔ تم بھی پہچان گئے؟" میں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"تمہارا ساتھی ہے نا.......... وہ جو غائب ہوگیا تھا!"

"ہاں۔ اس کا نام شارق ہے!"

"لیکن.......... یہ.......... یہاں کہاں؟"

"خدا بہتر جانتا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ ہم دونوں شارق کو دیکھنے لگے جس نے سلاخ ہاتھوں میں اٹھالی تھی اور پھر اس نے سلاخ پر قوت صرف کی اور اس کو موڑ کر اس کے دونوں سرے آپس میں ملادیئے۔

"کوئی ہے جو اس سلاخ کو سیدھا کردے!" ایک آواز ابھری لیکن مجمع میں سے کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔

"بہت طاقتور ہے وہ! لیکن وہ ان کے درمیان ۔ کیا یہ صحیح الدماغ ہے۔ کیا کسی خاص مقصد کے تحت وہ ان میں شامل ہوا ہے؟" زبیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے زبیر خان! ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ ان حالات میں ہمیں ان خانہ بدوشوں کے سامنے جانا چاہیے یا نہیں؟" میں نے کہا۔

"کیوں نہ جانے کی کیا وجہ ہے؟"

"بس میرے ساتھی کے کسی مفاد کو نقصان نہ پہنچے!"

"ہم اس سے اجنبیت کا اظہار کریں گے۔ کیا ضروری ہے کہ اس سے شناسائی ظاہر کی جائے۔ اگر اس کا کوئی نقصان ہوا تو وہ خود ہم سے رابطہ قائم کرے گا۔ یوں بھی وہ

اس طرح مل گیا ہے تو اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا!"

"ہاں' یہ تو درست ہے لیکن آخر وہ.......... خیر.......... آؤ دیکھو میرا خیال ہے پتھر کئی من وزنی ہوگا"۔ میں نے زبیرخان کو متوجہ کیا اور زبیرخان بھی شارق کو دیکھنے لگا جس نے وہ پڑا ہوا پتھر جسے کئی آدمی گھسیٹ کر لائے تھے' سر سے بلند کیا ہوا تھا۔ پھر اس نے پتھر نیچے پھینک دیا۔

"ہے کوئی جو اس پتھر کو سر سے بلند کردے؟" وہی آواز پھر ابھری لیکن اس بار بھی کوئی آگے نہ بڑھا اور شارق واپس مجمع میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد دو لڑکیاں رقص کے لباس میں دائرے کے اندر آگئیں۔

"اوہ' کیا یہ کمبخت سوتے نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ تو ساری رات جاری رہے گا۔ کیا خیال ہے سامنے آئیں زبیرخان نے کہا۔

"آؤ!" میں آمادہ ہوگیا اور ہم ٹیلے کے عقب سے نکل کر ان کے سامنے پہنچ گئے۔ بہت سوں کی نگاہیں ہم پر پڑی تھیں اور ڈھول رک گئے۔ ایکدم سناٹا چھاگیا۔ وہ سب ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہم لوگ پروقار انداز میں چلتے ہوئے مجمع کے قریب پہنچ گئے۔ مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ تبھی ایک یک چشم اور طویل القامت آدمی اپنی جگہ سے اٹھا اور مجمع کو چیرتا ہوا ہماری طرف آیا لیکن اس کے انداز میں کوئی غلط کیفیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ آہ۔ بڑے لوگ ہمارے درمیان ۔ خوش آمدید خوش آمدید۔ کھیل کود کے اس مشغلے کو ضرور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ آیئے تشریف رکھیے' تشریف رکھیے۔ وہ سر خم کرکے بولا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ دو نفیس اور جدید کرسیاں ہمارے لئے رکھی گئیں اور ہم بیٹھ گئے۔ "آہ! کس قدر خوشی ہوئی ہے آپ لوگوں کی آمد سے' میں بیان نہیں کرسکتا۔ آپ شاید نگران ہیں لیکن ہمیں عظیم خان جلال کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان کی اجازت سے ہم یہاں فروکش ہیں!"

"خان جلال کو تمہاری موجودگی کا علم ہے؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"مفصل ۔ مفصل ۔ بھلا مجال ہے کسی کی کہ وہ پہاڑوں کے شہنشاہ کی اجازت کے بغیر اس کی قلمرو میں قدم رکھے"۔

"تب ٹھیک ہے۔ ورنہ ہمارے ساتھی تو یہاں حملہ آور ہونے کے بارے میں سوچ رہے تھے"۔

"آہ ہم بے ضرر لوگ تو کسی کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں۔ ناچ گا کر کرتب دکھا کر پیٹ پالنے والے!" ایک آنکھ والے نے عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے خان کی پناہ میں آئے ہوئے کسی گندے جانور کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تم آرام سے رہو"۔

"رقص جاری رکھا جائے۔ بڑے آدمی محظوظ ہوں گے!" یک چشم نے چیخ کر کہا اور ڈھول پھر بجنے لگے۔ "آپ کی کیا تواضع کی جائے؟" اس نے جھک کر کہا۔

"زندگی پہاڑوں میں گزارتے ہوئے ہم نعمتوں سے محروم ہیں۔ کھانے کے لیے کچھ ہو تو منگاؤ!" میں نے کہا اور کانے نے گردن خم کردی۔ پھر اس نے اپنے عقب میں بیٹھے ہوئے شخص سے جھک کر کچھ کہا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے زبیرخان کو آنکھ ماری تھی اور زبیر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی شخص خوان لے کر حاضر ہوگیا۔ کانے کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے جگہ خالی کردی اور خوان ہمارے سامنے رکھ دیا گیا۔ کیا عمدہ کھانا تھا۔ بھنے ہوئے تیتر' کھجوروں کا حلوہ' ہرن کا گوشت اور نہ جانے کیا کیا۔ ایسے ٹوٹے کھانے پر ہم دونوں کے رقص وغیرہ کچھ یاد نہیں رہا اور پھر جس حد تک ہم کھا سکتے تھے' کھایا۔ جو بچ گیا اس کے لئے افسوس ہونے لگا کہ یہ کیوں نہ کھا سکے۔ اس کے بعد عمدہ قسم کا قہوہ ۔ کھانے کے دوران خانہ بدوش سردار خان جلال کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا رہا تھا اور کئی بار زبیرخان کا ہاتھ کھاتے کھاتے رک گیا تھا۔

رقص و سرور کی محفل کافی رات گئے تک گرم رہی۔ ایک بار پھر وہی حسینہ رقص کے لئے آئی تھی جو پورے قبیلے میں شاید سب سے خوبصورت تھی۔ میں نے احتیاطاً شارق کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ سردار جوفان سے باتیں ہوتی رہی تھیں اور میں نے باتوں ہی باتوں میں اسے اپنا دوست بنالیا تھا۔ پھر محفل ختم ہوگئی اور سردار بولا۔ "اب رات میں کہاں جاؤ گے بڑے لوگو! میں ایک خیمے میں تمہارے آرام کا بندوبست کئے دیتا ہوں!"

"تمہارا بہت بہت شکریہ سردار! ہم جب خان سے ملیں گے تو تمہاری مہمان نوازی کا ذکر کریں گے!"

"خان ہمارا سرپرست ہے۔ اگر وہ ہماری سرپرستی نہ کرے تو ہم اپنا کاروبار ہی نہ

کر سکیں!" سردار نے ممنونیت سے کہا۔

"ہم سمجھتے ہیں' ویسے تمہارا کیا کاروبار ہے؟"

"اسمگلنگ! آجکل اس سے اچھا کاروبار اور کونسا ہو سکتا ہے؟" سردار نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور میں خواہ مخواہ ہنسنے لگا۔ پھر سردار جوفان نے ہمیں ہمارا خیمہ دکھا دیا اور تاکید کردی کہ ہم کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ ہم نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا تھا۔ اندر واقعی آرام دہ بستر لگے ہوئے تھے۔ میں اور زبیرخان ان بستروں پر لیٹ گئے۔

"یوں لگتا ہے شباب جیسے یہ سارے رازہائے سربستہ ہمارے منتظر تھے۔ کیا سیرگاہ میں داخلہ ہمارے لئے کامیاب ترین قدم نہیں رہا ہے؟"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے زبیرخان!" میں نے احتراماً گردن ہلائی۔

"یہ بات ثابت ہوئی کہ خان جلال کا کچھ غیرملکی لوگوں سے تعلق ہے اور یہ غیرملکی لوگ تیل کی تلاش میں آنے والی کمپنیوں میں شامل ہو کر آگئے ہیں۔ خان جلال سرحد کی روایات کی مٹی پلید کرتے ہوئے گندے کاموں میں مصروف ہے۔ وہ اسمگلنگ بھی کرتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ تمہارا آدمی بھی ان لوگوں کے درمیان موجود ہے!!"

"ہاں' لیکن شارق ان لوگوں میں کیوں شامل ہوا؟" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور زبیرخان مسکرانے لگا۔

"کرنل جہانگیر بار بار کہتا تھا کہ ڈاکٹر برہان کے کارندے بے حد ذہین ہیں اور سچی بات یہ تھی کہ اس وقت مجھے کرنل کی یہ بات زیادہ پسند نہیں آئی تھی لیکن تمہارے ساتھ رہ کر مجھے کرنل کے خیال سے اتفاق ہے!"

"اس وقت اس کا تذکرہ کیوں ہوا؟"

"تمہارا ذہین ساتھی بھی ممکن ہے خان جلال کے راستے پر ہو اور اسی لئے ان میں شامل ہوا ہو"۔

"میرا خیال اس سے مختلف ہے!"

"کیا؟" زبیرخان نے پوچھا۔

"شارق اس طرح غائب نہ ہو جاتا۔ وہ کوئی اشارہ ضرور چھوڑتا ہمارے لئے۔ بہرحال یہ بھی ممکن ہے کہ اسے موقع نہ ملا ہو۔ لیکن اب یہ سوال ہے کہ ہم چند روز ان

لوگوں کے ساتھ کس طرح گزاریں؟" میں نے کہا۔

"زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ یہ لوگ خان جلال کی سرپرستی میں اسمگلنگ کرتے ہیں اس لئے ان کے بے حد ممنون ہیں اور ہر بات آنکھ بند کرکے مان لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تم کافی صاف گو اور بے جھجک انسان ہو' ان سے کہہ سکتے ہو کہ تم کچھ دن ان کے ساتھ گزارو گے!"

"میری صاف گوئی کا اندازہ کیسے لگایا تم نے؟"

"یار بھوکا میں بھی تھا تمہاری طرح لیکن میں رات کو چرا کر کھانا کھا سکتا تھا۔ مانگنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ تم نے نہایت اطمینان سے..........!"

"اوہ!" میں ہنس پڑا۔ بہرحال میرے ذہن میں ایک ترکیب آگئی ہے اب آرام کرو' صبح کو ہم اس پر عمل کریں گے!"

"یقیناً کوئی اچھی ترکیب ہوگی۔ لیکن ہمارے یہاں قیام میں صرف ایک گڑبڑ کا اندیشہ ہے"۔ زبیرخان نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"اگر اتفاق سے سچ مچ محافظ یا نگران پہنچ گئے۔ ممکن ہے ہمیں تلاش کرنیوالے ہی کسی طرف سے نکل آئیں"۔

"قبل از وقت ہے زبیرخان! جب آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔ سو جاؤ!" میں نے کروٹ بدل کر کہا اور زبیرخان خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی اور پھر گہری نیند سو گئے۔

دوسری صبح جس وقت جاگے تو سورج چڑھ چکا تھا۔ خاصا وقت ہوگیا تھا۔ ہم خیمے سے نکل آئے۔ خانہ بدوش اپنی اپنی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"آپ لوگ ناشتہ کرلیں۔ سردار نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے!"

"ٹھیک ہے' لے آؤ"۔ میں نے کہا اور زبیرخان کا ہاتھ پکڑ کر واپس خیمے میں داخل ہوگیا۔ زبیرخان ہنس پڑا۔ "تمہاری بے فکری قابل داد ہے!" اس نے بھاری لہجے میں کہا اور میں بھی مسکرا پڑا۔ "ہاں یار' اب جو کچھ کرنا ہے' کھانے پینے کے بعد ہی شروع کرنا چاہیے"۔ میں نے جواب دیا۔

"لیکن رات کو تمہارے ذہن میں کیا ترکیب آئی تھی؟"

"کوئی خاص نہیں۔ بس یہاں قیام کرنا مقصود ہے نا۔ ہم ابھی سردار جوفان سے ملیں گے اور اس سے اجازت طلب کریں گے۔ تھوڑی دور تک جائیں گے اور اس سے کہہ دیں گے کہ ہمارے ساتھی کہیں گشت کرتے ہوئے دور نکل گئے ہیں اور ہمارے گھوڑے بھی لے گئے ہیں' ان حالات میں ہمیں ان کا انتظار کرنا ہوگا اور ظاہر ہے اس ویرانے میں کسی پہاڑی چٹان پر بیٹھ کر تو انتظار نہیں کیا جاسکتا' اس کے لیے انہی لوگوں میں شامل رہنا ہوگا"۔

"واہ! زبردستی کے مہمان بننا خوب آتا ہے تمہیں!" زبیر خان نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے ناشتہ آگیا جو بلاشبہ عمدہ تھا اور ہم بھی اس کے ساتھ خوب انصاف کررہے تھے۔ یک چشم سردار صورت سے کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا لیکن خان جلال کے محافظوں کے سامنے شاید وہ چوہا بنا رہتا تھا۔ خان نے ان لوگوں پر بھی اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ اس نے مصنوعی عاجزی سے کہا۔ "بڑے لوگ اس حقیری مہمان نوازی سے خوش تو نہ ہوں گے!"

"نہیں جوفان! تمہارا شکریہ!" ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ خان سے تمہاری اس محبت کا تذکرہ کریں گے اور تمہیں زیادہ سے زیادہ مراعات دلانے کی کوشش کریں گے!"

"بڑے لوگ بے شک رحمدل ہوتے ہیں!" جوفان نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور پھر میں نے اسے مخاطب کیا۔ "تو پھر جوفان! ہمیں اجازت دو' ہمارے ساتھی منتظر ہوں گے!!"

"اوہ' کیا حرج تھا اگر کچھ روز ہمارے درمیان ہی گزار لئے جاتے۔ تاہم میں بڑے لوگوں کو ان کے فرض کی ادائیگی سے نہیں روکوں گا! اس نے گردن خم کی اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

مکار آدمی ہم جا کہاں رہے ہیں' ابھی آرہے ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا اور ہم دونوں جوفان سے مصافحہ کرکے رخصت ہوگئے۔ جوفان ہمیں تھوڑی دور تک چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔ ہم دونوں چل پڑے۔ جانا کہاں تھا بس خواہ مخواہ چار گھنٹے ادھر ادھر چکراتے رہے اور پھر چہروں پر پریشانی کے آثار طاری کئے واپس خانہ بدوشوں کے قبیلے میں پہنچ گئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ سب سے پہلی ملاقات جوفان ہی سے ہوئی تھی'

اس نے ہمیں دیکھ کر حیرت اور پھر خوشی کا اظہار کیا اور میں نے بڑی افسردہ سی شکل بناتے ہوئے کہا۔ "معاف کرنا جوفان! ہمارے ساتھی انتہائی احمق معلوم ہوتے ہیں! ہم لوگ تو اس طرف آئے اور شاید وہ کہیں گشت کرتے ہوئے دور نکل گئے۔ بدقسمتی سے ہمارے گھوڑے بھی انہی کے پاس تھے وہ گھوڑے لے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان کا خیال ہو کہ ہم تمہارے ساتھ دو تین دن قیام کریں گے۔ ویسے تمہاری رقص و سرود کی محفلیں ہم لوگوں میں کافی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ ممکن ہے ہمارے ساتھیوں نے سوچا ہو کہ اب ان رقص و سرود کی محفلوں سے نکل کر فوری طور پر واپس آنا بڑا مشکل کام ہے۔ تو میرے عزیز دوست! ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ ہی قیام کریں گے جب تک کہ ہمارے ساتھی واپس نہ آجائیں۔ ویسے یہ قیام زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ یقیناً وہ ایک دو دن کے بعد یہاں سے گزریں گے!"

"آہا' ضرور ضرور' جہاں بڑے آدمیوں کا قیام ہو وہاں تو برکتیں ہی برکتیں ہوتی ہیں۔ ہم تمہیں معزز مہمانوں کی حیثیت سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ تمہارا خیمہ خالی ہے' آرام سے رہو اور اس وقت تک رہو جب تک کہ تمہارے ساتھی واپس نہ آجائیں۔ جوفان کے پاس تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی!"

"بہت بہت شکریہ جوفان! ہم تمہارے بے حد شکرگزار ہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور جوفان نے گردن ہلادی۔ وہ ہمیں ہمارے خیمے تک چھوڑنے آیا تھا پھر اس نے چند لوگوں کو ہماری خدمت کی ہدایت کردی اور پھر ہم سے اجازت لے کر چلا گیا۔

زبیر خان کے ہونٹوں پر ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے کئی بار گردن جھٹکی اور پھر بول ہی پڑا۔ "یک چشم خانہ بدوش دل میں نہ جانے کیا سوچ رہا ہوگا!"

"جو کچھ سوچ رہا ہوگا' کہہ نہ سکے گا' اس لئے فکر مت کرو۔ آؤ خانہ بدوشوں کی سرگرمیاں دیکھیں اور شارق کو تلاش کریں"۔ میں نے جواب دیا اور ہم دونوں خیموں سے نکل آئے۔ مختلف لوگ مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ کھانے کا وقت قریب آتا جارہا تھا اس لئے زیادہ تر خیموں کے سامنے آگ روشن تھی اور لوگ کھانا پکانے میں مصروف تھے!

ایک دور دراز خیمے کے سامنے لکڑی کی ٹکٹکی لگی ہوئی تھی جس کے نیچے آگ روشن تھی اور لوہے کی ایک سلاخ میں ایک سالم بکرا اڑسا ہوا تھا لیکن بکرے کو بھونتے

والی وہی لڑکی تھی جسے ہم نے رات کو شعلے کی مانند لپکتے دیکھا تھا۔ بکھرے ہوئے بال اور آگ کی تپش سے گلابی چہرہ اس وقت بھی غضب کا حسین لگ رہا تھا۔ میں نے زبیر خان کو اشارہ کیا اور وہ بھی گردن ہلانے لگا۔ "بے حد حسین ہے زبیر خان! کیا تم اس کے حسن سے متاثر نہیں ہو!"

"اب میں اس عمر سے نکل گیا ہوں!" زبیر خان نے جواب دیا۔

"گویا بوڑھے ہوگئے ہو؟"

"عورتوں کی حد تک!"

"کبھی جوان ہوئے تھے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جوانی جب آئی تو میں سو رہا تھا چپکے سے گزر گئی یا پھر میں نے اسے دیکھا ہی نہیں!"

"فضول بات ہے!" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"ہر مشن کی تکمیل کے لئے زندہ رہنا زندگی ہے اور زندگی کا ثبوت یہی ہے کہ انسان اس کے سارے لوازمات میں دلچسپی لے!"

"روایت سمجھ لو' جذباتیت سمجھ لو' جو دل چاہے سمجھ لو لیکن اپنی خوشی کے لئے اگر کوئی قدم اٹھاتا ہوں تو باپ کی لاش سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر ایک سوال ہوتا ہے کیا اس خون کی آسودگی اولیت رکھتی ہے جو بے دردی سے بہادیا گیا!" زبیر خان نے جذباتی لہجے میں کہا اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔ میں اس کے ان جذبات کا مذاق نہیں اڑا سکتا تھا!

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہم دونوں اس لڑکی کے قریب پہنچ گئے جو بڑی محویت سے بکرا بھون رہی تھی۔ اس نے خوبصورت آنکھیں اٹھا کر ہمیں دیکھا۔ "مہمان!" وہ مسکرائی۔

"تمہیں علم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں!"

"رات کو ہم نے تمہارا رقص دیکھا تھا۔ بہت عمدہ رقص کرتی ہو"۔

"گالا بھی یہی کہتا ہے!" لڑکی انبساط سے بولی۔

"گالا........... گالا کون ہے؟"

"میرا محبوب........... میری روح..........." لڑکی نے آگ کریدتے ہوئے جواب دیا اور اسی وقت اندر سے آواز آئی۔ "سخت بھوک لگی ہے جویا! تم بکرا بھون رہی ہو یا گینڈا!" اور لڑکی ہنس پڑی۔ لیکن میں سنجیدہ ہوگیا تھا۔ یہ آواز شارق کے سوا اور کسی کی نہیں تھی۔ میں نے زبیر خان کی طرف دیکھا لیکن زبیر خان شاید شارق کی آواز نہیں پہچان سکا تھا...........

"بس تھوڑی دیر اور ہے گالا!" اس نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"ذرا جلدی کرو!" اندر سے آواز آئی اور لڑکی آگ تیز کرنے لگی۔

چند ساعت خاموش رہنے کے بعد بولی۔ "بس ذرا سی بھوک کی برداشت نہیں ہے اسے' بے چین ہو رہا ہے"۔

"ہمیں نہیں ملاؤ گی اپنے محبوب سے؟" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔ "ملو گے؟"

"کیوں نہیں۔ تمہارا محبوب بھی تمہاری طرح لاتعداد خوبیوں کا مالک ہوگا!"

"وہ کیا ہے' تم نہیں سمجھو گے۔ مرد کا تصور اس کی ذات میں مکمل ہوگیا ہے اور بس!" جویا نے کہا اور اس کی آنکھیں مخمور ہوگئیں۔ پھر وہ ایکدم چونک پڑی۔ "تم نے کھلے جنگل میں مست خوری کرتے ہوئے ببرشیر دیکھے ہیں۔ تم نے قیادت کرنیوالے سفید ہاتھی کو دیکھا ہے جو اپنے پورے غول کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ صفات میرے محبوب میں یکجا ہیں۔ رزم میں بے مثال اور بزم میں لاجواب۔ لیکن........... اچانک وہ ہنس پڑی۔ "لیکن ذرا انتظار کرو۔ بھوکے بھیڑیے خوش اخلاق نہیں ہوتے ذرا اس کا پیٹ بھر جانے دو"۔

"جویا!" اندر سے ایک دہاڑ سنائی دی۔

"بس تھوڑی دیر اور!" جویا محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں اب بالکل نہیں' جیسا بھی ہے' لے آؤ!" دہاڑ دوبارہ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی خیمے کا پردہ ہٹا اور جویا کا محبوب باہر نکل آیا۔ بلاشبہ شارق شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے بارے میں تھوڑا بہت میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں لیکن خانہ بدوشوں کے اس قبیلے میں زندگی گزارتے ہوئے اس کی شخصیت کچھ اور نکھر گئی تھی۔ رات کو ہم نے اسے دیکھا تھا لیکن اسکی شخصیت کا یہ نکھار ہماری نگاہ میں نہیں آیا تھا۔ اس وقت میں نے

اسے دیکھا اور دیکھ کے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ شارق نے ہماری طرف نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا' وہ گرسنہ نگاہوں سے بکرے کو دیکھتا ہوا ٹکٹکی کی جانب بڑھا۔

"بس چند لمحات اور!" جویا محبت بھرے انداز میں بولی۔ "میں نے آگ تیز کردی ہے"۔

"ہرگز نہیں' ہرگز نہیں!" شارق نے ہاتھ آگے بڑھائے اور جویا نے جلدی سے اپنا ہاتھ آگے کردیا۔ "ہاتھ جل جائے گا گالا!" وہ بولی۔

"پیٹ جل رہا ہے' اس کا کیا کروں؟" شارق پیٹ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا اور جویا ہنس پڑی۔ شارق نے ٹکٹکی پر سے گرم سلاخ اٹھالی تھی' ایک لمحے کے لئے شاید اس کی ہاتھوں میں کھولن ہوئی لیکن دوسرے لمحے اس نے بکرے کے بدن پر ہاتھ مار کر اسے سلاخ سے کھینچ لیا۔ اور پھر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے خیمے کے جانب واپس پلٹ گیا۔ بدبخت نے نگاہ اٹھا کر بھی ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ جویا پیچھے پیچھے لپکی۔ "او گالا گال سنو تو سہی' تم اسے خراب کردو گے!" وہ شارق کے ساتھ ساتھ ہی خیمے کے اندر داخل ہوگئی۔ زبیرخان دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"اگر وہ اتنا ہی وحشی ہے تو لڑکی درست کہتی ہے!" زبیرخان نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس انوکھی شخصیت کا مالک ہے۔ میں نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا لیکن اس کا وجود اتنا شاندار نہیں تھا۔ واقعی بھوکا بھیڑیا معلوم ہو رہا تھا پھر لڑکی کے کہنے کے مطابق کھلے جنگل میں ٹہلتا ہوا شیر!" زبیرخان نے کہا۔

"وہ بے پناہ طاقتور ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ تم رات ہی کو لگا چکے ہو زبیرخان!"

"ہاں واقعی!" اور تعجب کی بات یہ ہے کہ طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہے۔ میں نے یہ دوصفات کسی ایک انسان میں یکجا نہیں دیکھیں لیکن اس نے ہماری طرف دیکھا بھی نہیں!"

"ہاں' اس کی کیفیت نارمل معلوم نہیں ہوتی!"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" زبیرخان بولا۔

"بس میرا اندازہ ہے زبیرخان! ظاہر ہے وہ میرا ساتھی ہے اور میں اس کی

شخصیت سے کافی حد تک واقف ہوں!"

"مگر اب ہم کیا کریں؟" زبیرخان نے کہا

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم تو اس سے ملنے آئے تھے اور اس نے ہماری طرف دیکھا بھی نہیں!" زبیرخان بولا۔

"بھوکے بھیڑیے صرف شکار سے دلچسپی رکھتے ہیں!" میں نے ہنس کر کہا۔

"تو اس سے نہیں ملو گے؟"

"انتظار کرو' اس کے لئے تو یہاں رکے ہیں۔ خیمے میں داخل ہونا معیوب ہوگا ورنہ ہم اندر ہی چلتے!" میں نے جواب دیا اور زبیرخان ٹھوڑی کھجانے لگا۔ پھر بولا۔ "ویسے ان دونوں کے تعلقات کافی گہرے معلوم ہوتے ہیں!"

"لڑکی اسے اپنا محبوب بتاتی ہے!"

"اور وہ خیمے میں یکجا رہ رہے ہیں!"

"ہاں یہی لگتا ہے!"

"کیا تمہارا ساتھی عورت خور ہے؟"

"شدت پسند تو نہیں' لیکن اس نے تمہاری طرح جوانی کو نظرانداز بھی نہیں کیا!"

"میں خود کو بہتر سمجھتا ہوں۔ اب اس وقت دیکھ لو۔ رات کو تم اس لڑکی کے حسن سے کتنا متاثر ہوئے تھے۔ اگر تمہارے دل میں بھی اس کا حصول' اس کا پیار جاگ اٹھتا تو کیا اس وقت تمہیں شدید مایوسی نہ ہوتی؟"

"ہاں یہ بات تو ہے!"

"عورت سے میں اس لئے بھی الجھتا ہوں۔ خاص طور سے یورپ کی عورت پر تو کوئی بھروسہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ کہیں نہ کہیں مصروف ہوتی ہے اور میں.......... میں ذرا دوسری فطرت کا مالک ہوں' اپنے گھوڑے کو اپنے ہی تصرف میں رکھنا پسند کرتا ہوں۔ اگر وہ ہر ایک کو اپنی پشت پر سوار ہونے دے تو پھر اسے گولی مار دینا ہی بہتر ہوتا ہے!"

"خوب!" میں نے گہری سانس لی۔ اسی وقت جویا باہر نکل آئی وہ مسکرا رہی تھی۔

"مجھے معاف کرنا۔ تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو!"

"تم نے ہمیں اس سے ملانے کا وعدہ کیا تھا نا؟"

"ہاں تم اس میں بڑی دلچسپی لے رہے ہو؟"

"وہ ایسی ہی دلکش شخصیت کا مالک ہے۔ واقعی ببر شیر معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گیا"۔

"صدیوں کے خواب پورے ہوئے ہیں میرے! جب وہ میرے پاس نہیں تھا تو میں اسے خوابوں میں دیکھتی تھی اور پھر خواب حقیقت بن گئے!"

"تم اسے بہت چاہتی ہو؟"

"میری دنیا ہی اس کے وجود سے روشن ہے۔ ورنہ تاریکی کے سوا اور کیا ہے؟" لڑکی نے کہا اور زبیرخان نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ کہا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ انگریزی میں بولا۔ "سمجھے.......... اب اس روشن چراغ کو لے کر تم اس پر ظلم کرو گے۔ ویسے خانہ بدوش لڑکی فلسفی اور شاعر بھی معلوم ہوتی ہے"۔

"ہاں یہ فلسفہ عشق ہے لیکن ہوش وحواس کی دنیا میں یہ فلسفہ تسلیم نہیں کیا جاتا!" میں نے کہا اور زبیرخان نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھنے لگا!

"تم لوگ کیا باتیں کرنے لگے؟" لڑکی بولی۔

"تمہاری محبت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کیا تم اسے بچپن سے چاہتی ہو؟"

"میں.......... میں تو پیدا ہونے سے قبل اسے چاہتی تھی۔ یقین کرو میں تو پیدا ہی اس کے لئے ہوئی تھی!"

"کیا وہ ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہے؟"

"روحانی طور پر وہ ہمیشہ سے میرے ساتھ تھا جسمانی طور پر اب آیا ہے!"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"پتھروں سے جنم لیا ہے اس نے' درختوں کی مانند زمین سے اگا ہے جبھی تو دوسروں سے مختلف اور منفرد ہے۔ بڑے بڑے سورما ہیں اس قبیلے میں' لاکھوں دعوئی کرتے ہیں لیکن اس کے آگے سب ہیچ ہیں' وہ میرا غرور ہے۔ سمجھے وہ میرا غرور ہے!"

"اگر وہ بکرا ہضم کر چکا ہو تو اسے ہم سے ملاؤ!" زبیرخان بولا۔ اور لڑکی ٹہلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں بھی سنجیدگی سے لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ بے پناہ چاہتی ہے کمبخت! اگر شارق چلا گیا تو نہ جانے اس کا کیا حشر ہو۔ بہرحال اس کے لئے شارق جیسے آدمی کو ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ تب کہیں جاکر شارق لڑکی

کے ساتھ برآمد ہوا۔ وہ اجنبی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں گالا!" لڑکی بولی۔

"تو میں کیا کروں؟" شارق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم سے ملنے آئے ہیں!" لڑکی نے کہا۔

"کس طرح ملیں گے!" شارق نے نیم غنودہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی کیفیت میں بناوٹ نہیں ہے اور وہ واقعی ہمیں پہچان نہیں سکا۔

"اوہ گالا! ان سے باتیں کرو' اپنے مداحوں سے تو گفتگو کرنی ہی چاہیے!"

"تم جانتی ہو کھانا کھانے کے بعد مجھے گہری نیند آنے لگتی ہے!" شارق نے کہا اور لڑکی بے بسی سے ہمیں دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے ہم نے تمہارے محبوب کو دیکھ لیا۔ اب اگر یہ آرام کرنا چاہتا ہے تو اسے آرام کرنے دو!" میں نے کہا اور لڑکی کے کسی جواب کا انتظار کئے بغیر شارق واپس خیمے کی جانب مڑ گیا۔ وہ بلاشبہ مست ہاتھی کی مانند جھومتا ہوا خیمے میں داخل ہوگیا تھا۔ لڑکی نے معذرت آمیز نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور بولی۔ "ایسا ہی ہوتا ہے' ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تک بھوکا رہتا ہے' دہاڑتا رہتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو بچوں کی طرح گہری نیند سوجاتا ہے۔ اچھا مجھے یقین ہے تم لوگ برا نہیں مانے ہوگے!" وہ اجازت طلب نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے بولی اور ہم دونوں نے بیک وقت گردن ہلادی۔ تب جویا بھی خیمے کے اندر چلی گئی اور میں نے گہری سانس لے کر زبیرخان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "شارق یقیناً کسی اور کیفیت کا شکار ہے زبیرخان!" میں نے آہستہ سے کہا اور زبیرخان گردن ہلانے لگا۔ ہم دونوں وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ واپس آکر ہم خیمے میں بیٹھ گئے۔ زبیرخان کافی دیر تک کچھ نہیں بولا تو میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا سوچنے لگے زبیرخان؟"

"کوئی خاص بات نہیں' بس تمہارے ساتھی کے بارے میں سوچ رہا تھا!"

"ہاں' لیکن اس کے باوجود اسے یہاں سے لے جانا ضروری ہے!"

"کیا وہ اپنے قدموں سے چل کر جائیگا!" زبیرخان نے سوال کیا۔

"مشکل بلکہ ناممکن' جب وہ ہمیں پہچان ہی نہیں سکتا تو پھر ہمارے ساتھ جانے کو کیوں تیار ہو جائے گا؟"

"تو کیا تم اس مست ہاتھی کو بے ہوش کر کے لے جاؤ گے؟" زبیر خان نے پوچھا۔

"نہیں زبیر خان! کچھ اور ہی سوچنا پڑے گا!"

"تو پھر سوچو" زبیر خان دونوں رانوں پر ہاتھ مار کر بولا۔ اور اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لئے بھی کھانا آگیا۔ یہاں ان چیزوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ حسب معمول بہترین کھانا تھا۔ آخر ہم سردار جوفان کے مہمان تھے اور جوفان ہم سے بہتر مستقبل کی آس لگائے بیٹھا تھا' کھانے کے بعد ہم پر بھی دیر تک نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری رہی۔ اس دوران میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا اور پھر مجھے ایک ترکیب سوجھ ہی گئی۔ میں نے مسکرا کر زبیر خان کی جانب دیکھا لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"سوگئے کیا؟" میں نے سوال کیا اور زبیر خان نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ "نہیں بھائی! سونے کا کیا سوال ہے.........؟"

"تو پھر کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں آئندہ اقدامات کے بارے میں غور کر رہا ہوں"۔

"کیا اس واقعہ کے بعد بھی ہمیں سبز حویلی کی جانب جانا چاہیے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نہیں سمجھا!" زبیر خان بغور مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے زبیر خان! ممکن ہے میری رائے سے تمہیں اختلاف ہو اور تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچے لیکن میرے دوست! میرا ساتھی بے حد قیمتی ہے' میں اسے نظرانداز نہیں کرسکتا!"

"میں جانتا ہوں اور نہ ہی میرے دل میں یہ خواہش ہے کہ تم اسے نظرانداز کردو!" زبیر خان نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں اسے ہر قیمت پر یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں خواہ اس کیلئے کشت وخون ہی کیوں نہ کرنا پڑے!"

"ٹھیک ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ اگر ہم جوفان سے اس بارے میں گفتگو کریں تو وہ بے سود ہوگی۔ شاید ہی وہ کسی ایسی بات پر رضامند ہو"۔

"ہرگز نہیں۔ جوفان سے تو ہم کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ میں نے اس سلسلے میں ایک ترکیب سوچی ہے!"

"کیا؟" زبیر خان نے پوچھا۔

"زبیر خان! کیا تم یہاں سے واپسی کے راستے کا تعین کرسکتے ہو؟"

"کسی حد تک' ہم پختہ سڑک پر پہنچ جائیں۔ بس پھر وہاں سے حسن پور تک سفر کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا!" زبیر خان نے جواب دیا۔

"پختہ سڑک کے بارے میں جوفان سے معلومات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں!"

"لیکن ہوشیاری سے۔ تمہارے ذہن میں کیا ترکیب آئی ہے؟" زبیر خان نے پوچھا اور میں نے اسے اپنی ترکیب کے بارے میں بتادیا۔ زبیر خان مجھ سے متفق ہوگیا تھا۔ "بشرطیکہ........." اس نے کہا۔ "سارے کام ہماری مرضی کے مطابق ہی ہوں!"

سورج آخری سفر طے کر رہا تھا۔ پہاڑوں میں شام جھک آئی تھی۔ خانہ بدوش اب بھی اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ میں اور زبیر خان ٹہلتے ہوئے ان کے درمیان سے گزرتے رہے۔ پھر ہم جوفان کے خیمے کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر کھڑے ہوئے شخص نے شاید جوفان کو اطلاع دے دی تھی چنانچہ وہ مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ "بڑے لوگوں کو جوفان کا سلام!" وہ بولا۔

"تمہاری شام کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں جوفان!"

"جن دنوں مال کی آمد نہیں ہوتی' ان دنوں سب بیکار رہتے ہیں۔ یہی دن عیش وعشرت کے دن ہوتے ہیں۔ ناچ رنگ' شراب اور گانے کی محفل۔ پھر جب کام کا وقت آتا ہے تو یہ سارے لوگ مستعد ہو جاتے ہیں!!"

"تمہارا اپنا مال کب تک آرہا ہے؟"

"آئندہ ماہ کی کسی تاریخ کو۔ کسی چیز کی ضرورت ہے مالک؟"

"اوہ نہیں۔ ہم تمہاری مہمان نوازی کے جواب میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں اپنے کام میں کوئی الجھن ہو تو بتاؤ!!"

"بالکل نہیں مالک' جب خان کا ہاتھ ہمارے سر پر ہے تو پھر کیا الجھن ہوگی۔ مال آتا ہے تو بازار لگ جاتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا ہے۔ تیل کالونی میں سب سے زیادہ کھپت ہو جاتی ہے۔ خان کی مہربانی سے حسن پور میں بھی ہم مال بیچ لیتے ہیں"۔

"پولیس تو پریشان نہیں کرتی؟"

"مجال ہے اس کی۔ خان کے بارے میں سب جانتے ہیں!"

"کیا یہ مال تم اندرون ملک نہیں بھیجتے؟"

"کیوں نہیں مالک! باقی مال اندر چلا جاتا ہے!"

"گویا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے!"

"قطعی نہیں!!"

"پختہ سڑک یہاں سے کتنی دور ہے جوفان!" اچانک زبیرخان نے پوچھ لیا۔

"وہ اس بھوری پہاڑی کے دوسری جانب یہاں سے دو میل کا فاصلہ بھی نہیں ہے!"

"اس علاقے سے گزرنے والے تو ادھر نہیں آجاتے!"

"کبھی کبھی آجاتے ہیں لیکن جوفان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے!" جوفان نے مطمئن انداز میں کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ "بہرحال جوفان ہماری خواہش تھی کہ تمہارے لئے کچھ کرتے۔ اگر تم مکمل طور پر مطمئن ہو تو یہ ہمارے لئے خوشی کی بات ہے۔ خان کے لئے کوئی پیغام ہو تو ہمیں دے دینا!" میں نے کہا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ اب ہمارا رخ جویا کے خیمے کی جانب تھا۔ جویا اور شارق ہمیں خیمے سے تھوڑی دور نظر آئے۔ شارق اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں ان کے نزدیک جاکھڑے ہوئے اور جویا ہمیں دیکھ کر مسکرادی۔ "گالا جسمانی مشقت کر رہا ہے!" وہ بولی۔

"رات کو ہم نے اسے وزنی پتھر اٹھاتے دیکھا تھا!" میں نے کہا۔

"پورے قبیلے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے!"

"کیا وہ ہر فن میں طاق ہے؟"

"مکمل طور پر"۔ جویا نے جواب دیا۔

"لیکن فن گھڑسواری میں شاید اسے دسترس نہ ہو!" میں نے کہا اور جویا چونک پڑی۔ اس کے انداز میں ناگواری ابھر آئی۔ "یہ بات تم نے کیسے کہی؟"

"جسمانی کھیل دوسری حیثیت رکھتے ہیں۔ گھوڑے کی سواری دوسرا فن ہے۔ اب ہمیں دیکھو دن رات گھوڑے کی پشت پر ہوتے ہیں۔ چٹانوں میں بسر کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے تمہارا گالا اس فن میں ہم سے مقابلہ نہیں کرسکے گا!" میں نے کہا۔ شارق ایک دم سیدھا ہوگیا۔ وہ ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ "یہ بات تم نے کس طرح کہی۔ کیا تم مجھے للکار رہے ہو؟" وہ بولا۔

"کم از کم اس فن میں!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم میں سے کون میرا مقابلہ کرے گا؟" وہ شعلہ بار نگاہوں سے ہمیں گھورتا بولا۔

"جس سے تم چاہو بلکہ بہتر ہے دونوں سے مقابلہ کرلو!" میں نے کہا اور شارق کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ اس نے جویا کی جانب رخ کرکے کہا۔ "جویا کیا تم ہم تینوں کے لئے گھوڑے فراہم نہیں کروگی؟"

"کیوں نہیں ویسے یہ ان لوگوں کی زیادتی ہے۔ مہمان ہونے کے بھی کچھ اصول اور کچھ آداب ہوا کرتے ہیں۔ تاہم اگر انہوں نے اس فن میں للکارا ہے گالا تو تم انہیں اس للکار کا جواب دو۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم کسی فن میں کسی سے پیچھے رہو' میں ابھی گھوڑوں کا بندوبست کرتی ہوں!" جویا نے کہا۔

"یہاں ایک احاطے میں ہم نے بہت سارے گھوڑے بھی دیکھتے تھے۔ خانہ بدوشوں کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ ان جنگلوں میں رہنے کے باوجود وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کررہے تھے اور کیوں نہ کرتے' اسمگلنگ کا کاروبار تھا اور خان جلال جیسے بااثر شخص کی حمایت حاصل تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں جویا تین شاندار گھوڑے لے آئی۔ زبیرخان کی آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی' وہ میری کوشش کو دل ہی دل میں سراہ رہا تھا۔ گھوڑے مہیا کردیئے گئے اور ہم نے اپنے اپنے گھوڑوں کا انتخاب کرلیا اور انہیں لئے ہوئے آہستہ آہستہ ایک مناسب جگہ پہنچ گئے۔

"ہم اس بھوری چٹان کی دوسری جانب تک جائیں گے اور وہاں سے واپس آئیں گے۔ کیا گالا ہمارا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچ سکتا ہے'؟" میں نے جویا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"گالا تم لوگوں کو تحت الثریٰ تک نہیں چھوڑے گا"۔ جویا دانت بھینچ کر بولی۔ بڑی جذباتی لڑکی تھی اور اس وقت اس کی کیفیت بڑی عجیب ہورہی تھی۔ شارق بھی مٹی کا مادھو نظر آرہا تھا اور ہم لوگوں کے لئے اس کی نگاہوں میں غصے کے تاثرات تھے۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔ میں نے آخری بار زبیرخان کی جانب دیکھا اور زبیرخان نے آنکھیں بند کرکے مجھے اشارہ کردیا جیسے کہ وہ اپنے کام کے لئے پوری طرح تیار ہو۔ جویا اس مقابلے کے لئے بے چین نظر آرہی تھی۔ چند ساعت کے بعد ہم تینوں ایک لائن میں

کھڑے ہوگئے اور پھر جویا نے دوڑنے کا اشارہ کردیا۔ ہمارے گھوڑے تیر کی طرح آگے بڑھ رہے تھے اور بلاشبہ ہم شارق کو کافی پیچھے چھوڑ آئے۔ ہمارا رخ اسی بھوری پہاڑی کی جانب تھا جس کی دوسری طرف پختہ سڑک موجود تھی۔ شارق کے چہرے پر دیوانگی تھی۔ وہ بری طرح اپنے گھوڑے کو پیٹ رہا تھا اور یہی شاید اس کے پیچھے رہ جانے کی وجہ تھی۔ زبیرخان کا گھوڑا میرے گھوڑے کے برابر دوڑ رہا تھا۔ تب میں نے اس کی طرف دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔ ”بھوری پہاڑی کے دوسری طرف پہنچ کر زبیرخان! اس سے پہلے نہیں!“ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے گھوڑے کو کھینچا۔ زبیرخان فوراً آگے نکل گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کو اتنا کھینچا کہ شارق بھی آگے نکل جائے۔ زبیرخان کا گھوڑا بھوری پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوسری جانب نکل گیا۔ ایک بار پھر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بھی پہاڑی کے دوسری جانب پہنچ گیا۔ زبیرخان اپنا کام کر چکا تھا۔ پروگرام کے مطابق اسے اپنے گھوڑے کو شارق کے گھوڑے سے الجھانا تھا۔ اس کوشش میں تو وہ کامیاب ہوگیا تھا لیکن شارق اب اس کے لئے مصیبت بن گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور زبیرخان نیچے گرا ہوا تھا۔

”کھڑے ہو جاؤ جنگلی جانور! میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا تم نے جان بوجھ کر مجھے گھوڑے سے گرایا ہے تاکہ تمہارا یہ ساتھی قبیلے میں واپس جائے اور میری شکست کا اعلان کردے!“ شارق کہہ رہا تھا۔

”کیا تم مجھ سے کشتی لڑو گے؟“ زبیرخان غراتا ہوا کھڑا ہوگیا“۔

”میں تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کر تمہیں قبیلے میں لے جاؤں گا اور تمہاری بے ایمانی کی تفصیل بتاؤں گا!“ شارق نے کہا۔

”تم خواہ کتنے ہی طاقتور ہو‘ یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے!“ زبیرخان بھی کھڑا ہوگیا۔ میں کسی ایسی حماقت میں نہیں پڑسکتا تھا۔ یہاں سے جتنی جلدی نکل جایا جاتا بہتر تھا۔ یہ بات زبیرخان کو معلوم تھی لیکن وہ سنک چکا تھا۔ میں گھوڑے سے اتر آیا۔ ”تم درمیان میں دخل نہیں دوگے!“ شارق غرایا۔ لیکن میں اس کی پشت پر پہنچ گیا تھا۔ شارق نے میرے ہاتھ میں پستول نہیں دیکھا تھا لیکن وہ میری طرف سے بھی چوکنا نظر آرہا تھا۔ اس ہاتھی کی طاقت سے میرے علاوہ اور کون واقف ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اسے چالاکی سے ہی زیر کرنا تھا۔ ”نہیں گالا! میں تمہاری جنگ میں دخل نہیں دوں گا۔ اس نے اگر بے ایمانی

کی ہے تو اس سے ضرور جنگ کرو۔ میں خود بے ایمانی کا قائل نہیں ہوں“۔ میں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا اور وہ کسی قدر مطمئن ہوگیا لیکن جونہی وہ زبیرخان کی طرف متوجہ ہوا میں نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر کی پشت پر رسید کردیا۔ شارق لڑکھڑا کر سنبھلا لیکن میں نے اس دوران دوسرا دستہ رسید کردیا تھا۔ وہ پھر بھی نہ گرا تو مجھے تیسرا حملہ کرنا پڑا اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اب وہ چکرا رہا تھا اور پھر وہ اوندھے منہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ زبیرخان خود بھی درندہ نظر آرہا تھا۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں مسکرایا۔ ”تم تو اسے جنگ کے لئے تیار ہوگئے تھے زبیرخان!“ میں نے نرم لہجے میں کہا اور زبیرخان عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ سنبھل گیا اور جھینپتے ہوئے انداز میں دونوں شانے ہلا کر سیدھا ہوگیا۔

”میرا دماغ بھی الٹ گیا تھا!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”چلو اب اسے سنبھالو۔ کیا میرے گھوڑے کو بھی استعمال کرو گے یا..........؟“

”مناسب نہیں ہوگا۔ تم اسے میرے گھوڑے پر ڈال دو میں اسے سنبھال لوں گا اور تم قرب وجوار پر نگاہ رکھنا!“ زبیرخان نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ زبیرخان اگر شارق سے بھڑ جاتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ بہرحال شارق‘ زبیرخان جیسے لوگوں کے بس کی چیز نہیں تھا اور پھر اس دیوانگی کی کیفیت میں تو زبیرخان کو جان بچانا مشکل ہوجاتا! زبیرخان ٹھنڈا ہوگیا تھا‘ اس نے بڑی احتیاط سے شارق کو اپنے گھوڑے پر سنبھال لیا اور پھر ہم نے گھوڑے پختہ سڑک پر چھوڑ دیئے۔ رفتار کافی تیز تھی اور میری نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔

انتہائی خطرناک حالات میں سفر کرتے ہوئے ہم بڑی مشکل سے رات کے دوسرے پہر حسن پور میں داخل ہوئے۔ ایک طرف خانہ بدوشوں کا خطرہ تھا تو دوسری طرف خان جلال کے آدمیوں کا لیکن شکر ہے کہ دونوں میں سے کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور ہم کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ یوں تو میں بھی اس عمارت میں اب اجنبی نہیں تھا لیکن زبیرخان کی وجہ سے کوئی دقت پیش نہیں آئی اور ہم شارق کو اندر لے آئے۔ شارق بدستور بے ہوش تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد کہیں پھر بگڑا ہوا سانڈ نہ ثابت ہو‘ سخت مصیبت بن جائیگا۔

”اس کا انتظام تو آسان ہے!“

"کیا؟"

"مارفیاء کے انجکشن - کیا بندوبست نہیں ہو سکے گا؟"

"کیوں نہیں لیکن صبح سے قبل ممکن نہیں ہے!"

"ٹھیک ہے۔ اگر صبح سے پہلے ہوش میں آگیا تو ایک بار پھر.........." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور زبیر خان گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا "کرنل سے اسی وقت ملاقات کی جائے یا صبح کو؟"

"میرا خیال ہے ان کی نیند کیوں خراب کی جائے میں اس کے پاس موجود ہوں۔ اب تم جاؤ تم بھی آرام کرو!" میں نے جواب دیا۔

"میری ضرورت ہو تو..........!"

"نہیں ڈیئر! میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم بس ممکن ہو تو باہر نگاہ رکھو!"

"ٹھیک ہے میں دروازے پر موجود چوکیداروں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کردوں گا!" زبیر خان نے کہا اور مجھے خداحافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ میں نے تشویش زدہ نظروں سے شارق کو دیکھا۔ میرا دوست ' میرا ساتھی - بیچارے کو میرے ہاتھوں تکلیف پہنچی تھی لیکن یہ ضروری تھی اس کے بغیر چارہ کار بھی تو نہیں تھا۔ لیکن اسے ہوا کیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ شارق صحیح الدماغ نہیں رہا۔ کسی طرح اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ سارے کام اپنی جگہ لیکن شارق کی نگہداشت اور اس کی فوری مدد سب سے ضروری کام تھا لیکن ان حالات میں ' صرف میں تنہا شارق کے لئے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ شارق کو ڈاکٹر برہان تک لے جانا بھی مشکل کام تھا۔ چنانچہ بہتر ہی ہے کہ ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرکے شارق کو اس کے حوالے کردیا جائے۔

شارق کو ایک گرم چادر اوڑھانے کے بعد میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ یہاں رات کو باقاعدہ پہرہ ہوتا تھا۔ خاص طور سے کرنل جہانگیر کے کمرے کے سامنے نرس ضرور ہوتی تھی۔ میں وہاں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے جلدی سے کتاب رکھ دی اور خوش اخلاقی سے مسکرائی۔ "ہیلو!" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسے مزاج ہیں جناب؟"

"ٹھیک ہوں! غالباً زبیر یہاں آیا تھا!"

"جی ہاں! کرنل کی خیریت معلوم کرکے گئے ہیں۔ انہی سے آپ لوگوں کی واپسی

کی اطلاع ملی تھی!" نرس نے جواب دیا۔

"کرنل ٹھیک ہیں؟"

"جی ہاں! آپ لوگوں کی غیر موجودگی سے الجھے ہوئے ہیں!"

"ہما کی کیا کیفیت ہے؟"

"بہت خراب! مارفیا دے کر سلادیا جاتا ہے۔ ابتداء میں باہر نکلنے کی کوشش میں خود کو زخمی کرلیا تھا لیکن اب نشے میں رہتی ہیں"۔

"اور نرس کیا تمہارے پاس مارفیاء کے انجکشن موجود ہوں گے؟"

"ہاں خاصی تعداد میں منگوائی ہے۔ ہما بی بی کو انجکشن مجھے ہی دینا پڑتا ہے!"

"دو انجکشن اور ایک سرنج مجھے بھی دے دو نرس!" میں نے کہا اور نرس چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"تم جانتی ہو اس کا غلط استعمال نہیں ہوگا کرنل مجھ پر بھرپور بھروسہ کرتے ہیں؟"

"ہاں' ہاں کیوں نہیں۔ میں جانتی ہوں۔ ابھی لائی لیکن آپ کو کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"ایک اور مریض یہاں موجود ہے!" میں نے کہا اور اس کے چہرے پر تعجب کے آثار پیدا ہوگئے۔ وہ چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے مارفیا کے انجکشن مجھے دے دیئے۔ شکریہ! اب اگر تم چاہو تو اس مریض کو دیکھ سکتی ہو۔ "آؤ!" میں نے اس کو دعوت دی اور نرس اپنا اشتیاق نہ روک سکی۔ اس نے آہستہ سے درواز کھول کر کرنل کو جھانکا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا کر میرے ساتھ چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے ساتھ میرے کمرے میں آگئی۔ شارق کو دیکھ کر وہ بری طرح اچھل پڑی۔ "ارے' یہ تو شارق صاحب ہیں!"

"پہچانتی ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ لیکن انہیں کیا ہوا؟"

"یہ بھی آجکل اولمپک چیمپئن ہے!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور نرس بے اختیار ہنس پڑی۔ "تو کیا انہیں بھی وہی مرض لاحق ہوگیا جو ہما بی بی کو ہے!" اس نے کہا اور میرے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا' بعض اوقات معمولی سی مذاق کی بات بھی کتنی اہمت رکھتی ہے۔ واقعی یہ ممکن تھا کہ شارق کو بھی ہپناٹائز کیا گیا ہو اور وہ وقتی طور پر اپنا

ماضی بھول گیا ہو۔ میں حیرت سے نرس کو گھورتا رہا پھر سنبھل گیا"۔ ممکن ہے لیکن یہ صحیح الدماغ نہیں ہے اور ہوش میں آنے کے بعد دوچار آدمیوں کے بس کی چیز بھی نہیں ہے!"

"تب تو جلدی سے انجکشن دے دیں ورنہ یہ گھر ضرور پاگل خانہ بن جائیگا!" وہ مسکرا کر بولی۔ اور پھر اس نے خود ہی شارق کو مارفیا کا انجکشن دے دیا۔ "خدا کی پناہ! نہ جانے اس گھر پر کیا مصیبت آئی ہے؟"

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔ بس اب تم آرام کرو۔ تمہیں اپنی ڈیوٹی پر مستعد رہنا چاہیے۔ اور وہ سرہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بھی لباس تبدیل کیا اور لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک واقعات اور حالات میرے ذہن کو کریدتے رہے اور پھر میں بھی سوگیا۔ دوسری صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ شارق اب مارفیا کے زیراثر تھا مجھے اس کی حالت کا دکھ تھا لیکن اس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد پہلے کرنل جہانگیر سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ کرنل میرے منتظر تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد انہوں نے کہا"۔ زبیرخان سے میری ملاقات ہوچکی ہے۔ بڑے عجیب انکشافات ہوئے ہیں۔ ویسے میرے ذہن میں تمہارا ایک سوال چبھ رہا ہے!"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے تیل کالونی میں میرے کسی شناسا کے بارے میں پوچھا تھا!"

"ہاں اور آپ نے میجر یوسف کا حوالہ دیا تھا!"

"بالکل' کیا تمہارے ذہن میں پہلے سے کوئی بات تھی؟" کرنل جہانگیر نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی سمجھ لیں کرنل! کسی کیس کے ڈھانچے پر غور کرتے ہوئے اس کے اسٹینڈرڈ کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ جرم کا وزن اس کے ہم پلہ ذہن کا احساس دلاتا ہے۔ خان جلال جیسے لوگ کامیابی سے ایسے جرائم نہیں کرسکتے' ہاں وہ کسی کے آلہ کار ضرور بن سکتے ہیں اور تیل کالونی غیرملکیوں کا مسکن ہے۔ اس جگہ کے علاوہ ہمیں اور کہیں ذہین لوگ نظرنہیں آتے۔ تیل کی کھدائی کرنے والی غیرملکی کمپنیاں دیانتدار ہیں لیکن ان میں ایسے عناصر ضرور گھس سکتے ہیں جن کا مقصد الگ ہو!"

"خدا کی پناہ! تم لوگ کیا ہو۔ معمولی جرائم کی تفتیش ہی سخت کام ہے لیکن تم بین الاقوامی معیار رکھتے ہو!"

"یہ ساری باتیں تو اپنی جگہ جناب! لیکن میں اپنے ساتھی کے لئے پریشان ہوں!" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے اندازہ ہے' بتاؤ میں اس سلسلہ میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

"کچھ وقت کے لئے مجھے اپنا پروگرام ملتوی کرکے اپنے ساتھی کے بارے میں کچھ کرنا ہے! آپ سے اجازت چاہتا ہوں!"

"یہ بھی میرا ہی کام ہے۔ ظاہر ہے وہ میرے لئے ہی آیا تھا۔ تم مجھے بتاؤ میں اس سلسلہ میں کیا کروں؟"

"میں اس .... کے علاوہ آپ کو اور کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا کہ شارق کو ڈاکٹر برہان کے محفوظ ہاتھوں میں پہنچادوں' اس کے بعد اپنا کام دوبارہ شروع کردوں گا!"

"بخوشی شباب! بخوشی!!" کرنل جہانگیر نے خلوص سے کہا لیکن کیا پروگرام ہے.......... کیا کروگے؟"

"کسی محفوظ جگہ سے فون کروں گا۔ اس عمارت کے فون پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا!"

"تم شہر میں گرانڈ اسٹور چلے جاؤ۔ وہاں تسکین ہے اس کے دفتر سے فون کرلو' وہ تمہیں ہر سہولت فراہم کرے گا۔ میرا معتمد آدمی ہے!"

"آپ اسے یہاں سے فون کرکے میرے بارے میں اطلاع دے دیں"۔

"ابھی! کرنل جہانگیر نے مستعدی سے کہا اور پھر وہ تسکین کو فون کرنے لگے۔ فون پر انہوں نے اسے میرے بارے میں ہدایات دیں اور تسکین نے بخوشی مجھے دعوت دی۔ اس کے بعد کرنل جہانگیر سے اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی اور میں ناشتہ وغیرہ کرکے وہاں سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں گرانڈ اسٹور میں داخل ہوگیا۔ شیشے کی ایک خوبصورت کیبن میں دبلے پتلے بدن کے ایک شخص نے میرا استقبال کیا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے اس سے فون طلب کرلیا۔

"آپ جب تک پسند فرمائیں' یہاں رکیں۔ میں چلتا ہوں!" تسکین بولا اور باہر نکل گیا۔ میں نے سکون کی سانس لی تھی۔ ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرنے میں دیر نہ لگی

اور اس کی آواز سن کر ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا!

"خیریت شہاب؟"

"آپ کو میری مصروفیات کا علم ہے جناب! میں نے پوچھا.......... اطمینان کے باوجود میں گفتگو میں احتیاط چاہتا تھا!

"یقیناً!" ڈاکٹر برہان کی آواز سنائی دی۔

"کام تسلی بخش طور پر آگے بڑھ رہا ہے۔ ہماری ایک بھیڑ کھو گئی تھی"۔

"ہاں، میں اس کے لئے پریشان ہوں!"

"مل گئی ہے لیکن پاگلوں کی طرح درودیوار سے ٹکریں مار رہی ہے میں نے اسے بے ہوش کر رکھا ہے لیکن بہرحال ہوش میں آئے گی!"

"اوہ تشویشناک اطلاع ہے!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور چند ساعت سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "خطرناک بھیڑ پر قابو پانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسرے زیادہ خطرناک ہیں۔ ٹھیک ہے شہاب! رات کو آٹھ بجے اپنی قیام گاہ پر میرے فون کا انتظار کرو۔ اس وقت تک بھیڑ کی رکھوالی تمہارے ذمہ ہے!"

"بہت مناسب جناب!"

"اور کوئی بات؟"

"بس اور کچھ نہیں!" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان نے خداحافظ کہہ کر فون بند کردیا۔ سر سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ میں نے تسکین کا شکریہ ادا کیا جو باہر اسٹور میں مصروف تھا اور پھر واپس کرنل کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ کوٹھی کے حالات حسب معمول تھے۔ بیگم جہانگیر اداس تھیں ان سے ملاقات ہوئی تو بڑی معذرت کرنے لگیں۔

"طویل عرصے کے بعد تم آئے بیٹے تو ہم الجھنوں کا شکار ہیں۔ ہما کی حالت پر دل کی جو کیفیت ہے، اللہ جانتا ہے ان دنوں تو اس کا "جنون" اس قدر بڑھ گیا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا!"

"یقیناً مجھے آپ کی پریشانی کا احساس ہے!"

"تم کہاں گئے تھے بیٹے؟"

"بس ایسے ہی حسن پور کے نواح کی سیر کرنے گیا تھا!"

"اگر ہما ٹھیک ہوتی تو وہ تمہیں چپہ چپہ گھمادیتی۔ میں کیا بتاؤں کیا تھی میری بیٹی!

اور اب کیا ہوگئی۔ افسوس..........!!"

"آپ حوصلہ رکھیں ٹھیک ہوجائے گی.......... وقتی بات ہے۔ اکثر یورپ میں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ایک دن وہ خودبخود اعتدال پر آجائے گی!"

"خدا کرے، خدا کرے!" بیگم صاحبہ نے دردناک آواز میں کہا اور میں وہاں سے اٹھ آیا۔ زبیرخان کو تلاش کیا لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ اس شخص کی طرف سے میں پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ خان جلال والا واقعہ ممکن ہے بالکل دوسری حیثیت رکھتا ہو لیکن بہرحال اس پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ پھر یونہی بے مقصد میں اس طرف چل پڑا جہاں ہما قید تھی۔ بڑی سخت نگرانی ہو رہی تھی اس کے کمرے کے باہر چار چار ملازم موجود تھے۔ میری اندر داخل ہونے کی خواہش پر وہ ہچکچائے لیکن بہرحال مجھے اندر داخل ہونے سے نہیں روکا گیا۔ اندر ہما کرسی پر شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر بینڈیج تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے نگاہیں اٹھائیں اور اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم نے سیزر کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا" بروٹس مارکس روما کے سب سے بڑے جرنیل، بالآخر ہم نے پامپے کو شکست دی اور اب تم ہمارے قیدی ہو۔ بولو ہم تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں؟"

میں نے مایوسی سے شانے ہلائے۔ وہ اس وقت بھی دورے کے عالم میں تھی لیکن میرے اس انداز پر ہنس پڑی۔ "تم مغموم ہو، تمہارا سورج غروب ہو چکا ہے۔ پامپے کا ساتھ دیتے ہوئے تم نے سوچا ہوتا کہ سیزر پامپے سے مقابلہ نہ کرسکے گا لیکن انجام تمہارے سامنے ہے۔ سیزر عظیم ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں معاف کردیا جائے۔ خوش ہو جاؤ.......... بروٹس مارکس ہم نے تمہیں معاف کردیا اور تمہیں شہرروم کا منصف اعلیٰ مقرر کیا۔ جاؤ اپنی ذمہ داریاں سنبھالو۔ ہم تم سے بہتری کی توقع رکھتے ہیں!"

یہاں رکنا بے سود تھا۔ چنانچہ میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے وہاں سے نکل آیا۔ باقی دن فضولیات میں گزارا۔ رات کو آٹھ بجے میں فون کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے لئے میں نے کرنل جہانگیر کے کمرے ہی کا انتخاب کیا تھا!

ٹھیک آٹھ بجے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر فون اٹھالیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر برہان خود تھا۔

"شہاب بول رہا ہوں!"

"پتہ نوٹ کرلو۔ گیس ٹرمینل فور۔ کوٹھی نمبر بائیس۔ انتظار کر رہا ہوں!" ڈاکٹر برہان کی آواز سنائی دی اور فون بند کردیا گیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہاں سے فون کیا ہے۔ کیا حسن پور سے؟ کرنل جہانگیر بغور میری صورت دیکھ رہا تھا۔ "کیا ہوا؟؟" اس نے فون بند ہونے کی آواز سن لی تھی۔

"گیس ٹرمینل فور۔ کوٹھی نمبر بائیس!" میں نے دہرایا۔

"ہاں ہے۔ کیوں؟"

"کہاں ہے؟" "یہیں حسن پور میں!" کرنل جہانگیر نے جواب دیا اور میں نے گہری سانس لی اور پھر ریسیور رکھ دیا۔ "براہ کرم مجھے اس عمارت کا جائے وقوع بتائیں کرنل! میرا خیال ہے ڈاکٹر برہان یہاں پہنچ گیا ہے!" میں نے جواب دیا۔

"اوہ' میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں!"

"میں آپ کی خواہش ڈاکٹر تک پہنچادوں گا۔ ویسے اگر وہ مناسب سمجھتے تو خود یہاں آجاتے۔ بہرحال ممکن ہے وہ آپ سے بھی ملاقات کریں۔ ہاں اور اس جگہ کی تفصیل؟؟"

کوٹھی نمبر بائیس ایک خوبصورت عمارت تھی۔ ایک پکی روش پھاٹک سے پورٹیکو تک چلی گئی تھی۔ دونوں طرف گھاس کے وسیع لان تھے۔ دروازے پر موجود چوکیدار نے گیٹ کھول کر سلام کیا تھا۔ میں کار اندر لیتا چلا گیا اور پھر اسے پورٹیکو میں روک دیا۔ صدر دروازے پر ماجد نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔ "آؤ!" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور اندر کی طرف مڑ گیا۔

"پوری ٹیم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس فیضان ہی ہے اور ڈاکٹر بھی!"

"ڈاکٹر نے کیوں تکلیف کی؟"

"وہ شارق کے لیے بے حد پریشان تھا!" ماجد نے جواب دیا۔ ایک خوبصورت ڈرائینگ روم میں ڈاکٹر برہان نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔ ایک اجنبی شکل بھی تھی جس کے بارے میں ماجد نے مجھے نہیں بتایا تھا۔

"یہ پروفیسر احسانی ہیں۔ ہمارے کرمفرما اور معاون اور پروفیسر یہ شہاب تیموری ہیں!" پروفیسر نے مجھ سے مصافحہ کیا تھا۔ فیضان موجود نہیں تھا۔ میں نے اسے تلاش کیا

لیکن ڈاکٹر سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ "شارق کی کیفیت بیان کرو"۔ ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے مختصراً اس کے بارے میں بتادیا۔

"یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ شارق ان لوگوں میں کس طرح شامل ہوگیا؟"

"نہیں' اس کا موقع نہیں مل سکا"۔ میں نے جواب دیا۔

"میں اس سے کس طرح مل سکتا ہوں ڈاکٹر!" پروفیسر احسانی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اسے بلوالیا جائے۔ ہم اسے ساتھ لے جائینگے آپ میرے دو آدمیوں کے ساتھ چلے جائیں پروفیسر اور اسے لے آئیں۔ میں کرنل جہانگیر کو فون کئے دیتا ہوں"۔

"مناسب!" پروفیسر نے جواب دیا اور پھر ڈاکٹر میری طرف دیکھ کر بولا۔ کیا خیال ہے شہاب! تمہارا ساتھ جانا ضروری تو نہیں ہے!"

"آپ کرنل جہانگیر کو فون کرلیں' پھر فیصلہ کریں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان اپنی کرسی دھکیلتا ہوا فون کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے فون پر کرنل جہانگیر کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگالیا۔ "ہیلو کرنل! ڈاکٹر برہان بول رہا ہوں۔ ہاں شکریہ کرنل! ضرور۔ کسی بھی مناسب وقت۔ ہاں وہ پہنچ گئے ہیں۔ ضرور ضرور۔ آپ بالکل بے فکر رہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یقیناً! یقیناً! ہاں ایک تکلیف دوں گا۔ شارق کی ضرورت ہے۔ میں کچھ افراد کو بھیج رہا ہوں' وہ شارق کو آپ کے ہاں سے لے آئیں گے۔ براہ کرم متعلقہ لوگوں کو ہدایت کردیں۔ لیکن شہاب ان میں موجود نہیں ہوں گے۔ بہتر ہے وہ دہرادیں گے۔ بہت بہت شکریہ!" ڈاکٹر نے فون بند کردیا۔ پھر ماجد سے بولا۔ ٹھیک ہے ماجد! تم فیضان اور پروفیسر کو لے کر کرنل جہانگیر کی کوٹھی پر چلے جاؤ اور پوری احتیاط کے ساتھ شارق کو یہاں لے آؤ"۔

"بہتر ہے ڈاکٹر!" ماجد نے کہا اور پھر وہ پروفیسر احسانی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ تب ڈاکٹر برہان مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"ہاں شہاب! اب شروع ہو جاؤ لیکن مخصوص انداز میں!" اس نے کہا "خان جلال اس علاقے کا ایک بااثر آدمی ہے۔ بہت بڑا جاگیردار۔ جہانگیر سے اب ایک دوسرا فائل طلب کیا گیا ہے جو اس فائل کو مکمل کرتا ہے' جس کو پہلے چوری کرلیا گیا تھا۔ چوری کا ذریعہ کرنل کی بیٹی ہے جسے میرا خیال ہے ہپناٹائز کرکے اپنے کام کے قابل بنایا گیا ہے۔

طریقہ کار یہ ہے کہ وہ لوگ ذہنی طور پر اسے کنٹرول کرکے ہدایات دیتے ہیں اور پھر اس کا ذہن منتشر کردیا جاتا ہے۔ خان جلال براہ راست مشکوک ہے۔ اس کے علاوہ وہ اسمگلنگ کی سرپرستی بھی کرتا ہے۔ تیل کالونی بھی مشکوک ہے!" میں نے ضروری باتوں کی نشاندہی کی اور ڈاکٹر برہان نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ دیر تک خاموش رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور کوئی کردار؟"

"ہاں زبیرخان ہے جو خان جلال کا دشمن ہے!" میں نے زبیرخان کے بارے میں تفصیل بتائی۔

"اس کے علاوہ؟"

"نہیں جناب!"

"تمہارا ذہن کس طرف دوڑتا ہے!"

"تیل کالونی کی طرف!" میں نے ڈاکٹر کے انداز میں جواب دیا اور ڈاکٹر مسکرانے لگا۔ مناسب راستہ ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی خاص نام..........؟"

"ڈریک.......... جس کی خان سے گہری دوستی ہے' انجینئر ہے!"

"تعلق کونسے ملک سے ہے؟ وہاں تو کئی کمپنیاں کام کررہی ہیں!"

"یہ نہیں معلوم ہوسکا!"

"خان جلال کو دیکھا ہے؟"

"نظر نہیں آسکا۔ ویسے اس کے کئی آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں!"

"اس پر کوئی ردعمل؟"

"نہیں!!"

"ٹھیک ہے شہاب! میں شارق کو لے کر چلاجاؤں گا۔ یہ عمارت میں تمہاری تحویل میں چھوڑ سکتا ہوں۔ ضرورت پڑنے پر استعمال کرسکتے ہو۔ اس کے علاوہ ماجد اور فیضان بھی تمہاری مدد کے لئے آجائیں گے۔ میرے خیال میں یہ کیس انفرادی نہیں ہے۔ ممکن ہے ملک کے خلاف ہی کوئی سازش کام کر رہی ہو۔ ہاں لڑکی تمہارے لئے بہت کارآمد ہے۔ میں فیضان کے ہاتھ ایک چیز بھیجوں گا۔ فیضان ہی تمہیں اس کے اہم پہلوؤں سے آگاہ کردے گا!"

"بہت بہتر!" میں نے جواب دیا اور پھر پوچھا۔ یہ لوگ کب تک واپس پہنچ جائیں

گے!"

"پرسوں۔ شام پانچ بجے تم ان سے عمارت میں مل لینا۔ اب تمہاری توجہ تیل کالونی ہوگی۔ میں خود بھی دیکھوں گا!"

"بہتر!" میں نے جواب دیا۔

"تم چاہو تو واپس جاسکتے ہو۔ آرام کرو!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ شارق کا معاملہ اب ڈاکٹر برہان ہی نمٹ لے گا۔ چنانچہ میں واپس چل پڑا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ ہمارے آدمی شارق کو لے گئے ہیں۔ میں بھی آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرا دن پرسکون تھا۔ کرنل جہانگیر سے مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔ ڈاکٹر برہان کے بارے میں بات چیت ہوئی اور میں نے کرنل کو بتایا کہ وہ واپس چلا گیا ہے۔ "بڑا مصروف انسان معلوم ہوتا ہے بہرحال میں اس سے ضرور ملوں گا۔ بڑا اشتیاق ہے۔ اب تم اس سلسلہ میں کیا کررہے ہو؟"

"دو روز تک خاموشی اختیار کرنی ہے' اس کے بعد دوسرا قدم اٹھایا جائے گا!"

"ڈاکٹر برہان کی ہدایت ہے؟"

"ہاں!"

"ویسے ان دنوں بڑا سکون ہے۔ میں شدید بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جانے یہ خاموشی کس طوفان کا پیش خیمہ ہے!"

"آپ سے میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا کرنل جہانگیر! کہ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہم نے سنبھال لی ہے۔ ڈاکٹر برہان کو آپ معمولی حیثیت کا انسان نہ سمجھیں۔ اگر ضرورت پڑی تو وہ سرکاری طور پر بھی آپ کی امداد کرسکتے ہیں!"

"تم لوگوں کا وجود ایک نعمت ہے اس ملک کے لئے۔ خدا تم لوگوں کو خوش رکھے۔ میں ہما کے لئے سخت پریشان ہوں۔ اس کی کیفیت بڑی اذیت ناک ہے!"

"ہر مشکل کا ایک حل ضرور ہوتا ہے کرنل! آپ کی پریشانی بجا ہے لیکن بے فکر رہیں' اس کا حل بھی ضرور نکل آئے گا!" میں نے کرنل کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔ دوپہر کو کھانے پر زبیرخان میرے ساتھ تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی لاتعداد سوالات تھے۔

"تمہارا ساتھی چلا گیا؟"

"ہاں' وہ میرے شانوں پر ایک اہم ذمہ داری تھا۔ اب ڈاکٹر برہان خود اس سے نمٹ لے گا!"

"پھر اب کیا خیال ہے؟ کیوں نہ رات کو پھر خان جلال کی سیرگاہ کی سیر کی جائے۔ میرا خیال ہے وہاں کافی کھلبلی.........." دفعتاً میں نے زبیرخان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کھرکھراہٹ کی ایک آواز میرے کانوں میں آئی تھی اور یہ آواز.......... یہ آواز.......... زبیرخان تعجب سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ میں نے کھانے سے بھی ہاتھ روک دیئے تھے۔ زبیرخان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن میں نے اسے اشارہ کیا اور کھڑا ہوگیا۔ میرے کان دوبارہ اس آواز کو سننے کے منتظر تھے اور پھر دفعتاً میں نیچے جھک گیا۔ میں نے ڈائننگ ٹیبل کی نچلی سطح کو دیکھا اور میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ سیاہ رنگ کا ایک آلہ سطح سے چپکا ہوا تھا اور اس سے ایک باریک تار نکل کر انتہائی نفاست کے ساتھ قالین کے نیچے چلا گیا تھا۔ میری آنکھوں میں چمک آگئی اور میں نے مسکراتے ہوئے زبیرخان کو دیکھا جو مجھے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اسے اچانک میری ذہنی حالت خراب ہونے کا احساس ہو۔ میں نے زبیرخان کو اشارہ کیا اور وہ بھی کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے بھی میز کے نیچے جھانک کر دیکھا اور اس کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ ہوئی۔ میں نے اسے اشارہ کیا تھا۔ "کھانا واقعی لذیذ ہے۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"خان جلال ان علاقوں کا بااثر انسان ہے لیکن اس سے مذاق کا نتیجہ خطرناک بھی ہوسکتا ہے"۔

"آؤ چلیں' باہر کا موسم بہت خوش گوار ہے!" میں نے کہا اور ایک بار پھر ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ اب میں نے قالین اٹھالیا اور اس باریک تار کو دیکھنے لگا جو کھڑکی تک گیا تھا۔ انتہائی مہارت سے اس تار کو کھڑکی کے عین نیچے سوراخ کرکے باہر لے جایا گیا تھا۔ میں نے قالین پھر بچھادیا اور زبیر کو اشارہ کرکے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند ساعت کے بعد ہم عقبی دیوار کے پاس تھے۔ یہاں سے یہ تار چھپا چھپا ایک طرف چلا گیا تھا۔ میں نے طویل سانس لے کر زبیرخان کو دیکھا۔ "اب خاموش رہنے کی ضرورت نہیں ہے زبیرخان!"

"اوہ' ہاں کیا وہ ریسیور تھا؟"

"ہاں!"

"لیکن یہ تار؟"

"ہوشیار رہو' ہمیں یہاں بھی دیکھا جاسکتا ہے!"

"ٹھیک ہے تم تلاش کرو میں قرب وجوار میں نگاہ رکھتا ہوں"۔

زبیرخان نے کہا اور اپنا پستول نکال لیا۔ تار کو تلاش کرتے کرتے ہم نوکروں کے ایک کوارٹر تک پہنچ گئے۔ تار اس کوارٹر کی ایک کھڑکی سے اندر چلا گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر جاکر اس میں ایک اور تار منسلک ہوگیا تھا جو نہ جانے کہاں گیا تھا۔

"معظم!" زبیرخان کے منہ سے نکلا۔

"آؤ!" میں نے اسے اشارہ کیا اور ہم کوارٹر سے تھوڑی دور چلے گئے تھے۔

"جانتے ہو اس نوکر کو؟"

"ہاں بظاہر شریف آدمی ہے۔ میں نے اپنے طور پر تمام نوکروں کا جائزہ لیا تھا اس وقت اسے بھی چیک کیا گیا تھا!" زبیرخان نے جواب دیا۔ اور میں چند ساعت کے لئے خاموش ہوگیا۔ پھر میں نے زبیرخان کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور کوارٹر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا! "بیوی بچے ہوں گے!" کوارٹر کے دروازے کے نزدیک پہنچتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"نہیں تنہا ہے!" زبیرخان نے جواب دیا۔ کوارٹر کے دروازے میں تالا نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے دروازہ اندر دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اب باہر رکنا فضول تھا۔ چنانچہ ہم دونوں تیزی سے اندر داخل ہوگئے۔ ایک کمرے کا کوارٹر تھا۔ چھوٹا سا صحن' دالان اور کمرہ لیکن کوارٹر خالی تھا۔ میں نے باتھ روم وغیرہ دیکھا اور پھر ہم کمرے کی واحد کھڑکی کے قریب پہنچ گئے۔ کھڑکی کے تھوڑے فاصلے پر ایک میز پر ٹیپ ریکاڈر چل رہا تھا۔ جدید ساخت کا ٹیپ ریکارڈ تھا جو بند تھا۔ شاید اس میں کوئی آٹومیٹک سسٹم تھا۔ یعنی جب آواز ہو تو چل پڑے اور پھر خود بخود بند ہوجائے۔ میں نے اس کا میکنزم دیکھا' اور پھر اسے ریوائینڈ کرکے چلایا۔ ہماری آوازیں ٹیپ ہوچکی تھیں۔ دوسرے تار کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ اس کے پیچھے کرنل جہانگیر اور نرس کی آوازیں تھیں۔

"اوہ' شاید دوسرا ریسیور کرنل کے کمرے میں ہے!" زبیرخان نے کہا۔

"یقیناً!" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ "شکر ہے کہ یہ ٹیپ ریکاڈر ہے!

اگر براہ راست گفتگو کا کوئی ذریعہ ہوتا تو اس وقت ہماری کیفیت دوسرے پر آشکارا ہو چکی ہوتی"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے!" زبیر خان نے جواب دیا۔

"پھر اب کیا کرو گے؟ اس ٹیپ ریکارڈر کا کیا کیا جائے؟"

میں نے چند ساعت سوچا اور پھر بولا۔ "کیا خیال ہے زبیر خان! کیا اس ٹیپ ریکارڈر سے ہم کوئی خاص استفادہ حاصل کریں؟"

"مثلاً کیا؟" زبیر خان نے کہا۔

"جس نوکر کا تم نے نام لیا ہے ظاہر ہے وہ کسی نہ کسی طور پر ان لوگوں کا آلہ کار ہوگا اور یہ ٹیپ شدہ کیسٹ ان لوگوں کے حوالے کرتا ہوگا۔ چنانچہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم اس وقت ملازم پر ہاتھ ڈالیں جب وہ یہ کیسٹ کسی کے حوالے کر رہا ہو"۔

"بہت عمدہ تجویز ہے!" زبیر خان نے میری تائید کرتے ہوئے کہا "تو ٹھیک ہے ملازم کو نہ چھیڑا جائے لیکن اس کے لئے ایک اور کام کرنا ہوگا!"

"کیا؟"

"ایسے ہی کسی دوسرے کیسٹ کا انتظام!"

"میرا خیال ہے اس قسم کے کیسٹ عام نہیں ہوتے اور یہاں ان کا ملنا مشکل ہے!!"

"ہاں یہ بات تو تم درست کہہ رہے ہو۔ تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہم اس کیسٹ پر ریکارڈ شدہ گفتگو کو صاف کر دیتے ہیں!"

"ٹھیک ہے لیکن فوری طور پر کرنل کو بھی ہدایات دینا ضروری ہوں گی!"

"ہاں، ہاں یقیناً" زبیر خان نے کہا اور پھر ہم نے کیسٹ کے سسٹم کو سمجھ کر اپنی ریکارڈ شدہ گفتگو صاف کر دی اور اسے دوبارہ اس کیسٹ ریکارڈر میں لگا دیا اور اس کا بٹن آف کر کے اس کوارٹر سے نکل آئے۔

دوسرے تار کے سہارے ہم کرنل جہانگیر کے کمرے تک پہنچ گئے تھے۔ چونکہ کیسٹ کا بٹن آف تھا اس لئے یہ خطرہ نہیں تھا کہ کرنل کے کمرے میں ہونیوالی گفتگو اب ریکارڈ ہو سکے گی۔ چند ساعت کے بعد ہم کرنل کے کمرے میں تھے۔ کرنل نے ہم دونوں کو پر امید نگاہوں سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کوئی

خاص بات ہے؟"

"ہاں کرنل! انتہائی خاص بات!" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور کرنل تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس نے میری متجسس نگاہوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ میں اس تار کو تلاش کر رہا تھا جو یقیناً کسی جگہ سے آیا ہوگا اور چند ساعت کے بعد یہ تار مجھے نظر آ گیا۔ ایک بڑے سے فریم کے پیچھے سے اسے نکالا گیا تھا اور اس کا ریسیور کرنل کی مسہری کے سرہانے فٹ کر دیا گیا تھا۔ کرنل خاموشی سے میری حرکات دیکھ رہا تھا اور زبیر خان کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ تب میں نے کرنل کو اشارہ کیا اور وہ مسہری کی پشت پر پہنچ گیا۔ "ارے یہ کیا ہے؟" اس نے تعجب سے اس سیاہ ریسیور کو دیکھتے ہوئے کہا جو اس کی مسہری کی پشت پر نصب تھا!

"ایک ایسے ٹیپ ریکارڈر کا ریسیور جس پر آپ کی آوازیں ٹیپ ہو رہی ہیں!"

"ارے......... مگر......... مگر.........!" کرنل کا منہ شدت حیرت سے کھل گیا۔

"اب یہ بے جان ہے' فی الوقت اس پر کوئی آواز ریکارڈ نہیں ہو رہی' لیکن کرنل صاحب! آپ ذرا خیال رکھیں اس دوران ایسی کوئی گفتگو نہیں ہونی چاہیے جو کسی طرح ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکے!"

"مگر یہ ٹیپ ریکارڈر کہاں ہے؟" کیا بہت فاصلے پر یعنی کسی ایسی جگہ جہاں تک ہماری پہنچ ممکن نہیں ہے؟" کرنل نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ ٹیپ ریکارڈر تک ہماری پہنچ ہو چکی ہے بس ہم اس سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے اب اس سے زیادہ گفتگو اس کے بارے میں کرنا مناسب نہیں۔ ممکن ہے وہ شخص وہاں پہنچ گیا ہو جس کے ذریعے ہماری گفتگو کے ریکارڈ حاصل کئے جاتے ہیں"۔

"مگر وہ کون ہے؟"

"پلیز کرنل! اس سلسلے میں ساری تفصیل آپ کو بعد میں بتادی جائے گی!!"

"تو کیا اسے یہاں لگا رہنے دو گے!" کرنل نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب یہ بے ضرر ہے' میرا مطلب ہے آپ خیال رکھیں گے؟" میں نے کہا۔ کرنل کسی قدر نروس ہو گیا تھا۔ پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ بہ آسانی ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں!"

"اس کے باوجود آپ فکر مند نہ ہوں۔ ہزار آنکھیں آپ کی حفاظت اور نگرانی کر رہی ہیں!" میں نے جواب دیا اور کرنل نے گردن ہلا دی اور پھر ہم باہر نکل آئے۔

زبیرخان نے معظم کی نگرانی کی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ شام تک کچھ نہیں ہوا۔ رات کو میں بھی زبیرخان کے ساتھ شامل ہوگیا تھا۔ معظم اس وقت اپنے کوارٹر سے نکلا اور باہر جانے والے دروازے کی طرف چل پڑا۔ ہم دونوں ہوشیاری سے اس کا تعاقب کرنے لگے۔ معظم پیدل سڑک پر جارہا تھا اور ہم دونوں انتہائی ہوشیاری سے سڑک کے نیچے نیچے اس کا تعاقب کررہے تھے۔ ایک چوراہے کے قریب پہنچ کر معظم رک گیا۔ وہ ایک جگہ کھڑا ہوا تھا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو اور پھر کسی طرف سے ایک کار نمودار ہوئی اور معظم کے قریب آکر رک گئی۔ "اوہ زبیرخان! غلطی ہوگئی" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ہم میں سے ایک کو کار لانی چاہیے تھی!" زبیرخان نے کہا۔

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ کار سے کیسٹ لے لیا گیا اور پھر واپس پلٹ پڑا۔

"غلطی تو ہوگئی دوست! لیکن یہ کار پہچان لی گئی ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ خان جلال ان معاملات میں پوری طرح ملوث ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اس گدھے نے اپنا ایک مونوگرام بنا رکھا ہے جو عام طور سے نمایاں رکھتا ہے۔ تم نے کار کے عقبی حصے میں سفید عقاب کی تصویر نہیں دیکھی ہوگی لیکن میں اسے اس لئے پہچانتا ہوں کہ وہ خان جلال کا نشان ہے۔"

"خوب چلو یہ بھی برا نہیں ہوا ورنہ مجھے کار کے نکل جانے کا افسوس ہوتا!" میں نے کہا اور ہم دونوں معظم کے پیچھے چلتے ہوئے واپس کوٹھی میں آگئے!" آؤ زبیرخان! اب اسے بھی دیکھ لیا جائے"۔ میں نے کہا اور زبیرخان نے گردن ہلادی۔

معظم اپنے کوارٹر میں داخل ہوا تو ہم بھی اس کے سر پر پہنچ گئے۔ زبیرخان نے اسے زور سے دھکا دیا اور نوکر اندر گر پڑا۔ تب میں اور زبیرخان بھی اس کے پیچھے اندر پہنچ گئے۔ میں نے کوارٹر کا دروازہ اندر سے بند کردیا۔ زبیرخان نے ملازم کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کردیا لیکن ملازم کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور انداز سویا سویا تھا۔ میں نے روشنی میں اس کی صورت دیکھی اور میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ ملازم

کی کیفیت سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بھی ٹرانس میں ہے اور اس وقت ہوش وحواس سے عاری ہے۔ "بیکار ہے زبیرخان!" میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"یہ اس کی کیا کیفیت ہے؟" زبیرخان تعجب سے بولا۔

"وہی جو ہما کی ہوتی ہے' اسے بھی ہپناٹائز کیا گیا ہے!" میں نے جواب دیا اور زبیرخان بدستور حیرت کا شکار رہا۔ پھر ہم نے ٹیپ ریکارڈر کے تار کاٹ کے اسے اپنے قبضے میں کرلیا اور ملازم کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اسے کسی مناسب جگہ قید کردیا جائے۔

اس سلسلہ کی تفصیل کرنل کو بتادی گئی تھی اور کرنل تردد میں ڈوب گیا۔ "لیکن وہ لوگ! اس طرح تو ہم عمارت میں موجود کسی شخص پر اعتبار نہیں کرسکتے!" اس نے کہا۔ ہم میں سے کسی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔

فیضان اور ماجد وقت پر پہنچ گئے۔ ماجد نے مجھے ایک خوبصورت سیاہ رنگ کا بٹن دیا تھا۔ یہ ایک ننھا سا ڈکٹوگرام ہے۔ اسے کسی طرح ہما کے اس قدر قریب کردو کہ یہ ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور اس کے بعد ہما پر سے پابندیاں ہٹوادو اور اسے آزاد کردو۔ ہم ریسیور پر اسکی آواز وصول کریں گے"۔ فیضان نے مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"خوب! عمدہ ترکیب سوچی ڈاکٹر برہان نے۔ یہ بتاؤ شارق کی کیا کیفیت ہے؟"

"تمہارا خیال درست تھا۔ شارق کو انتہائی جدید ذرائع سے ہپناٹائز کیا گیا ہے اور وہ ٹرانس میں ہے۔ بہرصورت اس کا علاج ایک ماہر کررہا ہے اور وہ بہت جلد اچھا ہوجائے گا!"

"خوب! اس کے علاوہ ڈاکٹر برہان کا اس کیس کے سلسلے میں کیا خیال ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کیا میرے لئے کوئی ہدایت بھیجی گئی ہے؟"

"نہیں! ڈاکٹر برہان نے صرف اتنا کہا ہے کہ تم تیل کالونی تک پہنچنے کی کوشش کرو اور وہاں جاکر کچھ حالات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ دراصل ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ یہ کوئی بڑی سازش ہے اور اس کا تعلق صرف کرنل جہانگیر سے نہیں بلکہ حکومت سے ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو حکومت سے بھی رابطہ قائم کیا جائے گا لیکن کسی ایسے ثبوت کے ساتھ جو ٹھوس بنیادیں رکھتا ہو اور اس کے لئے ڈاکٹر برہان نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ پوری محنت سے کام کرو!!"

"تم دونوں کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم دونوں فی الوقت یہیں ہیں اور تم جب بھی ہم سے رابطہ قائم کرو گے ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں گے!" فیضان نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگا۔

تھوڑی دیر تک ان دونوں کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے رانی آف اٹرپور کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کے بعد اس نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کافی عرصے تک وہ ڈاکٹر برہان کو پریشان کرتی رہی اس کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئی ہے!

"خوب! اچھا تو دوستو اب اجازت!!"

"ٹھیک ہے لیکن اس بٹن کو کس طرح ہما تک پہنچاؤ گے؟"

"میرا خیال ہے یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن اس ساخت کے کچھ دوسرے بٹن ہمیں درکار ہوں گے!"

"وہ ہم لے آئے ہیں!" ماجد نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی جیب سے ویسے ہی کچھ بٹن نکال کر میرے سامنے کردیئے!

"اوہ' ڈاکٹر برہان کا کوئی کام بھی کچا نہیں ہوتا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میں ان لوگوں سے رخصت ہو کر چلا آیا۔

اس کام کی تکمیل کیلئے ضروری تھا کہ کرنل جہانگیر کا سہارا لیا جائے۔ چنانچہ میں نے ساری تفصیل کرنل جہانگیر کے سامنے پیش کردی۔ کرنل جہانگیر کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب تم لوگوں کو کوئی ٹھوس کام کرتے دیکھتا ہوں تو دل کو تسلی سی ہوجاتی ہے اور سوچتا ہوں کہ اس مشکل سے واقعی نجات پالوں گا لیکن بعض اوقات مایوسیاں میرے دل میں گھر کرلیتی ہیں اور میں سوچتا ہوں کہ کہیں مجھے خودکشی ہی نہ کرنی پڑے!"

"کرنل جہانگیر! آپ ہمت سے کام لیں' ہم جو کچھ کر رہے ہیں' اس کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد ہوگا لیکن اس کے لئے آپ کی ہمت ضروری ہے باقی رہا ان معاملات کا تعلق تو ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ اب یہ کیس دوسری نوعیت اختیار کررہا ہے یعنی ایک ایسی سازش جو حکومت کے خلاف ہے' صرف آپ کے خلاف نہیں!"

"میں نے بھی اکثر اس بارے میں سوچا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے نام پر کوئی داغ آئے"۔

"ٹھیک ہے کرنل جہانگیر! ہر صاحب عزت آدمی کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے لیکن آپ سوچیں نا جب مجرموں کا ایک پورا گروہ برسرعمل ہو تو ایک فرد کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ میرا خیال ہے اگر اپنے معاملات آپ حکومت کے سامنے پیش کردیں تو بھی آپ کو مجرم نہیں گردانا جائے گا!"

"میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اور اکثر اس بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ بعض اوقات تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں جاکر تمام حالات اپنے ہیڈکوارٹر کو بتادوں اور اس کے بعد نتیجہ جو کچھ بھی ہو' کم از کم ایک طرف سے تو زندگی کو سکون ملے!"

"اس کے لئے بھی آپ کو کچھ وقت انتظار کرنا ہوگا کرنل جہانگیر! ممکن ہے ڈاکٹر برہان خود ہی اس سلسلے میں کوئی عمل کریں!!"

"میں تو بس ناکارہ ہو کر رہ گیا ہوں۔ بعض اوقات مجھے خود پر حیرت ہوتی ہے۔ میں اس قدر بے عمل تو کبھی نہیں تھا!"

"ان لوگوں کی ایک حماقت سمجھ میں نہیں آتی کرنل جہانگیر!" میں نے کہا اور کرنل مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ "دوسرے لوگوں کا سہارا لینے کی بجائے انہوں نے براہ راست آپ پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا! اگر وہ آپ کو ہپناٹائز کردیتے تو میرا خیال ہے ان کا کام بہ آسانی ہوگیا ہوتا!" میں نے کہا اور کرنل کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ "ہاں' یہ حقیقت ہے۔ واقعی.......... لیکن اگر اب یہ خیال ان کے ذہن میں آگیا تو..........؟"

"اب تک کیوں نہیں آیا کرنل؟"

"خدا جانے؟" کرنل نے پریشانی سے شانے ہلائے۔

"ویسے کرنل! ہر شخص کو ہپناٹائز بھی تو نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے انہوں نے کسی طرح آپ کو چیک کرلیا ہو۔ بہرحال ہمیں اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایک لباس ایسا تیار کرائیں جس میں یہ بٹن لگے ہوں اور ہدایت کردیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی لباس ہما کو پہننے کے لئے نہ دیا جائے"۔

"میں ابھی بیگم کو بلاتا ہوں"۔ کرنل نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ اس کے علاوہ کرنل! میجر یوسف کے نام ایک تعارفی خط مجھے دے دیں تاکہ میں تیل کالونی کی سیر بھی کرلوں!"

"ابھی لو.......... وہ تم سے تعاون کرے گا لیکن شباب! میری عزت بچانا بھی تمہارا فرض ہے!"

"آپ قطعی بے فکر رہیں!" میں نے جواب دیا۔

اسی شام کو میں نے ہما کو پائیں باغ میں دیکھا۔ وہ پھولوں کے ایک کنج کے پاس خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے بدن پر ایک خوبصورت لباس تھا جس میں سیاہ بٹن ٹکے ہوئے تھے۔ میں نے پر اطمینان انداز میں گردن ہلائی تھی لیکن میں نے اس وقت اس کے نزدیک جانا مناسب نہیں سمجھا.......... اس رات کے بعد دوسری صبح کو اہم ترین خبر یہ تھی کہ ہما غائب ہے۔ اسے ہر جگہ تلاش کیا گیا لیکن وہ موجود نہیں تھی۔

○ ------------ ☆ ------------ ○
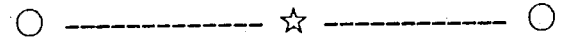
"یہ حالات اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ بعض اوقات ذہن چکرانے لگتا تھا۔ حالانکہ ہمارے پاس معلومات کا کافی ذخیرہ موجود تھا لیکن اس کے باوجود کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کسی ایک کیس میں پوری ٹیم الجھ کر رہ گئی ہو۔ حالات ہر لمحہ پیچیدہ نوعیت اختیار کرتے جارہے تھے۔ پراسرار عمارت میں' جس کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی کہ ڈاکٹر برہان نے کس طرح اسے حاصل کیا' فیضان اور ماجد موجود تھے۔ میں میجر یوسف کے نام کرنل جہانگیر کا تعارفی خط لے کر اس عمارت میں پہنچ گیا تھا۔ ہما کی گمشدگی نے کرنل جہانگیر کو پھر حواس باختہ کر دیا تھا اور وہ بستر سے لگ گیا تھا۔ بہرحال اب میں ڈاکٹر برہان کے زیرہدایت کام کر رہا تھا' اس لئے کافی حد تک بے فکر تھا۔ ڈاکٹر برہان نے فون پر براہ راست مجھ سے گفتگو کی تھی اور کہا تھا کہ فوری طور پر تمام کاروائی بند کردی جائے اور صرف اس کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔ اس لئے ابھی میں نے تیل کالونی کا رخ نہیں کیا تھا۔ دو دن گزر چکے تھے عیش کرتے ہوئے۔ چونکہ ڈاکٹر برہان کی ہدایت تھی کہ جس وقت تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے' ہم لوگ آرام کریں۔ چنانچہ ہم آرام کر رہے تھے۔

اس وقت بھی کافی کے برتن ہمارے سامنے موجود تھے اور ہم تینوں خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے تھے' انسان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" دفعتاً ماجد نے گردن اٹھا کر کہا اور ہم چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"خیریت؟ کیا یہ سوال کافی کی پیالی سے برآمد ہوا ہے؟" فیضان نے پوچھا۔

"نہیں سنجیدگی سے جواب دو!" ماجد بولا۔

"زمین کا سب سے زیادہ احمق اور سب سے زیادہ بے بس جاندار!" فیضان بولا۔

"یہ عام سی بات ہے۔ میں کوئی خاص جواب چاہتا ہوں!"

"تب پھر جواب بھی تم خود ہی سوچ کر اپنے ذہن میں محفوظ کر لو!" فیضان نے برا سا منہ بنا کر شانے ہلائے۔

"کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟" ماجد فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"میں بتا سکتا ہوں۔ میں نے کافی کا آخری گھونٹ حلق سے اتار کر پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ اور ماجد میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"بتاؤ!"

"میں سونا چاہتا ہوں کیوں کہ اس وقت سوا گیارہ بج رہے ہیں اور آرام کا جو وقت مل جائے' اسے غنیمت جانو کیونکہ جدامجد براہ راست اس معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ اسے کس وقت کسی یتیم خانے کی نگرانی سونپ دی جائے!"

ماجد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "زندگی کو اس قدر سطحی انداز میں مت لو شہاب! درحقیقت بعض اوقات دل چاہتا ہے' کہ زندگی کا صحیح مفہوم جانا جائے۔

"اس کا بہترین طریقہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ جاؤ"۔ میں نے کہا۔

"لگتا ہے تمہیں سخت نیند آ رہی ہے لیکن کافی پی کر سونا عجیب لگتا ہے۔ ممکن ہے تم سو جاتے ہو۔ خود میری یہ کیفیت ہے کہ کافی پینے کے بعد دو تین گھنٹے نیند نہیں آتی۔ ویسے شہاب! تم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہو۔ جہاں کہیں پاؤں پھنساتے ہوئے وہاں ایک لڑکی لگ آتی ہے اور تم سے عشق بھی شروع کر دیتی ہے۔ اور تو اور اس بار اس شارق گینڈے کو بھی لڑکی مل گئی۔ یار شہاب! تم نے تو اسے دیکھا تھا۔ کیسی تھی؟"

"یقین کرو دوستو! حسین ترین لڑکی تھی اور شارق کو اتنا چاہتی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس سے جدائی کے بعد وہ بے چاری بھی بچی ہو گی یا نہیں!" میں نے افسردگی سے کہا۔

"کمال ہے۔ واقعی کمال ہے۔ ہم اس معاملے بہت پیچھے ہیں!"

"اس میں تمہاری شکل وصورت کا قصور ہے!" فیضان نے کہا۔

"کیوں میری شکل میں کیا خرابی ہے؟" ماجد کس قدر برا مان کر بولا۔

"خرابی کی بات نہیں کر رہا بس صورت سے تم باپ بھائی معلوم ہوتے ہو۔ لڑکیوں کو تمہاری صورت دیکھ کر عقیدت ہو جاتی ہے اور وہ کوئی برا خیال دل میں نہیں لا پاتیں!"

"تم تو فضول بکواس کرنے کے ماہر ہو۔ میں اپنے یار شہاب کی بات کر رہا ہوں۔ بھائی نے ریاست چھوڑ دی ورنہ رانی آف اٹھ پور تو انہیں راجہ آف اٹھ پور بنانے پر تلی ہوئی تھی اور اب سنا ہے یہاں بھی کوئی خاتون موجود ہیں!" ماجد نے کہا۔

"ہاں.........." میں نے تعجب سے کہا اور پھر بولا۔ "اگر تمہاری مراد کرنل جہانگیر کی بیٹی ہما سے ہے تو اس تصور کو ذہن سے نکال دو۔ اول تو کرنل بے چارہ قابل رحم آدمی ہے' دوسرے اس کی بیٹی بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ کبھی اولمپک ٹائیٹل جیت لیتی ہے اور کبھی یونان کے دیومالائی کردار بن جاتی ہے!"

"آہ ایسی ہی لڑکیاں تو رومینٹک ہوتی ہیں!" ماجد گہری آہ بھر کر بولا۔

"اٹھو یار فیضان! اس پر اس وقت لڑکیاں سوار ہیں۔ ہم کیوں نیند خراب کریں!" میں نے کہا اور فیضان گردن ہلا کر اٹھ گیا۔

"بعض اوقات بڑے حسین جملے بول جاتے ہو۔ ذرا ایک بار پھر مجھے اس حسین تصور کے شیرے میں ڈبو دو.......... لڑکیاں سوار ہیں.......... واہ ایک اس کاندھے پر.......... دوسری اس کاندھے پر تیسری.........." اور پھر ہم ماجد کو بکواس کرتے چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ فیضان باہر آ کر ہنسنے لگا تھا۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں دوسرے کمرے میں۔

دوسری صبح تقریباً آٹھ بجے میں سو کر اٹھا۔ تیار ہو کر باہر نکلا تو ماجد سے ملاقات ہوئی۔ بڑی سنجیدہ شکل بنائے ہوئے تھا"۔ ناشتہ تیار ہے سرکار!" اس نے کہا۔

"شکریہ' فیضان کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے رات کو اسے چڑھ گئی۔ لڑکیاں سوار تھیں مجھ پر اور بھاگ وہ گیا!" ماجد نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"فون آیا تھا کسی لڑکی کا۔ بس مجھے جگا کر اطلاع دی کہ جا رہا ہے اور چلا گیا"۔ ماجد ناشتے کے کمرے میں داخل ہو کر بولا۔

"ڈاکٹر برہان کا فون ہو گا۔ کسی اور فون پر وہ کبھی نہیں جا سکتا!" میں نے گردن ہلا کر کہا اور پھر نہایت خاموشی سے ناشتہ کیا گیا۔ میرے ذہن میں کھولت سی طاری تھی۔ بے چارے کرنل کا حال بھی نہیں معلوم تھا۔ نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہیں۔ میں اس کے گھر تو جا نہیں سکتا تھا لیکن میں نے کرنل کے ہاں فون کرنیکا فیصلہ کیا اور چند ساعت کے بعد میں کرنل کے نمبر رنگ کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فوراً" رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

"جی کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"کرنل جہانگیر سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!" میں نے فون پر نرس کی آواز پہچان لی تھی۔

"معاف کیجئے گا' کرنل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کون صاحب ہیں' کرنل کے لئے کوئی پیغام ہو تو........."

"نہیں ۔ زبیر خان موجود ہیں؟"

"جی وہ بھی نہیں ہیں!"

"میں نعمان بول رہا ہوں محترمہ! کرنل کی طبیعت کیسی ہے؟"

"اوہ آپ......... آپ کہاں چلے گئے جناب! یہاں کے حالات تو بہت خراب ہیں۔ زبیر خان صاحب بھی پراسرار طور پر غائب ہو گئے ہیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا وہ کہاں ہیں؟ کرنل بھی سخت پریشان ہیں اور اس پریشانی نے واقعی انہیں بیمار ڈال دیا ہے!"

"ہما واپس آئیں؟"

"نہیں ان کے بارے میں ایک فون ملا ہے جس نے کرنل صاحب کی حالت اور خراب کر دی ہے؟"

"فون؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ چونکہ زبیر صاحب موجود نہیں تھے' اس لئے وہ فون بھی میں نے ہی سنا تھا۔ کچھ عجیب سی گفتگو تھی۔ دوسری طرف سے بولنے والا یا بولنے والی کوئی انگریز تھی"۔

"والا یا والی؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جی ہاں' وہ مرد کے انداز میں بول رہا تھا لیکن آواز نسوانی تھی۔ سو فیصدی نسوانی۔ اس نے کہا کہ کرنل سے کہہ دو کہ ذہانت کا ثبوت اس طرح نہ دے بٹن نما

ڈیٹیکٹر ہماری نگاہ میں آچکا ہے اور اس سے کرنل یا اس کے حواریوں کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ بلکہ اس چالاکی کے جواب میں ہما کو روکا جا رہا ہے اور اب مس ہما اس وقت واپس پہنچیں گی' جب ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائیگا۔ اس نے کہا کہ کرنل سے کہہ دیا جائے کہ ذہانت کا مظاہرہ اس طرح کرے کہ ہمارا مطالبہ پورا کر دے ورنہ گزرنے والا ہر لمحہ اس کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنتا جائیگا!"

"آپ نے یہ اطلاع کرنل کو دے دی؟"

"میری ڈیوٹی تھی جناب!" نرس نے جواب دیا۔ میں چند لمحے خاموش رہا' پھر میں نے کہا۔ "بہرحال خاتون! آپ کا فرض ہے کرنل کو سنبھالیں اور میری طرف سے انہیں پیغام دے دیں کہ قطعی ہراساں نہ ہوں' اعلیٰ پیمانے پر کام ہو رہا ہے!"

"جی بہتر......... لیکن جناب!......... آپ تو واپس آجائیں۔ میں سخت پریشان ہوں اور خوف محسوس کر رہی ہوں"۔

"میں کوشش کروں گا۔ خدا حافظ!" میں نے فون بند کر دیا۔ ذہن اور الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ بٹن کا راز کھل گیا اور زبیر خان بھی غائب ہے۔ کہیں زبیر خان بھی ان کے ہاتھ تو نہیں لگ گیا۔ بہرحال یوں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھنا اب مجھے گراں گزر رہا تھا۔ ڈاکٹر برہان اگر خود اس کیس پر کام کرنا چاہے تو مجھے الگ کر دے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس سلسلہ میں اس سے گفتگو کروں گا۔ میں فون کے پاس سے ہٹ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں ریسیور دوبارہ اٹھالیا۔

"ڈاکٹر برہان بول رہا ہوں!"

"میں شہاب ہوں جناب!"

"میجر یوسف سے مل کر تیل کالونی میں قیام کرو!"

"اسی حوالے سے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے!"

"ٹھیک ہے' میں پہنچ جاؤں گا۔ ہاں کرنل کے ہاں فون کیا تھا۔ زبیر خان غائب ہے اور بٹن کا راز کھل چکا ہے' ہما ان کے قبضے میں ہے اور انہوں نے سزا کے طور پر اسے روک لیا ہے!"

"اتفاق سے یہ بات مجھے معلوم ہے شہاب! بہرحال دیکھیں گے۔ تم وہاں جاکر

اندر کا جائزہ لو اور رپورٹ تیار کرو!" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا اور میں نے مزید رسمی گفتگو کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

میں نے تیاریاں کر کے ماجد کو اپنے جانے کی اطلاع دی اور وہ گردن ہلانے لگا۔

"گویا باقی رہا میں.......... مگر یہ تنہائی ٹھیک ہے بھائی! جاؤ تم لوگ خوش نصیب ہو!"

تھوڑی دیر کے بعد پہلے میں اسٹیشن پہنچا اور پھر وہاں سے دوسری ٹیکسی لے کر تیل کالونی چل پڑا۔ ایک بار اس علاقے کو دیکھ چکا تھا۔ جہاں تک جانے کی اجازت تھی' وہاں تک تو کچھ نہیں ہوا لیکن اس کے بعد چیک پوسٹ پر روک لیا گیا۔

"میجر یوسف کا مہمان ہوں!" میں نے کہا۔

"براہ کرم اپنے بارے میں تفصیل بتادیں تاکہ میجر یوسف سے رابطہ قائم کر کے آپ کے بارے میں اجازت لے لی جائے"۔

"کیا یہ ضروری ہے؟"

"قطعی ضروری!"

"دراصل میں ان کے ایک قریبی دوست کا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکیں گے۔ تاہم آپ ان سے میری گفتگو کرادیں۔ میں انہیں اپنے بارے میں بتادوں گا!"

"آپ کا نام؟"

"شہاب تیموری!" میں نے جواب دیا اور سیکیورٹی گارڈ مجھے ساتھ لے کر ایک خوبصورت کیبن میں پہنچ گیا اور پھر اس نے فون پر میجر سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ دہرائے لیکن دوسری طرف سے ظاہر ہے لاعلمی کا اظہار کیا گیا ہو گا۔ چنانچہ فون مجھے دے دیا گیا۔

"اوہ انکل! میں جہانگیر تیموری کا بیٹا شہاب تیموری ہوں۔ بڑا حادثہ ہو گیا انکل! ڈیڈی نے ممی کو طلاق دے دی اور ممی.........." میں نے رک کر سیکیورٹی گارڈ کی طرف دیکھا۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "سوری مسٹر! ذرا بالکل نجی گفتگو ہے۔ کیا آپ چند ساعت کے لئے۔"

"اوہ' ہاں ضرور!" گارڈ اخلاقاً باہر نکل گیا۔ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ہیلو۔ ہاں معاف کیجئے گا میجر! دراصل آپ کا گارڈ سر پر موجود تھا اس لئے مجھے

یہ فضول باتیں کرنی پڑیں۔ بہرحال مختصراً عرض کرتا ہوں میرا نام شہاب تیموری ہے اور میں آپ کے پاس چند روز کے لئے مہمان رہنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کرنل جہانگیر کا تعارفی خط ہے۔ آپ کرنل جہانگیر سے واقف ہیں؟"

"اوہ یقیناً مسٹر شہاب! بلکہ میں تو بے چینی سے آپ کا منتظر تھا۔ کرنل نے کل شام مجھے فون کیا تھا۔ انہوں نے مختصراً آپ کے بارے میں تفصیل بتائی تھی اور کہا تھا کہ آپ میرے پاس پہنچیں گے۔ بلکہ آپ کے لئے کرنل کا ایک پیغام بھی میرے پاس ہے!"

"تو میں گارڈ کو واپس بلالوں!"

"ضرور۔ آپ ٹیکسی لے آئے ہیں!"

"جی ہاں!"

"ٹیکسی چھوڑ دیں' میں جیپ بھیج رہا ہوں۔ آپ اس میں میرے پاس آجائیں!"

"نوازش! میں نے کہا اور گارڈ کو آواز دی۔ گارڈ قریب آیا تو میں نے ریسور اسے دے دیا۔ گارڈ چند ساعت سنتا رہا اور پھر اس نے بہت بہتر کہہ کر فون رکھ دیا۔ پھر وہ خود ٹیکسی ڈرائیور کے پاس پہنچا اور ٹیکسی سے میرا سوٹ کیس اتارنے کے بعد اپنے پاس سے اسے کرایہ ادا کر دیا۔ "خوب' تشریف رکھیے جناب! ابھی جیپ آ رہی ہے!" اس نے کہا اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد جیپ آگئی اور باوردی ڈرائیور نیچے اتر آیا۔

"مسٹر شہاب..........؟" اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

"جی۔ میں ہوں!" میں کھڑا ہو گیا۔ ڈرائیور نے سوٹ کیس جیپ میں رکھا اور پھر مجھ سے بیٹھنے کی استدعا کی۔

تیل کالونی جدید ترین مکانات سے آراستہ تھی۔ یوں تو یہ پورا علاقہ سرسبز تھا لیکن اندر سے اس حصے کو حسین ترین بنادیا گیا تھا۔ کھیل کے میدان اور رہائشی عمارتوں کی ترتیب بڑی نفاست سے کی گئی تھی۔ زیادہ تر غیر ملکی چہرے نظر آ رہے تھے ان میں بے شمار حسین شکلیں بھی تھیں۔ میں یہ پر فضا مناظر دیکھتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت بنگلے کے سامنے کار روک دی گئی۔ یہ میجر یوسف کی رہائش گاہ تھی۔ رہائش گاہ کے صدر دروازے میں دو ملازمین نے میرا استقبال کیا۔ ان میں ایک درمیانہ عمر کی خاتون تھیں اور ایک نوجوان لڑکی۔ مجھے ماجد کی بات یاد آئی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ

آگئی۔ جواب میں دونوں خواتین بھی مسکرائی تھیں۔

"عبدل! تم سوٹ کیس اندر رکھ دو۔ آؤ شباب یہاں!" معمر عورت نے کہا اور میں نے احتراماً گردن خم کردی۔ پھر میں ان دونوں کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ "میجر نے ابھی تمہارے بارے میں فون کیا تھا۔ ہم ماں بیٹیاں تمہیں خوش آمدید کہتی ہیں!"

"شکریہ خاتون! میجر نے میرے بارے میں اور کیا بتایا تھا؟" میں نے ان دونوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"بس مختصراً بات کی تھی۔ کہا تھا شباب آرہے ہیں۔ ان کے دوست کے بیٹے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ سفر سے تھکے ہوئے ہو تو غسل وغیرہ کروگے یا........."

"نہیں آنٹی! میں بالکل ٹھیک ہوں؟"

"تب پھر چائے پیو گے' کافی یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟"

"چائے پلوا دیں!" میں نے بے تکلفی سے کہا اور وہ دونوں ڈرائینگ روم میں داخل ہوگئیں۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا اور چند ساعت کے بعد ایک ملازم لڑکی اندر آگئی۔ "چائے بنا کر لاؤ رضیہ!" خاتون نے کہا لڑکی بغور مجھے دیکھنے لگی۔ "ہاں ممکن ہے تم ہم سے متعارف ہو لیکن رسماً ہی سہی' یہ میری بیٹی تبسم ہے اور مجھے تو تم آنٹی کہہ کر مخاطب کر ہی چکے ہو اس لئے میں آنٹی ہوں۔ ویسے میری بدقسمتی ہے کہ میں میجر کے تمام دوستوں سے متعارف نہیں ہوں لیکن خیر تمہیں تو جانتی ہی ہوں!"

"ممی میں ایک تجویز پیش کروں!" لڑکی اچانک بول اٹھی۔

"کوئی فضول بات ہی کہوگی!" خاتون نے مسکرا کر کہا۔

"ہائے ممی! کبھی تو میری قیمتی تجاویز پر غور کر لیا کریں۔ آپ نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا!" لڑکی دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"کہئے کیا تجویز ہے آپ کی اور کس سلسلہ میں ہے؟" معمر خاتون نے کہا۔

"ممی! ہم لوگ تو اس تیل کے پیپے میں پھنس کر ساری دنیا سے کٹ چکے ہیں۔ اس سیال یتیم خانے میں کوئی مہمان تو جھانکتا ہی نہیں ہے۔ اگر غلطی سے کوئی آ پھنسے تو اسے آسانی سے نہیں چھوڑنا چاہیے!" تبسم نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"شباب صاحب سے چالاکی سے معلوم کریں کہ یہ کتنے دن یہاں قیام کریں گے'

اگر جلدی جانے کی کہیں تو ذبح کر کے فریج میں رکھ لیں تاکہ فریزر میں خراب نہ ہوجائیں' کم از کم کسی مہمان سے ملاقات کرنے کو دل چاہے تو فریزر میں ہی جھانک لیا کریں گے!" تبسم آواز دبا کر بولی۔

"اور اس کے بعد تم چاہتی ہو کہ مہمانوں کے سامنے تمہاری عزت کی جائے!" خاتون ناخوشگوار انداز میں بولیں۔

"رہنے دیں آنٹی! اس تجویز میں بھی خلوص کی بو آتی ہے۔ ویسے مس تبسم! آپ کو مجھے ذبح کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں اس وقت تک یہاں قیام کروں گا جب تک آپ میرا سامان نکال کر باہر نہیں پھینک دیں گی!"

"خیر یہ نوبت تو کبھی نہیں آئے گی شباب میاں! یہ حقیقت ہے کہ جب سے ہم یہاں آئے ہیں' باہر کی دنیا سے کٹ گئے ہیں۔ بس چند مقامی لوگوں سے شناسائی ہے۔ ورنہ دو ماں بیٹیاں اور ہم........" بیگم یوسف نے کہا اور میں ان خوش اخلاق خواتین سے دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ تبسم کی فطرت میں ظرافت تھی اچھے جملے بول لیا کرتی تھی لیکن اس ظرافت میں لگاوٹ کی کوئی جھلک نہیں نظر آتی تھی اور میں خواہ مخواہ غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتا تھا!

کافی وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارا اور پھر میجر یوسف آگئے۔ صورت ہی سے میجر معلوم ہوتے تھے۔ لیکن خوش اخلاق خاندان تھا۔

"اگر تم لوگ اپنا حصہ وصول کرچکی ہو تو اب انہیں میرے حوالے کردو"۔ انہوں نے اپنی بیگم اور بیٹی سے کہا۔

"ہائے پاپا۔ آپ ان سے تنہائی میں گفتگو کریں گے!" تبسم افسردہ لہجے میں بولی۔

"جی ہاں' آپ کو اعتراض ہے؟" میجر یوسف نے مسکرا کر کہا۔

"ہم تو سوچ رہے تھے کہ اچھے انسان ہیں۔ دس بیس روز چل جائیں گے لیکن تنہائی میں آپ ان کے سر میں چھوڑیں گے ہی کیا!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"اچھا آپ بکواس بند کریں اور ہم دونوں کے لئے کافی بھجوادیں"۔ میجر یوسف میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولے۔ اور پھر مجھے لے کر اپنے نشست کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ایک چھوٹی سی لائبریری تھی۔ باقی چیزیں سادہ سادہ سی تھیں جن سے میجر کی طبیعت کا اندازہ ہوتا تھا۔ "سب سے پہلے تو مسٹر شباب! آپ مجھے کرنل کا خط دکھادیں تاکہ میرا

فوجی تجسس ختم ہوجائے!" میجر نے بیٹھتے ہوئے کہا اور میں نے میجر کا تعارفی خط نکال کر
کرنل کے حوالے کردیا۔ کرنل نے اسے پڑھا اور تہہ کرکے جیب میں رکھ لیا۔ پھر
بولے۔ "کرنل جہانگیر نے کل مجھے فون کرکے جو گفتگو کی' وہ وہ یوں تھی۔ "میجر' شہاب
تیموری تو تمہارے پاس نہیں پہنچے؟" میں نے کہا نہیں تو وہ بولے"۔ دراصل میجر! میں
شدید مشکلات میں پھنس گیا ہوں۔ ایسی مشکلات میں جن کی وجہ سے میرا ماضی تباہ ہوسکتا
ہے۔ شہاب تیموری اگر تمہارے پاس پہنچیں تو میرے لئے ان سے تعاون کرنا۔ خواہ کتنی
ہی الجھنیں پیش آئیں' ان کی مدد کرنا۔ ایک دوست کی حیثیت سے تم سے درخواست
کررہا ہوں اور بڑا پرامید ہوں۔ تمہارا تجسس شہاب دور کردیں گے۔ میں انہیں بتا چکا
ہوں کہ تم میرے قابل اعتماد دوست ہو۔ چنانچہ مسٹر شہاب! میں کرنل کے لئے سخت متفکر
ہوں اور اپنی بچی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے سب کچھ
کرسکتا ہوں۔ بس اس سے زیادہ اعتماد دلانے کی اور کوئی بات نہیں کرسکتا!"

"مجھے آپ کی طبیعت سے آپ کی سچائی کا ثبوت ملتا ہے میجر' دراصل کرنل کچھ
خطرناک بلیک میلروں کے ہاتھوں میں پھنس گئے ہیں!"

"کرنل جہانگیر!" میجر تعجب سے بولا۔ "انوکھی بات ہے ان کی تو پوری زندگی بے
داغ ہے۔ ان کی نیکی اور شرافت تو ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے!"

"بلاشبہ' لیکن بلیک میلنگ اسٹنٹ کوئی نہیں ہے۔ کرنل کو خوفزدہ کیا گیا ہے اور
ان کی صاحبزادی ہما کو اغوا کرکے کرنل کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ کچھ سرکاری راز ان کے
حوالے کردیں!"

"خدا کی پناہ! کرنل کی بیٹی ہما؟"

"جی ہاں! انہوں نے ہما کا ذہنی توازن خراب کردیا اور اس کے بعد دوسری سخت
دھمکی کے طور پر انہوں نے ہما کو اغوا کرلیا!"

"لیکن کرنل نے حکام سے مدد کیوں نہیں لی؟"

"محض خوف......... ہما کے لئے انہوں نے بڑی دھمکیاں دی ہیں!"

"بے چارا! میں ان سے ضرور ملوں گا۔ میں پوچھوں گا کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔
خدا کی قسم! میں خلوص دل سے ان کے لئے کام آنے کو تیار ہوں۔ دوستیاں کس دن کے
لئے ہوتی ہیں؟"

"اگر یہ بات ہے میجر! تو کرنل کی مدد کے طور پر آپ میری مدد کریں"۔

"دل کی گہرائیوں سے تیار ہوں۔ سب کچھ داؤ پر لگادوں گا کہو کیا چاہتے ہو؟"

"میں کرنل کے لئے اس سلسلہ میں کام کررہا ہوں اور میرے اندازے کے
مطابق چند مقامی لوگوں کے علاوہ اس سلسلہ میں کچھ غیرملکی ملوث ہیں"۔

"ہوں۔ اوہ تو تمہارا مطلب ہے......... میرا مطلب ہے کہ تم کسی خاص نظریے
کے تحت یہاں آئے ہو۔ یعنی تم ان غیرملکیوں کو یہاں تلاش کرو گے!"

"ہاں' میرا یہی ارادہ ہے!" میں نے جواب دیا۔

"دل و جان سے جس کی طرف اشارہ کرو گے اس کا شجرہ نسب کھول دوں گا۔ نہ
صرف یہ بلکہ خفیہ طور پر بھی ضرورت پڑی تو تمہاری مدد کردوں گا!"

"میں اس تعاون کے لئے شکرگزار ہوں"۔

"نہیں شہاب میاں! اسے میرا ذاتی معاملہ سمجھو۔ کرنل سے میرے کیا مراسم
ہیں' تمہیں ان کی تفصیل نہیں معلوم......... شوق سے یہاں کام کرو۔ میں ذاتی کوششوں
سے تمہیں ہر علاقے میں داخل ہونیکا پاس جاری کردوں گا۔ تم چاہو تو تمہیں یہاں موجود
اہم لوگوں سے متعارف بھی کرادوں"۔

"اوہ' نہیں میجر! میں عام انداز میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ بس آپ کو یہ تکلیف کرنی
ہوگی کہ اگر میں کسی شخص کے بارے معلومات چاہوں تو اس کے بارے میں معلومات
فراہم کردیں!"

"دل و جان سے!" میجر نے خلوص سے کہا۔

"ایک سوال اور میجر!"

"ضرور۔ پوچھو!"

"کیا خان جلال کا تیل کالونی سے کوئی تعلق ہے؟"

"گہرا......... یہاں اس کی غیرملکیوں سے بھی دوستی ہے اور مقامی لوگوں سے
بھی۔ اکثر یہاں کی تقریبات میں شرکت کرتا ہے لیکن........." میجر نے گہری نگاہوں سے
مجھے دیکھا۔

"کیا یہ لوگ سرکاری طور پر خان سے دلچسپی رکھتے ہیں!"

"ہرگز نہیں۔ اس کی کوئی سرکاری حیثیت ہے ہی نہیں لیکن اثرورسوخ بہت

ہے اور یہاں حسن پور میں اس کی بات کافی مانی جاتی ہے!"

"خود آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جارح قسم کا انسان ہے۔ سربلندی کا خواہاں ہے' اس لئے اعلیٰ حکام سے زیادہ دوستی رکھتا ہے لیکن میں پھر یہی سوال کروں گا کہ تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"صرف ایک خیال ذہن میں ہے۔ شاید آپ کو علم ہو کہ خان جلال کرنل جہانگیر کو پسند نہیں کرتا!"

"اچھی طرح جانتا ہوں لیکن کرنل فوجی حیثیت رکھتا ہے۔ خان جلال اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے!"

"اس کے خلاف سازشیوں کی مدد تو کر سکتا ہے!" میں نے کہا اور میجر یوسف گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا۔ "ہاں یہ ممکن ہے!"

"چنانچہ میجر! مجھے ان لوگوں کے نام درکار ہیں جن کی خان جلال سے خاص دوستی ہو"۔

"کل تک مہلت مل سکتی ہے؟"

"یقیناً میں اس کے لئے شکر گزار ہوں"۔ میں نے کہا۔

"ایسے الفاظ ہی نہ کہو۔ اب یہ ہمارا مشترکہ معاملہ ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ کرنل جہانگیر کے لئے میں اپنی نوکری اپنا کیریئر تک داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہوں"۔

میجر یوسف نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ میں اس مخلص فوجی سے متاثر ہوا تھا۔ پھر دوسری گفتگو کرنے لگا۔ اس نے اپنے چھوٹے سے گھرانے کے بارے میں بتایا جو بیوی اور بیٹی پر مشتمل تھا۔ تبسم کے بارے میں اس نے بتایا کہ شرارت پسند ہے اور نہایت سنجیدگی سے مذاق کرتی ہے لیکن ٹھوس کردار اور اعلیٰ ظرف کی مالک ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ہم اس کمرے سے نکل آئے۔ میجر نے بیگم کو ہدایت کی کہ مہمان کی مدارت کی جائے۔ تبسم بھی ساتھ تھی۔

"پاپا! ہم ابتدائی طبی امداد کے طور پر ان کے لئے کیا کریں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"طبی امداد؟" میجر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں' انہوں نے ایک گھنٹے سے زیادہ تنہائی میں آپ سے گفتگو کی ہے۔ کیا انہیں طبی امداد کی ضرورت نہیں پیش آئے گی"۔

"سن لیا بیگم آپ کی صاحبزادی میرے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں۔ میرا خیال ہے تبسم گھر میں میری موجودگی سے سخت الجھن اور تھکن محسوس کرتی ہے۔ اس لئے کوئی انتظام کرنا ہی ہو گا!"

"آپ ہی کی لاڈلی اور سرچڑھی ہے۔ ڈانٹا کریں!" بیگم یوسف نے کہا۔

"آپ انتظام کیا کریں گے جناب پاپا صاحب! گھر چھوڑ دیں گے!" تبسم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں فوجی ہوں۔ دشمن سے ہار نہیں مانتا بلکہ اسے مار بھگاتا ہوں۔ آپ کو اس گھر سے نکالنے کا جلد از جلد کوئی بندوبست کرنا ہو گا۔ کیوں بیگم!"

"ہاں آپ کوئی بندوبست ہی نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے وہ نذیر احمد صاحب کے لڑکے.........." بیگم نے کہا اور تبسم میرے نزدیک آ گئی۔ "میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ اب تھوڑی دیر کے بعد بے چاری ممی کو طبی امداد کی ضرورت پیش آجائے گی۔ آپ دیکھ لیں۔ آیئے ہم یہاں سے چلیں۔ آیئے.........." اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔ "آپ کو اپنے پاپا کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے!" میں نے کہا۔

"محترم! وہ مثالی باپ ہیں۔ میرا ان سے مذاق چلتا ہے۔ کیا سمجھے آپ۔ وہ کبھی میری بات کا برا نہیں مانتے!"

"خوب! اور آپ ان کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتی رہتی ہیں!"

"چھوڑیئے ان باتوں کو۔ آیئے میں آپ کو کالونی کی سیر کراؤں۔ سیر و تفریح سے دلچسپی ہے آپ کو؟"

"کیوں نہیں؟"

"تب ٹھیک ہے آیئے.........."

"لیکن میجر صاحب سے اجازت؟"

"واپس آکر بلا اجازت جانے کی معذرت کر لیں گے۔ اب ایسی بھی سعادت مندی ضروری نہیں ہوتی کہ انسان اپنی خواہش کی گردن دبا دے!" اس نے بے تکلفی سے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ میجر نے اس کے ٹھوس کردار کا تذکرہ کیا تھا۔ چنانچہ اس بے تکلفی کو میں نے کسی غلط نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ کسی قدر محتاط رہنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ

میجر سے مجھے کئی کام لینے تھے۔

تیل کالونی کے اس حصے کے بارے میں تھوڑی ہی دیر میں مجھے کافی معلومات حاصل ہوگئیں۔ خاص خاص لوگوں کی رہائش اس سمت تھی۔ دوسری طرف قدرے اعلیٰ افسروں کی رہائش گاہیں تھیں۔ دو سینماہاؤس تھے' ایک کلب تھا۔ ممنوعہ علاقہ دوسری جانب تھا۔ جہاں تیل کے چوبیس کنوؤں کی کھدائی ہو رہی تھی اور اس طرف بغیراجازت جانا ممنوع تھا۔ میجر یوسف اس پورے علاقے کا سیکیورٹی آفیسر تھا اور کافی بڑی حیثیت کا مالک تھا۔ فوجی ہونے کی حیثیت سے وہ اصولوں کا سخت تھا اور کسی بے اصولی کو معاف کرنیکا عادی نہیں تھا۔

تبسم نے اپنی ایک دوست سے بھی تعارف کرایا۔ اس کے ہاں ہم لوگوں نے چائے پی۔ ویسے اس لڑکی نے ایک حرکت غیر فطری سی کی جس پر مجھے تعجب ہوا تھا۔ یعنی اس نے اب تک مجھ سے میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ نہ میری آمد کی وجہ معلوم کرنیکی کوشش کی تھی' نہ مجھ سے میرے حالات پوچھے تھے اور بہرحال یہ بات میرے لئے کسی قدر تعجب خیز بات تھی۔ پھر ہم واپس پلٹ آئے۔ میجر یوسف عمارت سے باہر اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کے سامنے چائے کے برتن سجے ہوئے۔ اوہ! آؤ بھئی۔ اچھے موقع پر آئے۔ ابھی ہم نے چائے شروع نہیں کی!" بیگم یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں ممی ہم لوگ چائے پی کر آئے ہیں۔ کیوں شباب آپ پئیں گے؟"

"ہاں! میں تو ایک کپ ضرور پیوں گا!" میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ہمارے اس طرح چلے جانے پر میجر یوسف اور ان کی بیگم کو کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ بات بیٹی پر مکمل اعتماد کا مظہر ہو۔

رات کو گیارہ بجے تک تفریحات میں وقت گزرا۔ تبسم کی شخصیت باغ وبہار تھی اور دونوں ماں باپ اس کی پذیرائی کرتے تھے اور اس کی بے تکلفی کا برا نہیں مانتے تھے۔ اس کے بعد ہم سونے کے لئے چل پڑے۔ میں بستر پر لیٹا گزرے دن کے واقعات پر غور کرنے لگا۔ اس دوران میں نے ڈاکٹر برہان کے بارے میں بھی سوچا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ پوری ٹیم کسی ایک مسئلے میں الجھ جائے۔ ڈاکٹر برہان خود تو کسی معاملے سے دور ہی رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ٹیم کے کسی ممبر پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ کسی سلسلہ میں اگر اس کا نظریہ

مختلف ہو تو وہ اپنے طور پر کام کرسکتا تھا اور اس کے لئے اسے کسی کو جواب دہ نہیں ہونا پڑتا تھا۔ خواہ وہ کام بگڑ ہی جائے۔ اور یہ بات بڑی خوداعتمادی پیدا کرتی تھی۔ یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی کسی کی انگلی پکڑ کر نہیں چل رہا۔ بلکہ کوئی بھی مسئلہ ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ پھر میری ذہنی رو کرنل جہانگیر کی طرف مڑگئی۔ وہ شخص اپنی عزت بچانے کے لئے بڑی سختیاں جھیل رہا تھا حالانکہ اگر وہ پوری سچویشن حکومت کو بتادے تو خود اس کا عذاب ختم ہوسکتا ہے۔ اور وہ ان مصیبتوں سے نکل سکتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی جان پر سختیاں جھیل کر اپنے وقار کو' اپنی آن کو زندہ رکھتے ہیں اور کرنل جہانگیر ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ میں خلوص دل سے ایسے انسان کی مدد کرنے کا خواہاں تھا۔ رات کو نہ جانے کب تک میں ان خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر نیند آگئی۔

دوسری صبح بے حد خوش گوار تھی۔ آسمان ابر آلود تھا اور بادلوں کی سیاہی کے نیچے خوشبوؤں سے بھری ہوائیں تیر رہی تھیں۔ موسم کے پیش نگاہ ناشتے کا انتظام برآمدے میں کیا گیا تھا۔ تبسم اپنے دلنواز تبسم کے ساتھ موسم کے لباس میں ملبوس موجود تھی اور چھوٹے چھوٹے چٹکلے چھوڑ رہی تھی۔ پھر میجر یوسف نے اجازت طلب کی اور اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ گھر میں ہم تینوں رہ گئے تھے۔ میں نے تھوڑی دیر بعد جانے کی اجازت طلب کی تو تبسم بھی تیار ہوگئی۔ "اس بے تکے مقام پر آپ کہاں سیر کریں گے مسٹر شباب! چند لمحات میں بور ہوجائیں گے۔ چنانچہ میں بھی چلتی ہوں"۔

"کیا حرج ہے؟" میں نے کہا۔ میں نے بہتر سمجھا تھا کہ باہر مجھے اجنبی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہم تیل کالونی کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ میں نے تبسم سے غیرملکیوں کے بارے میں پوچھا۔ "کئی ملکوں کی کمپنیاں کام کررہی ہیں اس لئے مختلف ممالک کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ارے ہاں آیئے میں آپ کو ایک دلچسپ شخصیت سے ملواؤں!" تبسم اچانک ہنس پڑی۔

"خوب! کون ہے وہ جس کے بارے میں آپ سوچ کر ہنس پڑیں؟"

"ملیں گے تو پتہ چلے گا!"

"پہلے سے کچھ نہیں معلوم ہوگا؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"لطف کرکرا ہوجائیگا! تبسم نے کہا اور ایک طرف مڑگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت سے بنگلے کے سامنے کھڑے تھے۔ تبسم نے بیل بجائی اور انتظار کرنے

لگی۔ چند ساعت کے بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ اور مجھے ایک دبلا پتلا سفید فام بوڑھا نظر آیا۔ ضرورت سے زیادہ دبلا تھا۔ منہ میں بہت موٹا سگار دبا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر رم لیس لینس لگا ہوا تھا۔ معمولی سی بشرٹ اور پینٹ پہنے ہوا تھا۔

"فرمایئے!" اس نے امریکن گوالوں کے انداز میں سگار کو منہ میں گھماتے ہوئے پوچھا۔ ابھی تک اس نے صرف مجھے دیکھا تھا' لیکن دوسرے لمحے اس کی نگاہ تبسم پر پڑ گئی اور سگار اس کے منہ سے نکل کر نیچے گر پڑا۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ "اوہ.......... مس.......... مس تشریف لایئے.......... آپ بھی تشریف لایئے مسٹر.........." اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کسی گرگٹ ہی کی طرح رنگ بدل لیا تھا اس نے حالانکہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اس کا لہجہ حد درجہ خشک تھا لیکن تبسم کو دیکھتے ہوئے وہ دنیا کا خوش اخلاق ترین انسان بن گیا تھا۔

"شکریہ ڈاکٹر ٹی ٹی کیسے ہیں آپ؟"

"عمدہ!" وہ ایک پاؤں پر گھوم کر واپس چل پڑا۔ اس کا انداز تھرکنے کا سا تھا۔ وہ ہمیں لے کر ڈرائینگ روم میں پہنچ گیا اور پھر ہم دونوں کو بیٹھنے کی پیش کش کی اور بولا۔ "صرف چند لمحات کی اجازت.........." اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر دروازے سے باہر نکل گیا۔

"یہ کیا چیز ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک غیر ملکی کمپنی کا ڈاکٹر.......... ڈاکٹر ٹی ٹی..........!"

"عجیب نام ہے؟"

"اور خود..........؟" تبسم ہنس کر بولی۔

"خود بھی نایاب شے معلوم ہوتا ہے!"

"ابھی کیا دیکھا ہے آپ نے دیکھتے رہیے!" تبسم نے کہا۔ ڈاکٹر بمشکل ایک منٹ میں واپس آ گیا۔ لیکن حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ بہترین سوٹ میں ملبوس تھا۔ سر پر نفاست سے ہیٹ جما ہوا تھا۔ گلے میں قیمتی زنجیر نظر آ رہی تھی اور تو اور سگار کی جگہ اب پائپ نے لے لی تھی۔ غالباً" وہ اسی ٹیپ ٹاپ کے لئے گیا تھا۔ حالانکہ اس کی کوئی تک نہیں تھی۔ بہرحال اس کی فطرت کا تھوڑا بہت اندازہ ہو چکا تھا۔ "آپ لوگ کیا پینا پسند کریں گے۔ جن وہسکی یا کچھ اور.........." اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"شکریہ ڈاکٹر! اس وقت کچھ نہیں!"

"اوہ' کیوں؟ تکلف نہ کریں!"

"یقین کریں بالکل تکلف نہیں کر رہی۔ پھر کبھی سہی!" تبسم نے کہا۔

"وعدہ کریں آئیں گی؟"

"سو فیصدی!"

"ٹھیک ہے۔ ویسے میں نے آپ کو پہلے بھی دیکھا ہے' لیکن یہ یاد نہیں کہاں دیکھا ہے۔ ویسے میں اکثر خواب دیکھتا ہوں۔ نہ جانے کیوں؟ شاید اس لئے کہ بچپن سے شدید محرومیوں کا شکار رہا ہوں۔ آہ! یہ محرومیاں بھی انسان کی شخصیت پر کتنا اثر انداز ہوتی ہیں!" اس کا لہجہ غمزدہ ہو گیا۔

"میں نیشی کی دوست ہوں۔ دو تین بار اس کے ساتھ آپ سے ملاقات ہو چکی ہے!"

"اوہ نیشی۔ وہ معصوم لڑکی جو دوسری بے شمار لڑکیوں کی مانند مجھ پر جان دیتی ہے۔ کاش میں اسے بتا سکتا کہ میرا آئیڈیل کچھ اور ہے۔ میں اسے اپنے دل میں کوئی بہتر مقام نہیں دے سکتا۔ میں تو منتشر ہوں۔ بکھرا ہوا۔ نہ جانے کہاں کہاں!"

"آپ کی نیشی سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی؟" تبسم نے پوچھا۔

"میں خود اس سے کتراتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لئے دیوانی ہو جائے۔ کیا حاصل ہوگا اسے میری ٹوٹی ہوئی ذات سے"۔ اس وقت باہر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے دروازہ کھول کر جھانکا اور ڈاکٹر کی زبان یکلخت بند ہو گئی۔ پھر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا"۔ اوہ نیشی.......... تم..........؟"

"آہ۔ تبسم! تم یہاں کیسے آ گئیں؟" ایک خوبصورت سی لڑکی تبسم کی طرف بڑھی اور اس سے بغل گیر ہو گئی۔ بس تمہاری تلاش میں آ نکلی تھی!"

"بڑی خوشی ہوئی۔ یہ کون صاحب ہیں؟"

"میرے کزن! مہمان آئے ہیں!"

"ہیلو!" نیشی نے گردن خم کی اور میں نے بھی خوش اخلاقی سے اسے جواب دیا لیکن ڈاکٹر ٹی ٹی کسی قدر بے چین نظر آ رہا تھا۔

"نیشی ڈارلنگ! تم اچانک ہی آ گئیں۔ ارے ہاں مجھے تم سے ایک ضروری بات

کرنی تھی۔ ذرا اس کمرے میں آؤ"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں ڈاکٹر! آپ اپنے دوست سے گفتگو کریں۔ میں تبسم کے ساتھ دوسرے کمرے میں ہوں"۔ نیشی نے کہا اور ڈاکٹر کسی قدر مطمئن ہوگیا۔ "ٹھیک ہے جاؤ جاؤ ہم لوگ گفتگو کررہے ہیں!" اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ تبسم مجھ سے معذرت کرکے اٹھ گئی۔ ساتھ ہی وہ مسکرائی بھی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ میں ڈاکٹر سے لطف اندوز ہوں۔ مجھے بھی یہ ڈاکٹر ٹی ٹی بہت پسند آیا تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "آپ سے مل کر دلی مسرت ہوئی ہے ڈاکٹر!! بلاشبہ ایسے پرکشش لوگ کم ہی نگاہ سے گزرتے ہیں۔ آپ تو لڑکیوں سے تنگ آگئے ہوں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر کا چہرہ فرط مسرت سے سرخ ہوگیا۔

"تو اور کیا۔ جان عذاب میں رہتی ہے۔ ایک دو ہوں تو صبر بھی کیا جائے۔ لیکن برستی ہیں برستی ہیں یہ لڑکیاں مجھ پر!"

"قصور ان کا بھی تو نہیں ڈاکٹر!" میں نے کہا اور ڈاکٹر کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ "پھر کس کا قصور ہے؟"

"آپ کی حسین شخصیت کا! وہ تو لڑکیاں ہیں میں خود آپ کو دیکھ کر حیران ہوں۔ آپ کے پاس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا!"

"خوش اخلاق انسان ہو۔ کیا نام ہے؟"

"شہاب!"

"بڑی مسرت ہوئی تم سے مل کر! میں ٹی ٹی ہوں۔ نام تو میرا ایڈرک ٹیٹ ہے لیکن یہ لڑکیاں پیار سے مجھے ٹی ٹی کہتی ہیں!"

"یقیناً کہتی ہوں گی۔ بڑے خوش نصیب ہیں آپ ڈاکٹر!" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تو فکر کیوں کرتے ہو۔ تمہیں بھی خوش قسمت بنا سکتا ہوں"۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"اوہ۔ وہ کس طرح ڈاکٹر؟"

"یہ لڑکی۔ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"کسے نیشی کو؟" میں نے شرارتاً پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ اس کا نام مت لیں۔ میں تمہاری والی کی بات کر رہا ہوں۔ اپنی

اپنی۔ صرف اپنی اپنی اور وہ بھی تمہارے ساتھ رعایت ہے ورنہ!"

"اوہ، سوری ڈاکٹر! شاید آپ تبسم کی بات کررہے ہیں!"

"ہاں، کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"نہیں ڈاکٹر! وہ بھی کوئی لڑکی ہے۔ ہونہہ ۔ نہ صورت نہ شکل نہ بدن!" میں نے منہ ٹیڑھا کرکے کہا اور ڈاکٹر ہنس پڑا۔

"تب تم اس کے لئے جذباتی بھی نہیں ہوگے؟"

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے؟" میں نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"مجھے پسند آئی ہے۔ میں ٹرائی کروں گا اور ہاں۔ آج شام کو کچھ مصروف ہو؟"

"بالکل نہیں!"

"آٹھ بجے میرے پاس آجانا۔ کلب چلیں گے۔ وہاں تم جس طرف اشارہ کروگے۔ کیا سمجھے؟" ڈاکٹر ہنس پڑا۔

"اوہ، ونڈر فل ڈاکٹر! بلاشبہ آپ حیرت انگیز ہیں؟"

"ارے ابھی کیا دیکھا ہے۔ رات کو تمہیں کھیل دکھاؤں گا لیکن وقت پر پہنچ جانا۔ مجھے انتظار سے سخت نفرت ہے!"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے ڈاکٹر! آپ کے پاس سے جانے کو کس کا دل چاہتا ہے۔ بہرحال میں ٹھیک آٹھ بجے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا!" میں نے کہا۔

"سنو! برا نہ مانو تو اب واپس چلے جاؤ۔ میں ذرا اپنی اس محبوبہ سے عشق کروں گا۔ اس بے تکلفی کو محسوس نہ کرنا!"

"ارے نہیں ڈاکٹر! ہم چند لمحات میں ہی گہرے دوست بن گئے ہیں۔ ایک دوسرے سے تعاون تو ضروری ہے!" میں نے مسکرا کر آنکھ دبائی اور ڈاکٹر شرمائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ تب میں باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر بھی میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں نے لڑکیوں کو تلاش کیا۔ وہ دونوں اطمینان سے گپیں لڑا رہی تھیں۔ میں نے تبسم سے چلنے کی فرمائش کی تو نیشی بول پڑی "اتنی جلدی، کیا آپ لوگ ایک دوسرے سے اکتا گئے؟"

"ڈاکٹر ٹی ٹی سے کوئی بے وقوف ہی اکتائے گا لیکن اب ہمیں اجازت ہی دے دیں تو بہتر ہے مس نیشی!"

"ہاں نیشی! پھر ملاقات ہوگی"۔ تبسم بھی کھڑی ہوگئی۔ پھر وہ دونوں ہمیں

دروازے تک چھوڑنے آئے۔ راستے میں تبسم نے مجھ سے کہا۔ "واقعی کچھ حماقت ہوگئی۔ میں نے بھی اس وقت خیال نہیں کیا اور نیشی کے ساتھ چلی آئی لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا!"

"اوہ اس میں حرج کیا ہے تبسم!"

"بور نہیں ہوئے؟"

"کوئی خاص نہیں!"

"کیا گفتگو ہوتی رہی آپ دونوں کے درمیان؟"

"بس وہ زیادہ تر اپنے رومانس کی داستانیں سناتا رہا؟"

"بعض بوڑھے اس طرح بھی بگڑ جاتے ہیں۔ کیا وہ عمر کی اس منزل میں ہے کہ ایسی باتیں کرے؟"

"میرا خیال ہے اس میں مکمل قصور اس کا بھی نہیں ہے!"

"کیوں؟"

"آپ کی دوست نیشی! وہ وہاں کیوں جاتی ہے؟"

"نیشی اس سلسلہ میں سخت پریشان ہے۔ وہ اچھے خاصے خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور عمدہ حیثیت کی مالک ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض کا شکار ہے!"

"کیسا مرض؟"

"ایک انجانی کیفیت اسے ڈاکٹر ٹی ٹی کے پاس لے آتی ہے۔ اگر وہ اس کیفیت سے بغاوت کرتی ہے تو اس پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ کسی طرح خود کو نہیں روک پاتی۔ لیکن ڈاکٹر کے قرب سے اسے بڑے کراہت ہوتی ہے!"

"یہ بات تمہیں نیشی نے بتائی ہوگی!"

"کئی بار کہہ چکی ہے!"

"خیر یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ یوں بھی غیر ملکی لڑکیاں عمر رسیدہ لوگوں کو نوجوانوں پر ترجیح دیتی ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے دلچسپ آدمی ہے!"

"واقعی؟" تبسم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں حقیقت ہے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر آپ سیر ہو کر کیوں اٹھ گئے؟"

"اس نے درخواست کی تھی!"

"کیا مطلب؟"

"جی! اس نے کہا تھا کہ وہ اب اپنی محبوبہ سے باتیں کرنا چاہتا ہے اس لئے ہم شریف لوگوں کی طرح اسے موقع دیں!" میں نے کہا اور تبسم ایک دم خاموش ہوگئی۔ بلاشبہ وہ فارورڈ لڑکی تھی لیکن اب اس حد تک بھی نہیں۔

میجر یوسف کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔ تقریباً چھ بجے انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی اور پھر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ "میں نے آج کرنل سے فون پر بات کی تھی اور اپنے بھتیجے کا حوالہ دیا تھا جو میرے پاس مہمان آیا ہوا ہے یعنی شہاب تیموری!"

"اوہ خوب!" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"انہوں نے کہا کہ شہاب نے موسم کے حالات بتائے ہوں گے۔ موسم بے حد خراب ہے بہتر ہے کہ شہاب کی حفاظت کی جائے اور اس کی پوری پوری دلجوئی کی جائے"۔

"طبیعت کیسی ہے کرنل کی؟"

"کافی خراب ہے۔ بہرحال شہاب! میں کرنل کے لئے دل میں بیحد ہمدردی رکھتا ہوں۔ براہ کرم تم اپنی کاوشیں تیز کردو۔ میں نے تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے"۔

"وہ کیا؟"

"تم نے ان لوگوں کی فہرست مانگی تھی نا............!"

"جی!"

"خان جلال اس شہر کا سربرآوردہ ہونے کی حیثیت سے یوں تو کافی شہرت رکھتا ہے اور سب اس سے واقف ہیں اور اسے ایک اچھا دوست گردانتے ہیں لیکن چند لوگوں سے اس کے خصوصی تعلقات ہیں جن میں مسٹر ٹریوٹ ڈونالڈ جو ایک پرائیویٹ کمپنی کے مالک ہیں۔ مسٹر ڈریک نوبل جو ایک کمپنی کا چیف انجینئر ہے۔ مسٹر کرٹ لیکسن مسٹر البرٹ پیکو اور ایسے ہی چند دوسرے۔ ان لوگوں کی رہائش گاہوں کے پتے کیجئے لو!" میجر یوسف نے بڑی تفصیل سے مجھے ان کی رہائش گاہوں کے پتے سمجھائے اور پھر بولے۔ "اب

مجھے میری دوسری ڈیوٹی بتاؤ!"

"فی الوقت میں ان لوگوں کو چیک کروں گا۔ ہاں میجر! کیا وہاں آپ کے اپنے کچھ لوگ موجود ہیں۔ میرا مطلب ہے' ایسے لوگ جن پر آپ پورا اعتماد کرتے ہوں اور جو کسی بھی مسئلے پر آنکھیں بند کرکے ہمارا ساتھ دے سکیں!"

"مل جائیں گے ایسے لوگ۔ ظاہر ہے کہ میرا تعلق سیکیورٹی سے ہے اور میرے پاس ہر قسم کے لوگ ہیں لیکن ابھی تک کوئی خاص مرحلہ نہیں آیا۔ انہیں کسی دوسرے انداز میں تیار کرنا پڑے گا۔ ویسے اندازاً کتنے لوگوں کی ضرورت پیش آئے گی!"

"فی الوقت صرف دو تین۔ وہ بھی اگر ممکن ہوسکے تو۔ خاص ضرورت پر میں اپنے ساتھیوں سے مدد طلب کرسکتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے۔ ان کے بارے میں' میں تمہیں کل جواب دوں گا ویسے اگر برا نہ محسوس کرو شہاب تو ایک سوال کرنا چاہتا ہوں"۔

"ضرور۔ فرمایئے؟"

"کیا تمہارا تعلق کسی سرکاری ادارے سے ہے۔ میرا مطلب ہے کہ.........."

"میں سمجھ رہا ہوں لیکن میجر یوسف! آپ جیسے مخلص انسان سے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہے خواہ کسی کے لئے پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ۔ میں سرکاری حیثیت نہیں رکھتا بلکہ پرائیویٹ طور پر کرنل کے لئے کام کر رہا ہوں۔ میں اور میرے ساتھی ایک ادارے کے تحت مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کی مدد کرتے ہیں!"

"پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ؟" میجر تعجب سے بولا۔

"ہاں! درست الفاظ یہی ہیں لیکن مقامی قانون کو مدنگاہ رکھتے ہوئے ہم اسے یہ نام نہیں دے سکتے!"

"خوب! لیکن اس سلسلے میں آپ لوگوں کے اخلاقی ضوابط بھی ہوں گے!"

"بلاشبہ ہم ایسے کام نہیں کرتے جو قانون کے منافی ہوں۔ قانون شکنوں کی امداد نہیں کرتے۔ ہاں وہ لوگ جو کسی وجہ سے ذاتی معاملات میں قانون کی مدافعت نہ چاہتے ہوں' ہماری خدمات حاصل کرسکتے ہیں لیکن وہی شرط برقرار رہتی ہے!"

"تعجب ہے! یہ ادارہ کسی اور نام سے چلتا ہوگا؟"

"نہیں کوئی دوکان نہیں سجائی ہم نے۔ اس ٹیم کے تمام لوگ صاحب حیثیت ہیں

اور اس میں کاروباری نقطہ نگاہ سے ہٹ کر بھی سوچا جاتا ہے۔ ہاں جن کے لئے ہم معاوضے پر کام کرتے ہیں ان سے معاوضہ اتنا وصول کرتے ہیں کہ ہمارا اپنا معیار برقرار رہ سکے!" میں نے جواب دیا اور میجر یوسف دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہرحال کرنل کے لئے میں تمہاری کاوشوں کا شکرگزار ہوں۔ اس مسئلے کے حل کے بعد میں تمہارے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں گا۔ یہاں اور کونسی سہولتیں چاہتے ہو مجھے بتاؤ"۔

"فی الحال جو ہو رہا ہے وہی ٹھیک ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو آپ کے اس خلوص اور دلچسپی سے پھر فائدہ اٹھاؤں گا!" میں نے کہا اور میجر نے خلوص سے گردن ہلادی۔

"ٹھیک پونے آٹھ بجے میں تیار ہو کر میجر کی رہائش گاہ سے نکل آیا ڈاکٹر ٹی ٹی کے مکان تک پہنچتے ہوئے دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ ٹھیک آٹھ بجے میں نے بیل دبا دی تھی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی اپنی چھوٹی سی کار لے کر باہر نکل آیا۔ وہ بھی میرا ہی منتظر تھا۔ میرے نزدیک آکر اس نے دروازہ کھول دیا۔ آؤ بیٹھو! اور اس نے کار آگے بڑھادی۔

"ویسے جامہ زیب انسان ہو۔ اس لباس میں کافی خوبصورت اور اسمارٹ نظر آرہے ہو!"

"آپ کو دیکھ کر شرمندگی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر!" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ سے زیادہ خوش لباس میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اگر لڑکیاں آپ پر مرتی ہیں تو میں انہیں بے قصور سمجھتا ہوں!" میں نے کہا اور ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

"ہاں مجھے بچپن سے عمدہ لباس پہننے کا شوق ہے!"

"کیا کلب بہت زیادہ دور ہے ڈاکٹر!" میں نے پوچھا۔

"نہیں اتنا بھی نہیں۔ تم نے یہ سوال کیوں کیا؟"

"آپ نے کار استعمال کیا ہے"۔

"اوہ ہاں! لباس کی آب و تاب برقرار رکھنے کے لئے آرام دہ سفر ضروری ہے اور پھر کار شخصیت کا معیار بڑھا دیتی ہے!" ڈاکٹر نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔

کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ویسے تیل کالونی طویل رقبے میں پھیلی ہوئی تھی اس لئے یہاں کاریں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ کلب کے احاطے میں بہت سی کاریں کھڑی

ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر نے بھی اپنی کار انہی کاروں کی قطار میں کھڑی کردی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

کلب کی عمارت کافی خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ اس پوری کالونی کو ہی نہایت نفاست سے سجایا گیا تھا۔ ہم اندر داخل ہوگئے۔ ہلکی موسیقی کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ اندر کا ماحول بے حد شفاف تھا۔ ہال کے علاوہ ہال کی دوسری سمت کھلے علاقے میں بھی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور زیادہ تر لوگ اس کھلے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ گھاس پر مائیک لگے ہوئے تھے جن سے موسیقی نشر ہو رہی تھی۔ ابھی فلور خالی پڑا تھا اور رقص کا پروگرام نہیں شروع ہوا تھا۔ "باہر بیٹھو گے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کا مہمان ہوں' فیصلہ میزبان کو ہی کرنا ہوگا!"

"اوہ' تب آؤ- باہر بیٹھیں۔ زیادہ تر لوگ اس وقت باہر ہی ہیں۔ رقص شروع ہوگا تو اندر آجائیں گے!" ڈاکٹر نے کہا اور ہم دونوں باہر ایک خوبصورت گوشے کی ایک میز پر جا بیٹھے۔ ہمارے سامنے بھی ایک نیگرو جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی اور مرد دونوں سیاہ فام تھے اور کسی مشروب سے شغل کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے کرسی پر بیٹھ کر چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ میں بھی اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ حسین ترین جگہ تھی۔ ملک ملک کے لوگ موجود تھے اور بے شمار حسین عورتیں نظر آرہی تھیں۔ تب ڈاکٹر کی نگاہ ایک جوڑے پر پڑی اور اس نے برا سا منہ بنایا۔ "انہیں دیکھ رہے ہو؟" وہ بولا۔

"کسے ڈاکٹر؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"یہی دونوں صورت حرام۔ لڑکی کو دیکھو مسکرا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں اسے مسکرانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس گدھے کے علاوہ اور کوئی اس مسکراہٹ سے محظوظ ہوسکتا ہے۔ خواہ مخواہ مجھے غصہ دلا رہی ہے!" ڈاکٹر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

میں تعجب سے اس بے تکے انسان کو دیکھا۔ بالکل ہی کریک معلوم ہوتا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں ایک طرف بھٹک گئیں۔ دو خوبصورت لڑکیاں ایک میز کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ انتہائی حسین لباس میں ملبوس۔ دونوں لڑکیاں بے حد پرکشش لگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر انہیں دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ "ادھر دیکھو؟"۔ اس نے مجھے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر! وہی دیکھ رہا ہوں!"

"کیسی ہیں؟"

"بے حد حسین۔ انتہائی دلکش!!"

"ایک تمہاری' ایک میری!" ڈاکٹر نے بچوں کے سے انداز میں کہا اور میں نے ایک طویل سانس لی۔ یہ بوڑھا نوعمر میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ "کونسی لوگے؟" اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"جو عنایت فرمادیں ڈاکٹر!" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"ہوں!" ڈاکٹر شاید فیصلہ کرنے لگا پھر بولا۔ "وہ جو گہرا نیلا لباس پہنے ہوئے ہے میری' دوسری تمہاری! اس کے بال مجھے بہت پسند ہیں!"

"ٹھیک ہے۔ اس تحفے کا پیشگی شکریہ!!"

"اب ایسا کرتے ہیں کہ ان دونوں صورت حراموں کو یہاں سے بھگادیتے ہیں اور انہیں اس میز پر آنے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ قریب سے دیکھیں اور پھر دوستی کریں!"

"ان لوگوں کو کیسے بھگائیں گے؟"

"ابے یہ کونسی بڑی بات ہے۔ دیکھتے رہو بس ابھی جاتے ہیں یوں بس یوں"۔ ڈاکٹر ٹی نے کہا اور میں نے کرسی کی پشت سے گردن ٹکالی۔ میں اب اس مخبوط الحواس پر زیادہ حیران نہیں ہو سکتا تھا اس کی ذہنی رو لڑکیوں کے معاملے میں بھٹکی ہوئی تھی اور اس معاملے میں وہ ایک پرلے درجے کا گاؤدی انسان تھا۔ ڈاکٹر اب سیاہ فام جوڑے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک میں نے ان دونوں کو اپنی کرسیوں سے اٹھتے دیکھا۔ بظاہر ان کے اٹھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' لیکن وہ دونوں خاموشی سے اٹھ کر دور چلے گئے۔ اتنی دور کہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ تب ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور پھر ایک آنکھ دبا کر دونوں لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر بچوں کی سی شوخی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ صرف اتفاق نہیں ہوسکتا تھا۔ ڈاکٹر اب ان لڑکیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور میری نگاہیں بھی ان پر جمی ہوئی تھیں۔ دونوں لڑکیاں کسی بات پر مسکرا رہی تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کی مسکراہٹ سکڑنے لگی۔ پھر ان دونوں نے اس طرف دیکھا۔ چند لمحات دیکھتی رہیں اور پھر دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بالکل بے خیالی کے انداز میں وہ اس جانب آرہی تھیں۔ ہمارے نزدیک سے گزر کر وہ اس سیٹ پر بیٹھ گئیں جس سے سیاہ فام جوڑا اٹھ کر گیا تھا۔ میری حیرت اب عروج پر پہنچ گئی۔ یہ سب

اتفاق نہیں تھا۔ دونوں کام اسی طرح ہوئے تھے جس طرح ڈاکٹر نے کہا تھا۔ میں متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ "اب اطمینان سے انہیں دیکھو"۔

"ڈاکٹر تم.......... تم.........." میں نے پھنسی پھنسی آواز میں بمشکل کہا۔

"کھیل پسند نہیں آیا؟" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"لیکن.......... لیکن یہ سب کیا ہے ڈاکٹر!.......... کیا تم پراسرار قوتوں کے مالک ہو؟"

"ٹی ٹی کا کمال ہے۔ بس اس سے زیادہ ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا!"

"حیرت انگیز ڈاکٹر! میں نے تم جیسا باکمال انسان اس روئے زمین پر نہیں دیکھا۔ مجھے ان لڑکیوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ان سے زیادہ میں تمہاری شخصیت سے متاثر ہوں"۔

"پسند تو تم بھی مجھے آئے ہو دوست! عمدہ شخصیت کے مالک، حلم جو اور حقیقت کو مان لینے والے۔ آؤ دوست بن جائیں"۔

"میں تو تمہارا مداح ہوں ڈاکٹر! یقین کرو میں تمہیں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا! میں تمہارے حیرت انگیز کمالات کا دل سے قائل ہوں!"

"بھولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ساری زندگی کے لئے میرے دوست بن جاؤ۔ یقین کرو لڑکیوں کے علاوہ میں نے آج تک کسی کو دوست نہیں بنایا لیکن تم مجھے بے حد پسند آئے ہو"۔

"لیکن ڈاکٹر! آپ.......... میرا مطلب ہے آپ تو یہاں جب کہ میرا تیل کالونی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چند روز کے لئے مہمان آیا ہوں۔ واپس چلا جاؤں گا!"

"ابھی تو نہیں جا رہے؟"

"اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو شاید ایک آدھ دن میں چلا جاتا لیکن آپ سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا"۔

"تو پھر مجھے بھی یہاں سے بھگا لے چلو!"

"بھگا لے چلوں؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں یار.......... میں بھی بس..........!" ڈاکٹر بولتے بولتے رک گیا۔ اس کے

چہرے سے ایسا اندازہ ہو رہا تھا جیسے کسی خیال سے جھنجلا گیا ہو۔ پھر اس نے ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "بس چھوڑو۔ اس وقت چھوڑو۔ پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گے۔ ہاں تو پھر ان مکھن کی ٹکیوں کو یہاں بلائیں؟"

"ضرور ڈاکٹر! میں نے کہا اور ڈاکٹر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب میرے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ میں نے ایسی انوکھی قوت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ تماشہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لڑکیاں ایک بار پھر کھڑی ہو گئیں اور پھر وہ سیدھی ہماری میز کی طرف ہی آئیں۔ "اگر آپ لوگ اجازت دیں تو ہم یہاں بیٹھ جائیں؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"حسین لڑکیوں کو بیٹھنے کے لئے اجازت نہیں طلب کرنی چاہیے۔ وہ تو ماحول پر حکمران ہوتی ہیں!" بوڑھے نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"اوہ۔ آپ لوگ اتنی پرکشش شخصیت کے علاوہ پراخلاق بھی ہیں۔ دراصل ہم دونوں بور ہو رہی تھیں! نیلے لباس والی لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں بیٹھ گئیں۔ "بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں!" دوسری لڑکی بولی۔

"میں ٹی ٹی ہوں اور یہ شباب!.......... اور آپ دونوں؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"میرا نام کیٹی بام ہے اور یہ میری دوست روزا جانسن! نیلے لباس والی نے تعارف کرایا۔

"کیٹی ٹی ٹی!" ڈاکٹر نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے ہمارے ستاروں کی پیدائش ایک ساتھ ہوئی ہے"۔

"شاید" کیٹی ہنس پڑی۔

"آپ مقامی ہیں مسٹر شباب!" دوسری لڑکی روزا نے مجھ سے پوچھا۔

"جی! میرا تعلق اسی ملک سے ہے!"

"بڑے پرکشش ہیں آپ دونوں۔ ہمیں آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی!" روزا نے کہا۔

"آپ کا قیام یہیں ہے مس روزا!"

"جی ہاں میرے ڈیڈی مسٹر جانسن اپنی کمپنی کے ساتھ یہاں تیل کی تلاش میں مصروف ہیں۔ ہماری پوری فیملی یہاں رہتی ہے!"

"خوب! واقعی آپ سے مل کر مسرت ہوئی"۔ میں نے جواب دیا۔ میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ نہیں ہوسکا تھا اور اس گفتگو میں خود کو الو سمجھ رہا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میرا ذہن ڈاکٹر ٹی ٹی میں الجھا ہوا تھا۔ میں اس انوکھے انسان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر بڑی محویت اور بے تکلفی سے کیٹی سے گفتگو کر رہا تھا۔ دوران گفتگو اس نے کیٹی کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں بھی پھنسالیں۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ لڑکی نے اس بات پر ناگواری یا الجھن کا اظہار نہیں کیا تھا اور بڑے دل آویز انداز میں اس سے گفتگو کر رہی تھی۔

"مقامی لوگ کسی قدر خود پرست محسوس ہوتے ہیں مجھے۔ دوسروں سے بہت کم مخاطب ہونے والے۔ کیا میرا یہ خیال درست ہے مسٹر شہاب!" روزا نے پوچھا۔

"نہیں، آپ اسے خود پرستی کی بجائے جھجک کہیں تو بہتر ہے!" میں نے جواب دیا۔

"ممکن ہے۔ لیکن یہ جھجک کیوں ہے؟"

"ہر معاشرے کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ سوالوں کے جواب ضرور تلاش کرنے چاہئیں۔ اس سے قبل کوئی فیصلہ مناسب نہیں ہوتا!"

"ہاں یہ تو درست ہے!" لڑکی نے اعتراف کیا۔

"خود مغرب کے بارے میں بے شمار سوالات ہمارے ذہنوں میں ابھرتے ہیں ان میں سے بیشتر تشنہ ہیں۔ بہرحال چھوڑیں ان باتوں کو بس یہ خود پرستی کا الزام مناسب نہیں ہے!"

"چلئے تسلیم، معاف کردیں!" روزا نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔ ڈاکٹر کسی فضول بحث میں نہیں الجھا اور بے تکلفی کی منازل طے کرتا چلا جارہا تھا۔ پھر مائیک پر اعلان ہوا۔ "کلب کے موسیقار دعوت سرور دیتے ہیں۔ رقص گاہ آپ کی منتظر ہے۔ تشریف لائیے"۔ اور کرسیوں سے جوڑے اٹھنے لگے۔ ڈاکٹر بھی اپنی دوست کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے روزا سے درخواست کی اور وہ بھی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم چوبی فرش پر تھے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی بڑے ماہرانہ انداز میں اپنی ہم رقص کے ساتھ ہلکورے لے رہا تھا۔ میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن میرا ذہن اس وقت بھی اس کی پراسرار قوتوں کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ کس طرح ممکن ہے، یہ کونسی قوت ہے!"

رقص کا پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا اور ہم چاروں میز پر آبیٹھے۔ ڈاکٹر کافی خوش نظر آرہا تھا۔ "کیا خیال ہے مس کیٹی! کیا منگوایا جائے؟"

"جو تم پسند کرو ٹی ٹی" کیٹی بے تکلفی سے بولی۔

"تب پھر........" ڈاکٹر نے کہنا چاہا لیکن اسی وقت ایک ویٹر اس کے نزدیک پہنچ کر جھکا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک پلیٹ دبی ہوئی تھی جس کے درمیان سنہرے رنگ کا ایک کارڈ جگمگا رہا تھا۔ ڈاکٹر کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے ویٹر کو دیکھا اور پلیٹ سے کارڈ اٹھالیا۔ میں نے کارڈ پر کسی تحریر کی بجائے ایک گہری سرخ لائن دیکھی تھی اور بس۔ ویٹر واپس چلا گیا۔ ہم تینوں ہی ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کے انداز سے بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی شدید کشمکش میں مبتلا ہو۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔ "بدبختی وقت کا تعین نہیں کرتی دوستو! میرے پروجیکٹ میں میری ضرورت ہے۔ فوری طلبی ہے اس لئے مجھے جانا ہی ہوگا"۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "سوری شہاب! یہ سب غیر متوقع ہے۔ تم ان خواتین کے ساتھ تفریح کرو۔ ہاں ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہے اس کا خیال رکھنا"۔

"میں بھی ان سے معذرت کئے لیتا ہوں ڈاکٹر! کیوں نہ ہم کل ان سے یہیں ملاقات کریں؟" میں نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

"ہرگز نہیں تمہیں مغرب کی قدریں نبھانا ہوں گی پلیز!" ڈاکٹر نے استدعا کی اور میں خاموش ہوگیا۔ وہ چلا گیا اور دونوں لڑکیاں میری طرف متوجہ ہوگئیں۔

"بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں مسٹر ٹی ٹی!" کیٹی نے کہا۔

"آپ ان سے ان کی رہائش گاہ پر مل سکتی ہیں!"

"اوہ، ہاں میں یہ تو بھول ہی گئی"۔ کیٹی بولی اور پھر اس نے مجھ سے ڈاکٹر کی رہائش گاہ کا پتہ پوچھ کر نوٹ کرلیا۔ میں نے لڑکیوں کے لئے ان کی پسند کی شراب منگوائی اور وہ شغل کرنے لگیں۔ مجھے بھی شراب کی پیش کش کی گئی تھی لیکن میں اپنی اوقات جانتا تھا۔ شراب میری ازلی دشمن تھی اور اس وقت خود کو بہکنے سے باز رکھنا ضروری تھا ورنہ سارے راز کھل جاتے۔ لڑکیاں اب کسی حد تک بور ہو رہی تھیں۔ میں نے بہت جلد محسوس کرلیا اور یہ حقیقت تھی کہ اپنی ذہنی الجھنوں کی وجہ سے انہیں صحیح کمپنی نہیں دے پا رہا تھا۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک نوجوان آگے بڑھا اور کیٹی کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہیلو کیٹی! تم غالباً" تنہا ہو!" اس نے جھک کر کہا اور پھر معذرت آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو جناب تو میں.........." لیکن اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اسے مجھے دیکھا اور میں نے اسے.......... میرے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا تھا۔ وہ ٹول تھا۔ وہی شخص جو مجھے خان جلال کی سیرگاہ میں ملا تھا اور میں نے جس کی مرمت کی تھی۔ چند لمحوں کے اندر اس کے چہرے پر کئی رنگ ابھرے لیکن چالاک آدمی نے خود کو سنبھال لیا۔ "اجازت ہے؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"ضرور۔ میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور کیٹی اس کے ساتھ اٹھ کر چلی گئی لیکن اب اخلاق کے ہاتھوں گدھا بننے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ٹول مجھے پہچان چکا ہے اور ذہنی طور پر وہ بھی مطمئن نہیں ہوگا!" مسٹر شاہاب! روزا نے شراب کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے مجھے پکارا۔ "میں محسوس کر رہی ہوں کہ اپنے ساتھی کے چلے جانے کے بعد آپ کچھ الجھ سے گئے ہیں!"

"اوہ، نہیں مس روزا! کیا آپ دوسرے راؤنڈ میں رقص پسند کریں گی!" میں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں، میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں۔ بلاشبہ آپ ایک پرکشش مرد ہیں!"

"ایک بات کا جواب دیں مس روازا!" میں نے کہا۔

"جی۔ فرمایئے!!"

"آپ لوگ ہماری طرف متوجہ کس طرح ہوگئیں؟"

"ہم..........؟" روزا نے شراب میں بھیگے ہوئے ہونٹوں کو بڑے خوبصورت انداز میں جنبش دی اور چند لمحات کے لئے کھو سی گئی۔ "بس کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ حالانکہ میں اور کیٹی اکثر یہاں تنہا آتے ہیں۔ بس ہمارے چند شناسا مل جاتے ہیں لیکن ہمیں عموماً تنہا بیٹھنا پسند ہے۔ آج نہ جانے کیوں اچانک دل میں خیال آیا کہ کسی کا ساتھ ہو اور نگاہیں آپ کی طرف اٹھ گئیں"۔

"اس سے قبل آپ دوسری میز پر بیٹھی تھیں؟"

"ایں۔ ہاں۔ وہاں سے بھی بس بے اختیار ہی اٹھ گئے تھے۔ کوئی وجہ نہیں تھی"۔ روزا نے جواب دیا۔ پھر بولی نہ جانے کیوں کچھ الجھن سی ہو رہی ہے۔ میرا خیال

ہے آج کی تفریحات ملتوی کی جائیں آپ برا تو نہ محسوس کریں گے؟"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے!" میں نے جلدی سے کہا۔ میں تو خود یہی چاہتا تھا۔ روزا نے گلاس میں بچی ہوئی شراب حلق میں انڈیل لی اور پھر کھڑی ہوگئی۔ "معذرت خواہ ہوں۔ براہ کرم کیٹی سے بھی میری طرف سے معذرت کردیں۔ اس سے کہہ دیں کہ طبیعت اچانک گراں ہوگئی تھی"۔

"کوئی بات نہیں ہے!" میں نے خوش اخلاقی سے کہا اور روزا کلب سے باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گئی۔ میری نگاہیں ٹول اور کیٹی کو تلاش کر رہی تھیں۔ کیٹی مجھے ایک میز پر نظر آگئی لیکن ٹول موجود نہیں تھا۔ میں اچھل پڑا۔ صرف چند لمحات کے لئے میں روزا کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ٹول نکل گیا۔ دوسرے لمحے میں نے ویٹر کو بلا کر بل کی رقم ادا کی اور باہر کی سمت چل پڑا۔ کلب کے لان میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ روزا کو میں نے ایک کار میں بیٹھتے دیکھا اور پھر کار ریورس ہو کر قطار سے باہر نکل گئی۔ ٹی ٹی کی کار بھی موجود نہیں تھی۔ میں پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ صورت حال کافی تشویشناک ہوگئی تھی۔ میں کلب کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر ایک کار کھڑی ہوئی تھی جو اچانک اسٹارٹ ہو کر میری طرف آئی اور ایک لمحے میں مجھے خطرے کا احساس ہوگیا۔ میں نے برق رفتاری سے چھلانگ لگائی تھی لیکن کار عین اس جگہ رک گئی جہاں میں کھڑا ہوا تھا اور پھر کسی نے گردن نکال کر کہا"۔ اندر تشریف لے آیئے جناب! آپ کا خادم ہے!" اور اس آواز کو سن کر میں اچھل پڑا۔ میں نے کار کی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ ماجد ہی تھا۔ میں سناٹے میں رہ گیا۔ سارے واقعات پاگل کردینے والے تھے۔ پے درپے ایسے واقعات پیش آرہے تھے کہ عقل چکرا کر رہ گئی تھی۔ ماجد کو تو میں اس عمارت میں چھوڑ آیا تھا جو ڈاکٹر برہان کی تھی۔ "آؤ یار! تم کوئی نوجوان لڑکی نہیں ہو جو میں تمہیں اغوا کرلوں گا!" ماجد کی آواز ابھری اور میں گردن جھٹکتا ہوا دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر میں نے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔

"ماجد! مجھے ایک شخص کی تلاش ہے۔ لمبا گرے کلر کے سوٹ میں ملبوس تھا اور.........."

"اور انتہائی گدھے قسم کا تھا کیوں..........؟" ماجد نے میرا جملہ پورا کردیا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"لعنت ہے اس کمبخت پر۔ ایسے لوگ پیدا ہی کیوں ہوتے ہیں۔ قسم لے لو' کراٹے کا صرف ایک ہلکا سا ہاتھ مارا تھا لیکن دوران خون ہی ختم ہوگیا"۔ ماجد نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"کہاں کی ہانک رہے ہو ماجد! میری سمجھ میں تمہاری بکواس ہی نہیں آئی"۔

"پیچھے دیکھو پیارے بھائی! اسی کی بات کر رہے تھے نا؟" ماجد نے کار میں روشنی کردی اور میں نے بے اختیار پچھلی سیٹوں کے درمیان دیکھا۔ ٹول کار میں پڑا تھا۔ اس کے دونوں کانوں سے اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ میں ششدر رہ گیا۔ "میں نے محسوس کرلیا تھا کہ یہ تمہیں دیکھ کر چونکا ہے اور پھر نکل آنے کی فکر میں لگ گیا اور میں بھانپ گیا۔ بس جب یہ لڑکی سے معذرت کرکے پہلے ہاتھ روم کی طرف اور وہاں کے بجائے باہر لگے ٹیلی فون بوتھ کی طرف لپکا تو میں سمجھ گیا کہ کسی کو تمہارے بارے میں اطلاع دینے جارہا ہے۔ ان حالات میں ہمیں ہر شخص سے محفوظ رہنا ہے۔ چنانچہ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ کراٹے کے ذریعہ اسے بے ہوش کردوں لیکن بہت ہی کمزور نکلا۔ گدی کے پیچھے کی رگ پھٹ گئی اور اس نے خون منتشر کردیا"۔

"مگر تم......... تم کہاں تھے ماجد! اور تم یہاں کس طرح پہنچ گئے؟"

"چیف کی کار کی ڈکی میں بیٹھ کر!" ماجد نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا ڈاکٹر برہان بھی!!"

"آیا تو تھا۔ میرا خیال ہے کسی سے ملنے آیا تھا' واپس چلا گیا۔ لیکن مجھے یہاں چھوڑ گیا اور اب میں لاوارثوں کی طرح یہاں چھپتا پھر رہا ہوں"۔

"یہ کار.........؟" میں نے پوچھا۔

"چوری کی ہے۔ یہاں کوئی اگنیشن سے چابی نہیں نکالتا!"

"لیکن اس طرح تو تم سخت خطرے میں ہو۔ یہاں تو گنے چنے لوگ ہیں اور انہیں بہ آسانی چیک کیا جاسکتا ہے!"

"اللہ مالک ہے"۔ ماجد مسخرے پن سے بولا۔

"میں تمہارے لئے بندوبست کردوں؟"

"چیف کے احکامات کے خلاف ہو جائیگا!"

"ہوں!" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "لیکن تم میری طرف متوجہ کس طرح

ہوئے؟"

"اسی کام کے لئے لایا گیا ہوں"۔

"کب آئے تھے؟"

"کل دوپہر!" ماجد نے جواب دیا۔

"چیف اس بار بہت مستعد ہے۔ بہرحال اب اس کا کیا کرو گے؟"

"اس طرف بڑی گٹرلائن ہے۔ میرا خیال ہے اسی مقصد کے تحت بنائی گئی ہے کہ لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے کام آئے"۔ ماجد نے ایک طرف اشارہ کیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بعض اوقات آبائی پیشہ بھی کارآمد ثابت ہو ہی جاتا ہے۔ میں نے اس گٹرلائن کی طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن تمہاری نگاہ میں وہ فوراً آگئی"۔

"ہاں یہ درست ہے۔ اگر قبرستان میں کوئی قبر غلط بنی ہو تو تم فوراً نشاندہی کرو گے"۔ ماجد نے ترکی بہ ترکی کہا اور میں ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گٹرلائن کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں ایک چھوٹا سا کیبن بھی بنا ہوا تھا جو شاید گٹرلائن کی چیکنگ کے لئے تھا وہاں اتر کر ہم نے ٹول کی لاش ٹھکانے لگائی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کام سے فارغ ہو گئے۔ ماجد نے کار سے خون وغیرہ حتی الامکان صاف کردیا تھا۔

"فی الحال اپنا قیام اس کیبن میں ہے اس لئے مجھے یہاں چھوڑ دو اور کار لے جاؤ۔ کسی مناسب جگہ چھوڑ دینا!"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ بہرحال مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر برہان نے تمہیں واپس تمہارے ماضی میں دھکیل دیا"۔ میں نے کار اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا اور ماجد ہاتھ ہلانے لگا۔ میں کار لے کر آگے بڑھ گیا۔ ویسے اس کار کو لئے پھرنا خطرناک تھا۔ کسی بھی وقت چیک کیا جاسکتا تھا۔ اس جگہ سے ایک بالکل مختلف سمت میں جاکر میں نے کافی فاصلے پر کار چھوڑدی۔ اور پیدل واپس چل پڑا۔ چلنے سے قبل میں نے حتی الامکان انگلیوں وغیرہ کے نشانات صاف کردیئے تھے۔ اس کے علاوہ میجر یوسف کے مکان تک کا فاصلہ میں نے ایسے راستوں سے طے کیا تھا جہاں کسی کے ملنے کے امکانات نہ ہوں۔ خاصی رات گئے میں مکان پر واپس پہنچا تھا۔ عمارت میں سناٹا تھا لیکن مجھے اندر داخل ہونے میں کیا دقت ہوتی' تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی

تھی لیکن اتنی رات گزر جانے کے بعد بھی میری آنکھوں میں نیند کے آثار نہیں تھے۔ یہ چند گھنٹے بڑے ہنگامہ خیز تھے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی کی شخصیت ہی کونسی کم تھی کہ ٹول کا واقعہ بھی پیش آگیا۔

بہرحال اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ ڈاکٹر برہان اس بار بڑی مستعدی سے کام کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ اہم ترین کاموں میں بھی براہ راست ملوث نہیں ہوتا تھا۔ اس کا تو مطلب یہ تھا کہ فیضان بھی یہیں موجود ہوگا۔ اس کی اچانک گمشدگی اس بات کا پتہ دیتی تھی۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔ ان تمام باتوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کرنل جہانگیر کا معاملہ اب اس کی ذات تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس چوہے سے پہاڑ ہی برآمد ہوگا اور عجیب شخصیت بوڑھے بچے ٹی ٹی کی تھی۔ اس کا جغرافیہ کیا ہے؟ جو مظاہرہ اس نے کیا تھا وہ انتہائی تعجب خیز ہے۔ اور پھر اس کی طلبی۔ وہ جانا نہیں چاہتا تھا لیکن مجبور تھا!!

اوہ......... اچانک ایک تیر سا میرے دماغ میں پیوست ہوگیا۔ ایسی تیز ٹیس اٹھی تھی کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔ ایک خیال تھا۔ ایک انوکھا خیال......... کیا ڈاکٹر ٹی ٹی کوئی ہپناٹسٹ ہوسکتا ہے۔ ان لوگوں کو اس طرح مسخر کر لینا کہ سیاہ فام میز سے اٹھ کر چلے جائیں۔ لڑکیاں اس میز پر آجائیں اور اس کے بعد وہ خود آکر ہماری دوست بن جائیں۔ کیا ان چیزوں کا رابطہ ہما اور ڈاکٹر شارق سے نہیں ہوسکتا؟ کیا بوڑھے ہی کے ذریعے میں شدید اضطراب کا شکار ہوگیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟" بوڑھا ان حالات میں ملوث ہے تو وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں خود بھی کسی وقت اس کا شکار ہوسکتا ہوں۔ تب پھر میں نے ازسرنو اس کے بارے میں سوچا۔ بوڑھے کی شخصیت کھلنڈری ہے۔ وہ سطحی ذہن کا مالک ہے۔ اگر وہ میرے بارے میں کسی شبہہ کا شکار ہوتا تو اس طرح مجھ پر قوتیں آشکارا نہ کرتا۔ کیا ڈاکٹر برہان کو ان حالات سے آگاہ کر دوں؟ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی میری اپنی شخصیت ' میری انا جاگ اٹھی۔ ڈاکٹر برہان کو کیوں آگاہ کروں؟ کیس پر میں ہی کام کر رہا ہوں۔ اپنے طور پر ہی کچھ کرنا چاہیے۔ بہت دیر تک دماغ سوزی کرنے کے بعد بالآخر میں نے ہر طرح کے خطرات مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پھر جب ذہن نے کچھ فیصلے کر لئے تو میں نے سونے کی کوشش شروع کر دی اور اس میں کامیاب سا ہوگیا۔

دوسری صبح حسب معمول ناشتے کی میز آباد تھی۔ میجر یوسف بے حد خوش اخلاق

انسان تھا۔ ایسے ہی اس کے اہل خاندان۔ "بھئی شہاب میاں! میں تو تمہیں زیادہ وقت دے ہی نہیں پاتا۔ اور پھر یہاں ایسی کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ جہاں کی تمہیں کوئی سیر کرائی جائے۔ کیسا وقت گزر رہا ہے؟"

"بہت عمدہ۔ یہاں کا ماحول برا نہیں ہے؟"

"مسٹر شہاب کو تو کچھ زیادہ ہی پسند آگیا ہے پاپا! رات کو نہ جانے کس وقت واپس آئے!" تبسم بول پڑی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ انسان خود کو کسی ماحول میں ضم کر لے تو اس کی خوبی ہے!"

"ہاں بڑی خوبیوں کے مالک ہیں شہاب صاحب!" تبسم نے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر خاموش ہوگئی۔ میجر یوسف تو اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے لیکن تبسم نے مجھے نہیں چھوڑا۔ "تو یہ قصہ ہے!" وہ گردن ہلا کر بولی۔

"کونسا قصہ سنا رہی ہیں آپ؟"

"ڈاکٹر ٹی ٹی کا۔ کیا واقعی یہ پرکشش شخصیت کا مالک ہے؟"

"مطلب؟"

"بس بس بننے کی کوشش نہ کریں۔ آپ اس کی باتوں میں آگئے ہیں۔ لڑکیاں اسے احمق سمجھ کر اس کے قریب آجاتی ہیں۔ اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے!"

"یہی تو اس کی خوبی ہے!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"دنیا کی ہر نسل کی لڑکی احمق مردوں کو پسند کرتی ہے مس تبسم! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ لڑکیوں کی حماقت سے اتنی نسبت کیوں ہے؟"

"آپ بات کو ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں جناب! اگر آپ کو ڈاکٹر کی یہ صفت پسند ہے اور آپ اس کے بہتر فوائد سے واقف ہیں تو خود بھی ان جیسے بن جائیں۔ دوسروں کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے؟" تبسم نے کہا۔

"سہارے سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"کل رات گئے آپ ڈاکٹر کے ساتھ نہیں رہے تھے؟"

"ہاں' اسی کے ساتھ تھا!"

"اور کون کون تھا آپ کے ساتھ؟"

"اس کی دوست لڑکیاں!!"

"لڑکیاں!" تبسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ان میں سے ایک آدھ آپ کی دوست بھی بن گئی ہوگی۔ نہ بنی ہوتی تو آپ اتنی رات گئے تک غائب نہ ہوتے!"

"مس تبسم! آپ مجھے غلط فہمی کا شکار کررہی ہیں!" میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسی غلط فہمی؟"

"آپ کے الفاظ' آپ کا انداز یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کو میری ڈاکٹر سے دوستی پر اعتراض ہے اور یہ اعتراض صرف اس لئے ہے کہ میں نے ڈاکٹر سے لڑکیوں کے لئے دوستی کی ہے۔ گویا آپ دوسری لڑکیوں کے ساتھ میری دوستی پسند نہیں کرتیں!"

"لیکن اس میں غلط فہمی والی بات کہاں سے آگئی؟"

"آپ کا یہ جذبہ کسی اندرونی تحریک کا نتیجہ تو نہیں ہے؟" میں نے بے باکی سے کہا اور تبسم ایک لمحے کے لئے سرخ ہوگئی۔ پھر اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہوگئیں۔ "جس قسم کی تحریک آپ کے ذہن میں ہے' معاف کیجئے گا یہ آپ کی سطحی سوچ کا پتہ دیتی ہے۔ آپ ہمارے ہاں مہمان ہیں۔ بظاہر ایک سنجیدہ اور اچھی شخصیت کے مالک نظر آتے ہیں۔ مہمان ہونے کی حیثیت سے آپ کے لئے ہر اچھے برے قدم کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے میں نے آپ سے یہ بات کہی۔ باقی ظاہر ہے آپ مستقل تو یہاں نہیں آئے ہیں جو آپ کا دل چاہے کریں اور پھر اس معاملے کا براہ راست تعلق بابا سے ہے' مجھ سے نہیں!" اس نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ ظاہر ہے مجھے اس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ بہتر ہی تھا کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد میں ڈاکٹر ٹی سے ملاقات کیلئے جانے والا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اول تو تبسم میجر یوسف سے میری اس قسم کی کوئی شکایت نہیں کرے گی۔ میں نے بات ہی کیا کی ہے' لیکن اگر کر بھی دی تو میں میجر یوسف کو سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں گا!

تبسم کے جانے کے بعد میں نے گہری سانس لی اور پھر اپنے کمرے میں پہنچ کر باہر

جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں خاموشی سے عمارت سے باہر نکل آیا۔

رات کے طے شدہ پروگرام کے مطابق دو راستے میرے ذہن میں تھے اور میں دونوں پر یکے بعد دیگرے عمل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک طویل فاصلہ طے کرکے میں اس علاقے کی جانب جانکلا جہاں گٹرلائن کا مین کیبن بنا ہوا تھا۔ میں یونہی آوارہ گردوں کے انداز میں گھومتا ہوا اس کیبن کی جانب نکل گیا۔ پھر میں نے جھانک کر کیبن میں دیکھا کیبن خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے قرب وجوار میں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گویا ماجد اس وقت یہاں موجود نہیں ہے اور ضروری بھی نہیں تھا کہ وہ کاہلوں کے انداز میں یہاں ہی پڑا رہتا ہو۔ یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ تھی۔ ویسے بھی ہم میں سے کوئی اپنے پروگرام سے اس وقت تک آگاہ نہیں کرتا تھا جب تک کہ براہ راست اس کی ضرورت پیش نہ آجائے۔ ماجد کو اگر میری ضرورت ہوگی تو وہ خود ہی مجھ سے مل لے گا۔ اس کے بعد میں اپنے محبوب ترین دوست یعنی ڈاکٹر ٹی کے مکان کی جانب چل پڑا۔ مجھے ٹی کے پاس پہنچنے میں کافی وقت لگا پھر جب میں نے اس کے مکان کی بیل بجائی تو فوراً ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ میری گہری نگاہوں نے بھانپ لیا کہ ڈاکٹر کی نگاہوں میں............ مجھے دیکھ کر وہ چمک نہیں پیدا ہوئی ہے جو پہلے ان میں پیدا ہوتی تھی۔ تاہم وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور مجھے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔

"مصروف تو نہیں تھے ڈاکٹر؟"

"بالکل نہیں۔ آؤ"۔

"کچھ بجھے بجھے ہو"۔ میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

"ہاں مدت سے سخت پریشان ہوں!"

"کیوں۔ خیریت؟"

"بس کوئی خاص بات نہیں ہے!" ڈاکٹر بولا۔ ہم دونوں ڈرائینگ روم میں پہنچ گئے اور ڈاکٹر نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

تم جیسی باغ وبہار شخصیت کو سنجیدہ دیکھ کر افسوس ہوا۔ کاش ایک دوست کی حیثیت سے مجھے یہ اختیار ہوتا کہ میں تمہاری الجھن معلوم کرسکتا!"

"اتنے ہی مخلص ہو مجھ سے؟"

"ہاں ڈاکٹر! بعض شخصیتیں صدیوں کا سفر لمحوں میں طے کرلیتی ہیں۔ آپ انہی

میں سے ایک ہیں۔ میں آپ سے بے حد متاثر ہوں اور آپ کے لئے بہت کچھ کرسکتا ہوں"۔ میں نے کسی قدر جذباتی لہجہ اختیار کیا اور ڈاکٹر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "آؤ دوسرے کمرے میں بیٹھیں گے۔ یہاں کچھ گھٹن محسوس ہو رہی ہے!"

"جیسی آپ کی مرضی ڈاکٹر!" میں بھی اٹھ کھڑا ہوا لیکن ڈاکٹر کسی کمرے میں جانے کے بجائے باہر برآمدے میں نکل آیا۔ "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں شباب!"

"ضرور ڈاکٹر!"

"مجھے اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتادو!" ڈاکٹر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور میرے بدن میں ایک لمحے کے لئے سنسنی سی دوڑ گئی۔ "مثلاً ڈاکٹر؟"

"کیا تم سرکاری یا پرائیویٹ جاسوس ہو اور کسی خاص مقصد کے تحت کالونی میں داخل ہوئے ہو؟" اس نے سوال کیا اور میرے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ بے شمار خیالات میرے ذہن میں ابل پڑے تھے۔ میں نے جو سوچا تھا اس کی عملی شکل سامنے آرہی تھی لیکن ذرا بدلتے ہوئے انداز میں.......... اور اب مجھے ڈاکٹر کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ گویا اسے میرے اوپر شبہ ہوگیا ہے اور اس سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا تھا کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو اس کیس سے براہ راست متعلق تھے۔ بہرصورت فیصلہ کرلینا تھا کہ ٹی ٹی کو اس کی بات کا کیا جواب دیا جائے۔ اس کا سوال یقیناً کسی خاص نوعیت کا حامل تھا۔ اگر اس نے یہ سوال میری شخصیت جاننے کے لئے کیا ہے تو کم از کم یہ بات ان لوگوں کے مفاد میں نہیں ہے جو میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ٹی ٹی سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں تمہارے سوال کا مقصد جاننا چاہتا ہوں ڈاکٹر!"

"نہیں مجھے صرف جواب دو اور جواب تمہارا میرے اوپر اعتماد ظاہر کردے گا!" ٹی ٹی نے جواب دیا۔

"ہاں ٹی ٹی! تمہارا خیال درست ہے۔ میں یہاں کچھ خاص معلومات حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں!" میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ٹی ٹی اگر کسی طور میرے لئے نقصان دہ ثابت ہوا تو پھر اس کی لاش بھی کسی گٹر کے حوالے کر دی جائے گی!

"خوب! اور تمہارا تعلق کرنل جہانگیر سے ہے!" اس نے سوال کیا۔

"بالکل درست!"

"ٹھیک ہے میرے دوست! اگر یہ بات ہے اور تم نے اس سلسلے میں مجھ پر اعتماد کیا ہے تو میں بھی آج زندگی میں پہلی بار ایک جراتِ مندانہ قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوں!" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا ٹی ٹی!"

"فی الوقت زیادہ نہیں سمجھا سکوں گا۔ سنو! اب سے چند لمحات کے بعد میں تمہیں ایک کمرے میں لے جاؤں گا۔ یہ کمرہ میرا اپریشن روم ہے۔ میں یہاں تم سے اس انداز میں گفتگو کروں گا جیسے میں نے تمہیں ہپناٹائز کردیا ہے اور تم سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کررہا ہوں۔ تم اس سلسلے میں نہایت معصومیت کے ساتھ اپنے بارے میں کوئی ایسی من گھڑت کہانی سناؤ گے.......... تمہارا انداز کھویا کھویا سا ہونا چاہیے۔ کہانی کا انحصار تمہاری اپنی ذات پر ہے!" اس نے کہا اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ میری شریانوں میں خون کی روانی تھی۔ پورا بدن آگ کی طرح دہکنے لگا تھا گویا میرے اب تک کے اندازے بالکل درست تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شاید یہ ڈاکٹر میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ تھا۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ سرہلانے لگا۔

"براہ کرم اس وقت اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کرو' میں تمہارے سارے سوالات کا جواب دے دوں گا لیکن اس وقت جس طرح میں نے کہا ہے اسی طرح کرنا اور یہ سارا معاملہ تمہاری ذہانت پر ہے کہ کس طرح تم ان لوگوں کو مطمئن کرتے ہو جو ہماری نگرانی کررہے ہیں!"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر! میں تیار ہوں"۔ میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر تیزی سے ایک کمرے کی طرف چل پڑا۔ چند ساعت کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور کہنے لگا۔ آیئے مسٹر شباب! یہ ہے میری اپنی نشست گاہ' عموماً میں سکون کے لمحات یہیں گزارتا ہوں!"

"ڈاکٹر تمہاری شخصیت میرے لئے بڑی حیرت انگیز ہے۔ یقین کرو میں نے زندگی میں اتنے پرکشش لوگ کم دیکھے ہیں!"

"بے وقوف بنا رہے ہو مجھے! ٹی ٹی نے جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہیں ڈاکٹر! ایسی کوئی بات نہیں ہے!"

"اچھا خیر چھوڑو۔ ہاں یہ تو بتاؤ۔ ان لڑکیوں کے ساتھ کیسا وقت گزرا؟"

"تمہارے اچانک چلے آنے کے بعد محفل اکھڑ گئی۔ کیٹی اپنے کسی دوست کے ساتھ چلی گئی۔ اور میری پارٹنر روزا اکتائی اکتائی سی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے بھی معذرت کرلی اور چلی گئی۔ میں تھوڑی دیر تنہا بور ہوتا رہا اور پھر واپس چلا گیا"۔

"بیٹھو ڈیئر شہاب! تم سے مل کر واقعی بڑی مسرت ہوئی ہے۔ کیا تمہیں میری آنکھوں سے مسرت کا احساس نہیں ہوتا۔ دیکھو ان آنکھوں میں دیکھو"۔ ڈاکٹر نے رخ بدل لیا۔ میں ایکدم خاموش ہوگیا۔ جو صورت حال ڈاکٹر نے مجھے بتادی تھی۔ اس کے بعد میں بہرحال اپنا کردار ادا کرسکتا تھا۔ "کیا محسوس کیا شہاب؟" ڈاکٹر نے سوال کیا اور میں خاموش رہا۔

"کیا تم سو رہے ہو شہاب!"

"ہاں' میں سو رہا ہوں!!"

"لیکن تمہارا شعور جاگ رہا ہے۔ ذرا اپنے ماضی پر نگاہ ڈالو' اپنے بارے میں سوچو تم کیا ہو۔ کیا تم سوچ رہے ہو؟"

"ہاں میں سوچ رہا ہوں"۔ میں نے خوابیدہ آواز میں کہا۔

"تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ یاد آگیا ہوگا!"

"ہاں مجھے سب کچھ یاد آگیا ہے!"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"شہاب تیموری!"

"میجر یوسف تمہارا کون ہے؟"

"دور کا عزیز ہے۔ میں اسے چچا کہتا ہوں!"

"تمہاری یہاں آمد کا مقصد؟"

"میرے والدین کی خواہش ہے کہ میجر یوسف کی بیٹی تبسم سے میری شادی کرادی جائے لیکن میں نے ضد کی کہ پہلے میں اسے پرکھنا اس کی عادات و خصائل سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔ اس لئے انہوں نے مجھے یہاں بھیج دیا"۔

"کیا میجر یوسف کو اس بات کا علم ہے؟"

"ہاں کسی حد تک!"

"تمہارا کاروبار کیا ہے شہاب کیا کرتے ہو"۔

"میرا باپ قالین ایکسپورٹ کرتا ہے اور اس کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہوں بس!"

"کیا تم کسی کرنل جہانگیر سے واقف ہو؟"

"نہیں!" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر خاموش ہوگیا۔ اس کی نگاہیں۔ بار بار ایک طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں نے ان نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک سرخ بلب جل رہا تھا لیکن اس آخری سوال کے جواب کے بعد بلب بجھ گیا۔ "اب تم ہوش میں آجاؤ شہاب! لیکن ہوش میں آنے کے بعد تم ان چند لمحات کو بھول جاؤ گے۔ اس گفتگو کا ایک بھی لفظ تمہیں یاد نہیں رہے گا!" ڈاکٹر نے کہا اور میں خاموش ہی رہا۔ ڈاکٹر کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے شہاب تم اس کمرے میں کچھ گھٹن محسوس کر رہے ہو؟"

"ہاں کسی حد تک۔ نہ جانے میری کیفیت کیسی ہو رہی ہے؟"

"تب آؤ۔ باہر کھلی فضاء میں بیٹھیں گے!" اس نے کہا اور ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے۔

O ------------ ☆ ------------ O

رازداں
ایم۔اے راحت
2

ڈاکٹر کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ برآمدے میں آکر وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کمزور سی آواز میں بولا۔ ”تم ہپناٹزم سے خاصی واقفیت رکھتے ہو!“

”کیوں ڈاکٹر!“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”تمہارے بولنے کا انداز سوفیصدی ایسا ہی تھا جیسے ہپناٹزم کا کوئی معمول بولتا ہے!“

”ہاں تھوڑی بہت واقفیت تو ہے!“ میں نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا لیکن ڈاکٹر اس وقت بالکل مرجھایا ہوا تھا۔ ”تم یہاں بہت پریشان ہو ڈاکٹر؟“ چند ساعت کے بعد میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ اس وقت میں نے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جس کے بارے میں پچھلے پندرہ سال سے صرف سوچتا رہا ہوں۔ میں خود کو اس فیصلے پر عمل کے لئے تیار نہیں کر پایا تھا لیکن آج..........“

”میں اس بارے میں کچھ جان سکتا ہوں ڈاکٹر!“

”شہاب! تمہاری حیثیت کچھ بھی ہو' میں نے خلوص دل سے تمہیں اپنا دوست بنالیا ہے اور آئندہ زندگی تمہاری ساتھ ہی گزارنے کا اردہ رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے زندہ کسی دوسری جگہ دیکھنا پسند نہیں کریں گے لیکن پوری زندگی میں ایک بار تو موت کا خطرہ مول لینا ہی پڑتا ہے۔ میں اس زندگی سے اب اکتا چکا ہوں“۔

”افسوس۔ میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا ڈاکٹر!“

”مجھے ایک بات کا جواب دو“۔ ڈاکٹر مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"ضرور!"

"مجھے اپنے ساتھ رکھنا پسند کرو گے"۔ یار ساری زندگی میں میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔ میں ہمیشہ اپنائیت کے لئے بھٹکتا رہا ہوں"۔

"دل و جان سے ڈاکٹر! تمہیں میرے ساتھ کبھی تکلیف نہیں ہو گی!"

"میں خود بھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ اب یہ بتاؤ تم کرنل جہانگیر کے لئے کام کر رہے ہو؟"

"ہاں!"

"تمہاری حیثیت کیا ہے؟"

"ایک جاسوس کی"۔

"تمہارے وسائل بھی ہوں گے؟"

"بلاشبہ!"

"جن لوگوں سے تمہارا واسطہ ہے شہاب! وہ بے حد خطرناک ہیں۔ میں نہیں جانتا ان کے مقابلے میں تم کیا ثابت ہو گے۔ لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ میں نے زندگی میں پہلی بار ان سے الگ ہونیکا خطرہ مول لیا ہے۔ چنانچہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ اس کے علاوہ شہاب! میں تم سے اس سلسلے میں مزید کچھ گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھو اعتماد کر چکے ہو تو تم بھی ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔

"میں نہیں سمجھا ڈاکٹر! آپ کی مراد کس خطرے سے ہے؟"

"میرا مطلب ہے کہ تم بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر میرے سامنے کھول دو۔ یقیناً یہ چیز تمہارے لئے تشویشناک ہو گی لیکن تمہیں بھی یہ خطرہ مول لینا ہی چاہیے اور اس سلسلے میں ہم ایک دوسرے پر مکمل طور پر اعتماد کریں گے!"

"اوہ نہیں ڈاکٹر! میں دوسری قسم کا انسان ہوں۔ تم میرے بارے میں ذرا بعد میں جان سکو گے' خطرات میں پڑنا اور ان سے نکلنا تو ہمارا کاروبار ہے!" میرے اندر میری فطرت ابھر آئی اور ڈاکٹر میری صورت دیکھنے لگا۔

"تب ٹھیک ہے مجھے بتاؤ تم کیا کر رہے ہو؟"

"کسی حد تک تمہیں معلوم ہے ڈاکٹر!"

"نہیں میرے دوست! ڈاکٹر کا ایک مخصوص مقام ہے' اسے اس مقام سے آگے

نہیں بڑھایا جاتا۔ میرا جو کام ہے میں وہی کام کرتا ہوں۔ باقی معاملات سے مجھے لاعلم ہی رکھا گیا ہے اور چونکہ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اس لئے اب میں نے تجسّس بھی ختم کر دیا ہے۔ میں صرف وہ کام کرتا ہوں جو میرے سپرد کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتا لیکن اس وقت صورت حال کچھ دوسری پیش آگئی ہے۔ اس لئے میں اس کا خواہشمند ہوں"۔

"خوب.......... ڈاکٹر کیا تم پہلے مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ تمہارا اپنا کام کیا ہے؟"

"ہاں یقیناً جب میں تم سے ایک اہم بات معلوم کر رہا ہوں تو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینا میرا فرض ہے!"

"تب پھر بتاؤ' کہ ان لوگوں کے ساتھ تمہارا کام کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"دراصل شہاب! میری ایک آنکھ جو تم دیکھ رہے ہو عجیب و غریب خصوصیات کی حامل ہے!" ڈاکٹر ٹی نے اپنی آنکھ پر لگا ہوا کنٹیکٹ لینس اتار دیا اور میں اس کی آنکھ کی جانب دیکھا۔ عجیب و غریب چیز تھی۔ شیشے کی طرح چمکتی ہوئی آنکھ جس میں عجیب و غریب رنگ تڑپ رہے تھے اور ان رنگوں کا امتزاج ایک عجیب و غریب کیفیت کا حامل تھا۔ میں نے پھرتی سے اس پر سے نگاہ اٹھالی اور ڈاکٹر نے کنٹیکٹ لینس دوبارہ اس پر فٹ کر لیا۔ یہ آنکھ ذہین ترین سائنسدانوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے اور یہی آنکھ مجھے دینے کے بعد ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا غلام بنالیا گیا۔ پندرہ سال پہلے میری یہ آنکھ ایک حادثے میں ضائع ہو گئی تھی اور کچھ رحم دل انسانوں نے مجھے یہ آنکھ واپس کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سوچا کہ ایک لاوارث اور بے سہارا انسان کے ساتھ یہ احسان کر کے ساری زندگی کے لئے اسے اپنا مطیع کر لو اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ جو آنکھ مجھے دی گئی وہ عجیب و غریب خصوصیات کی حامل تھی۔ اس آنکھ سے میں ہر انسان کو مسخر کر سکتا ہوں۔ اس کے ذہن کی گہرائیوں میں پہنچ سکتا ہوں' اور اسے جو حکم جس معیاد تک کے لئے دوں وہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عمل کرتا رہے گا۔ اس آنکھ سے میں دیواروں میں سوراخ کر سکتا ہوں۔ وزنی چیزیں اٹھا کر دور لے جا سکتا ہوں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جس کا تصور کسی انسان سے نہ کیا جا سکے۔ گویا انہوں نے مجھے ایک مشینی انسان بنا دیا لیکن مجھ سے میرے احساسات نہ چھین سکے۔ فطرتاً میں تخریب پسند نہیں بلکہ انسان دوست تھا اور انسان دوست ہوں۔ ایک ایسے شخص کو اگر انسانوں کے خلاف استعمال کیا جائے' تو پھر

اس کی ذہنی کیفیت زیادہ اچھی تو نہیں رہ سکتی۔ میرے دوست! میں تو زندگی سے پھول چننے کا قائل تھا۔ مجھے زندگی میں زہر بھرنے اور آگ لگانے کا کام سونپا گیا' تو ان کے درمیان میں کس طرح خوش رہ سکتا ہوں۔ میں حالات کے ہاتھوں اس طرح جکڑا گیا تھا کہ ان سے بغاوت کی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور یہی کمزوری میری مجبوری بنی رہی۔ میں انہی واقعات کے ہاتھوں گھٹتا رہا لیکن اب دل چاہتا ہے کہ ویرانے چھوڑ کر گلستان اپنائے جائیں اور آج میں نے عملی قدم اٹھالیا ہے اور تم میرے رہنما ہو شہاب! میں نے ایک بار کہا تھا کہ مجھے یہاں سے بھگا کر لے چلو۔ یقین کرو وہ بات مذاق میں ضرور کہی گئی تھی لیکن وہ بھی میرے دل کی پکار تھی!"

"سیاہ فاموں اور لڑکیوں کا کھیل بھی اسی آنکھ کا کرشمہ تھا؟" اس کے خاموش ہونے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ہاں سو فیصدی!"

"اور نیشی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھی میری تسخیر ہے۔ بس حادثات اور بے بسی نے میری شخصیت مسخ کردی۔ اتنا کچلا گیا ہوں کہ اپنی صورت بھول گیا ہوں"۔

"ان لوگوں کو جانتے ہو جن کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے ہو؟"

"کبھی نہیں جان سکا"۔

"کیا مطلب؟"

"کھیل انفرادی نہیں ہے۔ ایسی قوتیں شامل ہیں جن کی نشاندہی کوئی نہیں کرسکتا۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو اس وقت دنیا کا کھیل چلا رہی ہیں۔ جو حکومتیں بدلواتی ہیں' جو قتل عام کراتی ہیں' جن کی سازشیں بین الاقوامی ہیں۔ میں تو ایک ادنیٰ کارکن ہوں!"

"کسی کام کی نوعیت تمہیں نہیں بتائی جاتی ڈاکٹر!" میں نے کسی قدر بے تکلفی سے پوچھا۔

"یقین کرو تم سے ایک لفظ جھوٹ نہیں کہوں گا!"

"تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہاں تمہارے کام کے مقاصد کیا ہیں؟"

"خدا کی قسم نہیں!"

"لیکن ان لوگوں کو تو تم جانتے ہوگے جو تمہیں مقامی طور پر ہدایات دیتے ہیں؟"

"ہاں!"

"مجھے ان کے بارے میں کچھ بتاؤ گے؟"

"یہاں ان کا سربراہ البرٹ پیکو ہے اور اس کا نائب ڈریک نوبل"۔ ڈاکٹر ٹی نے جواب دیا۔ اور پھر میرا بدن سرد ہوگیا۔ ان دوناموں کی نشاندہی بتاتی تھی کہ ڈاکٹر جھوٹ نہیں بول رہا۔ چند ساعت میں نے خاموشی اختیار کی پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو ڈاکٹر؟"

"یہی کیا تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں نے کرنل جہانگیر کا نام لیا تھا نا۔ کرنل فوج میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں لیکن ایک سرکاری فائل کی گمشدگی ان کے لئے تباہ کن بن گئی ہے اور پرائیویٹ طور پر وہ اس کے حصول کے لئے میرا تعین کر چکے ہیں۔ میں اسی لائن پر کام کر رہا ہوں"۔

"فائل اب تمہیں نہیں مل سکے گی!" ڈاکٹر وثوق سے بولا۔

"کیوں ڈاکٹر؟"

"اس لئے کہ وہ اوپر جا چکی ہے یعنی تمہارے ملک سے نکل چکی ہے لیکن وہ نامکمل ہے اور ایک اور فائل کے بغیر اس کی حیثیت بیکار ہے۔ کرنل کو اسی دوسرے فائل کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے!"

"ہاں آپ کا خیال درست ہے لیکن ڈاکٹر کیا ہما کو آپ نے ہپناٹائز کیا تھا؟"۔

"ہاں' اسے ایک مخصوص طریقے سے ہپناٹائز کیا گیا ہے۔ یعنی اسے ہدایت دی گئی ہے کہ وہ مختلف کیفیات کا شکار رہے گی۔ صحیح الدماغ ہونے کے باوجود صحیح الدماغی کی باتیں نہیں کرے گی اور جب اسے آواز دی جائے گی تو وہ حاضر ہو جائے گی اور جو ہدایات دی جائیں گی ان پر عمل کرے گی۔ فائل بھی اسی نے چوری کیا تھا!"

"کیا وہ ذہنی طور پر بالکل ناکارہ ہو چکی ہے ڈاکٹر!"

"قطعی نہیں۔ اگر اس کے ذہن سے یہ تاثر ختم کر دیا جائے تو وہ نارمل ہو جائے گی!"

"ایک اور شخص کو بھی آپ نے ہپناٹائز کیا تھا؟"

"ہاں اس کا نام شارق تھا!"

"بالکل۔ اس کی ذہنی کیفیت کیا ہے؟"

"بڑی خوفناک قوت ارادی کا مالک تھا۔ تین دن تک اسے نشہ آور ادویات دی گئیں اور اس کے بعد یہ یقین کرنے کے بعد کہ اس پر کامیابی مشکل ہے' اس کی ذہنی کیفیت منتشر کردی گئی؟"

"اوہ' کیا وہ اب درست نہیں ہو سکتا!"

"ہو بھی چکا ہو گا وہ دیر تک یہ نقصان برداشت نہیں کرسکے گا اور نارمل ہو جائیگا۔ اگر نہ ہو سکا تو ہلکے سے جھٹکے سے اسے اعتدال پر لا سکتے ہیں۔ لیکن........"

"ہاں ڈاکٹر! وہ ہمارا ساتھی تھا!"

"اوہ۔ اوہ لیکن اسے تو خان جلال اپنے ساتھ لے گیا تھا!"

"آپ خان جلال سے واقف ہیں؟" میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"وہ مجھ میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ کئی بار پیش کش کر چکا ہے کہ میں اس کے ساتھ رہوں لیکن البرٹ اور ڈریک کا دوست ہے اور بروں کے دوست بھی برے ہی ہوتے ہیں!" ڈاکٹر نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"ہوں' تو پھر اب کیا پروگرام ہے ڈاکٹر؟"

"میں نے تمہاری پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ تیل کالونی میں ہر نئے آنے والے سے محتاط رہتے ہیں۔ تمہارے بارے میں بھی وہ تشویش کے شکار تھے۔ دراصل دو آدمیوں نے خان جلال کی سیرگاہ میں داخل ہو کر گڑ بڑ کی تھی۔ خان جلال اور ڈریک ان کی تلاش میں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ دونوں آدمی کرنل جہانگیر کے گھر گئے تھے' وہ ایسے لوگوں سے باخبر رہنا چاہتے ہیں جو پوشیدہ ہوں"۔

"ہوں!" میں نے گہری سانس لی۔ "وہ کارڈ کیسا تھا ڈاکٹر جو رات کو تمہیں پیش کیا گیا تھا!"

"فوری طلبی کا نشان!"

"خوب۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"میں دل وجان سے اب تمہارے لئے کام کروں گا۔ اب تک تخریبی کاروائیوں میں شریک رہا تھا۔ اب دوسرا رخ اختیار کروں گا۔ ابھی وہ لوگ تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد دوسرا پروگرام ہے جو مجھے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا!"

"اوہ۔ وہ کیا؟"

"رات کو میں تمہیں اپنے ساتھ ڈریک کے ہاں لے جاؤں گا وہاں کرنل کی بیٹی ہما کو تمہارے سامنے پیش کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ ایک شخص سے تمہاری شناخت بھی کرائی جائے گی وہ تمہیں دیکھ چکا ہے۔ لیکن وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گا!"

"وہ کون ہے؟"

"ڈریک کا دوست ٹول"۔

"اوہ' ٹھیک ہے اس کی پرواہ مت کرو"۔ میں نے مسرت سے کہا۔

"جانتے ہو اسے؟"

"ہاں رات کو اس نے مجھے پہچان لیا تھا!"

"رات کو؟"

"چانک ہی کلب میں آگیا تھا اور تمہاری دوست کیٹی کو لے اڑا تھا لیکن میں نے اسے اس گستاخی کا مزہ چکھا دیا"۔

"میرے خدا! تو رات کو ہنگامہ بھی کردیا؟ لیکن کیا مزہ چکھایا تم نے اسے؟"

"اس کی لاش گٹر کے ذریعہ کہیں دور جا چکی ہوں گی!" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر دیر تک متحیرانہ نگاہوں سے میری صورت دیکھتا رہا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ خان جلال کی سیرگاہ میں؟"

"ہاں میں ہی تھا!"

"اور کرنل کی بیٹی کے لباس میں ڈی ٹیکٹر بھی تم نے رکھوایا تھا؟"

"ہاں!"

"ان معاملات میں یہ لوگ بہت تیز ہیں۔ اپنے لباس میں کوئی ایسی چیز مت رکھنا۔ ان کے ہاں لگے ہوئے آلات فوراً پتہ چلا لیتے ہیں!" ڈاکٹر نے بتایا اور میں نے طویل سانس لے کر گردن ہلادی۔ "ٹھیک ہے ڈاکٹر! میں خلوص دل سے تمہارا شکرگزار ہوں۔ تو ہما ان کے قبضے میں ہے!"

"ہاں' اور وہ اسے واپس بھیجنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ویسے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے ذریعہ وہ کرنل کو مجبور کرنا چاہتے ہیں!"

"کسی طور یہ پتہ چل سکتا ڈاکٹر کہ ان کا مقصد کیا ہے؟"

"یقین کرو۔ ابھی تک میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں

محسوس کی تھی لیکن اب کوشش کروں گا!"

"میں خلوص دل سے تمہاری اس دوستی اور مہربانیوں کا شکرگزار ہوں ڈاکٹر! اور اس کے جواب میں' میں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں!" میں نے متاثر ہو کر کہا۔

"بس یار! زندگی کے ان ہنگاموں سے اکتایا ہوا ہوں۔ بقیہ سانسیں اپنی پسند کے مطابق گزارنے کا خواہشمند ہوں اور فیصلہ کر لیا ہے کہ اب خواہ کچھ ہو جائے' ان کا آلہ کار نہیں بنوں گا!" ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ وہ سنجیدہ نظر آرہا تھا پھر میں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ تمہاری محبوبہ نیشی روز تم سے ملنے آتی ہے ڈاکٹر.........؟"

"ہاں میں نے اسے اس کے لئے مجبور کر دیا ہے"۔

"ویسے تمہارا فن حیرت انگیز ہے۔ اس سے تو تم بے شمار کام لے سکتے ہو"۔

"بے شک۔ لیکن چند لوگوں کے ہاتھوں میں محدود ہوں۔ صرف وہی فائدہ اٹھاتے رہے ہیں لیکن اب........"

"اب حالات بدل جائیں گے ڈاکٹر! بے فکر رہو"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر کسی خیال میں کھو گیا۔ تب میں نے اس سے اجازت طلب کی۔ اور ڈاکٹر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تو پھر شام کو!"

"جو حکم ہو!"

"ٹھیک آٹھ بجے کلب آجاؤ۔ اس دوران مجھے ہدایات ملیں گی۔ ان لوگوں نے حالات سے باخبر رہنے کے لئے بڑے جال پھیلا رکھے ہیں۔ وہ ہر جگہ ہونیوالی گفتگو سے باخبر رہتے ہیں۔ اس لئے کسی بھی ایسی جگہ جہاں کے بارے میں ہمیں بھروسہ نہ ہو' گفتگو میں احتیاط رکھنا!"

"بہتر ڈاکٹر۔ ایسا ہی ہو گا!" میں نے جواب دیا اور رسمی گفتگو کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔ میرے خیال میں مجھے کامیابی کا ایک مختصر راستہ نظر آگیا تھا۔ ڈاکٹر کی مدد سے بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ یوں تو میں کام کر ہی رہا تھا لیکن ڈاکٹر نے اس رخ میں میری پوزیشن کافی مضبوط کر دی تھی۔ میں فوراً میجر یوسف کے مکان کی طرف نہیں گیا بلکہ کچھ دیر تک مختلف علاقوں میں چکر لگاتا رہا۔ مجھے ماجد کی تلاش تھی لیکن ماجد کہیں بھی نہیں مل سکا۔ میں نے اسے اس کے مخصوص ٹھکانے پر بھی تلاش کیا تھا اور پھر جب کہیں بھی اس کا پتہ

نہ چل سکا تو میں واپس میجر یوسف کے مکان پر پہنچ گیا۔ یہاں کا ماحول حسب معمول تھا۔ تبسم سے ملاقات ہوئی لیکن وہ کچھ روٹھی روٹھی سی تھی۔ "اپنی تقدیر ہی خراب ہے"۔ اس نے مسخرے پن سے کہا۔

"کیسے پتہ چلا آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"بس حالات.......... آپ کے آنے سے خوشی ہوئی تھی لیکن آپ دن رات اس علاقے کا سروے کرتے رہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم لوگوں کے درمیان آپ کا دل نہیں لگا؟"

"یہ بات تو نہیں ہے مس تبسم!"

"چھوڑیئے ان رسمی باتوں کو۔ حقیقت کہہ دینا بڑی ہمت کا کام ہے!"

"آپ کو مجھ سے شکایت ہے؟"

"نہیں اپنے آپ سے ہے؟ بہرحال کہاں کہاں گھوم آئے؟"

"اس علاقے کے خوشنما مناظر سے خود کو یہاں جذب کر لیا ہے۔ بس انہی میں کھویا کھویا رہتا ہوں!" میں نے جواب دیا۔

"بے جان چیزوں سے بہت دلچسپی ہے آپ کو؟"

"حسین ماحول' لہلہاتے سبزہ زار' مسکراتے پھول بے جان تو نہیں ہوتے!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے آپ حقیقت سے منہ موڑ لینے والوں میں سے ہیں۔ تصویر کے دوسرے رخ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ کو؟"

"دوسرا رخ؟" میں نے اسے بغور دیکھا۔

"کسی کی ذات کے صحرا میں بھی تو جھانک کر دیکھیں۔ ممکن ہے آپ کی توجہ ان صحراؤں میں کوئی پھول کھلا دے!" تبسم کی آواز ابھری۔

"میں نہیں سمجھا مس تبسم!" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"میں آپ پر اپنی قابلیت کا رعب جھاڑ رہی تھی۔ آپ نے دیکھا نہیں میں کتنی عمدہ گفتگو کر لیتی ہوں"۔ اس نے کہا لیکن اس ہنسی کا کھوکھلا پن میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔ اسی وقت بیگم یوسف آگئیں' اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

شام کو میجر یوسف نے مجھے چھاپ لیا۔ "میں کرنل سے کم مضطرب نہیں ہوں۔

اب یہ اس کا ہی نہیں، میرا بھی معاملہ ہے کیونکہ ریٹائر ہی سہی میں بھی فوجی ہوں اور ہر فوجی ذہنی طور پر اپنے وطن کی ماں ہوتا ہے۔ وطن کے لئے میری ماستا بے قرار رہتی ہے اور یہ مسئلہ انفرادی نہیں یعنی صرف کرنل کی ذات اس میں ملوث نہیں بلکہ اصل سازش میرے وطن کے خلاف ہے۔ فائل کا کرنل کی ذات سے کیا تعلق؟"

"آپ نے ٹھیک کہا میجر! میں آپ کے جذبات کی دھڑکن سن رہا ہوں!"

"تب پھر بتاؤ۔ کچھ کر سکے؟"

"بدستور مصروف ہوں اور آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ میرا وقت ضائع نہیں ہو رہا"۔ میں نے جواب دیا اور میجر کی آنکھوں میں مسرت کی چمک نظر آنے لگی۔ گویا۔ گویا........"

"ہاں آگے بڑھ رہا ہوں۔ اور بہت جلد کچھ کر دکھاؤں گا!"

"لیکن میرا حصہ؟ مجھے بھی تو استعمال کرو!" میجر نے کہا۔

"وقت آنے والا ہے میجر! آپ کے بغیر تو کیس مکمل ہی نہیں ہوگا!"

"تم نے کچھ لوگوں کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں نے ان کا بندوبست کر لیا ہے!"

"اوہ بے شک میجر! لیکن حالات اب بدل گئے ہیں۔ اب انہیں ریزرو میں رکھیں کسی بھی وقت ہمیں ان کی ضرورت پیش آسکتی ہے"۔

"ہوں"۔ میجر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

میرے ذہن میں شام کی کرید لگی ہوئی تھی اور بلاشبہ شام کا کھیل بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ میں ان لوگوں کے درمیان جا رہا تھا جو اس سلسلہ میں خاص حیثیت رکھتے تھے اور بہرحال یہ ایک بڑی کامیابی تھی کہ میں اس سازش کے سربراہوں سے واقف ہو گیا تھا یعنی البرٹ پیکو اور ڈریک نوبل........ اب ان لوگوں کے گرد تفتیش کا جال بچھایا جا سکتا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے میں کلب کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ کاروں کی قطار میں مجھے ڈاکٹر ٹی ٹی کی کار بھی نظر آگئی تھی۔ چنانچہ میں اطمینان سے چلتا ہوا اندر پہنچ گیا۔ ٹی ٹی لان پر اپنی مخصوص میز پر موجود تھا لیکن اس کے سامنے ایک انتہائی حسین لڑکی موجود تھی اور دونوں ہنس ہنس کر گفتگو کر رہے تھے۔ تو ڈاکٹر نے اپنا کام شروع کر رکھا ہے۔ میں نے سوچا اور میں ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ "آپ لوگوں کی گفتگو کے دوران دخل اندازی کی

معافی چاہتا ہوں"۔ میں نے جھک کر شائستگی سے کہا۔

"اوہ۔ شہاب! آؤ بیٹھو۔ تمہارے بارے میں ہی گفتگو ہو رہی تھی!"

"شکریہ ڈاکٹر!" میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"میری نئی دوست کیلی پیٹرسن! اور کیلی یہی مسٹر شہاب ہیں!"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر!" کیلی نے اپنا نازک ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ "آپ ہی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے"۔

"تعجب ہے آپ دونوں کی حسین گفتگو میں میں کیوں ٹپک پڑا؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر ٹی ٹی اپنے دوست کا انتظار کر رہے تھے بس اسی ضمن میں........ دراصل ایک ہفتہ قبل ڈاکٹر کو میں نے دعوت دی تھی کہ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں لیکن بھول گئے اور بھول جانا ان کی پرانی عادت ہے۔ میں نے پہلے انہیں ان کے مکان پر تلاش کیا اور پھر وہاں پہنچ گئی۔ موجود تھے موصوف کہنے لگے میرے ایک دوست آرہے ہیں اس لئے نہیں جا سکتا۔ اب آپ ہی بتائیے مسٹر شہاب کیا یہ مناسب بات ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ آپ چلے جائیں ڈاکٹر" میں کسی قدر سنبھل گیا۔ لڑکی کوئی عام حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

"مشکل ہے!" ڈاکٹر بولا۔

"لیکن میں نے اپنے چند دوستوں کو بھی مدعو کیا ہے اور مسٹر شہاب! میں آپ سے بھی درخواست کرتی ہوں کہ آپ بھی میری دعوت قبول کریں!"

"اگر ڈاکٹر کو اعتراض نہ ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں! اگر شہاب کو بھی دعوت دی جائے تو پھر مجھے کیا اعتراض ہے!" ٹی ٹی نے جلدی سے کہا اور میں معاملہ سمجھ گیا۔

"آپ کے دوست میرے بھی تو دوست ہیں۔ ڈاکٹر ایسی کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔ کیوں مسٹر شہاب!"

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی!" میں نے شانے ہلا کر کہا۔ میں سمجھ گیا کہ مجھے لے جانے کے لئے یہ پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔ بہرحال میں مستعد تھا۔ ہم باہر نکل آئے۔

لڑکی کے پاس اپنی کار موجود تھی اس لئے میں اور ڈاکٹر ایک کار میں آ گئے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھا اور ڈاکٹر نے گردن ہلادی لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ بھی کیا تھا۔ سفر کے دوران بالکل خاموشی رہی اور ہم دور دراز کی ایک خوبصورت اور کشادہ عمارت میں داخل ہوگئے۔ وسیع لان دونوں طرف پھیلا ہوا تھا اور کنارے کنارے بے شمار درخت لگے ہوئے تھے۔ وسیع پورچ میں کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہماری کاریں بھی ان کے نزدیک جا کھڑی ہوئیں۔ لڑکی بڑے تپاک سے ہمیں اندر لے گئی۔ پھر وہ ہمیں ایک انتہائی حسین ڈرائینگ روم میں لے گئی۔

"کیلی کے اعلیٰ ذوق کی داد دو شہاب! یہ ان کا ذاتی ڈرائینگ روم ہے۔ ان کے ڈیڈی کا ڈرائینگ روم دوسرا ہے!" ڈاکٹر بولا۔

"حسین لوگوں کی پسند بھی حسین ہوتی ہے ڈاکٹر! اس سے زیادہ کیا کہوں!"

"شکریہ مسٹر شہاب! اگر چند لمحات کی اجازت دیں تو میں ذرا دوسرے مہمانوں کو دیکھ آؤں؟"

"ضرور!" ڈاکٹر نے کہا اور کیلی گردن خم کرکے باہر نکل گئی۔ اس لڑکی کی چال کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"بے حد دلکش!"

"مگر اونچی چیز ہے!"

"کیا مطلب؟"

"اسے پھانسنے کی اجازت نہیں ہے!"

"اوہ"۔ میں نے ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ ڈاکٹر اچانک غیر محتاط کیوں ہوگیا۔ بہرحال میں نے اپنی طرف سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ چند لمحات کے بعد کیلی ایک طویل القامت شخص کے ساتھ اندر داخل ہوگئی جو اعلیٰ قسم کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ ادھیڑ عمر تھا لیکن کافی توانا آدمی نظر آتا تھا۔

"ہیلو ڈاکٹر! میں نے سنا ہے کہ آپ ہماری دعوت بھول گئے تھے!"

"معذرت خواہ ہوں مسٹر پیکو! یہ میرے دوست شہاب تیموری ہیں!"

"ہیلو!" طویل القامت شخص نے میری طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت اس کی توانائی کی مظہر تھی اس کے علاوہ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں

کی اور اس نے ہمیں کھانے کے کمرے میں چلنے کی دعوت دی۔ "دوسرے لوگ پہنچ چکے ہیں اسلئے باقی گفتگو کھانے کے بعد ہوگی!" اس نے کہا اور ہم دونوں اٹھ گئے۔ کھانے کی میز بھی بہت شاندار تھی۔ طویل میز کے گرد چار آدمی موجود تھے۔ ان کے علاوہ ملازم موجود تھے جو مقامی تھے اور عمدہ وردی میں ملبوس تھے۔ ہمارے لئے کرسیاں گھسیٹی گئیں اور ہم بیٹھ گئے۔

"تمہاری دوست کہاں ہے؟" مسٹر پیکو نے کیلی سے پوچھا۔

"میں اسے لاتی ہوں"۔ کیلی بولی اور باہر نکل گئی۔ میں نے خود کو پتھرا لیا تھا۔ اس وقت میرے چہرے کی ہر شکن میرے کنٹرول میں تھی اور میں اپنے اعصاب پر قادر تھا۔ کیلی ہما کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور دوسروں کے ساتھ میری نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے سرد اور پرسکون نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور شناسائی کی ایک رگ بھی نہیں پھڑکنے دی۔ ہما کو میرے بالکل سامنے بٹھایا گیا تھا۔ لیکن مجھے خود پر اعتماد تھا۔ پھر کھانا شروع ہوگیا۔ اس دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی ہوتی رہی۔ ہما ایک خوبصورت لباس میں تھی اور حسب معمول نظر آ رہی تھی۔ بہرحال میں جانتا تھا کہ چند نگاہیں میرا بھرپور جائزہ لے رہی ہیں لیکن میں نے خود کو ہپناٹائز کرلیا تھا اور اپنے ذہن کو سمجھا رہا تھا کہ وہ ہما کو نہیں پہچانتا۔ چنانچہ ان لوگوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

کھانا ختم ہوگیا اور ہم سب وہاں سے نکل آئے۔ کیلی ہما کو لے کر چلی گئی اور ایک شخص میرے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ مجھ سے گفتگو کرنے لگا۔ درمیانے قد کا گٹھے ہوئے بدن کا آدمی تھا۔ "اتفاق سے ہمارا تعارف نہیں ہوسکا۔ میرا نام ڈریک نوبل ہے!"

"مجھے شہاب کہتے ہیں!"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ کیا مشغلہ ہے آپ کا؟"

"بس چھوٹا سا کاروبار کرتا ہوں!" میں نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"ہم تو ملازمت پیشہ لوگ ہیں۔ وطن سے دور، پڑے ہیں' آیئے۔ اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ڈاکٹر ٹی پیکو کے ساتھ کہیں چلا گیا تھا۔ میں ڈریک کے ساتھ چل پڑا۔ اور وہ مجھے لئے ہوئے ایک عجیب سے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ کمرہ چوڑا کم تھا اور لمبا زیادہ۔ زمین پر سرخ قالین بچھا ہوا تھا اور اس کے آخری سرے پر صرف ایک کرسی رکھی ہوئی تھی!

"آپ تشریف رکھئے مسٹر شہاب!" اس نے کرسی کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اور آپ؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ کرسی آپ کے لئے ہے!" ڈریک نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اسی وقت پورا کمرہ تاریک ہوگیا۔ گہرا تاریک .... میں ساکت رہ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈریک پھرتی سے مجھ سے دور ہوگیا ہے۔ پھر دروازے کے قریب ایک چہرہ نظر آیا۔ صرف چہرہ باقی جسم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن وہ چہرہ کسی گلوب کی طرح روشن تھا اور میں اسے پہچان سکتا تھا۔

چہرہ ڈاکٹر ٹی ٹی کا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرا ذہن وسوسوں میں ڈوب گیا لیکن دوسرے لمحے میری قوت ارادی عود کر آئی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی کی آنکھوں سے شیشہ علیحدہ ہوگیا اور اب اس آنکھ سے چنگاریاں پھوٹتی نظر آرہی تھیں۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ تب ایک آواز میرے کانوں میں ابھری۔ نرم اور ٹھنڈی آواز جو ڈاکٹر ٹی ٹی کی تھی۔ "کرسی پر بیٹھ جاؤ"۔ لیکن میرا ذہن پوری طرح جاگ رہا تھا۔ میں کسی طرح خود کو کمزور نہیں پا رہا تھا۔ ایک لمحے میں، میں نے فیصلہ کیا کہ اس کی ہدایت پر عمل کروں اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

روشن چہرہ آہستہ آہستہ میرے قریب ہوتا جارہا تھا!

روشن چہرہ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر آکر رک گیا۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔ تب میرے ذہن میں ایک تحریک ہوئی اور یوں لگا جیسے کوئی سرگوشی کے انداز میں کچھ کہہ رہا ہو۔ میں نے اس سرگوشی پر غور کیا اور اس کے الفاظ واضح ہوگئے۔

شہاب! تمہیں اپنا کردار یاد رہنا چاہیئے۔ تم ذہین انسان ہو میرے الفاظ کے مطابق عمل کرو۔ تمہارا ذہن جاگ رہا ہے اور اس وقت ہم ایک مشکل سے گزر رہے ہیں!

میں نے ایک گہری سانس لی۔ چند لمحات قبل ایک خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا تھا اور وہ خیال تھا کہ کیا ڈاکٹر ٹی ٹی نے میرے خلاف کوئی گہری سازش کی ہے لیکن ان خفیہ الفاظ سے یہ شک دور ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر سوفیصدی میرے مفاد میں کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے ایماء پر اس نے یہ سب کچھ کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے ہوشیار بھی کردیا تھا۔ چنانچہ میں تیار ہوگیا۔

"جاگنے والے! تمہاری آنکھیں بند ہونی چاہیں کیونکہ تم سو رہے ہو۔ کیا تم سو رہے ہو؟ تم سو رہے ہو، گہری نیند .... تمہیں نیند آرہی ہے۔ ہاں تمہیں نیند آرہی

ہے۔ سو جاؤ.......... گہری اور پر سکون نیند گہری اور پر سکون نیند.......... سو جاؤ.......... !

آواز نے کہا اور میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر اس کی آواز دوبارہ ابھری۔ "کیا تم سو رہے ہو؟"

ہاں ".......... میں نے خوابناک آواز میں کہا۔ میں سو رہا ہوں۔" "ہاں، میں گہری نیند سوگیا ہوں۔"

"لیکن تمہارا ذہن جاگ رہا ہے۔ تم اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ گے میجر یوسف سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"میں ان کے ایک عزیز دوست کا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں!"

"کرنل جہانگیر سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟"

میں نے اس سوال کے جواب میں چند ساعت کی خاموشی اختیار کی پھر بولا۔

"میرے ذہن میں کسی کرنل جہانگیر کا نام محفوظ نہیں ہے!"

"یہاں تم کس مقصد کے تحت آئے ہو؟"

"تبدیلی آب و ہوا کے لئے۔ میجر یوسف اپنی لڑکی سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں!"

"اس کے علاوہ اور کوئی مقصد؟"

"کچھ نہیں!"

"اس لڑکی ہما کو جانتے ہو؟"

"نہیں، میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" میں نے جواب دیا، اور ٹی ٹی خاموش ہوگیا۔ چند ساعت خاموشی رہی پھر ٹی ٹی نے کہا۔ "اب تم اس ماحول کو اور ان تمام باتوں کو بھول جاؤ گے۔ تمہیں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا!"

"میں خاموش ہی رہا تھا۔ پھر روشنی ہوگئی لیکن میری آنکھیں بند ہی رہی تھیں۔ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس دوران کیا ہوتا رہا ہے؟ لیکن پھر چند ساعت کے بعد دوبارہ تاریکی پھیل گئی۔ اور ٹی ٹی کی آواز دوبارہ ابھری۔ "ہما! کیا تم اس نوجوان کو پہچانتی ہو؟"

"نہیں! میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا!"

"کرنل جہانگیر کے پاس بھی نہیں؟"

"نہیں کبھی نہیں!"

"اچھی طرح یاد کرو!"

"میں نے اچھی طرح یاد کرلیا ہے!" ہما نے کہا اور پھر خاموشی۔ اس کے بعد دوبارہ روشنی ہوگئی اور چند ساعت کے بعد میں نے آنکھیں کھول دیں۔ عجیب و غریب کمرے میں میرے اور کیلی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ کیلی مسکرا رہی تھی۔ "خاموش کیوں ہو ڈیئر! کوئی گفتگو کرو۔"

"ایں۔" میں نے کھوئے کھوئے انداز میں اسے دیکھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم بیٹھے بیٹھے سو گئے ہو۔ کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے چند لمحات میری زندگی سے نکل گئے ہوں۔ مجھے ان لمحات کی باتیں یاد نہیں ہیں.........!"

"اوہ۔ تو تم جاگتے میں سو جانے کے عادی ہو۔ بہرحال بڑی دلچسپ شخصیت ہے تمہاری، مجھے پسند آئی ہے۔ کیا ہماری ملاقاتیں آئندہ بھی ہوتی رہیں گی؟"

"اگر تم پسند کرو کیلی!"

"میں نے تو تمہیں پسند کرلیا ہے۔" کیلی نے کہا اور اسی وقت ڈاکٹر ٹی ٹی اور ایک شخص اس کمرے میں آگئے اور ہمارا سلسلہ گفتگو رک گیا۔

"بھئی اب واپسی کا فیصلہ کرو۔ خاصی دیر گزر چکی ہے۔" ٹی ٹی نے کہا اور میں کھڑا ہوگیا۔ "اجازت!" میں نے پر اخلاق انداز میں کہا اور وہ سب ہمیں باہر تک چھوڑنے آئے۔ اور پھر رسمی گفتگو کے بعد میں نے گہری سانس لی اور مسکرانے لگا۔

"بڑے مرحلے سے گزر گئے۔ اب کم از کم تیل کالونی میں تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ویسے تم جیسے ذہین لوگ مجھے بے حد پسند ہیں۔ کیا عمدگی سے تم نے اپنا کردار نبھایا۔ یوں لگتا ہے جیسے تمہیں ہپناٹزم کے بارے میں بھی بہت کچھ معلومات حاصل ہیں!"

"کوئی خاص نہیں ڈاکٹر! بہر حال تم ایک اچھے دوست ہو!" "یہی خیال میرا تمہارے بارے میں ہے اور تم یقین کرو، میں اب تمہارے لئے بہت کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"میرے مشن کی تکمیل میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہوگا ڈاکٹر! میں نے بہت سی

امیدیں تم سے وابستہ کر رکھی ہیں!"

"یہ مشن اب تنہا تمہارا نہیں رہ گیا میرے دوست! میں بھی اسے اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔ یوں سمجھ لو ٹی ٹی اب تم میں سے ایک ہے۔ مجھے اب تک آقاؤں کے درمیان زندگی گزارنی پڑی ہے۔ اب پہلی بار میں دوستوں کے درمیان گزاروں گا۔ غلامی اور دوستی میں بڑا فرق ہوتا ہے!"

"مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے۔ میرا خیال ہے مجھ سے ملاقات کے لئے تم پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی!"

"اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ لوگ تمہاری طرف سے بڑے مایوس ہوئے ہیں۔"

"آہ.......... تو کل ملاقات ہوگی!"

"کلب میں؟"

"ہاں!"

"میں انتظار کروں گا۔" ٹی ٹی نے کہا اور پھر ہم رخصت ہوگئے۔ میں میجر یوسف کی رہائش گاہ میں داخل ہوگیا تھا۔ ڈرائینگ روم میں روشنی نظر آئی۔ شاید کوئی وہاں موجود تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر میں اسی طرف بڑھ گیا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور میجر یوسف اٹھ کر دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے پر سکون انداز میں گردن ہلائی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوگیا۔ اندر جو شخص موجود تھا اسے دیکھ کر میرے چہرے کی رگوں میں ہلکی سی کھچاوٹ پیدا ہوگئی۔ یہ ماجد تھا۔

"ہیلو!" ماجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو ماجد!" میں نے صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا۔ میجر یوسف بہرحال ایک قابل اعتماد شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ ماجد نے یقیناً خود کو ان سے نہیں چھپایا ہوگا لیکن اس کی آمد یہاں کس سلسلے میں ہوئی ہے؟" میں نے سوچا اور ماجد کے نزدیک پہنچ گیا۔

"میں کافی دیر سے تمہارا انتظار کررہا ہوں!" ماجد بولا۔

"خیریت؟" میں نے میجر یوسف کی جانب دیکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہوئے

پوچھا۔

"ایک پیغام لایا ہوں!"

"اوہ کس کا.........؟"

"ڈاکٹر برہان کا!" ماجد نے جواب دیا اور میجر یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھئی اب تم لوگ گفتگو کرو۔ میں تمہیں تھوڑی دیر کے لئے گفتگو کرنے کا موقع دے دوں!"

"شکریہ میجر یوسف!" ماجد نے کہا اور میجر یوسف کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے ماجد کو دیکھا اور پھر سوال کیا۔ "کیا ڈاکٹر برہان نے اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ میجر کے سامنے تم اپنے آپ کو اس کا نمائندہ ظاہر کردو!"

"ہاں! ڈاکٹر کے خیال میں میجر قابل اعتماد آدمی ہے!" ماجد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے یہ بتاؤ' غائب کہاں ہوگئے تھے؟" میں نے پوچھا۔ "کہیں نہیں' یہیں تھا۔ بس ایسی جگہوں پر چھپتا پھر رہا ہوں' جہاں عام لوگوں کی نگاہیں نہ پہنچ سکیں!"

"خوب.........پیغام کیا ہے؟"

"پیغام یہ ہے کہ اب سے تھوڑی دیر بعد تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ اگر تم اب سے تھوڑی دیر قبل مل گئے ہوتے تو ہم پہلے ہی نکل گئے ہوتے یہاں سے!"

"کہاں؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے پہلے ہم یہاں سے نکل چلیں' راستے میں تمہیں تفصیلات بتا دوں گا۔ ویسے میں نے میجر سے بات کرلی ہے اور میجر اس بات پر تیار ہیں کہ ہمیں ایک مخصوص راستے سے تیل کالونی سے نکال دیں۔ میجر یہاں کے سیکیورٹی آفیسر ہیں اور انہیں بہت سی ایسی جگہوں کا علم ہے جہاں سے ہمیں خاموشی سے باہر نکالا اور داخل کیا جاسکتا ہے!"

"ٹھیک ہے اگر یہ بات تھی تو پھر بے چارے میجر کو باہر جانے دینے کی کیا ضرورت تھی!"

"وہ خود ہی چلے گئے ورنہ میں نے تو ان سے اس بات کی استدعا نہیں کی تھی!" ماجد نے جواب دیا اور ہم دونوں کھڑے ہوگئے۔ چند ساعت کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ میجر کافی فاصلے پر دروازے میں کھڑا نظر آرہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ ہماری جانب متوجہ ہوگیا۔

"کیوں خیریت؟"

"بس میجر آپ چلے ہی آئے' ورنہ ہمارے درمیان کوئی خاص گفتگو تو ہونی نہیں تھی۔ اپنا مقصد آپ کو بتا چکا تھا اب آپ ہمیں باہر نکالنے میں ہماری مدد کریں!"

"بہتر ہے آؤ!" میجر نے کہا اور ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ میجر ہمیں بہت سے پر پیچ راستوں سے گزار کر تیل کالونی کی ایک ایسی سمت لے آیا جہاں ایک چھوٹا سا گیٹ تھا اور اس گیٹ پر سیکیورٹی کے چند افراد مستعد تھے۔ میجر نے ان میں سے ایک شخص کو طلب کر کے کچھ ہدایات دیں اور اس نے گردن جھکا دی۔ پھر وہ تیزی سے ایک طرف چلا گیا تھا۔ میجر ہماری طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ میں نے جیپ منگوائی ہے۔ تم اس راستے کو ذہن نشین کر لینا اور واپس بھی اسی راستے سے آجانا۔ میں یہاں متعین لوگوں کو خاص ہدایات کردوں گا۔ جیپ جہاں تم پسند کرو گے' تمہیں چھوڑ دے گی اور پھر واپس آجائے گی!"

"بہت بہت شکریہ میجر!" میں نے کہا اور میجر نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جیپ پہنچ گئی اور ہم اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ راستے میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی کیونکہ جیپ ڈرائیور ہمارے ساتھ تھا۔ بہرصورت ہم اس عمارت تک پہنچ گئے جو ڈاکٹر برہان کی مخصوص عمارت تھی اور پھر میں اور ماجد جیپ ڈرائیور سے رخصت ہوکر اندر داخل ہوگئے۔ یہاں میں نے فیضان کو بھی دیکھا تھا۔ "بڑا پراسرار ماحول ہے! بڑی معنی خیز فضا ہے۔ ڈاکٹر برہان کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا اور فیضان مسکرانے لگا۔ "ڈاکٹر برہان موجود نہیں ہیں۔ ویسے تم جوکچھ کر رہے ہو شہاب! اس سے ہمارے دلوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں!"

"بھئی اب اس میں قصور سانپوں کا ہے' میرا کیا قصور ہے؟" میں نے بھی پر مزاح انداز میں کہا اور ماجد بھی مسکرانے لگا۔

"اوہو' تو آجکل تم تیل کالونی میں میرے خلاف بھی جاسوسی کررہے ہو؟"

"میں کچھ نہیں کررہا جناب! جو کچھ کررہا ہے ڈاکٹر برہان کررہا ہے۔"

"بہت خوب! تو ڈاکٹر برہان نے تمہیں میرے پیچھے لگا رکھا ہے؟"

"ہاں ------ درپردہ مجھے تمہاری ہی نگرانی کرنی پڑ رہی ہے۔ اگر یہ نہ کر رہا ہوتا تو اس دن ٹول ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔"

"یہ بات تو درست ہے!" میں نے اعتراف کیا پھر فیضان سے بولا۔

"ہاں تو ڈیئر فیضان! کیا چکر ہے جلدی بتاؤ!"

"بس ڈاکٹر برہان کا پیغام ہے کہ کرنل جہانگیر کو اس کی رہائش گاہ سے اغوا کر لیا جائے، تھوڑا سا شور و غل بھی کیا جائے اور دھائیں دھوئیں بھی ہونی چاہیئے اور اس کے بعد میں اور ماجد کرنل جہانگیر کو لے کر دار الحکومت چلے جائیں گے۔ اس کے لئے تمام تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں۔"

"اوہ خوب........ یہ ڈاکٹر برہان کی ہدایت ہے!" میں نے گردن ہلاتے ہوئے پوچھا اور وہ دونوں میری شکل دیکھنے لگے۔ پھر فیضان بولا۔ "کیوں کوئی خاص بات ہے اس میں؟"

"نہیں بالکل نہیں، یہ بالکل الگ چیز ہے اور میرا خیال ہے ڈاکٹر برہان نے بہتر سوچا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟"

"خیال کی کیا بات ہے فیضان! جیسے ڈاکٹر برہان نے کہا ہے ویسے ہی کیا جائیگا!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور ان کے ساتھ چلنے پر آمادگی ظاہر کردی۔

کرنل جہانگیر کی رہائش گاہ بدستور خاموش تھی۔ ایک عجیب سی سوگواری طاری تھی اس پر۔ ویسے یہ عمارت بھی خوب تھی۔ مجھے اس میں کبھی سیدھے راستے سے داخل ہونے کی توفیق ہی نہیں ہوئی تھی۔ ہم تینوں سیاہ چست لباسوں میں ملبوس تھے۔ ماجد اور فیضان کے پاس اسٹین گنیں تھیں حالانکہ یہ سب کچھ بے سود تھا لیکن نہ جانے ڈاکٹر برہان کی اس میں کیا مصلحت تھی؟ یہاں تو کوئی مقابلہ کرنے والا بھی موجود نہیں تھا۔ ویسے زبیر خان بے چارہ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا مجھے اس شخص سے ہمدردی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوگیا ہو۔ جذباتی آدمی تھا۔ اگر جذبات کی رو میں بہہ کر براہ راست خان جلال تک جا پہنچا تو اس کے ہاتھوں بچ نہ سکے گا۔ بہرحال میں اس کے لئے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ان معاملات سے فرصت ملتی تو اس کے بارے میں سوچا جاتا لیکن یہ معاملہ تو طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔ کرنل جہانگیر کی خوابگاہ تک پہنچنے کے سارے راستے معلوم تھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ گزرتے ہوئے میں نے زبیر خان کے کمرے پر بھی نگاہ ڈالی تھی لیکن اس کی موجودگی کے آثار نہیں نظر آئے۔ ہاں وہ معصوم

لڑکی موجود تھی جس کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پیدا ہی کرنل جہانگیر کی تیمارداری کے لئے ہوئی ہے۔

نرس شاید اونگھ رہی تھی۔ ہمارے قدموں کی چاپ پر چونک پڑی اور پھر اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ ماجد نے اس کے سینے پر اسٹین گن کی نالی رکھ دی اور فیضان نے کلوروفارم کا رومال عقب سے اس کے چہرے پر رکھ دیا۔ پھر اسے احتیاط سے ایک طرف لٹا دیا گیا اور اس کے بعد ہم کرنل جہانگیر کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ کرنل مسہری پر کروٹ لئے لیٹا تھا۔ نہ جانے اس بیچارے کی کیا کیفیت تھی لیکن وہ سو نہیں رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے کروٹ بدلی اور پھر ہمیں دیکھ کر پھرتی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس وقت کوئی مزاحمت ہمارے حق میں بہتر نہیں تھی۔ اس لئے فوراً کرنل پر قابو پالیا گیا۔ اسے بے ہوش کرکے احتیاط کے ساتھ باہر لایا گیا اور اس گاڑی میں پہنچا دیا گیا جو ہم نے ایک سمت کھڑی کر دی تھی۔ پھر ہم تینوں واپس کرنل کی کوٹھی میں آگئے اور اس کے بعد اسٹین گنیں غرانے لگیں۔ ہم ایسے دروازوں، کھڑکیوں اور دروازوں کو نشانہ بنا رہے تھے جن میں کسی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا۔ خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ اندر سے خوف و دہشت میں ڈوبی آوازیں ابھرنے لگیں۔ ملازم وغیرہ اس طرح چیخ رہے تھے جیسے گولیاں براہ راست ان کے جسموں میں لگ رہی ہوں۔ کئی منٹ تک ماجد اور فیضان گولیاں چلاتے رہے۔ اس کے بعد ہم واپس گاڑی کے نزدیک پہنچ گئے۔ ماجد نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور وین اسٹارٹ ہوکر واپس پلٹ پڑی۔

پروگرام کے مطابق مجھے تیل کالونی جانے والی سڑک پر اس کچی پگڈنڈی کے قریب اتار دیا گیا جو اس طویل راستے سے کالونی کے اس چھوٹے گیٹ تک جاتی تھی جہاں سے ہم آئے تھے۔ فیضان اور ماجد کو یہاں سے ایک نزدیکی بستی جانا تھا اور پھر وہاں سے بذریعہ ٹرین دارالحکومت۔ چنانچہ وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر چلے گئے اور میں یہ سفر پیدل طے کرنے لگا۔ صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی جب میں گیٹ پر پہنچا۔ اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ جب میں میجر کی رہائش گاہ میں پہنچا تو سامنے ہی تبسم نظر آ گئی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ نمودار نہ ہوئی۔ وہ سپاٹ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ نیند اور تھکن سے برا حال تھا لیکن اسے نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ میں اس کی طرف بڑھ گیا۔

"ہیلو تبسم!"

"ہیلو!" وہ خشک انداز میں بولی۔

"بہت صبح جاگ گئیں؟"

"کچھ لوگ راتوں کو سوتے بھی نہیں۔ میں اگر جلدی جاگ گئی تو کونسی تعجب کی بات ہے؟" اس نے کہا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن انسان صبح ہی جاگ جائے تو اسے چائے ضرور پینی چاہئے!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اسے بھی جو راتوں کو سوتا ہی نہ ہو۔"

"ہاں اُس کے لئے تو کم از کم دو پیالیاں ہونی چاہئیں!" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"آیئے! میں ملازمہ سے کہہ دوں!" تبسم نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ چائے کے لئے کہہ کر وہ ایک کھلی جگہ آ بیٹھی۔ "اور سنایئے' کیسی گزر رہی ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے بعض اوقات انسان خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لیتا ہے جیسے میں!" تبسم نے کہا۔

"میں نہیں سمجھا!"

"آپ کے آ جانے سے بڑی مسرت ہوئی تھی۔ میرا تو یہاں دل لگتا ہی نہیں۔ بڑا ویران سا ماحول ہے کوئی دلچسپی کوئی دلکشی نہیں لیکن آپ کو اپنے ہاتھوں سے خود کھو بیٹھی۔ نہ اس دن ڈاکٹر ٹی ٹی سے ملاقات ہوتی' نہ یہ دن دیکھنا پڑتا۔"

"اوہ' یہ بات ہے۔ ویسے ٹی ٹی دلچسپ آدمی ہے۔ آپ اس سے ملتی کیوں نہیں ہیں!"

"اس کی دلچسپیاں میری فطرت سے میل نہیں کھاتیں۔ وہ اپنی ہی نسل کی لڑکیوں کے لئے دلچسپ ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں اخلاقی قدریں کچھ اور ہیں۔ آپ نے اس دوران جائزہ لے لیا ہوگا کہ مقامی لڑکیاں اس کی دوست نہیں ہیں!"

"بے ضرر انسان ہے صرف لڑکیوں کے درمیان بیٹھنے کا شائق۔"

"ممکن ہے اس کے احباب بے ضرر نہ ہوں۔" تبسم نے میرے اوپر چوٹ کی۔

"ویسے اس نے آپ کے دوستوں کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا ہوگا!"

"کوئی خاص نہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن تبسم کے انداز میں کبیدگی نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی اور اس نے خاموشی سے اپنے اور میرے لئے چائے بنا کر ایک پیالی مجھے پیش کر دی۔ چائے پینے کے بعد میں نے اس سے اجازت طلب کی۔ "اب سوئیں گے؟" اس نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں' سخت نیند آ رہی ہے!"

"ناشتہ بھی نہیں کریں گے؟"

"دوپہر کو کھانا ہی کھاؤں گا۔ میجر اگر پوچھیں تو براہ کرم آپ انہیں بتا دیں۔"

"خیر سچی بات تو میں انہیں بتا نہیں سکتی کیونکہ اول تو میری زبان ان کے سامنے نہیں کھل سکتی اور پھر کچھ بھی ہے' آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ویسے میری نصیحت ہے کہ رات کی نیند دن میں کبھی پوری نہیں ہوئی اس لئے کبھی کبھی رات کو بھی سو لیا کریں۔"

"بہتر!" میں نے جواب دیا اور پھر میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس وقت کچھ سوچنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بس سخت نیند کا شکار تھا اس لئے لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔ پوری رات جاگا تھا اس لئے ساڑھے گیارہ بجے تک سوتا رہا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو تبسم دوبارہ نظر آ گئی۔ "آپ ہی کو دیکھنے آ رہی تھی۔ آیئے کھانا لگنے والا ہے۔" کھانے کے بعد دیر تک تبسم سے گفتگو ہوتی رہی۔ وہ مشکوک تھی اور اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر ٹی ٹی نے مجھے اپنی بری باتوں میں شریک کر لیا ہے۔ بہرحال میں نے اس کے خیالات کی تصدیق یا تردید نہیں کی اور اس کی کیفیات سے دلچسپی لیتا رہا۔ اس نے بتایا تھا کہ اسے کچھ دنوں کے لئے باہر جانے کی اجازت مل گئی ہے اور وہ اپنی ایک عزیزہ کے ہاں دارالحکومت جانے کا ارادہ رکھتی ہے!

شام تک میں گھر میں رہا اور کوئی کام نہیں تھا۔ البتہ سورج چھپنے کے تھوڑی دیر بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ میجر یوسف آج کچھ زیادہ ہی مصروف تھا اس لئے شام کو بھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آٹھ بجے میں کلب کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ ٹی ٹی اپنی میز پر موجود اور ضرورت سے زیادہ ہی کھلا ہوا تھا۔ اس کے لباس کی خوشبو کی لہریں دور دور تک پھیل رہی تھیں۔ نہایت قیمتی اور عمدہ تراش کے سوٹ میں ملبوس تھا!

"ہیلو ڈاکٹر!"

"ہیلو جان من آؤ!" ڈاکٹر نے میرا استقبال کیا۔

"بہت اسمارٹ نظر آ رہے ہو ڈاکٹر!"

"اوہ شکریہ! آج کسی نئے شکار کا ارادہ ہے۔ ذرا انتخاب تو کرو۔ ویسے میرے لئے ایک مشکل ہے یہاں!"

"وہ کیا ڈاکٹر؟"

"حالانکہ یہاں کئی ملکوں کی لڑکیاں موجود ہیں۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی دوست بھی نہیں ہیں لیکن مجھ سے سبھی واقف ہوگئی ہیں اور نہ جانے کیوں یہ مجھ سے کتراتی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا خیال ہے کہ میں عورتوں کا رسیا ہوں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا ڈاکٹر!"

"بس کبھی کبھی ان کے خیالات پڑھنے کا کوئی موقع مل جاتا ہے۔" میں نے اپنی اس آنکھ سے اور بھی بہت سے سخت تجربات کئے ہیں جن کا اظہار میں نے ان لوگوں پر نہیں کیا ورنہ وہ مجھے اس سلسلہ میں بھی استعمال کرنا شروع کر دیتے لیکن اپنے طور پر کام چلاتا ہوں۔"

"مثلاً" ڈاکٹر!" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہپناٹزم کا ایک اصول تو یہ ہے کہ کسی کو ٹرانس میں لاکر اسے اپنا مطیع کرلیا جائے اور اس سے اپنے احکامات کی تعمیل کرائی جائے۔ اس میں تھوڑی سی ترمیم میں نے کی ہے وہ یہ کہ کسی کے ذہن پر اس طرح اثرانداز ہوا جائے کہ اس کی اپنی سوچ اپنی شخصیت برقرار رہے، ہاں اس کے خیالات چرائے جائیں یعنی صرف اس کی سوچ سے رابطہ قائم ہو جائے، اس کے خیالات آرام سے وصول کئے جاتے رہیں۔ دراصل میں جن لوگوں کے چنگل میں ہوں، ان سے سخت بددل ہوں۔ اس لئے میں نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ اپنی اس قوت کو دوسرا رنگ دینے کے بارے میں نہیں سوچا۔ اگر میں کوشش کروں تو آرام سے ٹیلی پیتھ بھی بن سکتا ہوں۔ ہپناٹزم ایک درخت کی حیثیت رکھتا ہے جس سے علوم کی لاتعداد شاخیں پھوٹتی ہیں بس ان شاخوں کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔"

"خوب! لیکن اپنی ذات کے لئے تو آپ یہ کوشش کرسکتے ہیں ڈاکٹر!"

"کیوں نہیں! اگر تمہارے ساتھ رہنے کا موقع ملا تو میں ان علوم پر بھی دسترس

حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ "اوہ اسے دیکھو!" ڈاکٹر نے ایک دراز قامت لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو ابھی ابھی اندر داخل ہوئی تھی۔ میں نے اس طرف دیکھا۔ سڈول بدن کی مالک حسین لڑکی تھی۔ لمبے سیاہ بال اس کے حسن میں دلکشی کا باعث تھے! "نئی شکل ہے!" ڈاکٹر نے کہا اور پھر اپنی میز سے ایک پلیٹ اٹھا کر نیچے پھینک دی۔ لڑکی نے چونک کر اس طرف دیکھا اور ڈاکٹر کا مقصد پورا ہوگیا۔ شاید وہ یہی چاہتا تھا کہ ایک بار کسی طور پر لڑکی سے نگاہ مل جائے۔

ویٹر نزدیک آگیا اور ٹوٹی پلیٹ کے ٹکڑے چننے لگا۔ پھر وہ صفائی کرکے چلا گیا لیکن ڈاکٹر کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ "اسے متوجہ کرنا مقصود تھا۔ اب اس سے نگاہیں مل گئیں اور میں نے ذہنی طور پر اس سے رابطہ قائم کرلیا۔ وہ میرے ٹرانس میں نہیں ہے، لیکن میں اس کے خیالات ضرور پڑھ سکتا ہوں۔" ٹی ٹی نے کہا۔

"بہت خوب ڈاکٹر! میرا خیال ہے وہ آ رہی ہے!"

"ایک منٹ!" ڈاکٹر بولا اور اس کی نگاہیں لڑکی کا تعاقب کرنے لگیں۔ پھر وہ گردن ہلا کر بولا۔ "نہیں! سویڈن کی باشندہ ہے!"

"یہ کس طرح معلوم ہوگیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"میں نے اس کے ذہن سے سوال کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ذہنی رابطے کی بنیاد پر میں اس کے ذہن میں کوئی تحریک پیدا کرسکتا ہوں۔ وہ غیر اختیاری طور پر اس کے بارے میں سوچے گی اور مجھے اس کا جواب مل جائے گا۔ پھر میں نے اس وقت اس کے ذہن میں وطن کا خیال پیدا کیا اور اس نے فوراً سویڈن کے بارے میں سوچا۔ مجھے جواب مل گیا!"

"کیا یہ صرف اس آنکھ کا کارنامہ ہے ڈاکٹر!" میں نے تعجب سے پوچھا اور ڈاکٹر کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "بات یہ ہے ڈیئر شہاب! میں ان لوگوں کے بیشتر تجربات کا شکار رہا ہوں۔ طویل عرصہ تک وہ مجھے تختہ مشق بناتے رہے ہیں۔ خود میرا اپنی ذات پر کوئی تصرف نہیں رہا ہے لیکن بعض اوقات مجھے اپنے اندر کچھ عجیب خصوصیات کا احساس ہونے لگتا ہے جن کا میں نے مناسب تجزیہ نہیں کیا مگر چھوڑو ان باتوں کو۔ میرے بارے میں تو جانتے ہی رہو گے فی الحال اس کے بارے میں سوچو کیا

میں اسے یہاں بلاؤں؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"یقیناً یہ تمہارے لئے مشکل بات نہیں ہے کیونکہ میں تجربہ کرچکا ہوں!" میں نے مسکرا کر کہا اور ڈاکٹر لڑکی کی جانب دیکھنے لگا۔ لڑکی ایک میز پر بیٹھ چکی تھی۔ میں اس کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میں نے اسے میز سے اٹھتے ہوئے دیکھا وہ ہماری طرف آرہی تھی۔ ہماری میز کے نزدیک پہنچ کر وہ الجھی الجھی سی کھڑی ہوگئی۔

"ہیلو!" ڈاکٹر نے اپنی ٹائی درست کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں بیٹھ سکتیں!"

"شکریہ!" لڑکی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ کسی قدر متعجب سی نظر آرہی تھی۔ پھر وہ چٹکی سے اپنی پیشانی مسلنے لگی۔

"خیریت؟ آپ کسی قدر پریشان نظر آرہی ہیں!" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"آپ لوگ نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں۔ یقین کریں آپ کے نزدیک آنے کا کوئی مقصد نہیں ہے بس ایک دم خیال آیا اور میں یہاں چلی آئی۔"

"تو اس میں حرج بھی کیا ہے؟ یہ سب ایک دم ہی ہوتا ہے!" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"کیا؟"

"عشق، محبت، پیار ایک ہی چیز ہے اسے کتنے ہی نام دے دیئے جائیں!"

"اوہ، نہیں۔ براہ کرم ایسی کسی چیز کے بارے میں نہ سوچیں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلئے ٹھیک ہے نہیں سوچتے لیکن اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے آپ ایک دوست ہی کی حیثیت سے آگئیں۔ کیا پئیں گی!"

"میں اپنی میز پر ہی بیٹھنا چاہتی ہوں مجھے امید ہے آپ لوگ محسوس نہیں کریں گے!" وہ اٹھ گئی اور پھر واپس اپنی میز پر پہنچ گئی۔ ڈاکٹر مسکرانے لگا تھا!

"یہ کیا ہوا ڈاکٹر؟"

"ایک دلچسپ تجزیہ............ آج تفریح ہی رہے!"

"کیا مطلب؟"

"میں نے اس کے ذہن پر ہلکی سی گرفت کی تھی اور اس سے کہا تھا کہ وہ یہاں آجائے لیکن میز پر پہنچتے پہنچتے میں نے اسے گرفت سے آزاد کردیا اور وہ سوچنے لگی کہ وہ ان اجنبیوں کے درمیان کیوں آگئی۔ پھر اس نے سوچا کہ ہم لوگ اسے فلرٹ تو نہیں سمجھ رہے۔ اس احساس کے تحت اسے شرمندگی ہونے لگی اور وہ واپس چلی گئی لیکن............"

"لیکن کیا ڈاکٹر؟"

"ابھی وہ پھر آئے گی!" ڈاکٹر نے کہا اور دوبارہ لڑکی کی طرف دیکھنے لگا اور چند ہی ساعت کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ہمارے نزدیک آکر بیٹھ گئی لیکن پھر بری طرح چونک پڑی۔ اس نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "نہ جانے............ نہ جانے مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں میں............"

"ایسا ہی ہوتا ہے............ ایسا ہی ہوتا ہے............ آپ بلاوجہ گھبرا رہی ہیں............ بالکل ایسا ہی ہوتا ہے............ رومانس کی تمام داستانیں اٹھا کر پڑھ لیں۔ سب میں یہی کچھ ہے۔ قدم خودبخود کھنچے چلے آتے ہیں۔ کسی دوسری جگہ دل نہیں لگتا لیکن آپ پریشان کیوں ہیں؟ تشریف رکھیں۔"

اس بار لڑکی انکار کی ہمت نہ کرسکی لیکن وہ نروس تھی۔ پھر ڈاکٹر نے اس کے لئے ہلکی شراب منگوائی اور اس نے شرمندہ سے انداز میں کئی پیگ پئے لیکن اس کے بعد وہ ٹھیک ہوگئی تھی۔

"تعارف ابھی تک نہیں ہوا!" ڈاکٹر نے کہا۔

"میرا نام ریتا گراہم ہے۔ سویڈن کی باشندہ ہوں۔ ایک ماہ پہلے سویڈن سے یہاں آئی تھی!"

"بڑی خوشی ہوئی مس ریتا! میں ٹی ٹی ہوں اور یہ شہاب!" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔ مجھے بھی اخلاقاً ایسا کرنا پڑا تھا۔ تھوڑی دیر میں ریتا ہم دونوں سے خاصی بے تکلف ہوگئی۔ اس نے پروفیسر ٹی ٹی اور میرے بارے میں بھی خاصی معلومات حاصل کیں۔ میرے بارے میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں مقامی ہوں۔ تب اس نے مجھ سے فرمائش کی کہ اگر ممکن ہوسکے تو میں اسے مقامی زبان کے بارے میں کچھ بتاؤں اور اسے یہاں کے حالات سے آگاہ کروں۔

"مجھے آپ کے وطن کے بارے میں جاننے کا بڑا شوق ہے۔ یہاں چند لوگوں سے میری ملاقات ہوئی ہے لیکن وہ سب کے سب خشک اور مصروف سے انسان ہیں۔ عموماً مقامی لوگ تو کلب کی تفریحات میں دلچسپی ہی نہیں لیتے!"

"ہاں شاید ان کی مصروفیات انہیں اجازت نہ دیتی ہوں!" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال مسٹر شباب! آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی میں اپنے میں یہ تجویز نہیں کر سکی کہ کونسا جذبہ مجھے اپنی میز سے اٹھا کر یہاں لایا تھا!"

"کمال کی بات ہے؟"

"اس میں سوچنے کی بات ہی کیا ہے آخر' میں اس جذبے کی نشاندہی کر چکا ہوں!" ڈاکٹر ٹی ٹی نے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر! آپ یقین کریں ایسی کوئی بات نہیں ہے!"

"خیر ہو یا نہ ہو' اب تو تم ہماری دوست بن ہی گئیں۔" ڈاکٹر نے نشیلی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ ہاں کیوں نہیں!" اس نے جواب دیا۔

"کیا میں تمہیں رقص کی پیش کش کر سکتا ہوں!" ڈاکٹر بولا۔

"آپ ضرور.......... ضرور.......... کیوں نہیں!" ریتا نے جواب دیا اور میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ پھر جب رقص کے لئے موسیقی شروع ہوئی تو ڈاکٹر نے مجھ سے معذرت کی اور ریتا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ڈانس فلور کی طرف چلا گیا۔ میں اس شخص کی حیرت انگیز شخصیت پر غور کرنے لگا۔ بلاشبہ اپنی ذات میں ایک عجیب و غریب انسان تھا۔ بہت ساری چیزوں پر قادر لیکن ذہنی طور پر بچوں کی مانند.......... وہ رقص کرتا رہا اور میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ اتفاق کی بات تھی کہ مجھ سے کسی نے رقص کی فرمائش بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی میں اس وقت اس موڈ میں تھا۔ میں سکون سے رقص کرنے والے جوڑوں کو دیکھتا رہا اور پہلے راؤنڈ کے خاتمے پر وہ دونوں واپس آگئے۔ ریتا ہنس رہی تھی۔ "مسٹر ٹی ٹی بہت دلچسپ انسان ہیں' مجھے ان کی شخصیت بے حد پسند آئی ہے لیکن آپ نے رقص نہیں کیا مسٹر شباب!"

"ہاں میں رقص دیکھ کر لطف اندوز ہوتا رہا!"

"دوسرے راؤنڈ میں تم شباب کے ساتھ رقص کرو گی!" ڈاکٹر نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

"ضروری نہیں ہے ڈاکٹر! میں آپ کے رقص سے بھی خوش ہوں!"

"ہرگز نہیں۔ کیوں مس ریتا!"

"اوہ ضرور.........." ریتا نے کہا اور جب دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوئی تو ریتا نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "جاؤ شباب! میری طرف سے اجازت ہے!" ڈاکٹر ٹی ٹی نے کہا اور میں اٹھ گیا۔ ریتا بے حد سڈول اور گداز تھی لیکن اس کے ذہن میں الجھن اب بھی باقی تھی۔ "اس میں کوئی شک نہیں ہے مسٹر شباب! کہ آپ دونوں بے حد دلچسپ اور پرکشش ہیں لیکن یقین کریں' میں اب بھی اس الجھن میں ہوں کہ آپ میرے ذہن میں کیوں آئے؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے مس ریتا! بہرحال یہ پریشانی کی بات بھی نہیں ہے۔ آپ سوچنا ہی چھوڑ دیں!" میں نے جواب دیا۔

"غیر فطری سی بات ہوگی۔ تاہم آپ سے مل کر میں بہت خوش ہوں۔ آپ بھی یہاں سروس کرتے ہیں؟"

"نہیں! میں اپنے ایک عزیز کے پاس آیا ہوں جو یہاں ملازم ہیں۔ ویسے میں دارالحکومت میں رہتا ہوں!"

"اوہ.......... بہت خوب! یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے! اب تو میں آپ سے فرمائش کروں گی کہ کچھ وقت مجھے دیں اور اپنے ملک کی سیر کرائیں۔ کیا آپ میرے لئے کچھ وقت نکال سکتے ہیں؟"

"ضرور مس ریتا! ابھی تو میں یہاں کافی دن قیام کروں گا۔ آپ کے والدین اجازت دے دیں گے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں.......... اس میں کیا حرج ہے؟ آپ میرے دوست ہیں!" لڑکی بولی اور میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ ایک احمقانہ سوال ہے۔ یورپ کے والدین تو کبھی کے ایسے حقوق سے محروم ہو چکے ہیں۔ بہرحال میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔ ظاہر ہے اس وعدے کا کسی ذریعے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ایک کاروباری نوعیت کے الفاظ تھے جو ضرورت کے تحت ادا کرنے پڑے تھے!

تیسرا راؤنڈ ریتا نے ڈاکٹر ٹی ٹی کے ساتھ پورا کیا اور چوتھے راؤنڈ میں بھی میں نے ٹی ٹی کو ہی ناچنے کا موقع دیا۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا' بالکل نوجوانوں کی سی حرکتیں کر رہا تھا اور میں اس کی شخصیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ شخص کیسی بھی خصوصیات کا حامل کیوں نہ ہو ذہنی طور پر بچہ ہی ہے۔ میں نے سوچا اور پھر جب میں اور ٹی ٹی واپس آ رہے تھے تو راستے میں میں نے اس سے سوال کیا۔ "ڈاکٹر میرے سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں آج بھی دن بھر کوششوں میں مصروف رہاں ہوں۔ تم بے فکر رہو اور یہ نہ سوچو کہ میں تمہاری جانب سے غافل ہوں' کیونکہ اب تو یہ سوال صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ میرا بھی بن چکا ہے۔ چونکہ میں ان لوگوں سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمہیں کامیابی ہو چنانچہ تم سوچ لو کہ جس قدر ممکن ہوسکا میں تمہیں اس سلسلے کی تفصیلات سے آگاہ کر دوں گا!"

"شکریہ ڈاکٹر ٹی ٹی!" میں نے کہا۔

"سب سے بڑی بات یہ ہے!" ڈاکٹر ٹی ٹی بولا۔ "کہ ہم اس سلسلے میں کوئی مناسب طریقہ کار اختیار کریں۔ اصل میں ہم طریقہ کا تعین نہیں کرسکے!"

"یہ بھی ٹھیک ہے ڈاکٹر ٹی ٹی! چنانچہ بہتر یہ ہے کہ کل دن میں آپ سے ملاقات کروں' اور اس ملاقات میں ہم اس سلسلے میں بھی کوئی فیصلہ کرلیں!"

"کل دن میں' ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ ملاقات میرے گھر پر نہیں ہونی چاہئے!" ٹی ٹی بولا۔

"قطعی نہیں بلکہ کسی بالکل اجنبی جگہ پر۔ ویسے اب ہمیں شک کی نگاہوں سے بھی نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ وہ لوگ ہماری طرف سے مطمئن ہوچکے ہیں!" اور پھر ہم نے دوسرے دن کی ملاقات کے لئے جگہ کا تعین کرلیا۔

میجر یوسف کی رہائش گاہ پر واپس آکر میں اس سلسلے میں غور کرنے لگا اور بہت سے خیالات مجھ پر حملہ آور ہوگئے۔ یہ معاملہ طول کھینچ گیا تھا۔ مجرم ایک طرح سے سامنے تھے لیکن ان کے خلاف کوئی ثبوت بھی نہیں تھا اور نہ ہی صحیح جرم کھل کر سامنے آیا تھا۔ اس سلسلہ میں کوئی.......... کوئی.......... اور دفعتاً میں اچھل پڑا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی اگر واقعی خلوص دل سے میری مدد پر آمادہ ہے جیسا کہ اس نے اظہار کیا ہے تو اس سے پورا پورا

فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔ اس کی قوت کسی ایسی شخصیت پر تو استعمال ہوسکتی ہے جو براہ راست ان لوگوں سے متعلق ہے اور وہ شخصیت کیلی پیٹرسن کی بھی ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے ڈاکٹر اس سے ملاقات بھی کرسکتا ہے۔ میں اس خیال کے تانے بانے بنتا رہا اور پھر دوسری صبح میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر میجر یوسف سے گفتگو کی۔ "اس موضوع پر آپ سے کوئی گفتگو نہیں ہوسکی میجر! لیکن آج آپ سے بات کرنا ضروری تھا!"

"مجھے بھی رات کو ایک اہم اطلاع ملی ہے شہاب! رات کو میں کئی بار تمہارے پاس آیا تھا لیکن تم موجود نہ تھے!"

"اوہ' کیا اطلاع ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کرنل جہانگیر کو اس کی رہائش گاہ سے اغوا کرلیا گیا ہے۔ خاصا ہنگامہ بھی ہوا ہے۔ پولیس کا خیال ہے کہ دو گروہوں نے یہ کوشش کی ہے اور ان میں آپس میں جنگ بھی ہوئی ہے!" میجر یوسف نے کہا۔

"کیا یہ خبر اخبارات میں آگئی ہے میجر!"

"نہیں بلکہ اخبارات کو یہ خبر چھاپنے کی ممانعت کر دی گئی۔ ایک اہم شخص سے فون پر میری گفتگو ہوئی تھی وہ پولیس میں ایک اعلیٰ عہدیدار ہے۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ میں اور کرنل گہرے دوست ہیں۔ افسوس شہاب! بے چارہ کرنل مصیبتوں کا شکار ہوگیا ہے۔ نہ جانے اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ اس کا ستارہ بری طرح گردش میں آگیا ہے۔ اسی افسر نے ایک اور اطلاع بھی دی ہے!"

"وہ کیا؟"

"چند روز قبل کرنل کی بیٹی بھی اغوا کرلی گئی تھی اور وہ ابھی تک لاپتہ ہے!"

"ہوں! دونوں باتیں میرے علم میں ہیں میجر!" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور میجر چونک پڑا۔

"کرنل کے اغوا کا علم ہے تمہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں ہم ان ستاروں کا تعاقب کر رہے ہیں جو گردش میں آگئے ہیں اور ایک ایک کرکے ہم ان ستاروں کو گردش سے باہر لا رہے ہیں۔ آپ ایک ذمہ دار اور میری اپنی نگاہ میں اپنے وطن کے مخلص انسان ہیں اس لئے ذاتی رسک پر چند انکشافات کر رہا ہوں!"

"تمہارا شکریہ شہاب! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا!"

"سازش کا گڑھ تیل کالونی ہے اور یہاں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو مکمل طور پر ہمارے وطن کے مفادات کے خلاف ہے!"

"اوہ! کیا تم اس گروہ کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرسکتے ہو!"

"صاحبزادی تبسم کا خیال ہے کہ میں چند آوارہ گردوں کے ساتھ مل کر صرف آوارہ گردی کر رہا ہوں لیکن میجر..........!"

"ارے وہ بچی ہے۔ اس کی کسی بات سے اس کا اظہار ہوا ہے تو براہ کرم تم اس پر توجہ نہ دینا۔ وہ حقیقت سے لاعلم بھی تو ہے!" میجر نے میری بات درمیان سے کاٹ دی۔

"نہیں میجر! میں جانتا ہوں۔ آپ ان لائنوں پر نہ سوچیں۔ ہاں تو آپ کو مطمئن کرنے کے لئے عرض کر رہا ہوں کہ کرنل ہماری تحویل میں ہیں۔"

"کک.......... کیا مطلب؟"

"ہاں انہیں ہم نے اغوا کیا ہے۔ ان کی حفاظت اور انہیں مزید الجھنوں سے بچانے کے لئے یہ ضروری تھا!"

"خدا کی پناہ! کیا یہ حقیقت ہے۔ واقعی اس سے عمدہ ترکیب کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ کرنل اگر خود روپوش ہوتا تو وہ مختلف طریقوں سے اس پر دباؤ ڈال سکتے تھے لیکن اغوا کا ڈرامہ.......... واقعی بہترین خیال تھا!"

"یہ اسی رات کی بات ہے جب میں آپ سے اجازت لے کر باہر گیا تھا اور میرا دوست میرے پاس آیا تھا!"

"سمجھ گیا۔ میں سمجھ گیا!" میجر کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔

"اس کے باوجود میجر! وہ لوگ بھی اسے ڈرامہ سمجھ سکتے ہیں اور دباؤ کی کوشش وہ ضرور کریں گے اور آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی عرض ہے کہ کرنل کی لڑکی ہما یہاں تیل کالونی میں موجود ہے!" میں نے کہا اور کرنل اچھل پڑا۔

"کیا.......... کیا یہ حقیقت ہے؟" اس نے ہیجان کے عالم میں کہا۔

"ہاں میجر!"

"اور تم ان لوگوں کا پتہ چلا چکے ہو جو اس کے اغوا کے ذمہ دار ہیں..........!"

"بلاشک!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب.......... تب تم اسے برآمد کیوں نہیں کرا دیتے! ان لوگوں کو قانون کے حوالے کیوں نہیں کرا دیتے! یہ تو بہترین موقع ہے!"

"یہ ممکن نہیں ہے میجر! آپ بہت نیچے پیمانے پر ان کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ بات صرف کرنل جہانگیر کی نہیں ہے۔ ہمیں ان لوگوں کی سازش کا راز بھی معلوم کرنا ہے آخر وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"لیکن کرنل جہانگیر بے چارہ تختہ مشق بنا ہوا ہے!"

"کسی نہ کسی کو تو بننا ہی تھا۔ ہمیں پورا پورا احساس ہے لیکن مجبوری ہے!"

"میں کرنل کے لئے بہت پریشان ہوں لیکن تم لوگوں کی کارکردگی بھی اعلیٰ پیمانے کی ہے اس لئے کافی اطمینان ہوا ہے۔ بہرحال میری طرف سے اس پیش کش پر یقین کرلو کہ میں ہر سطح پر تمہارے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں خواہ مجھے اس کے لئے اتنی ہی مشکلات کا شکار کیوں نہ ہونا پڑے جتنی بے چارہ جہانگیر اٹھا رہا ہے!"

"آپ کا خلوص قابل قدر ہے میجر یوسف! میں دل سے آپ کی اس پیش کش کی قدر کرتا ہوں۔ بہرحال میں ان تمام معاملات میں آپ کے مکمل تعاون کا طلبگار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اس تعاون سے محروم نہ رہوں گا!"

"تمہیں یہ الفاظ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے!"

"دراصل میجر! اس سلسلے میں مجھے کچھ ایسے اقدامات بھی کرنا پڑیں گے جو آپ کی یا خواتین کی نگاہوں میں ناپسندیدہ ہوں لیکن آپ یقین کریں کہ وقت کی ضرورت کے تحت یہ انتہائی ضروری ہوں گے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں!"

"میں بھی جہاندیدہ انسان ہوں شہاب! تم نے ایسا کیوں سوچا کہ میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں گا۔"

"ہرگز نہیں میجر یوسف! بس میں نے یونہی آپ کو آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔ ممکن ہے آج رات یا کل رات میں یہاں کسی خاتون کو لے کر آؤں' لیکن آپ یقین کریں کہ وہ صرف ضرورت کے تحت ہوگا!"

"مجھے یقین ہے اور تم یہ کام بے تکلفی اور اعتماد سے کرسکتے ہو!"

"بہت بہت شکریہ میجر! میں آپ سے کرنل جہانگیر کے بارے میں پہلے ہی عرض کرسکتا تھا لیکن ابھی بہت سے معاملات میرے ذہن میں صاف نہیں ہیں تاہم میں بھرپور کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے کہا اور میجر نے اعتماد سے گردن ہلا دی۔

میجر یوسف سے یہ گفتگو کرنے کے بعد میں خاصی حد تک مطمئن ہوگیا تھا۔ جو پروگرام میں نے ترتیب دیا تھا اس کے تحت ٹی ٹی سے ملاقات کرنا باقی تھا۔ میرے چیف ڈاکٹر برہان نے اس کیس کے بہت سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ مختلف مواقع پر مجھے یوں محسوس ہوا تھا کہ یہ معاملہ میرے ہاتھ سے نکل کر ہماری پوری ٹیم کا معاملہ بن گیا ہے لیکن نہ تو مجھے اس سے اختلاف تھا اور نہ میں اس میں ہتک محسوس کرتا تھا کیونکہ میرے ذہن میں اس قسم کی کوئی بات ہی نہیں تھی، کوئی بھی کیس ہم سب کی مشترکہ محنت سے حل ہوتا تھا اور اگر اس میں ڈاکٹر برہان اور دوسرے لوگ بھی شامل ہوگئے تھے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی میری فطرت کے خلاف تھی کہ میں ڈاکٹر برہان کی انگلی پکڑ کر چلنا شروع کر دیتا۔ اس کی جانب سے مجھے جو ہدایات مل رہی تھیں ان پر بھی عمل کر رہا تھا اور اپنے طور پر بھی کوشش کر رہا تھا چنانچہ آج ڈاکٹر ٹی ٹی سے بے حد اہم گفتگو کرنی تھی اور بلاشبہ یہ ایک اہم قدم تھا۔ وقت مقررہ پر ڈاکٹر ٹی ٹی کی متعین کردہ جگہ پر پہنچ گیا اور ہم دونوں گفتگو کے لئے میجر یوسف کی رہائش گاہ پہنچ گئے۔ تبسم کہیں گئی ہوئی تھی۔ صرف بیگم یوسف تھیں جنہوں نے سادہ دلی سے ہمیں خوش آمدید کہا تھا اور پھر انہوں نے خاطر مدارت کا انتظام بھی کر دیا۔

"ہاں ڈاکٹر! آپ نے یقیناً" کوئی بہتر ترکیب سوچی ہوگی!"

"ہاں کچھ سوچا ہے میں نے اس بارے میں!"

"مجھے بتانا پسند کریں گے؟"

"ظاہر ہے تم سے مشورہ بھی ضروری ہے!"

"تو پھر.........؟"

"کیلی پیٹرسن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ڈاکٹر نے سوال کیا اور میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ تو ڈاکٹر نے بھی یہی سوچا ہے جو میں نے سوچا تھا لیکن اب یہ سہرا ٹی کے سر ہی رہے تو بہتر ہے یہ میں نے سوچا اور اسی لئے میں نے فوراً" کہا۔

"بہت عمدہ سوچ ہے ڈاکٹر! بلا مبالغہ انتہائی ذہانت آمیز!"

"اس سوال سے تم کس نتیجے پر پہنچے؟"

"کیلی ان لوگوں میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے غالباً" اس کا قیام بھی مسٹر پیکو کے ساتھ ہے۔ وہ سارے معاملات سے واقف معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اگر آپ کسی طرح اسے ٹرانس میں لاکر ہدایت کریں کہ وہ آج رات کلب پہنچ جائے اور پھر وہاں سے اسے ہم لوگ کسی ایسی جگہ لے جائیں جہاں اس سے معلومات حاصل کی جاسکیں۔ اس طرح ہمیں بڑی مدد مل سکتی ہے اور ممکن ہے ہم کوئی مفید ذریعہ دریافت کرسکیں!" میں نے کہا اور ڈاکٹر ٹی ٹی منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"کیا آپ میرے خیال سے متفق نہیں ہیں ڈاکٹر!" میں نے سوال کیا اور ڈاکٹر تھوک نگل کر بولا۔ "کیا تمہیں ٹیلی پیتھی سے واقفیت ہے؟ سچ بولنا شہاب! جب ہم دوست بن گئے ہیں تو خود کو ایک دوسرے سے چھپانا ناانصافی ہے!"

"نہیں ڈاکٹر! ایسی کوئی بات نہیں بلکہ ہم دونوں نے حیرتناک طور پر ایک ہی بات سوچی ہے۔ یقین کریں میں نے رات کو کافی سوچنے کے بعد جو فیصلہ کیا تھا وہ یہی تھا کہ ہم کیلی پیٹرسن کو ہدف بنائیں!"

"تب یہ واقعی حیرت کی بات ہے، اسے تم یکساں ذہانت کا نام دے سکتے ہو! بہرحال تم اس پروگرام سے متفق ہو؟"

"مکمل طور پر!"

"لیکن ہم لڑکی کو کہاں لے جائیں گے!"

"اسی جگہ لائیں گے ڈاکٹر! میں نے انتظامات کرلئے ہیں۔ ہمیں کوئی دقت نہیں ہوگی!"

ڈاکٹر دیر تک مجھ سے اس سلسلہ کے اہم پہلوؤں پر گفتگو کرتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے اب مجھے اجازت دو۔ ہاں شام کو آٹھ بجے حسب معمول کلب میں ملاقات ہوگی اور تم فکر مت کرنا ہمیں گفتگو کرنے کا موقع مل جائے گا!"

"اوکے ڈاکٹر!" میں نے کہا اور ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑ کے آیا۔ اس کے جانے کے بعد میں دوسرے اقدامات پر غور و خوض کے بعد میں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ ہماکو ان لوگوں کے چنگل سے نکال لیا جائے۔ ممکن ہے جھلائے ہوئے لوگ اسے نقصان پہنچانے کی

کوشش کریں۔ فی الوقت ہما کو میجر یوسف کے ہاں چھپایا جاسکتا ہے اور اس کے بعد کسی مناسب موقع پر اسے بھی دارالحکومت پہنچا دیا جائے گا! یہ فیصلے اطمینان بخش تھے۔ شام کو حسب معمول میں تیار ہو کر کلب پہنچ گیا۔ وقت سے کچھ پہلے آگیا تھا۔ ڈاکٹر ابھی تک نہیں پہنچا تھا اور چند ہی منٹ کے بعد مجھے ڈاکٹر کی صورت نظر آگئی۔ حسب معمول ایک خوبصورت لباس میں ملبوس تھا۔ بڑی اٹھلاتی ہوئی چال چلتا ہوا وہ مجھ تک پہنچا اور پھر مجھ سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔ میں نے بہت سے ہونٹوں پر مسکراہٹیں دیکھی تھیں لیکن ڈاکٹر ان سب باتوں سے بے نیاز تھا۔ وہ ایسی کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

"کیسے ہیں مسٹر ٹی ٹی؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہیں!" ڈاکٹر بولا اور پھر ایک دم چونک پڑا۔ "ارے یہ مصیبت......... افوہ ادھر ہی آ رہی ہے!" میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور میں بھی ایک لمحے کے لئے سٹپٹا گیا۔ ریتا گراہم اسی طرف آ رہی تھی۔

"کیا دوسرا پروگرام طے ہے ڈاکٹر!"

"ہاں' اب سے چند منٹ کے بعد وہ پہنچنے والی ہے۔ میں نے سب کچھ ٹھیک کر لیا ہے!" اس دوران ریتا ہمارے پاس پہنچ چکی تھی۔ وہ بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر بولی۔ "کیسے ہیں آپ دونوں.........؟"

"تمہیں کیسے لگ رہے ہیں؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"بہت ہی عمدہ' بے حد اسمارٹ!" وہ ہنس کر بولی۔

"یہ بات تم ہم دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں کہہ رہی ہو یا دونوں کے.........؟"

"دونوں کے......... مقامی لوگوں میں مسٹر شہاب ایک نمایاں شخصیت کے مالک نظر آتے ہیں اور ڈاکٹر ٹی ٹی......... وہ تو پورے یورپ کے نمائندہ ہیں۔ خوش اخلاق' خوش لباس!"

"نہیں چلے گی خاتون! ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔ آپ کو ہم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ دوسرا اس کے حق میں دستبردار ہو جائے گا!"

"کیا مطلب؟ کیا دوستی میں اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے!" ریتا نے سوال کیا۔

"صرف خواتین کی دوستی میں!" ٹی ٹی نے جواب دیا اور ریتا کسی قدر سنجیدہ ہو گئی۔

"کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے مسٹر شہاب!" اس نے پوچھا۔

"میں کسی بھی سلسلہ میں اپنے دوست سے اختلاف نہیں رکھتا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ریتا کی سنجیدگی کچھ گہری ہو گئی۔ تب اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "معذرت خواہ ہوں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں فلرٹ نہیں ہوں۔ نہ جانے کون سے جذبے کے تحت آپ کے درمیان آگئی تھی لیکن اس طرح منسوب ہونا مجھے پسند نہیں ہے اس لئے میں آپ کی دوستی کی اہل نہیں ہوسکتی!" وہ اٹھ گئی۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ہم سے کافی دور چلی گئی تھی۔ غالباً کافی بددل ہو چکی تھی۔ ابھی ہم نے اس پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کیا تھا کہ کیلی پیٹرسن اندر آتی نظر آئی۔

"بڑا اچھا ہوا۔ ورنہ خواہ مخواہ ہمارے پروگرام میں گڑبڑ ہو جاتی۔" ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔

"پروگرام کیا ہے ڈاکٹر؟" میں نے پوچھا۔

"تم اس کے ساتھ رقص کرو گے۔ میں پہلے ہی راؤنڈ میں اٹھ کر اپنی کار میں چلا جاؤں گا۔ راؤنڈ کے خاتمے پر تم اس سے باتیں کرتے ہوئے باہر آجانا' وہ تم سے پورا تعاون کرے گی!"

"اوکے!" میں نے کہا کیلی سیدھی ہماری میز پر آگئی تھی۔

"ہیلو شریف لوگو! میرا خیال ہے ہم لوگ ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں!" وہ بولی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"اوہ کیلی سوئٹ ہارٹ! تم تو ہمیشہ کے لئے ذہنوں پر چھا جانے کی حیثیت رکھتی ہو۔ اس کے بعد یہ سوال کیا معنی رکھتا ہے!" ڈاکٹر نے گردن خم کر کے کہا۔

"آپ کیسے ہیں جناب؟"

"ٹھیک ہوں مس کیلی! آپ سے دوبارہ ملاقات کا خواہاں تھا!"

"میں آگئی۔" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہاں ڈاکٹر میرے لئے بلوجگ منگوائیں۔ شکریہ!" اور ڈاکٹر نے چٹکی بجا کر ویٹر کو طلب کیا۔ میں نے اور ڈاکٹر نے اپنے

لئے ایک علیحٰدہ مشروب منگوالیا اور کیلی کے لئے لیڈیز کاک ٹیل کا بلوجگ طلب کرلیا گیا۔ مشروب سرو ہو جانے کے بعد وہ بڑے خوشگوار انداز میں اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگی۔ بے حد خوبصورت اور اسمارٹ لگ رہی تھی اور اس کے کسی بھی انداز سے یہ نہیں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی قسم کے ٹرانس میں ہے اور یہ ڈاکٹر کا کمال تھا۔ ہم لوگ دلچسپ گفتگو کے دوران مشروب سے شغل کرتے رہے اور انتظار کرتے رہے کہ رقص کے لئے موسیقی شروع ہو۔ موسیقی شروع ہوئی تو میں نے ڈرامائی انداز میں کیلی سے رقص کی فرمائش کی اور وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ دوسرے جوڑے بھی جوبلی فرش کی طرف چل پڑے۔ ڈاکٹر اس طرح اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا جیسے وہ بھی رقص کے لئے جا رہا ہو لیکن وہ غیر محسوس انداز میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اٹھتے ہوئے وہ بل کی رقم چھوڑ گیا تھا۔

رقص کے دوران کیلی مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ اس نے میرے رقص کی تعریف کی تھی اور پھر وہ پراسرار مشرق کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ "یہاں کے بعض لوگ اب بھی ان روایات پر پورے اترتے ہیں جو مشرق کے بارے میں مشہور ہیں!"

"آپ نے محسوس کیا ہے؟"

"ہاں۔ خاص طور پر آپ سے ملاقات کے بعد!"

"اوہ' میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں!"

"حالانکہ مشرق کسی دور میں پراسرار روایات کا حامل تھا' ہم لوگ اس کی کہانیاں بڑے تعجب سے سنتے تھے لیکن نہ جانے کیوں وہ خود کو چھوڑ کر مغرب کی تقلید میں مصروف ہوگیا ہے اور یہ تقلید اس سے اس کی کشش چھین رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟"

"مغرب کی چمک خیرہ کن ہے اور تیز چمک میں انسان دور تک نہیں دیکھ سکتا!" میں نے جواب دیا۔

"یہی بات ہے جہاں اس چمک کا اختتام ہوتا ہے وہاں اتنی گہری تاریکی ہے کہ خود اہل مغرب خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ اس اتھاہ تاریکی کے بعد انہیں روشنی کی کوئی رمق نظر نہیں آتی اور وہ خلا میں ہاتھ پاؤں مارنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے!"

"آپ کو مشرق کی سادگی پرکشش محسوس ہوتی ہے؟"

"بے حد میں نے مشرق پر بہت کچھ پڑھا اور اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ

جاننے کی شوقین رہی ہوں!" کیلی نے جواب دیا۔ موسیقی بند ہوگئی تھی اور تالیوں کے شور کے ساتھ رقص کا پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا تھا۔

"مشرق کے لئے سفر کرتے ہوئے آپ کے ذہن میں یہ خیالات بھی ہوں گے کہ اب آپ اس پرکشش سرزمین پر جا رہی ہیں!"

"دیوانی تھی۔ یہاں میری ملاقات چند افراد سے ہوئی تھی بے حد نفیس لوگ تھے۔ اتنے بااخلاق کہ ان سے دور ہونے کو دل نہ چاہے لیکن پھر وہ چلے گئے۔ مجھے انہوں نے اپنے وطن آنے کی دعوت دی تھی لیکن میں............"

"ہاں آپ کچھ بتا رہی تھیں!"

"بس میں ان تک نہ پہنچ سکی!" وہ پژمردہ سے انداز میں بولی۔

"یہاں آنے کے بعد بھی!" میں نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں حالات نے اجازت ہی نہیں دی۔" وہ میرے ساتھ عقبی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"یقیناً" کچھ ایسی ہی کچھ ناگزیر وجوہ ہوں گی جن کی بناء پر آپ اپنے پسندیدہ لوگوں سے بھی نہیں مل سکیں!" میں نے ڈاکٹر کو اشارہ کیا اور اس نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔

"کچھ وجوہ اپنی ذات میں ہی گھٹ جاتی ہیں ہم انہیں زبان پر نہیں لاسکتے!" کیلی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"میں آپ کے لئے افسردہ ہوں مس کیلی پیٹرسن! کاش میں آپ کے کسی کام آسکتا!" میں نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"تم مشرقیوں میں یہ خوبی بھی ہوتی ہے۔ میں نے بارہا محسوس کیا ہے ہم لوگ تہذیب و تمدن کے لئے بڑے بڑے ادارے قائم کرتے ہیں لیکن عملی طور پر ہم صفر ہیں! جہاں کوئی حاسد ہمارے کسی درمیان حائل ہوا ہم پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن آپ لوگ.........!" وہ کہہ رہی تھی اور اسی اثناء میں ہم منزل پر پہنچ گئے۔ کار رکنے کے بعد وہ میرے ساتھ کار سے نیچے اتر آئی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی ہم دونوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اندر چلتے ہوئے اس نے کاغذ کا ایک پرزہ میری طرف بڑھا دیا اور میں نے روشنی میں اسے پڑھ کر جیب میں رکھ دیا۔

"ہم لوگوں کے بارے میں آپ کا کیا تجزیہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ لوگ جس سے مخلص ہوتے ہیں اس کے لئے زندگی قربان کر دیتے ہیں۔ میں آپ کو خوش کرنے کے لئے یہ بات نہیں کہہ رہی۔ ایک ٹھوس حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" کیلی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"دوستوں کے لئے سب کچھ کیا جاسکتا ہے مس کیلی' بشرطیکہ وہ بھی مخلص ہوں۔"

"کیوں نہیں' خلوص کی راہیں دو طرفہ طریقوں سے استوار ہوتی ہیں میں جانتی ہوں۔" کیلی پیٹرسن نے جواب دیا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ ان لوگوں کے ہاتھوں کسی مجبوری کا شکار ہیں!"

"ہاں اور مجبوری بھی ایسی جس کا کوئی حل پاس نہیں ہے!"

کیلی ڈاکٹر کی موجودگی سے قطعی لاتعلق نظر آرہی تھی۔

"ویسے آپ مسٹر پیکو کی بیٹی نہیں معلوم ہوتیں کیونکہ ان کا نام البرٹ پیکو ہے اور آپ کیلی پیٹرسن کہلاتی ہیں۔ مسٹر پیٹرسن کون ہیں؟"

"میرے ڈیڈی!" کیلی کی آواز میں ایک سسکی سی تھی۔

"کیا وہ زندہ ہیں؟ اور مسٹر پیکو سے ان کا کیا تعلق ہے؟"

"اپنے ہی ہاتھوں الجھنوں کا شکار ہوگئے تھے۔ شریفانہ زندگی گزارتے تھے اور ایک اچھا مقام حاصل تھا انہیں لیکن ان سازشیوں کے جال میں پھنس گئے۔ بس ابتدا میں جذبہ ملی نے انہیں مجبور کیا تھا۔ کچھ ایسی ہی جذباتی گفتگو کی گئی تھی ان سے لیکن آہستہ آہستہ انہیں احساس ہوا کہ وہ کچھ جرائم پیشہ لوگوں کے آلہ کار بن چکے ہیں لیکن اس جذبہ ملی کے تحت ان سے ایسے ایسے کام کرائے گئے کہ حکومت ان کی دشمن ہوگئی اور جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تب وہ جاگے لیکن اب انہیں ڈوبنے سے کون بچاسکتا تھا سوائے ان لوگوں کے جو انہیں جرائم کی زندگی میں لائے تھے چنانچہ انہیں مردہ قرار دیدیا گیا۔ ان کی لاش بھی منظرعام پر لائی گئی اور اس کی تدفین بھی کردی گئی لیکن وہ زندہ تھے اور زندگی کی ضمانت یہی تھی کہ وہ ان جرائم پیشہ لوگوں کے لئے کام کرتے رہیں ورنہ وہ کسی بھی وقت انہیں حکومت کے حوالے کر دیتے اور ان کی زندگی ہی ان کے جرائم کا ثبوت بن جاتی"۔

"لیکن آپ ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگیں؟"

"ظاہر ہے اپنے ڈیڈی کی وجہ سے۔ ڈیڈی اعصابی مریض بن گئے تو ان کی کسران کی بیٹی سے پوری کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور مجھے تمام حالات سے آگاہ کرکے میرے ڈیڈی سے ملا دیا گیا۔ ان کی زندگی کی خوشی میرے لئے برداشت سے باہر تھی لیکن اس خوشی کو قائم رکھنے کے لئے مجھے اپنی قربانی دینی پڑی اور اس کے بعد تو میں اس کی زندگی کی عادی ہوگئی۔ اب میرے ڈیڈی ان کے پاس ہیں لیکن مجھے خوشی ہے کہ وہ زندہ ہیں!"

"واقعی افسوسناک کہانی ہے لیکن جرائم پیشہ افراد کے اس گروہ کا سرغنہ کون ہے؟"

"کبھی نہیں معلوم ہوسکا اور نہ معلوم ہوسکتا ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں ان کے جال پھیلے ہوئے ہیں۔ لوگ بدلتے رہتے ہیں۔ میں خاصی سینئر ہوچکی ہوں۔ ویسے مسٹر پیکو کے ساتھ مجھے تقریباً تین سال گزر چکے ہیں!"

"گویا مقامی سربراہ مسٹر پیکو ہی ہیں!"

"ہاں اور مسٹر ڈریک ان کے اسسٹنٹ!"

"دوسرے لوگ بھی ہوں گے؟"

"ایون گرے کی پوری ٹیم اس گروہ سے متعلق ہے!"

"لیکن یہاں وہ کس پروگرام کے تحت آئے ہیں؟"

"ان کے پروگرام ذاتی نوعیت کے نہیں ہوتے بلکہ عموماً وہ حکومتوں کے لئے کام کرتے ہیں۔ کوئی نامعلوم طاقت یہ نہیں چاہتی کہ آپ کا ملک تیل کی پیداوار میں کوئی نمایاں مقام حاصل کرے۔ چنانچہ ان لوگوں کی مدد سے اس نے اپنی اس خواہش کی تکمیل کا راستہ تلاش کرلیا اور براہ راست اس کوشش میں ملوث نہیں ہوئی۔ رہی اس طاقت کی بات تو نہ جانے گروہ کے کس درجے کے لوگوں کو اس بارے میں معلوم ہوگا۔ عام لوگ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے وہ تو صرف کارکن ہیں اور انہیں پلان دے کر بھیجا گیا ہے۔ خوبصورت پلاننگ میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اب یہی دیکھ لیں کہ وہ یہاں کس خوبصورتی سے اپنا کام کر رہے ہیں!"

"مثلاً ان کی پلاننگ کیا ہے؟"

"ایون گرے تیل کی کھدائی کے ایک خاص شعبے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ یہاں آپ کے لئے کام کر رہی ہے۔ میرے خیال میں آپ کے ملک میں طویل عرصہ تک

کام نہیں ہوسکے گا اور اس کے لئے انہوں نے ایک کاؤنٹر پلان بھی بنا رکھا ہے!"

"وہ پلان کیا ہے؟"

"آپ کا ایک پڑوسی ملک اندرونی بحران کا شکار ہے۔ ایسے حالات پیدا کئے گئے ہیں کہ آپ کے ملک سے اس کے تعلقات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جائیں اور یہ اختلافات کوئی سنگین صورت حال اختیار کر جائیں۔ اس طرح آپ کی توجہ اس سمت رہے اور کسی گڑبڑ کی پوری ذمہ داری آپ اس ملک پر ڈال دیں۔ اس کے لئے آپ کے فوجی ڈیپارٹمنٹ سے ایک فائل حاصل کی گئی ہے جس کی مدد سے انہیں اپنے کام میں آسانی ہو جائے۔ اس فائل کے ذریعہ پڑوسی ملک کو ورغلایا جاسکتا ہے لیکن ان کی بدقسمتی سے وہ فائل نامکمل ہے اور شاید اسی بنیاد پر ان کا کام رکا پڑا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک ایسے شخص کا انتخاب بھی کیا ہے جو یہاں بااثر ہے اور اس شخص کا نام خان جلال ہے۔ یہ شخص پڑوسی ملک سے ہمدردی رکھتا ہے اور اس کا کارکن ہے۔ چنانچہ اگر فائل کا راز کھل بھی جائے تو اس شخص کو سامنے کرکے سارا کھیل ان کے حق میں ہو جائے گا اور وہ صاف بچ جائیں گے۔ کوئی جواب ہے اس پلاننگ کا.........!" شدت جذبات سے میرا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اس وقت میں یہ باتیں ریکارڈ کرسکتا۔ کاش مجھے حالات کے اس رخ کا علم ہو جاتا لیکن اب افسوس کے سوا کیا حاصل تھا؟ بہرحال یہ انکشاف معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔ میں نے ڈاکٹر ٹی ٹی کا چہرہ دیکھا اور ڈاکٹر مسکرا دیا۔ پھر وہ کیلی پیٹرسن کی آنکھوں میں دیکھتا آگے بڑھ گیا۔ "تمہاری یہ معلومات سو فیصد حقائق پر مبنی ہیں؟"

"ہاں میں ان لوگوں میں گرین کارڈ رکھتی ہوں"۔

"ہاں، تب تم ریکارڈ روم سے بھی واقف ہوگی!" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ہاں!" کیلی نے جواب دیا۔

"تمہارا شکریہ کیلی! لیکن اب تم ایک کام کرو گی لیکن پوری ذہانت اور احتیاط کے ساتھ۔ ریکارڈ روم سے پلان گائیڈ فائل نکال لاؤ۔ ریکارڈ......... روم......... سے......... پلان گائیڈ فائل نکال لاؤ۔ یہ فائل حاصل کرکے تم اسی جگہ آؤ گی۔ کل ٹھیک نو بجے یا اگر فائل حاصل کرنے میں وقت ہو تو پرسوں ٹھیک نو بجے۔ اس دوران تم اپنا کام مکمل کرلو گی!"

"میں اپنا کام مکمل کرلوں گی!"

"میں ریکارڈ روم کی انچارج ہوں!" کیلی نے جواب دیا اور اس بار ڈاکٹر ٹی ٹی کا چہرہ بھی سرخ ہوگیا۔ خوشی کی وجہ سے میرا بھی برا حال تھا۔ کیلی کو اس کام میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ ڈاکٹر نے میری طرف دیکھا اور میں نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ گردن ہلا دی۔ تب ڈاکٹر نے کیلی کو مخاطب کرکے کہا۔ "لیکن ڈیئر کیلی! تم بے حد خوبصورت رقص کرتی ہو۔ افوہ کتنی دیر سے تم ان کے ساتھ رقص کر رہی ہو جو لمحات تمہاری زندگی سے کم ہوتے ہیں تمہیں کبھی یاد نہیں آئیں گے۔ تم تردد ہی نہیں کرو گی اور صرف اپنا کام کرو گی۔ کیا تم نے ذہن نشین کرلیا؟"

"ہاں، میں نے ذہن نشین کرلیا"۔

"اب تمہیں اسی جگہ ہوش کی منزل میں آنا ہے جہاں تم رقص کر رہی تھیں!" ڈاکٹر نے کہا اور کیلی خاموش ہوگئی۔ تب ڈاکٹر نے مجھے اشارہ کیا اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ "اسے گاڑی میں لے چلو۔ ہمیں بہت جلد واپس کلب پہنچنا ہے۔ فکر مت کرو۔ ابھی یہ تمہارے احکامات کی تعمیل کرے گی"۔

دیر کرنا بے سود تھا۔ خوشی اور تحسین سے میرے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ میں نے کیلی کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کار برق رفتاری سے کلب کی طرف دوڑ رہی تھی اور میرا ذہن ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر تو کار لے کر ایک طرف چلا گیا اور میں کیلی کے ساتھ گھوم کر ایک دوسرے راستے سے کلب کے ہال میں داخل ہوگیا۔ رقص کا آخری راؤنڈ جاری تھا۔ میں جلدی سے رقص کرنے والوں میں شامل ہوگیا۔ کیلی پرسکون نظر آرہی تھی۔ پھر رقص ختم ہونے کے بعد تالیاں گونجیں تو وہ چونک پڑی اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ "بے حد حسین رقص کرتے ہو۔ جب تک یہاں قیام ہے، روزانہ کلب آیا کرو۔ میں اب تھک گئی ہوں۔ کیا تم مجھے اجازت دو گے.........؟"

کیلی کے جانے کے بعد بھی میں اور ٹی ٹی وہیں رکے رہے۔ ٹی ٹی اپنی میز پر نظر آرہا تھا چنانچہ میں اس کے پاس جا بیٹھا اور ہم نے ایک مشروب طلب کرکے اس کے سپ لینا شروع کر دیئے۔

"مطمئن ہو.........؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ ہیں ڈاکٹر......... تم نے........."

"جو کچھ کیا ہے اس میں میرا اپنا مفاد بھی وابستہ ہے۔ میں اس غلامی سے تنگ آچکا ہوں"۔

"ایک حماقت ہوگئی ہے ڈاکٹر!"

"کیا؟"

"کاش میں اس کی گفتگو ریکارڈ کرسکتا؟" میں نے حسرت سے کہا۔

"اول تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ وہ فائل ضرور لے آئے گی اور اگر تم اہمیت سمجھتے ہو تو واپسی میں میری جیب سے پوائنٹ فور کا ریکارڈر نکال لینا۔ یہ کام میں نے کرلیا ہے"۔ ڈاکٹر نے جواب دیا اور ایک بار پھر میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں ڈاکٹر کی شکل دیکھتا رہ گیا۔ یہ شخص واقعی میرے لئے انتہائی کارآمد ثابت ہو رہا تھا اور اگر یہ میرے ساتھ مستقبل میں بھی رہا تو میں بیش بہا فائدے حاصل کرسکتا ہوں۔ "کیوں کیا سوچنے لگے!" چند منٹ کے بعد ڈاکٹر ٹی نے پوچھا۔

"آپ کے ذہن میں اس کی گفتگو ریکارڈ کرنے کا خیال کیسے آگیا ڈاکٹر.........!"

"بس یونہی! میں نے سوچا شاید اس کی ضرورت پیش آ جائے۔ یہ ٹیپ ریکارڈر مجھے میرے ایک شناسا نے تحفتہً دیا تھا۔ پہلی بار استعمال کیا ہے میں نے!"

"آپ بے حد ذہین ہیں ڈاکٹر......... لیکن ہاں ایک بات اور........."

"کیا.........؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ گرین کارڈ کیا ہے؟ آپ اس کی اصطلاح سے تو واقف ہوں گے!"

"ہاں! پارٹی کے عہدوں کی تخصیص ہوتی ہے۔ میں سلور کارڈ رکھتا ہوں۔ یہ دوسرے نمبر کا کارڈ ہے۔ سب سے چھوٹا عہدہ سفید کارڈ کا ہوتا ہے۔ پھر بلو کارڈ' اور پھر ریڈ کارڈ۔ ریڈ کارڈ رکھنے والے لڑائی بھڑائی کا کام کرتے ہیں۔ مخصوص قسم کے انجینئر یا کسی خاص صفت کے لوگ سلور کارڈ ہوتے ہیں جیسے میں۔ اس کے بعد ڈبل کلر ہوتے ہیں یعنی وہائٹ اور گرین اور اس کے بعد گرین کارڈ کی باری آتی ہے! گرین کارڈ کے بعد گولڈن کارڈ۔ یہ انچارج ہوتے ہیں جیسے البرٹ پیکو۔ بس عہدے یہاں تک ہیں ان کے بعد پوشیدہ لوگ ہوتے ہیں جو صرف لاسلکی ذرائع مواصلات پر احکامات جاری کرتے ہیں اور براہ راست کسی سے واسطہ نہیں رکھتے۔ یہ ہے پارٹی کی تفصیل!"

"خوب! اس کا مقصد ہے کہ گرین کارڈ بڑا عہدہ ہوتا ہے!؟"

"ہاں' ڈریک نوبل بھی گرین کارڈ رکھتا ہے!" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ میں سخت ہیجان خیزی کا شکار تھا۔ پھر وہاں سے ہم اٹھ گئے۔ ڈاکٹر نے راستے میں مجھے چند ہدایات دیں اور اس کے بعد وہ مجھے میجر کی رہائش گاہ پر چھوڑ کر چلاگیا لیکن یہ رات' نہ سونے کی رات تھی۔ انتہائی کوشش کے باوجود مجھے نیند نہیں آئی۔ میں نے کار میں بیٹھ کر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وہ ننھا سا ٹیپ ریکارڈر نکال لیا تھا اور اب درجنوں بار کیلی گراہم کی آواز سن چکا تھا۔ بڑے خوفناک انکشافات تھے۔ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو جب اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی تو تہلکہ مچ جائے گا۔ اس نوعیت کا یہ پہلا کیس ہمارے پاس آیا تھا۔ اب فائل کا معاملہ تھا۔ فائل کے حصول کے بعد مجھے تیل کالونی چھوڑنی پڑے گی۔ ان حالات میں ڈاکٹر برہان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم غیر مناسب ہوگا!

رات کے کسی پہر میں سوگیا تھا لیکن صبح چھ بجے پھر آنکھ کھل گئی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا پھر ہوا خوری کے لئے باہر نکل گیا۔ ذہن پر گرانی تھی لیکن تبسم نظر آگئی۔ حسب معمول اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ وہ صبح خیزی کی عادی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور وہ اخلاقاً مسکرا دی۔

"کیا بات ہے مس تبسم! آج کل آپ اپنے نام کی ضد ہو رہی ہیں!"

"آپ نے میرے بارے میں سوچنا کیوں شروع کر دیا؟" وہ کسی قدر خشک لہجے میں بولی۔

"اوہ' معافی چاہتا ہوں۔ شاید ذہن پر گراں گزرا ہوں۔ سوری"۔ میں واپس پلٹا لیکن فوراً ہی تبسم کی آواز سنائی دی تھی۔ "سنئے' آپ غلط سمجھے!"

"نہیں مس تبسم! آپ کی صاف گوئی اور صاف طبیعت کی قدر کرتا ہوں۔ صبح ہی صبح میری صورت بلاوجہ نظر آ جاتی ہے۔ آپ انحراف نہ کریں ورنہ آپ کی شخصیت ہلکی نظر آتی ہے!"

"مگر میری کس بات سے آپ نے یہ اندازہ لگایا؟" اس نے پوچھا اور میں صرف مسکرا کر خاموش ہوگیا۔ وہ بھی تھوڑی دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "آپ ناراض ہوکر جا رہے تھے!"

"نہیں' یقین کریں نہیں۔ صرف یہ سوچ کر جا رہا تھا کہ آپ مجھے یہاں پسند نہیں

کرتیں!"

"غلط اندازہ ہے آپ کا۔ بس میں تو............ میں تو............ یوں سمجھیں میں اپنے آپ کو قصوروار سمجھتی ہوں"۔

"کیوں؟"

"ٹی ٹی اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ ایک بدنام شخص ہے۔ میں نے خواہ مخواہ آپ کو اس سے متعارف کرایا!"

"کیا بگاڑ لے گا وہ میرا؟"

"اخلاق! آپ ناراض نہ ہوں تو میں اپنی حدود سے زیادہ بول رہی ہوں۔ میں نے رات کو بھی آپ دونوں کو اور ایک خاتون کو یہاں دیکھا تھا۔ پھر آپ ساتھ ہی انہیں واپس بھی لے گئے تھے!"

"اوہ!" میں ہنس پڑا۔ "پھر تو معاف کیجئے ٹی ٹی نے میجر یوسف کا بھی اخلاق خراب کر دیا ہے!"

"کیا مطلب؟"

"آپ ان خاتون کے بارے میں میجر یوسف سے معلومات حاصل کر سکتی ہیں کیونکہ ان کی اجازت سے انہیں یہاں لایا گیا تھا!"

"نہیں!" وہ تعجب سے بولی۔ "لیکن............ لیکن کیوں............ ویسے آپ یقین کریں میں نے آج تک ممی یا ڈیڈی سے ٹی ٹی کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔ آپ لوگ۔ میرا مطلب ہے؟"

"بس بعض اوقات بدنام ہونے میں بھی لطف آتا ہے اور ہاں اگر ناراضگی دور ہوگئی ہے تو چائے............!"

"ابھی منگواتی ہوں۔ آپ یہاں رکیئے' میں ابھی کہہ کر آئی"۔ وہ بولی اور پھر تیزی سے اندر دوڑ گئی۔ میں مسکراتا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس نوک جھونک سے ذہنی تھکن تک دور ہوگئی تھی۔ تبسم بہت جلد واپس آگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا چہرہ پہلے کی بہ نسبت کسی قدر شاداب ہوگیا تھا۔

"تو بتایئے کون تھیں وہ خاتون؟"

"بس ایک غیر ملکی ادارے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا!"

"ڈیڈی کا کوئی کام تھا ان سے............؟"

"شاید............!"

"ویسے آپ کی شخصیت کسی حد تک پراسرار ہے۔ ڈیڈی بے حد سخت انسان ہیں لیکن وہ آپ کو کسی بات پر نہیں ٹوکتے!"

"بڑے مہربان انسان ہیں میجر یوسف!"

"بھئی جہاں میرا ذکر ہوتا ہے تو میں تو موجود ہوتا ہوں۔ اب بتاؤ کیا گفتگو ہو رہی تھی میرے بارے میں!" باتیں کرتے ہوئے میجر یوسف کی آواز آئی اور ہم دونوں مسکرا پڑے۔

"آپ کی مہربانیوں پر قصیدہ خوانی ہو رہی تھی ڈیڈی!"

"جاری رہے میں کوئی سن تھوڑی رہا ہوں"۔ میجر نے پرمزاح انداز میں کہا اور ہم دونوں مسکراتے رہے۔ پھر چائے آگئی اور میجر نے ہمارے ساتھ ہی چائے پی۔ تبسم پورے تذکرے کو گول کرگئی تھی۔ پھر کافی دیر تک خوش گپیاں ہوتی رہیں اور اس کے بعد ہم سب اندر چلے گئے۔

یہ سارا دن جس طرح کٹا میرا دل ہی جانتا ہے۔ دن بھر باہر نہیں نکلا۔ تبسم نہ جانے کیوں خوش نظر آ رہی تھی۔ دن میں زیادہ تر وہ میرے ساتھ رہی اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرتی رہی۔ رات کو میں تیار ہوگیا حالانکہ آج ٹی ٹی سے ملاقات کا پروگرام نہیں تھا بس ایک اضطراب سا تھا۔ آٹھ بجے میں عمارت سے باہر نکل آیا راستے سنسان تھے۔ تیل کالونی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت صرف پروجیکٹ پر رونق ہوتی تھی یا پھر کلبوں وغیرہ میں۔ رہائشی علاقہ بے حد پرسکون ہوتا تھا۔ میں نے ٹھیک پونے نو بجے ایک سایہ دیکھا جو عمارت کے عقب سے نکل کر آیا تھا۔ میں چونک پڑا۔ یہ کیلی نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر وہ روشنی میں آیا تو میں نے پہچان لیا۔ وہ ڈاکٹر ٹی ٹی تھا!

"ہیلو!" وہ میری طرف بڑھ آیا۔

"ہیلو ڈاکٹر!" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"دن کے حالات پرسکون تھے کوئی خاص بات محسوس نہیں کی۔ خان جلال آیا تھا اور سرشام واپس چلا گیا۔ ویسے ان لوگوں کو بھی کرنل کی گمشدگی کا علم ہوچکا ہے اور شاید خان جلال اس سلسلہ میں زیادہ پریشان تھا"۔ ڈاکٹر نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"نہ جانے ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟" میں پرخیال انداز میں بولا۔

"مکمل تفصیل تو نہیں معلوم ہو سکی لیکن ان کے خیال میں کرنل جہانگیر نے خود ہی اپنی گمشدگی کا ڈرامہ کیا ہے!"

"اوہ! میرا بھی یہی اندازہ تھا!"

"البتہ وہ اپنے ایک ساتھی ٹول کے لئے پریشان ہو گئے ہیں۔ ٹول ایک عیاش طبع شخص تھا اور اکثر غائب ہو جاتا تھا لیکن اس بار وہ خان جلال کی شکار گاہ میں بھی موجود نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اس کے بارے میں کافی تشویش کا اظہار کیا ہے!"

"خوب!" میں مسکرانے لگا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "فائل مل جانے کے بعد ہمیں ایک اور اہم کام کرنا ہے ڈاکٹر!"

"کیا؟"

"ہما کو ان کے قبضے سے نکالنا ضروری ہے۔ کرنل کی گمشدگی کو ڈرامہ سمجھ کر ان کے اطمینان کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہما ان کے قبضے میں ہے!"

"اوہ یہ ایک مشکل کام ہے۔ ہرچند وہ لڑکی میرے ٹرانس میں ہے اور میں اسے وہاں سے چلے آنے کے احکامات بھی دے سکتا ہوں لیکن ان لوگوں نے اسے انتہائی احتیاط سے رکھا ہے۔ اتنی احتیاط سے کہ مجھے بھی نہیں معلوم وہ کہاں ہے؟"

"کچھ کرنا ہی ہوگا ڈاکٹر.........." میں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں اور ڈاکٹر چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ کار ہم سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی تھی۔ پھر کیلی پیٹرسن اس سے اتری اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میجر یوسف کی رہائش گاہ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک بیک بریف کیس نظر آ رہا تھا۔

"کام ہو گیا۔ میرا خیال ہے اسے اندر لے جانے کی ضرورت نہیں ہے"۔ ڈاکٹر ٹی ٹی نے کہا اور ہم دونوں سامنے آ گئے۔ کیلی خاموشی سے ہماری طرف بڑھ آئی اور پھر اس نے اسی خاموشی سے بریف کیس میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے لے لیا۔

"تم اس وقت کلب ہی کے ارادے سے آئی ہو گی! کیلی!" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"ہاں!" کیلی کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ اس کی آنکھیں خلاء میں تک رہی تھیں!

"کیا اس میں فائل موجود ہے؟"

"ہاں!" وہ پھر اسی انداز میں بولی۔

"تمہیں کوئی دقت تو پیش نہیں آئی۔ کسی کو احساس تو نہیں ہو سکا!"

"ہما کہاں ہے؟" ڈاکٹر نے اچانک سوال کیا اور ڈاکٹر کے اس سوال پر میں بھی چونک پڑا۔ کیلی چند ساعت خاموش رہی پھر بولی۔

"خان جلال اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ مسٹر پیکو کا خیال تھا کہ کرنل کی گمشدگی کے بعد ہما کا یہاں رہنا خطرناک ہے!" کیلی نے بتایا اور میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ بہرحال یہ شاید الجھن کی بات تھی۔ ڈاکٹر نے میری طرف دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے کیلی! اب تم یہاں سے کلب واپس جاؤ گی اور پھر ہمیشہ کے لئے یہ بات بھول جاؤ گی کہ فائل کون لے گیا۔ اور تم نے اسے کس کے حوالے کیا۔ تم سب کچھ بھول جاؤ گی!" ڈاکٹر نے کہا اور کیلی نپے تلے قدموں سے واپس اپنی کار کی جانب چل پڑی۔ پھر اس نے کار اسٹارٹ کر کے واپس موڑ دی اور چند ساعت کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "ہما خاصی مشکلات میں پھنس گئی ہے!"

"ہاں ڈاکٹر! اب اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ خان جلال بے حد خطرناک آدمی ہے۔ کرنل جہانگیر سے اس کی دشمنی بھی ہے۔ ہما کے لئے بہت کچھ سوچنا پڑے گا!" میں نے اندر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور پھر میں خاموشی سے ڈاکٹر ٹی ٹی کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ میرے پورے وجود پر سکتہ طاری تھا۔ دروازہ بند کر کے میں نے تیز روشنی کر دی اور پھر ہم نے بریف کیس کھول لیا اور اسے روشنی میں دیکھنے لگے۔ فائل میں بہت سے کاغذات لگے ہوئے تھے اور ان کاغذات میں خطرناک لوگوں کے خطرناک منصوبے نمایاں تھے۔ وہ باتیں جو کیلی سے نہیں معلوم ہو سکی تھیں' ان کاغذات سے عیاں تھیں۔ بیشتر ہدایات' خطوط اور نہ جانے کیا کیا ایک حصہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ اس حصے میں چند نقشے موجود تھے اور ان میں سرخ نشانات سے کسی چیز کی نشاندہی کی گئی تھی جن کے ذریعہ پورا پراجیکٹ تباہ کیا جا سکتا تھا۔ مجھے چکر آ رہے تھے خود ڈاکٹر بھی حیران تھا۔ پھر اس نے نفرت سے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کی بھی ہمت ہے۔ خطرناک

ترین منصوبے بنانے اور ان پر عمل کرنے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے!"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔ "کیا کیلی کی حالت سے وہ مشکوک نہ ہوں گے ڈاکٹر!"

"کیا مطلب؟"

"کیلی کی بدلی ہوئی کیفیت نمایاں تھی!"

"اوہ نہیں' پورا دن وہ نارمل رہی ہوگی۔ صرف اس کے ذہن کے پوشیدہ خانے میں میرا حکم محفوظ ہوگا بس اس پر اس نے عمل کیا اور چونکہ ہدایت اس کے ذہن پر مسلط تھی اس لئے وہ خود بخود ٹرانس میں آگئی۔ میرا خیال ہے کلب واپس پہنچ کر اسے خیال بھی نہیں آئے گا کہ وہ کچھ دیر کلب سے غائب رہی ہے!"

"آپ کو یقین ہے ڈاکٹر!"

"لاتعداد تجربات ہیں۔ ان لوگوں نے بلاوجہ مجھے نہیں پالا ہوا"۔

"خوب! تو ڈاکٹر اب کیا پروگرام رکھا جائے؟"

"میں نہیں سمجھا!"

"میں اپنے چیف سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دو گے؟"

"ہاں' تم بے فکر ہو کر اپنا کام کرو۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ میں بھی تمہارا انتظار کروں گا اور تمہیں ضروری امور سے باخبر رکھوں گا!" ڈاکٹر ٹی ٹی فراخدلی سے بولا۔ میں نے خلوص دل سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ دل ہی دل میں مجھے اس بات کا اعتراف تھا کہ ڈاکٹر نے میری بھرپور مدد کی ہے ورنہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ ان خطرناک لوگوں کا راز پانے کے لئے تو مجھے بہت سخت محنت کرنی پڑتی۔ ہما خطرے میں پڑگئی تھی اور اس کے لئے فی الوقت کوئی ترکیب نہیں کی جاسکتی تھی۔ بہرحال اب ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے دیر کرنی مناسب نہیں سمجھی اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ فوری طور پر ان کاغذات کو لے کر تیل کالونی سے نکل جانا ضروری تھا ورنہ اگر ان کی گمشدگی کا پتہ چل گیا تو وہ انہیں واپس حاصل کرنے کے لئے آخری اقدام سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ بہرحال تیار ہونے کے بعد میں نے میجر یوسف سے رابطہ قائم کرنا ضروری خیال کیا۔ باہر نکلا ہی تھا کہ میجر مجھے اپنے کمرے کی طرف آتا نظر آیا۔

"اوہ شہاب! کہیں جانے کی تیاری ہے؟" اس نے فوراً کہا۔

"ہاں میجر! فی الوقت تو آپ کے پاس ہی آ رہا تھا!"

"دوسری کسی گفتگو سے قبل یہ بتادوں کہ ابھی مجھے ایک فون کال ملی ہے۔ ڈاکٹر برہان گفتگو کر رہے تھے!"

"اوہ' کیا کہا ہے انہوں نے!" میں نے پوچھا۔

"تمہیں بریگیڈئر عمران احمد کی کوٹھی پر طلب کیا ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم چاہو تو انہیں فون کر لو!"

"فون نمبر دیا ہے؟"

"ہاں!"

"خوب! ایک بڑا مسئلہ حل ہوگیا۔ آیئے پہلے میں ڈاکٹر کو فون کر لوں۔ ویسے میں بریگیڈیئر عمران کے نام سے پہلی بار متعارف ہوا ہوں............!"

"اس پورے پروجیکٹ کے جی ایم ہیں! ریٹائرڈ بریگیڈیئر عمران احمد............"

"تو ان کی کوٹھی؟"

"تیل کالونی ہی میں ہے!" میجر یوسف نے جواب دیا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ ہم دونوں فون والے کمرے میں پہنچ گئے اور پھر میجر یوسف نے فون نمبر دوہرا دیئے۔ چند ساعت بعد رابطہ قائم ہوگیا۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی تھی۔

"میں ڈاکٹر برہان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!" میں نے کہا۔

"کون صاحب ہیں؟"

"شہاب تیموری!"

"براہ کرم انتظار کریں!" کہا گیا اور چند ساعت کے بعد ڈاکٹر برہان کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو شہاب! میرا پیغام ملا ہوگا!"

"جی!"

"جتنی جلدی ممکن ہو پہنچ جاؤ۔ میجر یوسف تمہیں یہاں پہنچا دیں گے!"

"جس جگہ آپ نے مجھے طلب کیا ہے ڈاکٹر! کیا وہ پوری طرح محفوظ ہے؟"

"ہاں' یقیناً۔ کیوں؟"

"میں پہنچ رہا ہوں"۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر کے جواب کا انتظار کئے بغیر فون رکھ

دیا۔ "آپ کو تکلیف کرنا ہوگی میجر!"

"ہاں ضرور چلو"۔ میجر نے مستعدی سے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں میجر کے ساتھ گشتی جیپ میں جا رہا تھا۔ میجر خاموش تھا۔ اس بیچارے کو اتنے بڑے لوگوں کے معاملات میں دخل دینے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی لیکن میں اس مخلص انسان کو فراموش نہیں کرسکتا تھا۔

"آپ تصور بھی نہیں کرسکتے میجر کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یوں سمجھ لیں' اب اس سارے ڈرامے کا ڈراپ سین ہونے والا ہے۔ میں نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کرلی ہے!"

"کیا مجھے تھوڑی بہت معلومات مل سکتی ہیں شہاب میاں! گو یہ بات میری حیثیت سے بڑھ کر ہے لیکن اگر مناسب ہو تو.........!" میجر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ایک انتہائی خطرناک گروہ کسی ایسے دشمن ملک کے لئے کام کر رہا ہے جو ہمارے ملک کو تیل کی پیداوار میں خودکفیل نہیں دیکھنا چاہتا۔ تیل کی اہم ترین تنصیبات پر بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں۔ پوری تیل کالونی اس وقت بارود کا ایک ڈھیر ہے۔ اتنی خوفناک سازش ہے میجر کہ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا!"

میجر کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر لرز رہے تھے۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ "بہرحال بہت جلد حالات ہمارے کنٹرول میں ہوں گے لیکن اس انکشاف کے بعد آپ کو خود پر قابو رکھنا ہوگا میجر! میں نے صرف ذاتی اعتماد پر آپ کو یہ بات بتا دی ہے"۔

"میں زندگی کی قیمت پر بھی اس راز کو راز رکھوں گا!"

جن لوگوں نے اس عمارت کے وسیع ترین لان پر میرا استقبال کیا تھا' انہیں دیکھ کر میجر بری طرح نروس ہوگیا تھا۔ یہ سب کے سب فوج کے اہم ترین عہدیدار تھے جن میں ایک لیفٹیننٹ جنرل بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر برہان بھی اپنی مخصوص کرسی پر ان کے ساتھ موجود تھا۔ عمارت کے چاروں طرف فوجی پہرہ تھا اور انتہائی خفیہ طور پر اس کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ میجر یوسف کو شاید یہ حیرانی بھی تھی کہ وہ اندر کس طرح آگئے۔ اس بات سے تو اس کی فرض شناسی پر زد آتی تھی۔ بہرحال وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"آپ یہیں رہیں گے میجر! براہ کرم ہمارے آدمیوں کے ساتھ عمارت کی نگرانی

کے فرائض سنبھال لیں!" بریگیڈیئر عمران نے کہا اور میجر اٹین شین ہوگیا۔ ڈاکٹر برہان میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر ہم سب ایک بڑے ہال میں پہنچ گئے جہاں نشستوں کا بہترین انتظام تھا!

"مختصراً" میں آپ لوگوں کا تعارف کرا دوں جناب! ان کے بارے میں تو میں عرض کرچکا ہوں کہ یہ میرے دست راست شہاب تیموری ہیں اور شہاب! آپ لیفٹیننٹ جنرل حیدر علی ہیں۔ آپ لیفٹیننٹ کرنل اقبال' آپ بریگیڈیئر عمران احمد اور آپ کرنل غزنوی اور آپ.........!" پھر ڈاکٹر برہان نے سب سے میرا تعارف کرایا۔ "آپ تمام حضرات میری درخواست پر انتہائی خفیہ طور پر یہاں پہنچے ہیں لیکن عام لوگوں کی حیثیت سے اور مختلف لوگوں سے ملنے والوں کے رجسٹروں پر اندراج کرکے۔ جنرل حیدر کا حکم تھا کہ اس اہم کانفرنس میں تمہیں ضرور شریک کیا جائے کیونکہ تم اس وقت یہاں کے معاملات کی نگرانی کر رہے ہو"۔

"میں شکرگزار ہوں!" میں نے متانت سے کہا۔

"آپ لوگوں کی کارکردگی کے انکشافات نے ہمیں حیرت زدہ کر دیا ہے مسٹر شہاب! بلاشبہ آپ نے یہاں ایک انوکھے شعبے کی بنیاد ڈالی ہے۔ جو ہمارے ملک میں مروج نہیں ہے اور چونکہ آپ کا طریقہ کار مکمل طور پر قانون کے دائرے میں بلکہ ایک طرح قانون کے مفاد میں ہے۔ اس لئے مزید خوشی کی بات ہے' اس لئے میں نے آپ کو بھی اس دعوت میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا"۔ جنرل حیدر نے کہا اور میں نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا۔ تب جنرل حیدر نے دوسرے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا۔ "آپ میں سے چند حضرات ڈاکٹر برہان سے رسمی طور پر واقف ہوچکے ہیں' جو صرف ان کے نام سے آشنا ہیں وہ اس گفتگو کے بعد ان سے واقف ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر برہان اور ان کے چند ساتھی مل کر ایسے لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو کسی بڑی الجھن کے شکار ہوں اور کسی مجبوری کی بناء پر قانون کی مدد حاصل کرنے سے کتراتے ہوں۔ ڈاکٹر برہان کی ٹیم اپنی پسند کا معاوضہ لے کر انہیں بہتر تعاون فراہم کرتی ہے اور اس سلسلہ میں بہترین اصولوں پر عمل کرتی ہے۔ وہ یہ کہ کوئی تحفظ اور مدد حاصل کرنے والا اگر کسی قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ ٹیم اس سے تعاون نہیں کرتی بلکہ قانون کی اولیت کو پیش نگاہ رکھتی ہے اور خود اس کے خلاف کام کرنے لگتی ہے!

اس ٹیم کے کچھ افراد کسی ایسے شخص کی مدد کر رہے تھے جس نے ان سے تحفظ مانگا تھا۔ ڈاکٹر برہان نے اصولی طور پر اس کا نام ظاہر نہیں کیا تھا لیکن اس دوران ان پر ایک انکشاف ہوا جو انہوں نے نہایت دیانتداری کے ساتھ وزیر دفاع اور وزارت داخلہ کے گوش گزار کر دیا اور ان دونوں حضرات نے وزیر آب رسانی اور قدرتی وسائل و معدنیات سے مشورہ کرکے یہ کیس مشترکہ طور پر ملٹری سیکرٹ سروس اور ڈاکٹر برہان کے سپرد کر دیا۔ ڈاکٹر برہان کو ایک عارضی فوجی عہدے سے بھی نوازا گیا ہے اور فی الوقت یہ ہم میں سے ایک ہیں۔ کیس کی نوعیت کچھ یوں ہے کہ ہمارے ایک برادر ملک کے اندرونی بحران سے فائدہ اٹھا کر اسے ہمارے خلاف ورغلایا جائے اور اس بحران میں ہماری شمولیت کا انکشاف کرکے اس سے ہمارے تعلقات خراب کر دیئے جائیں۔ اس سلسلہ میں پوری مشینری کام کر رہی ہے۔ گو ابھی تک ہم ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کرسکے جو سرگرم عمل ہیں لیکن ایک شخص منظر عام پر آگیا ہے جو ڈاکٹر برہان کے خیال میں صرف آلہ کار بنا ہے۔ ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ تیل کی ان عظیم تنصیبات کے خلاف بھی کوئی کارروائی عمل میں آ رہی ہے اور یہ بہرحال لمحہ فکریہ ہے۔ چنانچہ میں نے آپ لوگوں کو تیل کے اس سب سے بڑے پروجیکٹ میں اس لئے دعوت دی ہے کہ ڈاکٹر برہان کے اس انکشاف پر غور کرنے کے لئے کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں اور ان کے ساتھ مل کر کام کریں! مسٹر شاب تیموری اس پروجیکٹ میں ڈاکٹر کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے مصروف عمل ہیں اس لئے انہیں بھی طلب کیا گیا ہے کہ وہ اپنی رپورٹ پیش کر دیں۔ ہم ایک بار پھر ڈاکٹر برہان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذہانت سے ایک ایسے راز کا انکشاف کیا جو ہمارے لئے بحران بھی بن سکتا تھا اور جس سے ملکی مفادات کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس ضمن میں کرنل شیراز کو ڈاکٹر برہان کے دست راست کی حیثیت سے منتخب کیا گیا ہے"۔ جنرل خاموش ہوگئے۔

"ڈاکٹر برہان واقعی مبارکباد کے مستحق ہیں!" تمام لوگوں نے متفقہ طور پر کہا اور پھر ڈاکٹر سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنا نقطہ نظر واضح کریں۔ تب میں نے اس گفتگو میں مداخلت کی اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ "اس دخل اندازی کے لئے معذرت خواہ ہوں اور اب ذاتی معاملے کے لئے، صرف چند منٹ کے لئے اس میٹنگ کے التواء کا خواہشمند ہوں۔ دراصل میرے چیف ڈاکٹر برہان سے میری ملاقات اچانک ہوئی ہے۔ میں نے اس

دوران جو کارروائی کی ہے، اس کی رپورٹ میں انہیں نہیں دے سکا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں.........."

"شکریہ شاب! جنرل حیدر سے جو گفتگو ہوئی ہے اس کی روشنی میں تم نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ یہاں سب لوگ قابل احترام و بھروسہ ہیں اور پھر کرنل شیراز ہمارے ساتھی بن چکے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں.........." ڈاکٹر برہان نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں ان نگاہوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ڈاکٹر برہان صرف کرنل جہانگیر کا نام پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اور اس طرح دیکھنا گویا اس بات کا انتباہ تھا کہ میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھوں.........! "کہ تم اپنی رپورٹ میرے سامنے پیش کردو!"

"بہتر ہے ڈاکٹر!" میں نے گردن خم کی اور پھر بولا۔ "چنانچہ ڈاکٹر برہان سے قبل مجھے اجازت دی جائے کہ میں اپنی کارروائی کی رپورٹ پیش کردوں!"

"اجازت ہے مسٹر شاب! آپ بے کم و کاست رپورٹ پیش کریں"۔

"جناب عالی! میرے چیف نے مجھے تیل کالونی آکر تفتیش کرنے کا حکم دیا اور میں نے یہاں اپنی کارروائی شروع کر دی اور اس کے نتیجے میں، میں اس سازش کے بارے میں سب کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ میں سازش کی تفصیل اور مجرموں کے خلاف ناقابل تردید ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ چنانچہ میں ابتدا سے اس سازش کی گرہیں کھول رہا ہوں"۔ میں نے کہا اور ہر چہرہ شدت جوش سے سرخ ہوگیا۔ خود ڈاکٹر برہان بھی حیرت کے اس شدید جھٹکے سے ہل گیا تھا، لیکن میں کیا کرتا اس نے خود یہ ماحول پیدا کر دیا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں کہاں تک پہنچ چکا ہوں۔

"سازشی ایک بین الاقوامی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ گروہ خاص طور سے چند حکومتوں کا آلہ کار ہے اور ساری دنیا میں ان کے لئے کام کرتا ہے۔ گروہ کے بڑے بڑے سربراہ پوشیدہ ہیں۔ البتہ ان کے کارکن عمل کرتے ہیں اور اس گروہ کی ایک بڑی تعداد یہاں مصروف عمل ہے۔ سازش یہ ہے کہ ہمارے دشمن جن کا انکشاف میں بعد میں کروں گا۔ یہ نہیں چاہتے کہ ہم تیل کی پیداوار میں کوئی نمایاں حیثیت اختیار کرسکیں۔ انہیں ہمارے ملک میں کئی جگہوں پر تیل نکل آنے کی بڑی تشویش ہے۔ مشرق وسطیٰ میں سیاسی ہتھیار اگر ہمارے ہاتھ میں بھی آ جائے تو ہم ایک مضبوط حیثیت اختیار کر جائیں گے

چنانچہ انہوں نے ہمارے ایک پڑوسی ملک کے بحران سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کوشش کی ہے کہ پڑوسی ملک کو پوری طرح ہماری طرف سے بدظن کر دیں اور ہمارے تعلقات خراب سے خراب تر ہو جائیں۔ اس کے لئے انہوں نے ایک مقامی شخص کا سہارا لیا ہے جس کی طرف ڈاکٹر برہان نے اشارہ کیا ہے"۔

"کیا اس شخص کا نام ظاہر کرنا غیر مناسب ہے؟" کرنل نے مداخل کی۔

"میں اپنے دوست کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ اس شخص کا نام ظاہر کریں!" ڈاکٹر برہان نے پر مسرت لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں!

"اس کا نام خان جلال ہے۔ یہاں کا ایک سربرآوردہ شخص!" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان کے منہ سے خوشی کی آواز نکل گئی۔ "میرے ساتھی کا انکشاف درست ہے!" اس نے میری تائید کی۔

"خان جلال اس پڑوسی ملک کے مفادات کا حامی ہے اور ایک طرح سے ہمارے ملک میں اس کا ایجنٹ ہے چنانچہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے۔ مجرموں کا ٹولہ ایک مخصوص وقت کے انتظار میں ہے۔ وہ اس پڑوسی ملک کے بحران میں اس شدت کا انتظار کر رہا ہے کہ وہ برگشتہ ہوکر ہماری سرحدوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دے اور اس وقت.......... یہ سازشی ٹولہ.......... اس پراجیکٹ کو بارودی سرنگوں سے اڑا دے گا۔ ان بارودی سرنگوں کو جو تیل کی اہم تنصیبات کے نیچے بچھا دی گئی ہیں"۔ میرا یہ انکشاف بذات خود ایک بارودی سرنگ تھا جو اچانک پھٹ گئی تھی۔ وہ لوگ سراسیمہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر ایک کے منہ سے الگ جملہ نکل رہا تھا۔ وہ سب ہیجان کا شکار ہوگئے تھے۔

"آپ کو یقین ہے مسٹر شہاب!" جنرل حیدر نے بمشکل پوچھا۔

"میں عرض کر چکا ہوں کہ میری گفتگو کا ایک ایک لفظ ایک ٹھوس ثبوت کے ساتھ ہے۔ میرے پاس ان جگہوں کے نقشے موجود ہیں جہاں بارودی سرنگوں بچھائی گئی ہیں۔ جنرل اگر حکم دیں تو میں یہ نقشے پیش کروں؟" میں نے جواب دیا اور سب یہ نقشے دیکھنے کے لئے مضطرب نظر آنے لگے۔ میں نے ڈرامائی انداز میں نقشوں والے کاغذات نکال کر جنرل کی خدمت میں پیش کر دیئے اور بے چین نگاہیں ان کا جائزہ لینے لگیں۔ نقشے فوجی تحویل میں لے لئے گئے تھے اور دیر تک ان کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجھے

سلسلہ گفتگو دوبارہ شروع کرنے کا حکم دیا گیا۔

"حالات ایسے پیدا کئے جاتے کہ ہمارا شبہ سو فیصدی اس پڑوسی ملک پر ہوتا اور ظاہر ہے اس کا ردعمل بہتر نہ ہوتا۔ وہ لوگ اپنے مقامی ایجنٹ کو روشنی میں لے آتے اور خود آرام سے اپنا کام انجام دے کر فرار ہو جاتے!" میں نے آخری الفاظ ادا کئے اور دیر تک سکوت چھایا رہا۔ پھر کرنل شیراز نے کہا۔ "ڈاکٹر برہان! آپ کے ذہین ساتھی نے تو ملٹری انٹیلی جنس کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ میں مسٹر شہاب سے مزید وضاحت کی گزارش کروں گا! مسٹر شہاب! آپ نے یہ قیمتی معلومات فراہم کر کے ملک کی جو خدمت انجام دی ہے' میرا خیال ہے ہم سب اس بات سے یقیناً متاثر ہیں اور ملک کے ایک قانون پسند شہری کو قانون کی برتری اور ملکی سالمیت کے اس اقدام پر مبارکباد پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔ آپ نے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے جو شدید محنت کی ہے' وہ بلاشبہ قابل تحسین ہے لیکن آپ نے ان نقشوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہوگی جو یہاں مصروف عمل ہیں!"

جی ہاں یقیناً! نقشوں کے حصول سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں ہی معلوم کرنا ضروری تھا۔ وہ لوگ اس پروجیکٹ میں ایک اہم کام پر متعین ہیں اور ان کی کمپنی ایون گرے کے نام سے یہاں کام کر رہی ہے۔ ایون گرے کے متعلق تمام معلومات دستاویزی شکل میں میرے پاس محفوظ ہیں اور انہی دستاویزات میں ان لوگوں کا سراغ بھی ملتا ہے جو ہمارے ملک میں یہ کارروائی کرنے کے خواہاں ہیں۔ میں نے جن مشکلات سے گزرنے کے بعد ان کاغذات کو حاصل کیا ہے اس کا تذکرہ بے مقصد ہے' لیکن مجھے مسرت ہے کہ ان کاغذات کی بازیابی سے وہ تمام مجرم ناکام ہوچکے ہیں جو یہاں ہمارے ملک کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ان میں مقامی صرف ایک ہے جس کی نشاندہی پہلے کی جاچکی ہے۔ باقی سب مختلف ممالک کے باشندے ہیں اور ایون گرے سے منسلک ہیں۔" میں نے جواب دیا اور چند لمحات کے لئے پھر ہنگامہ برپا ہوگیا۔

ڈاکٹر برہان اس طرح خاموشی بیٹھا تھا جیسے اس میٹنگ میں اس کی ضرورت ہی نہ رہ گئی ہو۔ البتہ اس کی نگاہوں میں تحسین کے آثار تھے اور یہ ڈاکٹر برہان کی خوبی تھی۔ اس پوری ٹیم میں کوئی شخص انفرادی حیثیت حاصل کرنے کا خواہاں نہیں تھا' بلکہ انتہائی خلوص اور پیار کے ساتھ کسی کے کارنامے کو سراہا جاتا تھا اور کوئی بات اگر کسی کی ذات

سے منسوب ہو جاتی تو دوسرے کو قطعی اعتراض نہیں ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر برہان نے فراخدلی کے ساتھ مجھے اپنی رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کر دی تھی' ہاں اگر کچھ ایسے معاملات ہوتے جنہیں چھپانا مقصود ہوتا تو شاید وہ مجھ سے پہلے گفتگو کرنے کی کوشش کرتا لیکن سوائے کرنل جہانگیر کے نام کے اس نے اور کوئی چیز چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میں نے تمام لوگ ان پر جھک گئے۔ ایک ایک کاغذ ایک سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونے لگا اور تقریباً دو گھنٹے تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ پھر جنرل حیدر نے میرے لئے چند اور توصیفی کلمات ادا کئے۔ اس کے بعد کرنل شیراز کو ہدایت کی گئی کہ وہ یہاں رک کر میرے ساتھ کام کریں۔ اور ایون گرے کے کارکنوں کی نگرانی کریں۔ جنرل نے کہا کہ بڑوں کی میٹنگ میں اس سلسلہ کے مزید اقدامات پر غور کیا جائیگا اور اس کے بعد میٹنگ برخواست ہوگئی۔

میجر یوسف کو کچھ ضروری ہدایات دے کر روانہ کردیا گیا اور مجھے بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی پر ہی قیام کی دعوت دی گئی اور ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں ڈاکٹر برہان کی آنکھوں سے مسرت ٹپک رہی تھی۔ اس نے میرے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "یوں تو تمہاری کارکردگی ہمیشہ ہی قابل فخر رہی ہے لیکن اس معاملے میں تو تم نے مجھے بھی حیران کردیا۔ میں نے پوری ٹیم کو ان معاملات میں اس لیے سمیٹا تھا کہ میرے خیال میں یہ کسی ایک آدمی کے بس میں نہیں تھے۔ لیکن میں یہ بھول گیا تھا کہ شہاب تیموری بذات خود ایک ٹیم ہے۔"

"شکریہ ڈاکٹر! لیکن میں اس وقت سے ڈر رہا ہوں جب مجھے یہ توصیفی کلمات واپس کرنا ہوں گے!"

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر نے تعجب سے پوچھا۔

"پہلے مجھے یہ بتائیے کہ آپ یہاں کس طرح پہنچے؟"

"کئی دن سے بریگیڈیئر عمران کا مہمان ہوں۔"

"اور یہ معلومات......... میرا مطلب ہے خان جلال کے بارے میں معلومات آپ کو کس طرح حاصل ہوئیں؟"

"شارق نے یہاں رہ کر بہت کچھ کیا تھا۔ اس نے خان جلال کے بارے میں یہ معلومات مہیا کی تھیں۔ لیکن اسے ہپناٹزم کر کے اس کی یاد داشت گم کردی گئی تھی اور وہ

ناکارہ ہوگیا۔"

"اوہ' اس کا مطلب ہے کہ شارق ہوش میں آگیا۔

ہاں اور اس نے یہ معلومات مجھے فراہم کی ہیں۔ لیکن میں تمہارے الفاظ سے الجھا ہوا ہوں۔ براہ کرم ان کی وضاحت کرو۔"

"جس شخص نے شارق کو ہپناٹائز کیا تھا' اسے میں نے ہپناٹائز کرلیا ہے اور اب وہ میرے اشاروں پر کام کررہا ہے۔ میں نے پروفیسر ٹی کے بارے میں پوری تفصیل بتائی اور ڈاکٹر برہان مسکرانے لگا۔ "بہرحال اس سلسلے میں تمہاری کاوشیں قابل داد ہیں' تم نے جو کچھ کیا ہے' انتہائی ذہانت سے کیا ہے۔ اور میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ تمہاری معلومات اس حد تک پہنچ چکی ہیں!"

"سوری ڈاکٹر! ویسے کیا آپ کے خیال میں میری جانب سے انکشاف نامناسب نہیں تھا!"

"ہرگز نہیں' اس بات کا اندازہ تمہیں کیسے ہوا؟ میں بے انتہا خوش ہوں اور شہاب! ہماری ٹیم میں تو اس قسم کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ بلاشبہ میں اس ٹیم میں تمہارے سربراہ کی حیثیت رکھتا ہوں لیکن اس کے باوجود تم لوگ میرے لئے جو حیثیت رکھتے ہو' وہ تم بھی بہتر طور پر جانتے ہو؟"

"شکریہ ڈاکٹر! اس کے علاوہ کرنل جہانگیر کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ کرنل جہانگیر سے جو فائل حاصل کیا گیا تھا گو اس کا وجود یہاں نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہیں سے کہیں پہنچ چکا ہے۔ البتہ وہ فائل ادھورا ہے' وہ لوگ اس کا بقیہ حاصل کئے بغیر اپنے کام کی تکمیل نہیں کرسکتے۔ میرا خیال ہے کہ کرنل جہانگیر کی گمشدگی کے بعد وہ ہماکو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں جہاں تک میرا خیال ہے انہوں نے کرنل جہانگیر کے اغواء کو کرنل کا ہی کوئی ڈرامہ سمجھا ہے اور اب وہ کوشش کریں گے کہ ہماکے ذریعے کرنل جہانگیر کو واپس لائیں اور ہما جو اب سے کچھ وقت قبل یہیں تھی' اب خان جلال کے قبضے میں ہے!"

"اوہ' تو وہ خان جلال کے قبضے میں ہے؟" ڈاکٹر برہان پر خیال انداز میں بولا۔

"ہاں' خان جلال کل ہی اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے!"

یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ ہماکو ان کے چنگل سے نکالنا ضروری ہے۔ کرنل جہانگیر میرے پاس مطمئن ہے اور اس کا خیال ہے کہ میں یہ الجھن بخوبی حل کردوں گا لیکن

"ہما.........!" ڈاکٹر برہان سوچ میں ڈوب گیا۔ "اس کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔ ویسے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ معاملہ ان گہرائیوں میں نکلے گا۔ تمہارا کیا خیال ہے شباب! ہما کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"خان جلال کو تو گرفتار کرنا ہی ہوگا؟"

"ہاں یقیناً!"

"تب ہما کو وہاں سے برآمد کیا جاسکتا ہے؟"

لیکن پھر کرنل جہانگیر کی پوزیشن کس طرح صاف ہوگی!"

"میرے خیال میں وہاں اپنے فوجی تعلقات سے کام لینا ہوگا۔ کرنل جہانگیر کے اغوا کا معاملہ بھی حکام کی نگاہ میں ہے۔ ہم اس اغوا کا اعلان کردیں گے اور خود کو اس میں ملوث بتائیں گے اور اس کا مقصد ان فائلوں کا حصول قرار دیا جائے گا جو پڑوسی ملک سے ہمارے تعلقات خراب کرنیکا باعث بن سکتے ہیں' ان میں سے ایک فائل کے بارے میں ہم ذمہ داری قبول کرلیں گے کہ وہ ہمارے ہاتھوں تلف ہوگیا!"

اوہ۔اوہ۔ ڈاکٹر برہان مضطربانہ انداز میں بولا۔ "بہت اعلیٰ پیمانے پر سوچ رہے ہو شباب! واقعی اس کے لئے بھی کیوں نہ جنرل سے اجازت لے لی جائے کہ کرنل جہانگیر کو اس کے دفتر تک لے جایا جائے۔"

"سارا مسئلہ ہی حل ہوجاتا ہے!" میں نے چٹکی بجاکر کہا اور ڈاکٹر برہان گردن ہلانے لگا۔

○-----------☆-----------○

میجر یوسف سے دوسرے دن میری ملاقات ہوئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا نظر آرہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔ "ہیلو میجر!" میں نے کہا۔

"ہیلو شباب!"

"کیا بات ہے میجر! پریشان نظر آرہے ہیں!"

"ہاں شباب! میں یہاں سیکیورٹی انچارج ہوں لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام رہا ہوں۔"

"ان معاملات کی بات کر رہے ہیں!"

"ہاں معمولی بات تو نہیں ہے!"

"بات واقعی معمولی نہیں ہے۔ جتنے اعلیٰ پیمانے پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ وہ عام نگاہوں میں نہیں آسکتا تھا اس لئے آپ بے قصور ہیں میجر! اور پھر آپ کیا سمجھتے ہیں' میں اپنی تفصیلی رپورٹ میں آپ کی بہترین امداد کو نظرانداز کروں گا؟ نہیں میجر! جس وقت میں اس کیس کو ختم کرکے تفصیلی رپورٹ پیش کروں گا تو آپ کا نام اس میں سرفہرست ہوگا جس نے ان پراسرار حالات کی طرف مجھے متوجہ کیا۔" میں نے کہا اور میجر یوسف عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر خاموش ہوگیا۔ میں اس کے جذبات کا بخوبی اندازہ کرسکتا تھا!

ڈاکٹر برہان نے کہا تھا کہ وہ شام تک واپس چلا جائے گا! میں بدستور اپنی جگہ چلا جاؤں اور نگرانی جاری رکھوں۔ چنانچہ دوپہر کو میں نے بریگیڈیئر عمران کے ہاں ڈاکٹر برہان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر وہاں سے رخصت ہوگیا۔ واپسی سے قبل بریگیڈیئر عمران نے مجھے پیشکش کی تھی کہ ان کی امداد کی کوئی بھی ضرورت ہو تو میں انہیں نظرانداز نہ کروں' اور اس بات کا میں نے وعدہ کرلیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر میں سیدھا ڈاکٹر ٹی ٹی کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ وہ بے فکر انسان مطمئن و مسرور تھا۔ بہرصورت یہ شخص میرا جتنا بڑا ہمدرد اور دوست ثابت ہوا تھا اس کے تحت میں اسے کسی طور نظرانداز نہ کرسکتا تھا۔ اس نے پراخلاق انداز میں میرا خیرمقدم کیا اور مجھ سے حالات پوچھنے لگا۔

"بس معاملہ تقریباً اختتام پر ہے ڈاکٹر ٹی ٹی! لیکن میں آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں!"

"کیا؟" ٹی ٹی نے پوچھا۔

"کیا آپ اس معاملے کے ختم ہونے سے قبل یہاں سے نکل جانا پسند کریں گے یا اختتام کے بعد؟"

"جس طرح تم مناسب سمجھو!" ڈاکٹر ٹی ٹی نے کہا۔

"بس ڈاکٹر میں یہ نہیں چاہتا کہ اس مسئلہ کے اختتام تک پہنچنے سے پہلے انہیں کسی قسم کا کوئی شبہ ہو!"

"نہیں ہوگا! بے فکر رہو۔"

"میرا مقصد نہیں سمجھے آپ۔ میرا مقصد ہے اگر آپ غائب ہوگئے تو ممکن ہے وہ آپ کے بارے میں کسی تشویش کا شکار ہو جائیں اور ان کی سوچ میں کچھ تبدیلی آ جائے۔"

"تو غائب ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے‘ مسئلے کے اختتام تک میں بدستور یہاں رہوں گا بلکہ جس طرح سے میرے اور ان کے معاملات چلتے ہیں‘ چلتے رہیں گے۔ یوں بھی میں ان کی نگاہوں میں کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا۔ جب کسی ایسے معاملے میں ضرورت ہوتی ہے تو وہ میری طرف متوجہ ہوتے ہیں‘ ورنہ میں اپنے معاملے میں آزاد رہتا ہوں۔"

"گویا آپ کا روزانہ ان سے ملنا ضروری نہیں ہے!"

"ہرگز نہیں‘ میں اپنی ہی مرضی سے چلا جاتا ہوں‘ یا پھر اگر انہیں میری ضرورت ہوتی ہے تو وہ مجھے طلب کرلیتے ہیں۔"

"تو ڈاکٹر میں چاہتا ہوں کہ آپ اس دوران کم سے کم ان سے ملاقات کریں‘ البتہ اگر آپ محسوس کریں کہ انہیں کسی قسم کا شبہ ہوگیا ہے آپ پر تو پھر آپ سیدھے میجر یوسف یا بریگیڈیئر عمران تک پہنچ جائیں۔"

"اوہو‘ اول تو ایسی نوبت نہیں آئے گی لیکن اگر آئی بھی تو کیا بریگیڈیئر عمران مجھ سے متعارف ہیں؟" ٹی ٹی نے پوچھا۔

"نہیں‘ لیکن انہیں میں آپ کے بارے میں بتا دوں گا!"

"ٹھیک ہے‘ میں پہنچ جاؤں گا!" ٹی ٹی نے جواب دیا اور میں مطمئن ہوگیا‘ تب اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "آج رات کا کیا پروگرام ہے؟"

"جیسا آپ پسند کریں ڈاکٹر! لیکن میرا خیال ہے کہ اب ان اختتامی لمحات میں ہم اپنی تفریحات کو تھوڑا سا محدود کردیں!"

"کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ یوں بھی تم مجھ سے وعدہ کرچکے ہو کہ ان ہنگاموں سے فارغ ہوکر تم مجھے تفریحات کا پورا موقع دو گے!" ڈاکٹر نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میجر یوسف کی رہائش گاہ پر آکر میں دیر تک تبسم سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بہت سے مسئلے اب بھی میرے ذہن میں الجھے ہوئے تھے جس میں ہما کا معاملہ سرفہرست تھا۔ ہما کو خان جلال کے چنگل سے کس طرح

چھڑایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں تھی کہ اگر انہیں فائلوں کی چوری کا علم ہوگیا تو پھر وہ کوئی ہنگامی قدم اٹھائیں گے۔ ممکن ہے وہ ان بارودی سرنگوں کو اڑا ہی دیں۔ اس سے جو خوفناک تباہی پھیلے گی وہ ناقابل تصور ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی غیر ملکی کمپنیاں بھی یہاں کام کر رہی ہیں اور حکومت پر ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ انہی خیالات میں شام ہوگئی لیکن اس وقت شام کے پونے سات بجے تھے جب میجر یوسف میرے پاس آگیا۔ "بریگیڈیئر عمران نے تمہیں طلب کیا ہے شہاب! مجھے ہدایت ملی ہے کہ میں تمہیں لے کر فوراً یہاں پہنچوں۔"

"ابھی تیار ہو جاتا ہوں میجر!" میں نے کہا اور چند ساعت کے بعد میں میجر یوسف کے ساتھ بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ میجر نے بریگیڈیئر کو سلوٹ کیا تھا۔

"ہیلو شہاب! ہیلو میجر!" بریگیڈیئر عمران نے پرتپاک انداز میں کہا اور پھر بولا۔ "مسٹر شہاب کو فوراً دارالحکومت طلب کیا گیا ہے اور اس کے لئے انہیں حسن پور چھاؤنی پہنچنا ہے اور یہ ذمہ داری آپ پر عائد کی جاتی ہے میجر کہ آپ انہیں کتنی جلدی وہاں پہنچا دیتے ہیں!"

"میں حاضر ہوں جناب!" میں نے کہا اور پھر بولا۔ "اس دوران میجر یوسف آپ سے رابطہ رکھیں گے۔ یہ میری ساری کارروائی میں میرے دست راست رہے ہیں اور ان کی مدد سے میں یہ کامیابیاں حاصل کرسکا ہوں!"

"میجر نے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے عہدے کی لاج رکھی ہے‘ اور بلاشبہ ایک فوجی کی خدمات موت کے وقت تک جاری رہتی ہیں! میں آپ کی مستعدی اور ذہانت کا ریکارڈ رکھوں گا میجر!" بریگیڈیئر نے کہا اور میجر یوسف کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا پھر ہم وہاں سے واپس چل پڑے۔ میجر ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔ میں نے تھوڑی دیر کے بعد اسے ٹوک دیا۔ "کیا بات ہے میجر! آپ بہت خاموش ہیں..........!"

"تمہارے احسانات پر غور کر رہا ہوں شہاب! اس عمر میں انسان معطل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے طور پر کچھ نہیں کرسکتا لیکن تم نے جو کردار میرے لئے ادا کیا ہے‘ میں تمہیں اس کا کیا صلہ دے سکوں گا؟"

"آپ کی بزرگانہ شفقت ہی اس کا صلہ ہے میجر! میں نے صرف اپنا فرض پورا کیا

ہے!"

میجر یوسف مجھے تیل کالونی سے لے کر بذریعہ جیپ حسن پور چھاؤنی کی طرف چل دیا۔ رفتار خاصی تیز تھی' تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہم چھاؤنی پہنچ گئے۔ چھاؤنی میں ایک خصوصی فوجی طیارہ موجود تھا جو مجھے دارالحکومت لے جانے کے لئے خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اس سے واضح ہوتا تھا کہ اس وقت میرا دارالحکومت پہنچنا کس قدر ضروری ہے۔ رات کو تقریباً سوا نو بجے میں دارالحکومت پہنچا۔ وہاں فوجی ایئرپورٹ پر میرا انتظار کیا جا رہا تھا چنانچہ وہاں سے مجھے براہ راست ایک فوجی عمارت میں پہنچا دیا گیا۔ جس کے کمپاؤنڈ میں بہت سی فوجی کاریں کھڑی ہوئی تھیں جس کا اندازہ ان پر لگے نشانات سے ہوتا تھا۔ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ ایک اور میٹنگ ترتیب دی گئی ہے جس میں میری شمولیت کو اتنا اہم سمجھا گیا کہ مجھے حسن پور سے یہاں بلایا گیا۔

ڈاکٹر برہان بھی اس میٹنگ میں موجود تھا اور میرے وہ شناسا بھی جن سے گذشتہ روز دن میں میرا تعارف ہوا تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل حیدر اس میٹنگ کی سربراہی کر رہے تھے اور اس میں کچھ اور افراد بھی شامل تھے۔ مجھے میٹنگ ہال میں خوش آمدید کہا گیا اور لیفٹیننٹ جنرل نے کھڑے ہو کر خصوصی طور پر مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر مجھے بیٹھنے کے لئے نشست پیش کی گئی۔

"مسٹر شباب! ڈاکٹر برہان اور دوسرے شرکاء میں نے ساری تفصیلات آپ لوگوں کے گوش گزار کر دی ہیں جیسا کہ مجھے ہائی کمان سے ہدایت ملی ہیں کہ اس سلسلہ میں ایک گھنٹہ کی تاخیر بھی مہلک ہو سکتی ہے چنانچہ فوری طور پر اس میٹنگ کا بندوبست کیا گیا چونکہ اس سلسلے میں دیر کرنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا اس لئے فوری فیصلے بھی کئے گئے۔ ہمارے سامنے چند اہم مسائل ہیں جنہیں میں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ حالات جس نوعیت کے ہیں' ان کا اندازہ آپ حضرات کو ہے۔ ہمارے بدخواہ چونکہ پس پردہ کام کر رہے ہیں اور ان کے بارے میں جو ثبوت ملے ہیں وہ گو انہیں روشنی میں لے آتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان دستاویزات کو جعلی قرار دے سکتے ہیں اور ان کی صحت سے منکر ہو سکتے ہیں اس طرح ہمیں سوائے ان سے تعلقات بگاڑنے کے اور کچھ نہیں ملے گا اور اس وقت ہمارا ملک ان حالات کا بوجھ برداشت نہیں کر سکے گا۔ یہ دستاویزات آئندہ ہماری خارجہ پالیسی میں ہماری معاون ہوں گی۔ یہ ہمارے لئے بہت قیمتی حیثیت رکھتی ہیں چنانچہ

فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس سازش کو نہایت خاموشی سے ناکام بنایا جائے۔ کسی کا نام نہ لیا جائے بلکہ بہتر ہے کہ حقیقت حال صرف حکومت کے علم میں رہے اور کوئی دوسرا اس سے آشنا نہ ہو سکے۔ بہت سے اہم معاملات ہیں جن کی وضاحت اس وقت ممکن نہیں ہے۔ بات صرف ایک ایسے لائحہ عمل کی ہے جس کے تحت یہ کارروائی عمل میں آئے اور اس کے لئے آپ بہتر تجاویز پیش کریں۔ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ ہمیں اپنی تجاویز سے نوازیں۔"

"میں اس سلسلہ میں صرف ایک عرض کر سکتا ہوں جنرل!" ڈاکٹر برہان کی پراعتماد آواز ابھری۔

"ضرور......... فرمایئے!" جنرل نے کہا۔

"میں نے آپ کا مقصد سمجھ لیا ہے اور حکومت کی ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ' اعلیٰ حکام کی خواہش کے مطابق میں اس کی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کیا......... کیا مطلب؟" جنرل نے پوچھا۔ دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے!

"میں خاموشی سے اس سازش کو ختم کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں بشرطیکہ مجھے اس کا اہل سمجھا جائے۔ کرنل شیراز کی مدد سے میں اپنا کام انجام دوں گا اور اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ ہو گا حکومت کی خواہشات کے مطابق ہی ہو گا!"

"اوہ' گویا آپ کے ذہن میں کوئی تجویز موجود ہے؟"

"جی ہاں!"

"براہ کرم اگر آپ ہمیں اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات سے آگاہ کر دیں تو عنایت ہو گی!"

"میں آپ کے اس حکم کو رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا لیکن معاملات خود ابھی تک میرے ذہن میں واضح نہیں ہیں۔ البتہ اس بات کا میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جو کچھ ہو گا' انہی بنیادوں پر ہو گا جن پر حکومت نے سوچا ہے اور میں پیش کش کرتا ہوں کہ میرے اوپر مکمل اعتماد کیا جائے!" ڈاکٹر برہان نے پروقار انداز میں کہا اور جنرل کے چہرے پر کسی قدر کشمکش کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے چند لوگوں سے مشورہ کیا۔ پھر ڈاکٹر برہان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ "بہرصورت ڈاکٹر برہان چونکہ

اس سازش کو منظر عام پر لانے والے آپ ہیں اور آپ کی اس خدمت کا مکمل طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔ چنانچہ میں اپنی ذمہ داری پر آپ کی یہ تجویز منظور کرتا ہوں اور یہ پیش کش کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں جس قسم کی آپ کو فوجی امداد کی ضرورت ہو' اس سے آپ آگاہ کریں۔ کرنل شیراز بدستور آپ کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے رہیں گے۔ ہمیں کسی پروگرام پر متحد ضرور ہونا تھا اور اس کے تحت عمل بھی کرنا تھا۔ چونکہ آپ اس اعتماد کے ساتھ اس یقین کا اظہار کر رہے ہیں کہ حکومت کی خواہشات کے مطابق اس سازش کو ختم کر دیں گے چنانچہ ہم آپ کو اس کا اختیار دیتے ہیں!"

"بہت بہت شکریہ جنرل! میں اپنے آپ کو اس اعتماد کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کروں گا!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور پھر کچھ ضروری گفتگو کے بعد یہ میٹنگ بھی ختم ہو گئی۔ ڈاکٹر برہان نے کرنل سے تخلئے میں ملنے کی اجازت چاہی تھی۔ میں بھی ڈاکٹر کے ساتھ تھا۔ "جنرل! میں ایک اہم سلسلے میں آپ کی امداد چاہتا ہوں!"

"ہاں' ہاں فرمایئے!" جنرل نے خلوص سے کہا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ملٹری ریکارڈ سیکشن کے انچارج کرنل جہانگیر ہیں۔ میں اپنے طور پر ان سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔"

"کرنل جہانگیر!" جنرل حیدر چونک پڑے۔

"ہاں' ان کا قیام حسن پور میں ہے!"

"اوہ' اوہ ڈاکٹر! اوہ.......... آپ نے ایک ایسی بات کہی ہے جس نے مجھے بے پناہ تشویش کا شکار کر دیا ہے۔ اس سے قبل میں نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا!"

"وہ کیا جنرل!"

"مجھے حال ہی میں یہ اطلاع ملی ہے کہ کرنل جہانگیر کو ان کی رہائش گاہ سے اغوا کر لیا گیا ہے۔ میں نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن کیا یہ اغوا بھی اسی سلسلہ کی کوئی کڑی نہیں ہو سکتی۔ وہ ریکارڈ سیکشن کے انچارج ہیں۔ اُفوہ.......... میں.......... میں..........!"

"معافی کا خواستگار ہوں جنرل! یہ بات پہلے سے میرے علم میں تھی کہ پڑوسی ملک سے ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہمارے ریکارڈ سے کچھ چیزوں کی ضرورت ہمارے دشمنوں کو پیش آئے گی اور اس کے لئے وہ کرنل کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ ان دنوں

کرنل کچھ بیمار تھے!"

"ہاں' وہ طویل عرصہ سے چھٹی پر ہیں لیکن ان کی جگہ کوئی عارضی تقرر نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ان کی بیماری شدید نوعیت کی نہیں تھی!"

"مجھے علم ہے چنانچہ اسی نظریئے کے تحت میں نے خود انہیں اغواء کرالیا تھا!" ڈاکٹر برہان نے کہا اور جنرل اچھل پڑے۔ "آپ نے..........!" وہ حیرت و مسرت سے بولے۔

"ہاں یہ گستاخی میں نے کی ہے!" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

"آپ اسے گستاخی کہتے ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ حکومت نے اتنے ذہین لوگوں کو کیوں نظرانداز کر رکھا ہے۔ آپ لوگوں کو تو حکومت کی ناک کا بال ہونا چاہئے تھا۔ کتنے دور رس ہیں آپ۔ کتنی دور تک سوچتے ہیں..........!"

"شکریہ جنرل! تو ایک خصوصی حکم نامے کے تحت میں کرنل جہانگیر سے ریکارڈ سیکشن کے کچھ فائل حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اس کی اجازت دیں گے؟"

"میری طرف سے اجازت ہے۔ مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔ میں آپ کو یہ اجازت نامہ اور کرنل جہانگیر کے نام ہدایات تحریری شکل میں لکھوائے دیتا ہوں!" جنرل نے کہا اور ڈاکٹر برہان نے گردن ہلا دی!

○-----------☆-----------○

یوں تو دولت کے حصول کے لئے ہم لوگ ہر قسم کے معاملات میں مداخلت کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اور اپنے طور پر بہت کچھ حاصل کرلیتے تھے لیکن اس بار ملکی دفاع کا معاملہ ہم جیسے انسانوں کے سر آپڑا تھا۔ کرنل جہانگیر کے چھوٹے سے مسئلے نے جو شکل اختیار کرلی تھی' وہ حیرت ناک تھی اور اس کی وجہ سے ہم فوجی حکام کی نگاہوں میں آگئے تھے لیکن یہ سب کچھ کرکے ایک دلی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ جذبہ وطن پرستی کسی طور فنا نہیں ہوتا بشرطیکہ انسان اپنی ذمہ داریاں محسوس کرے۔

رات کو تقریباً چار بجے ڈاکٹر برہان کی رہائش گاہ پر ہمارا پورا گروہ جمع تھا۔ شارق سے ملاقات ہوئی۔ شارق کو غالباً ساری تفصیلات بتائی جاچکی تھیں چنانچہ وہ کسی حد تک جھینپا جھینپا نظر آ رہا تھا۔ ہم پانچوں افراد سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر برہان نے اپنی خدمات اس اہم سلسلے میں پیش کر دی تھیں اور اب ہمارا فرض تھا کہ اس ٹیم کے وقار کو

بلند کرتے۔ چنانچہ ڈاکٹر برہان نے ہم سب کو جمع کرلیا تھا!

"میرے ذہن میں جو تجویز ہے اس پر آپ لوگ بھی غور کریں اور مجھے اس بارے میں آپ اپنی رائے سے آگاہ کریں۔" ڈاکٹر برہان نے سلسلہ گفتگو شروع کیا اور ہم سب متوجہ ہوگئے۔ "حکومت کی خواہش کے مطابق خاموشی سے اس سازش کو ختم کرنا ہے اور اس کے لئے ہمیں ایسی ہی کوئی ڈرامائی شکل اختیار کرنی ہے جو اپنے طور پر منفرد ہو چنانچہ حکومت کو اپنی خدمات پیش کرتے وقت ایک تجویز میرے ذہن میں آئی تھی اور میرے اپنے خیال میں آپ لوگ بھی اس سے اتفاق کریں گے۔ اس تجویز کے لئے ہمیں انتہائی ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔ تجویز یہ ہے کہ ایون گرے کمپنی کے تمام افراد کی ایک فہرست تیار کرلی جائے اور انہیں نگاہ میں رکھا جائے۔ ان لوگوں کی نگرانی کے لئے آپ سب کو بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی میں پہنچنا ہوگا۔ وہی ایک طرح سے تیل کالونی میں ہمارا ہیڈ کوارٹر ہے!"

"کرنل شیراز کی مدد سے ہمیں اعلیٰ کارکردگی کے مالک کچھ فوجی افراد کا انتخاب کرنا ہوگا جو غیر محسوس انداز میں ضروری سازو سامان کے ساتھ تیل کالونی میں داخل ہوں گے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سادہ لباس میں ہوں اور ایک ایک دو دو کی ٹولیوں میں تیل کالونی میں داخل ہوکر بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی میں جمع ہو جائیں۔ پھر کسی بھی رات ہم ایون گرے کے تمام ممبروں کو اغوا کرلیں اور انہیں بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی میں جمع کرلیں۔ اس دوران ہمارے اپنے آدمی رات کی تاریکیوں میں نقشے کے مطابق بچھی ہوئی بارودی سرنگوں کو ناکارہ بنانے کے لئے کام کریں گے اور اس کے بعد.........."

ڈاکٹر برہان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی۔ "اس کے بعد میں ایک ایسا ڈرامہ پیش کروں گا جو کبھی نہ پیدا کیا جاسکے۔ تو میرے دوستو! میں نے اپنی اس تجویز کے ہر پہلو پر غور کرلیا ہے اور تمہاری مدد سے اس کی تکمیل چاہتا ہوں!" ڈاکٹر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ بے حد پراسرار نظر آ رہا تھا!

چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر برہان نے پوچھا۔ "اس سلسلہ میں کسی کو کوئی اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں ڈاکٹر! ہم اپنا فرض پورا کریں گے!" سب بیک وقت بولے۔ ان آوازوں میں میری آواز بھی شامل تھی۔

"یہ رات تو پوری گزر چکی ہے۔ اب آپ لوگ آرام کریں اور کل دن بھر سوئیں۔ کل شام کو میں آپ لوگوں کو تیل کالونی روانہ کروں گا۔ اس دوران میں جنرل حیدر سے ان نقشوں کی کاپیاں اور دوسری آسانیاں طلب کروں گا!" ڈاکٹر برہان نے کہا۔

چنانچہ ہم سب اٹھ گئے۔ نیند واقعی شدید آرہی تھی اس لئے بستر پر لیٹنے کے بعد کوئی احساس نہیں رہا۔ دوسرے دن نہ جانے کس وقت آنکھ کھلی۔ بہرحال نیند پوری ہو چکی تھی اس لئے طبیعت بشاش تھی۔ دوسرے لوگ بھی جاگ چکے تھے۔ دوپہر کے کھانے پر ڈاکٹر برہان ہمارے ساتھ شریک نہیں تھا۔ تین بجے مجھے اطلاع ملی کہ ڈاکٹر نے طلب کیا ہے اور ہم سب اس کے پاس پہنچ گئے۔

ڈاکٹر برہان مطمئن اور حسب معمول پرسکون نظر آرہا تھا۔ یہ اس شخص کی خوبی تھی جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی۔ سخت ترین حالات میں بھی کسی نے اس کے چہرے پر تردد کی لکیر نہیں دیکھی تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کا چہرہ تاثرات اور جذبات سے عاری تھا۔ خوشی اور غم و غصے کے جذبات کا اظہار بھی اس کے چہرے سے ہوتا تھا۔ اس نے کرسی کے پہیوں کو جنبش دی اور رخ بدل کر ہماری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم لوگ نیند پوری کرچکے ہو۔"

"ہاں ڈاکٹر!" فیضان نے جواب دیا۔

"کوئی نیا خیال یا سوال تو تمہارے ذہن میں نہیں پیدا ہوا؟"

"نہیں ڈاکٹر! جن لائنوں کا آپ نے انتخاب کیا ہے' ان کے سلسلہ میں مزید کوئی بات رہ نہیں گئی۔"

"اس کے باوجود۔ اگر کسی کے ذہن میں کوئی کام کرتے ہوئے اگر کوئی بہتر خیال آ جائے تو آپ لوگ آپس میں مشورہ کرکے اس پر عمل کریں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پوری مستعدی سے یہ کام سرانجام دیا جائے۔ اس بار اس کیس کی نوعیت کسی قدر بدل گئی ہے یعنی یہ صرف مالی منفعت کی بات نہیں رہ گئی ہے بلکہ خدمت وطن بھی اس میں شامل ہے۔ ہماری ذہانت اگر ہمیں بہتر زندگی فراہم کرسکتی ہے تو وطن کی خدمت بھی ہمارا فرض ہے اور ہمیں اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہمیشہ سے زیادہ مستعد رہنا چاہیئے۔ ارکان حکومت کی نگاہوں میں بھی ہم ایک بہتر حیثیت حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ بہرحال میں نے نقشوں کی کاپیاں حاصل کرلی ہیں۔ یہ فیضان کے پاس

رہیں گی اور تیل کالونی میں ساری کارکردگی کے نگران شہاب تیموری ہوں گے!"

"مناسب ڈاکٹر!" فیضان وغیرہ نے گردن ہلا دی۔

حسن پور میں ایک مخصوص مقام پر سبزیوں سے بھرا ہوا ایک ٹرک ہمیں مل گیا جس میں صرف ایک ڈرائیور موجود تھا۔ یہ فوجی تھا اور اس نے اپنے شناختی کاغذات ہمیں دکھائے تھے۔ جواب میں ہم نے بھی اسے مطمئن کرنے کے لئے اپنے شناختی نشان دکھائے اور وہ مسکراتا ہوا ہمیں ٹرک کے عقبی حصے میں لے آیا۔

"عموماً سبزی پانی سے بھگو دی جاتی ہے تاکہ تروتازہ رہے لیکن آج اسے خشک رکھا گیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لباس خراب نہ ہوں۔ دیکھئے سبزیوں میں چھپ کر سفر کرنے کا تجربہ آپ کے لئے کیسا رہتا ہے!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر ان سبزیوں میں لہسن نہ شامل ہو تو کیا بات ہے؟ لہسن کی خوشبو میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے!" ماجد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ اس میں لہسن رکھا گیا ہے کہ نہیں۔ تاہم دیکھ لیتے ہیں اگر لہسن موجود ہو تو اسے پھینک دیں گے۔ ٹرک ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا اور سبزیوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔ پھر اس نے ماجد کو لہسن نہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔ اس کے بعد ہم لوگ ٹرک پر چڑھ گئے۔ ہمیں پتوں والی سبزیوں کے ڈھیر میں چھپا دیا گیا۔ جو حصے کھلے رہ گئے تھے انہیں بھی سبزیوں سے ڈھک دیا گیا اور پھر ڈرائیور نیچے اتر گیا۔ ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا تھا۔ سانس لینے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لئے یہ سفر تکلیف دہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ہم لوگ گفتگو کرتے رہے تھے۔ پھر جب سبزی لے جانے والا ٹرک تیل کالونی کے علاقے میں داخل ہوا تو ڈرائیور نے تین بار ہارن بجا کر ہمیں ہوشیار کر دیا۔ گیٹ پر میجر یوسف خود موجود تھا۔ اس نے ٹرک کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ سارے کام طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہے تھے۔ ہماری منزل بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی تھی جس کے قریب سے گزرتے ہوئے ٹرک رکا۔ ہمیں سگنل ملا اور ہم تاریکی میں نیچے اتر گئے۔ عمارت میں داخلے کے لئے بھی عقبی دیوار ہی استعمال کی گئی تھی۔

"صبح کے پونے پانچ بجے تھے لیکن بریگیڈیئر مستعد تھا۔ اس نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں لئے ہوئے ایک کشادہ تہہ خانے میں داخل ہوگیا جہاں ہمارے لئے بہترین

بندوبست تھا۔ "بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ غسل وغیرہ کرلیں۔ میں نے اس وقت آپ کے لئے ہلکے ناشتے کا بندوبست کیا ہے۔ ناشتے کے بعد آپ آرام کریں۔ کچھ تھکن محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"شکریہ جناب!" ماجد نے کہا اور بریگیڈیئر نے گردن ہلادی۔ ہم لوگ اپنی مصروفیات میں مشغول ہوگئے۔ ناشتہ بہت عمدہ تھا۔ اس کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔ کوئی خاص تھکن نہیں تھی اس لئے بریگیڈیئر کے جانے کے بعد ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے۔

"دن کا کوئی پروگرام نہیں ہے؟" فیضان نے پوچھا۔

"تم دونوں تو ابھی آرام ہی کرو گے۔ لیکن میں دن میں بھی مصروف رہوں گا!" میں نے کہا۔

"کیا کرو گے؟"

"اپنے دوست ٹی ٹی سے ملاقات کروں گا۔ یوں بھی میری شخصیت جانی پہچانی ہے اور میں ان لوگوں کی نگاہوں میں اب مشکوک بھی نہیں ہوں۔ دراصل میں معلوم کروں گا کہ ٹی ٹی اس سلسلہ میں کیا مدد کرسکتا ہے؟"

"اس انوکھی شے سے ہمیں بھی ملواؤ۔ دیکھیں تو سہی کیا ہے؟"

"اگر اس کیس میں کوئی خاص پیچیدگی نہ پیدا ہوئی تو ٹی ٹی مستقل ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔ ویسے وہ واقعی دلچسپ شخصیت ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی زندگی کے چند سال چھین لئے گئے ہوں اور وہ اس گزرے ہوئے وقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ یعنی زندگی کی ابتدا وہیں سے کرنا چاہتا ہوں جہاں سے......... یہ سلسلہ منقطع ہوا تھا۔"

"خوب۔ بہرحال ملاقات کے بعد ہی اس کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے لیکن اب یہ باقی وقت کس طرح گزارا جائے؟"

"بہتر یہ ہے کہ تھوڑی دیر سولیں۔ اس کے علاوہ اور کیا مشغلہ ہوسکتا ہے؟" میں نے کہا اور اس کے بعد ہم نے خاموشی اختیار کرلی۔

دن کو تقریباً گیارہ بجے میں میجر یوسف کی رہائش گاہ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے تبسم پر نگاہ پڑی۔ کچھ عرصہ سے وہ مجھ سے بیزار ہوگئی تھی اور کوئی خاص توجہ

نہیں دیتی تھی لیکن آج دیکھتے ہی میری طرف لپکی۔ نزدیک آکر تمسخرانہ انداز میں میرا جائزہ لینے لگی۔

"خیریت مس تبسم!" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔ بڑی الجھی ہوئی چیز ہو۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہو ضرور.......... مان ہی نہیں سکتی.......... ورنہ ڈیڈی جیسا فوجی انسان.......... کیا ہو.......... بتاؤ گے نہیں!" وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"سبحان اللہ! آپ ابھی تک اسی تحقیق میں مصروف ہیں!"

"کیا کروں.......... کوئی شغل بھی تو نہیں ہے۔ ویسے تم نے واقعی بڑا مایوس کیا ہے.......... کتنی خوشی تھی تمہارے آنے پر۔ اعتراف ہی کرلو کہ تم وہ نہیں ہوا جو نظر آتے ہو!"

"کیا بات ہے تبسم! کیا گفتگو ہو رہی ہے!" بیگم یوسف کی دخل اندازی نے میری جان چھڑا دی۔ تھوڑی دیر تک میں ان سے گفتگو کرتا رہا اور اس کے بعد تیاریاں کر کے نکل آیا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی موجود تھا مجھے دیکھ کر کھل اٹھا۔ "واہ بھئی۔ وسوسوں میں گرفتار کر دیتے ہو۔ کسی کے جذبات کا احساس بھی تو فریضہ زندگی ہے۔ میں تو یوں محسوس کرنے لگا ہوں جیسے تمہاری غیر موجودگی میں میری شخصیت ایک بٹا دو ہوگئی ہو۔ کب اس جھگڑے کو ختم کرو گے۔ تاکہ امید وبیم کے اس عذاب سے نجات ملے۔ مجھ سے کہو تو ان صاحب کو ہپناٹائز کر کے تمہارے پاس بلا دوں اور تم انہیں گرفتار کر لو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آخری لمحات کا کھیل باقی رہ گیا ہے ٹی ٹی! میں تمہیں داؤ پر نہیں لگانا چاہتا۔ اگر ممکن ہوسکے تو صرف ایک بات اور معلوم کرو.......... !"

"وہ کیا؟" ٹی ٹی نے پوچھا۔

"جن جگہوں پر انہوں نے بارودی سرنگیں بچھائی ہیں کیا وہاں پہرہ بھی دیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا وہاں نگرانی کی جاتی ہے؟"

"ہوں" ڈاکٹر ٹی ٹی پر خیال انداز میں ٹھوڑی کھجانے لگا پھر بولا "ٹھیک ہے کوشش کروں گا۔ ویسے اس دوران میں نے ہلکی سی تبدیلی محسوس کی ہے!"

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"بس ایک احساس ہے۔ وہ لوگ مجھے نظرانداز کر رہے ہیں۔ بلکہ ڈریک نوبل نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں یہاں اکتاہٹ محسوس کر رہا ہوں تو میری واپسی کا بندوبست بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شہاب! میری نگرانی بھی کی جارہی ہے۔"

"اوہ! لیکن ان لوگوں کو تمہارے اوپر شبہ کس طرح ہوا؟ کیلی پیٹرسن کا راز کھل تو نہیں گیا؟"

"خدا بہتر جانتا ہے۔ ویسے کیلی پیٹرسن بدستور اپنا کام انجام دے رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی محفوظ ہے! اگر انہیں شبہ بھی ہو جاتا تو وہ کم از کم ریکارڈ سیکشن سے ضرور ہٹا دیتے یا اس کی تفریحات پر پابندیاں لگا دیتے!"

"ہاں یہ تو درست ہے لیکن کیا تم نے اس سلسلہ میں اپنی قوتوں سے کام نہیں لیا۔ میرا مطلب ہے کسی کے ذہن کو پڑھ کر کوئی اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی تم نے کہ آخر ان کے ذہنوں میں تمہارے خلاف کیا شبہ ہے؟"

"نہیں شہاب! یہ بیوقوفی نہیں کی میں نے وہ لوگ مجھ سے واقف ہیں۔ اگر ان کی مصروفیات کا ایک لمحہ بھی کھو جائے تو وہ اس کا حساب مجھ سے لیں گے!" ٹی ٹی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ' یہ تو درست ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم خطرے میں ہو۔ تب پھر میں تمہیں استعمال نہیں کروں گا ڈاکٹر! میں کسی طور تمہاری زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ تم میرے لئے جتنا کچھ کر چکے ہو' وہی کافی ہے۔"

"نہیں شہاب! میں ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہوں اگر وہ تمہارے مفاد میں ہو!" ٹی ٹی نے پر خلوص لہجے میں کہا اور میں مسکرانے لگا۔

"میں تمہیں ان لوگوں کی طرح صرف آلۂ کار کی حیثیت نہیں دے سکتا ٹی ٹی! تم میرے دوست ہو۔ بہر حال میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ اب آخری لمحات کا کھیل باقی ہے۔ میں خود ہی اس کھیل کو سرانجام دینے کی کوشش کروں گا۔ ہاں اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمہیں محفوظ مقام پر پہنچادوں۔ میں تمہیں ان کے ہاتھوں میں دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"نہیں شہاب! اب اتنا بزدل بھی نہیں ہوں۔ ضرورت پڑنے پر میں اپنے بچاؤ کا بندوبست تو کرہی سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اپنے طور پر کچھ سوچوں گا۔ کوئی ایسی ترکیب

کہ کسی طرح تمہارا یہ مسئلہ بھی حل کر سکوں۔"

"بس اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم صرف اپنی حفاظت کرو۔ میں نے ابھی ابھی سوچا ہے کہ تمہاری گمشدگی بھی ابھی مناسب نہیں ہے۔ ورنہ ان کے شبہے کو تقویت پہنچے گی اور وہ خطرہ محسوس کر کے محتاط ہو جائیں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر ٹی ٹی میری صورت دیکھتا رہا۔ پھر اس نے شانے ہلائے۔

"بہرحال اگر تم کسی جگہ میری ضرورت محسوس کرو شہاب! تو مجھے ضرور بتادو۔ میں تمہیں کسی بھی مرحلے پر منحرف نہیں نظر آؤں گا!"

"تمہارا شکریہ ڈاکٹر! اب اجازت دو۔ اور کسی وقت کوئی خطرہ ہوا تو اس کے بارے میں تمہیں ہدایات دے دوں گا!" مین نے کہا اور ڈاکٹر ٹی ٹی نے گردن ہلا دی۔

شام کو چھ بجے اس سلسلے کی آخری میٹنگ ہوئی جس میں میجر یوسف کو خصوصی طور پر شریک کیا گیا تھا۔ بریگیڈیر عمران کی سرکردگی میں اس میٹنگ کا آغاز ہوا تھا۔ کرنل شیرازی بھی اس میں شریک تھا۔

"سب سے پہلا کام ان نقشوں کا تعین ہے اور میجر یوسف! میرا خیال ہے آپ سیکیورٹی انچارج کی حیثیت سے اس سلسلہ میں بہتر نشاندہی کر سکیں گے؟" بریگیڈیر نے کہا اور پھر ایک ایک نقشے پر بڑی باریک بینی سے غور ہونے لگا۔ میجر کو مکمل تفصیل نہیں معلوم تھی لیکن جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس میں پوری دلچسپی لے رہا تھا اور بلاشبہ اس نے نہایت ذہانت سے ان نقشوں کی جگہوں کا تعین کیا۔ سب ہی اس سے متفق ہوگئے تھے۔ چنانچہ ان نقشوں کی مدد سے ان تھک محنت کے بعد ایک اور نقشہ ترتیب دیا گیا جس میں بارودی سرنگوں کی جگہوں کا تعین کیا گیا تھا۔ درحقیقت ان جگہوں کی نشاندہی ٹھوس بنیادوں پر کی گئی تھی۔ یہاں تیل کے وہ کنویں تھے۔ جن سے تیل برآمد ہو چکا تھا اور خیال تھا کہ اس کے قرب وجوار میں مزید کنویں کھودنے کی گنجائش ہے اور یہاں تیل کا بہت بڑا ذخیرہ بھی موجود ہے۔"

"لیکن اس دن کی آخری کارروائی کا کوئی امکان نہیں ہے بشرطیکہ انہیں شبہ نہ ہو جائے۔ اگر انہیں شبہ ہوگیا تو وہ فوری طور پر اپنا کام انجام دے کر بھاگنے کی فکر کریں گے۔ دوسری صورت میں ایون گرے کے کارکن اس وقت تک خاموشی سے اپنا کام انجام دیتے رہیں گے۔ جب تک پروجیکٹ پوری طرح مکمل ہو کر کام شروع نہ

کر دے اور تیل نکالنا نہ شروع کر دیا جائے۔ اس لئے انتہائی اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری کارروائی کے دوران انہیں کوئی شبہ نہ ہو۔ میجر یوسف! جن جگہوں کے لئے یہ نقشہ ترتیب دیا گیا ہے' کیا وہاں آپ کا اسٹاف ہی پہرہ دیتا ہے؟"

"جی ہاں! یہ جگہیں میری تحویل میں ہیں۔ میرا مقصد ہے ایک مخصوص علاقے تک۔ تیل کے کنوؤں تک ان کی رسائی نہیں ہے اور وہ انجینئروں کی تحویل میں رہتے ہیں!"

"جہاں آپ کا آخری پہرہ ہوتا ہے' وہاں سے کنوؤں کا فاصلہ کتنا ہے؟"

"خاردار تاروں کی ایک باڑھ ہے جس کے درمیان کنویں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے گارڈ اس باڑھ کے دوسری طرف نہیں جاتے!"

فاصلہ کتنا ہوگا؟"

"زیادہ نہیں۔ صرف دو سو گز دور ہوں گے؟"

"میرا خیال ہے یہ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ کیوں مسٹر شہاب!" بریگیڈیر عمران نے پوچھا۔

"جی ہاں! یہ زیادہ فاصلہ نہیں ہے!"

"اس تفصیل کے بعد آپ کے ذہن میں اس سلسلہ میں کام کرنے کا کوئی مناسب پروگرام ہے؟" بریگیڈیر نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب! اور اس سلسلے میں ہمیں مکمل طور پر میجر یوسف کا تعاون درکار ہو گا۔ میجر یوسف مخصوص اور اہم جگہوں پر گارڈ کا تعین کریں گے اور ہم کل دن ان جگہوں پر فوٹوگرافی کریں گے۔ یعنی ہم لوگ گارڈ کی وردی میں وہاں ڈیوٹی انجام دیں گے اور وہاں کی تصاویر حاصل کریں گے۔ ان تصاویر کی مدد سے ہم کل رات یہ پرگرام ترتیب دیں گے کہ ہمیں سرنگوں کے علاقے تک پہنچنے کے لئے کون سے راستے مدد دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد رات کو ہم ان سرنگوں کو ناکارہ بنانے کے پروگرام پر عمل کریں گے۔ البتہ ہمارے پاس صرف ایک آدمی ہے جو ان سرنگوں کو ناکارہ بنانے کے عمل سے واقف ہے اور اس ایک آدمی کو مختلف جگہوں پر عمل کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوگا!" میں نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کروں گا مسٹر شہاب!" کرنل شیرازی نے

کہا۔"ہمارے پندرہ آدمی مختلف ذرائع سے یہاں داخل ہو چکے ہیں ان میں ماہرین بھی ہیں جو آپ کی بارودی سرنگوں کو ناکارہ بنانے کا عمل جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں فوری طور پر ایسے دیگر آدمیوں کا بندوبست کر سکتا ہوں۔

"مناسب! یہ لوگ کب تک پہنچ جائیں گے؟"

"بس ایک آدھ دن میں ان لوگوں کو ہدایت کر دی جائے گی کہ وہ بارودی سرنگوں کا پتہ لگانے اور انہیں ناکارہ کرنے والا آلات بھی لے کر آئیں۔" کرنل شیرازی نے کہا۔

"مناسب ہے۔کیمروں کا میں بندوبست کردوں گا!" بریگیڈیر عمران نے کہا۔ اور اس کے بعد دیر تک اس کے اہم نکات پر گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد سب لوگ مطمئن ہو کر اٹھ گئے۔

"اسی رات تیاریاں کی گئیں۔ صبح تقریباً چار بجے میجر یوسف ہمیں سیکیورٹی گارڈز کی وردی میں لے کر چل پڑا۔ یہ وردیاں اس نے ہمارے جسموں کے ناپ کے مطابق فراہم کی تھیں ۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ کرنل شیرازی بھی ایک گارڈ کی وردی میں ہمارے ساتھ موجود تھا ۔ ہمیں مختلف جگہوں پر تعینات کر دیا گیا اور میجر نے وہاں سے دوسرے گارڈ اٹھا لئے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ اپنا فرض بھی انجام دینا تھا اور دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ بھی رہنا تھا۔

مجھے جس جگہ تعینات کیا گیا تھا وہاں چار گارڈز اور بھی تھے۔ ایک ننھا سا کیمرہ میرے لباس میں محفوظ تھا۔ بہرحال میں ایک تربیت یافتہ گارڈ کی حیثیت سے ڈیوٹی انجام دینے لگا۔ دن کو تقریباً دو بجے میں نے البرٹ پکیو کو وہاں دیکھا۔ وہ پروجیکٹ کے اندرونی حصے میں چلا گیا تھا۔ اس سے ان لوگوں کی آزادی کا پتہ چلتا تھا۔ بہرحال انتہائی احتیاط کے ساتھ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی انجام دے کر میں نے بہترین تصویر کشی کی۔ ذاتی طور پر بھی میں نے محل وقوع کا جائزہ لیا تھا۔ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ ایک اس بارے میں قدرت کی طرف سے میری مدد ہوئی تھی یعنی وہ گٹر لائن علم میں آگئی تھی جو پورے پروجیکٹ کے نیچے پھیلی ہوئی تھی۔ ایک جگہ پانی رسنے لگا تھا جس کی صفائی کے لئے چند لوگ گٹر میں اترے تھے اور میرا ذہن اچانک تجسس کا شکار ہو گیا تھا۔

ڈیوٹی ختم ہونے پر میں واپس چل پڑا۔ دوسرے لوگ بھی پہنچ رہے تھے۔

کیمرے ایک شخص کے حوالے کر دیئے گے جو فوجیوں میں سے ایک تھا اور فلمیں ڈیولپ کرنے کا کام جانتا تھا۔ رات کو آٹھ بجے ہم سب پھر سے ایک جگہ جمع ہو گئے۔ وہ تمام تصاویر بریگیڈیر کے سامنے تھیں جو ہم نے اتاری تھیں۔

"میرا خیال ہے جناب! ہماری آسانی کی ایک اور صورت پیدا ہوگئی ہے جس کی مدد سے ہم کام انجام دے سکتے ہیں!" میں نے کہا۔

"اوہ جلدی بتاؤ۔ تمہارے مشینی دماغ کی کارکردگی سے ہم بے حد متاثر ہیں۔ کرنل شیرازی تو بضد ہیں کہ تمہیں ملٹری انٹیلی جنس میں کوئی اہم عہدہ دیا جائے۔!" بریگیڈیر عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اتفاق سے میں جس جگہ پہرہ دے رہا تھاوہاں ایک گٹر سے پانی رسنے لگا جس کی وجہ سے میرے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ ہم گٹر لائن کا نقشہ حاصل کر کے زیر زمین ان جگہوں پر پہنچنے کی کوشش کریں۔"

"اوہ' کیا یہ ممکن ہے میجر یوسف!" بریگیڈیر عمران نے پوچھا۔ قطعی ممکن ہے بلکہ نہایت عمدہ خیال ہے۔ گٹر لائن کا نقشہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ میرا خیال ہے ہم اس نقشے کی مدد سے اپنی جگہ کا تعین کر سکتے ہیں! میجر یوسف نے پرجوش لہجے میں کہا۔

کرنل شیرازی مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ میجر یوسف کو نقشے کے لئے دوڑایا گیا اور آج کی یہ میٹنگ بھی نہایت کارآمد رہی۔ ہم لوگ رات کو تین بجے تک اپنی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ خوب بحث ہوئی اور یہ خیال بھی ذہن میں آیا کہ ضروری تو نہیں ہے کہ تمام جگہوں پر ایون گرے والوں کا تسلط ہو۔ دوسری بے شمار کمپنیاں بھی کام کر رہی ہیں ان میں بھی ذہین لوگ موجود ہیں اور وہ بارودی سرنگوں کا جائزہ لے سکتے ہیں اس لئے ایون گرے والوں نے بھی ایسی جگہوں کا تعین کیا ہوگا جو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ ہوں۔

"اور یہ محفوظ جگہ گٹر لائن بھی ہوسکتی ہے اس کا خیال رکھا جائے!"میں نے انکشاف کیا اور تمام چہروں پر مسرت کی تحریر لکھی گئی۔ چنانچہ کچھ نئی ضرورتوں کا تعین کیا گیا اور اس کے لئے بھی پروگرام ترتیب دے لیا گیا۔

غرض ہر طرح سے ایک جامع کارروائی کا پلان ترتیب دینے کے بعد ایک رات

اس مہم کا آغاز ہوگیا۔ اس جگہ ہمیں اندر داخل کیا گیا تھا‘ جہاں ایک بار ماجد سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ ہم سب کو بہترین نقشے فراہم کر دیئے گئے تھے جن میں ہمارے ایک ایک قدم کا تعین تھا۔ ہر طرح سے ہمیں معلومات فراہم کی گئی تھیں۔ چنانچہ بیس فوجی جوان تھے اور تین ہم لوگ تھے۔ کرنل شیرازی ایک مہم پسند شخص تھا۔ اس نے خود بھی اس کام میں حصہ لیا تھا۔ ہم دو دو کی ٹولیوں میں پروجیکٹ کے نیچے پھیلی ہوئی گٹر لائن میں پھیل گئے اور اپنی اپنی منتخب کردہ سمت چل پڑے۔ غلیظ اور بدبو دار پانی کے اندر کا سفر ایک انوکھا تجربہ تھا۔ گو ہمارے جسم پر مکمل غوطہ خوری کا لباس تھا پشت پر آکسیجن ٹینک تھے۔ لباسوں میں ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے وائرلیس آلات تھے لیکن اس کے باوجود جو کچھ نگاہوں کے سامنے آرہا تھا اسے دیکھ کر طبیعت پر وحشت طاری تھی۔

فیضان میرے ساتھ تھا اور اس کے انداز سے بھی پتہ چلتا تھا کہ وہ سخت پریشان ہے۔ تیز روشنی دینے والی لائٹیں ہمارے لباسوں میں پوشیدہ تھیں اور ہم خاموشی سے سفر کر رہے تھے۔ کہیں کہیں پانی کا بہاؤ شدید ہوتا تو ہم دونوں ایک دوسرے کو تھام لیتے۔ پھر ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا۔ گٹر لائن کی ایک دیوار میں سانپ کی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ چوڑے پھن والی خطرناک ناگن نے ایک زبردست پھنکار کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ نشانہ فیضان کا بازو تھا لیکن محفوظ لباس کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور میں نے واٹر پروف پستول سے فائر کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔

یہ مختصر سفر زندگی کا آخری سفر محسوس ہو رہا تھا۔ لباس میں پوشیدہ آلات کام کر رہے تھے اور جب نیچے کے مناظر روشن کرنے والی ٹارچوں کے علاوہ ایک سرخ جھماکہ محسوس ہوا تو ہم ٹھہر گئے۔ یہ غیر متوقع کامیابی تھی۔ اس روشنی کا مقصد تھا کہ ہم بارودی سرنگ کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ فیضان رک گیا۔ اس نے لباس سے بڑی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی ادھر ادھر ڈالنے لگا۔

”شہاب!“اس کی آواز میرے کانوں میں لگے ہوئے ہیڈفون پر ابھری ”تمہارا اندازہ درست نکلا۔ انہوں نے بارودی سرنگوں کے لئے گٹر لائن کا انتخاب ہی کیا ہے۔ ہم مطلوبہ شے کے نزدیک پہنچ رہے ہیں!“

”سمت کا تعین کرو فیضان!“ میں نے کہا۔

”بس آگے ہی چلے آؤ!“ فیضان نے کہا اور اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ روشنی تیز ہونے لگی اور اب ایک سیٹی بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی تھی۔ تب فیضان رک گیا۔ اس سلسلہ میں اس سے بڑا ماہر اور کون ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اب ٹارچ کی روشنی گٹر لائن کی دیواروں پر پڑ رہی تھی اور ہمیں ایک جگہ دیوار میں سیاہ رنگ کا ایک بکس نظر آیا جو بڑی احتیاط اور محنت کے ساتھ دیوار میں فٹ کیا گیا تھا۔

فیضان نے میری طرف دیکھ کر گردن ہلائی اور پھر ٹارچ میرے ہاتھ میں دے کر اپنے تھیلے سے آلات نکالنے لگا۔ یہ جگہ کسی قدر خشک تھی اس لئے کھڑے رہنے میں زیادہ دقت نہیں پیش آ رہی تھی۔ تب فیضان نے کہا”ہوشیاری سے روشنی بکس پر مرکوز رکھو شہاب! میں نے اس کا جائزہ لے لیا ہے اور اسے کھولنے جارہا ہوں!“ میں نے اسے اطمینان دلایا اور فیضان اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس نے بکس کے ڈھکن کے پیچ کھول لئے اور ڈھکن کھولنے کے بعد اس میں لگے ہوئے تار ایک دوسرے سے الگ کرنے لگا۔ کئی چیزیں نکال کر اس نے تھیلے میں ڈال لی تھیں اور اس کام میں اسے دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

یہ کام تو ختم ہوگیا اب..........؟ اس نے پوچھا۔

”کوئی ایسی بات تو نہیں ہے فیضان! کہ وہ لوگ ناکام رہیں کسی ایک آدمی کو بھی ناکام نہیں رہنا چاہئے!“

”نہیں! میرا خیال ہے فوجی ماہرین ان کاموں میں ہم سے زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔ تاہم یکجا ہونے کے بعد ان سے معلومات حاصل کرلینا بہتر ہوگا!“ فیضان نے جواب دیا اور ہم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ ہمارے لباس اب قدر غلیظ ہو رہے تھے لیکن جتنی چیزیں ہمارے پاس تھیں‘ سب کی سب غلاظت میں لتھڑی ہوئی تھیں اور ان سے اٹھنے والی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ تاہم ان چیزوں کو اٹھائے ہوئے بریگیڈیر عمران کی کوٹھی تک تو پہنچنا ہی تھا۔ سو ہم نے یہ ناگوار فرض بھی انجام دیا۔ لیکن ان کی صفائی وغیرہ کا بندوبست میجر یوسف نے پہلے ہی کر لیا تھا۔ چنانچہ لباس ان چار آدمیوں کے سپرد کر کے انہیں ہدایت کر دی گئی جنہیں میجر نے فراہم کیا تھا اور جنہیں اب اس کوٹھی میں اس وقت تک قید رہنا تھا‘ جب تک ہمارا کام مکمل نہ ہو جاتا۔

اس گندی مہم سے فارغ ہو کر سب سے آخر میں پہنچنے والی ٹیم کرنل شیرازی کی تھی۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ تقریباً" صبح نو بجے سب غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچ گئے تھے۔ بڑی پرلطف مہم تھی۔ ایک ٹیم کی حیثیت سے کام ہو رہا تھا۔ تمام ٹیموں نے اپنی کامیابی کا اعلان کیا اور اس کے بارے میں اپنی پوری رپورٹ پیش کی۔ فیضان نے ان سے سوالات کر کے اطمینان کر لیا تھا۔ اس طرح وقتی طور پر ہم ایک خوفناک خطرے کو ٹالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ نہ جانے ایون گرے والوں نے یہ کام کتنے عرصہ میں کیا ہو گا جسے ہم نے ایک رات میں ختم کر دیا ہے۔ لیکن اب اس سے قبل کہ ان لوگوں کو اس کارروائی کی خبر ہو' ہمیں ان پر قابو پا لینا چاہئے۔ بریگیڈیر عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

"دوسرے پروگرام کی ابتدا بھی ہو جانی چاہئے جناب!" کرنل شیرازی نے کہا

"ڈاکٹر برہان آج دوپہر کو پہنچ رہے ہیں۔ رات کی غلیظ اور بدبودار مہم سے آپ لوگوں کی جو حالت ہوئی ہو گی اس کا اندازہ آپ کے لباس دیکھ کر ہو گیا ہے اس لئے آپ تو اب آرام کریں۔ دوسرے گروپ کو چوکس کر دیا گیا ہے!" بریگیڈیر عمران نے کہا۔

"دوسرے گروپ سے آپ کی کیا مراد ہے جناب!" میں نے سوال کیا۔

"باقی آدمیوں کا ایک گروپ مختلف ذرائع سے یہاں پہنچ چکا ہے۔ اور میجر یوسف کی مدد سے ہم نے انہیں سیکیورٹی گارڈ کی حیثیت سے مختلف اہم جگہوں پر پھیلا دیا ہے۔ خاص طور سے وہ ایون گرے کے ممبروں کی نگرانی کر رہے ہیں۔ جن گارڈز کو یہاں سے ہٹایا گیا ہے' انہیں ایک مخصوص جگہ رکھا گیا ہے تاکہ ہر امکان پر نگاہ رکھی جائے۔ ڈاکٹر برہان آخری فیصلہ کریں گے کہ ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں۔" اس سلسلہ میں آج ان کی ہوم منسٹر سے میٹنگ ہے!" بریگیڈیر عمران نے جواب دیا۔

ناشتے کے بعد ہم لوگ آرام کرنے چلے گئے۔ ذہنی حالت اب بھی درست نہیں تھی۔ بہر حال نیند نے پرسکون کر دیا۔ دوپہر کو دو بجے تک سوئے رہے۔ پھر جاگ کر تیاریاں کرنے لگے اور تین بجے ہلکا سا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد مجھے ڈاکٹر برہان کے بارے میں اطلاع دی گئی اور میں فیضان اور ماجد کے ساتھ اس کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکٹر

برہان نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا تھا۔ اس وقت ہوم چاروں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ "تم لوگوں کی کامیابی کی اطلاع بریگیڈیر عمران دے چکے ہیں لیکن اب آخری مرحلے کے لئے الجھنیں ہیں!"

"وہ کیا ڈاکٹر؟"......... میں نے پوچھا۔

"وہی مخصوص بات جو میرے اور تمہارے درمیان ہو چکی ہے۔ ہم منسٹر اور دوسرے ذمہ دار حضرات نہیں چاہتے کہ پروجیکٹ کی کارکردگی پر کوئی اثر پڑے۔ اس انکشاف سے خوف وہراس اور بدحواسی کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمیں دوہری الجھن ہے۔ ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے بعد انہیں ان کے ملک کو پیش کرنا ہو گا اور ظاہر ہے اس ملک سے ہمارے تعلقات بہتر نہ رہ سکیں گے۔ اس کے علاوہ بے اعتمادی بھی پیدا ہو گی اور پھر اس معاملے کی تشہیر سے ہمارے پڑوسی ملک سے بھی ہمارے تعلقات بہتر نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ ہمیں کسی درمیانی حل کا انتخاب کرنا ہو گا اور یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔"

"تب آپ نے اس بارے میں کیا سوچا ڈاکٹر برہان؟" میں نے سوال کیا۔

"کوئی بہتر منصوبہ ابھی تک میرے ذہن میں نہیں ہے شہاب! اس سلسلے میں پہلے میں تم لوگوں سے مشورہ کروں گا تاکہ ان لوگوں کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کر سکوں!"

"تب پھر میری تجاویز پر عمل کیا جائے اور میرے خیال میں اس پروگرام کو بالکل خفیہ رکھا جائے۔ میں میجر یوسف کی مدد سے سارا معاملہ حل کر لوں گا۔ آپ اپنی نگرانی میں ان لوگوں کو گرفتار کرا لیں۔"

"ان کی گرفتاری کا مرحلہ بھی کافی خطرناک ہو گا۔ ظاہر ہے چند افراد نہیں ہیں ان کی تعداد تقریباً انتالیس ہے۔ ان میں لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ لیکن ہم لڑکیوں پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے ورنہ پھر یہ بات شبے کی ہو جائے گی!"

"تب پھر گرفتار ہونے والوں کی اطلاع ان لڑکیوں کو نہیں ہوئی چاہئے اور اس کے لئے کوئی مناسب پروگرام بنانا ضروری ہے!" میں نے پرخیال انداز میں کہا اور میرے ذہن میں ڈاکٹر ٹی ٹی کا خیال آیا تب میں نے چٹکی بجا کر کہا۔ "ٹھیک ہے یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا۔ آپ ان لوگوں کی گرفتاری کا بندوبست کریں!"

"لیکن تم اپنے دونوں کام کب تک پورا کر لوگے!؟"

"کم از کم دو دن' فیضان اور ماجد میرے ساتھ رہیں گے!" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر میں ان لوگوں کی میٹنگ میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا اور کہہ دوں گا کہ تم عمل کر رہے ہو۔ تمہاری رپورٹ پر ہی میں کوئی کارروائی کروں گا!"

"مناسب!"میں نے گردن ہلا دی اور ڈاکٹر برہان مطمئن ہوگیا شام کی میٹنگ میں ہم لوگ شریک نہیں ہوئے تھے البتہ رات کو آٹھ بجے میں کلب میں پہنچ گیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی حسب معمول وہاں موجود تھا۔ خوبصورت تراش کے سوٹ میں ملبوس خوشبوؤں میں بسا ہوا۔ مجھے دیکھ کر اس نے خوشی کا اظہار کیا۔" یقین کرو تمہیں یاد کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کاش تمہارا ذہن بھی میرے قبضے میں ہوتا تو اس وقت تمہیں آسانی سے بلایا جاسکتا تھا۔"

"یوں لگتا ہے جیسے میں غیر محسوس انداز میں تمہارے قبضے میں آگیا ہوں!"میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مصروفیات میرے علم میں ہیں اس لئے میں نے تمہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"لیکن میں تمہیں پریشان کئے بغیر باز نہیں آسکتا ڈاکٹر!"

"اوہ' کوئی بات ہے؟"

"ایون گرے کی کارکن لڑکیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"یہاں صرف تین ہیں جن میں کیلی پیٹرسن بھی شامل ہے!"

"ان تینوں لڑکیوں کو قبضے میں کرنا ہے ڈاکٹر!"

"کیوں؟"

"ہم ایون گرے کے آدمیوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں لڑکیاں شامل نہیں ہوں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح وہ ان سے دور رہیں تاکہ گرفتاری کے بارے میں انہیں کوئی اطلاع نہ مل سکے اور وہ کسی کو اس گرفتاری کی تفصیل نہ بتاسکیں!"

"اوہ' لیکن اس کے لئے انہیں دور رکھنا ضروری نہیں ہے!"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آرام سے ان کے سامنے سارے کام کرو۔ میں بعد میں ان کے ذہن ہمیشہ کے لئے دھو دوں گا وہ زندگی کے کسی لمحے میں کسی کو یہ بات نہ بتاسکیں گی!"ڈاکٹر نے کہا اور میں اپنی کھوپڑی پر جوتے مارنے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اتنی سی بات میں نہیں سوچ سکا تھا یہ تو مسئلہ ہی حل ہوگیا تھا!

"کیوں اس میں کوئی دقت ہوگی؟"مجھے خاموش دیکھ کر ٹی ٹی نے پوچھا۔

"کوئی دقت نہیں ہے بلکہ یہ تو سب سے آسان طریقہ ہے" میں نے سرد انداز میں کہا۔

"تب پھر اس لڑکی کو دیکھو۔ شاید روسی ہے۔ ویسے روسی لڑکیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ دراز قامت ہوں تو قیامت لگتی ہیں اس قامت پر اتنے سڈول بدن۔ افوہ۔ مگر چہرے مردوں کی مانند ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں میں نسوانیت کیوں نہیں ہوتی؟"

"پتہ نہیں!"میں نے جواب دیا۔

"یہ لڑکیوں پر باقاعدہ لٹریچر کیوں نہیں چھپتا۔ میرا خیال ہے ان کے بارے میں معلومات ضرور ہوتی ہیں!"

"چھپتا تو ہے لیکن نہ ہونے کے برابر۔"

"میرے خیال میں تو ایک باقاعدہ ادارہ ہونا چاہئے جو ان پر ریسرچ کرے۔ مگر یہ ریسرچ......... ریسرچ کیسے ہو گی؟ ڈاکٹر کی سانس پھولنے لگی۔ اور میں اسے تعجب سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ڈاکٹر شاید اس ادارے کے قیام کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ پھر اس نے اچانک گردن اٹھا کر کہا۔

"میں اس کے ساتھ رقص کروں گا!"

"اس روسی لڑکی کے ساتھ؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔

"جب تم ڈانس فلور پر جاؤ گے ڈاکٹر! تو میں چلا جاؤں گا۔ میں بدستور مصروف ہوں۔ امید ہے تم محسوس نہیں کرو گے!"

"نہیں ٹھیک ہے۔ ان دنوں میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا!"ڈاکٹر نے جواب دیا۔

پھر جب رقص کے لئے موسیقی شروع ہوئی تو میں اور ڈاکٹر ساتھ ساتھ اٹھے تھے۔ وہ ڈانس فلور کی طرف بڑھ گیا اور میں باہر جانے والے دروازے کی طرف باہر نکل کر میجر یوسف کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔

"میجر یوسف شاید ابھی ابھی گھر پہنچا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھا۔ تبسم اور بیگم یوسف بھی ساتھ تھیں۔ "آؤ ڈیئر! میری خوش نصیبی ہے کہ تم میرے اس قدر قریب ہو۔ میں ہمیشہ اس بات پر فخر کرتا رہوں گا کہ میں تمہارا میزبان رہا ہوں!"

"اوہ' یوں لگتا ہے میجر! جیسے تبسم نے آپ کو میرے خلاف پڑھا دیا ہے۔" میں نے میجر کی توجہ ان دونوں کی طرف مبذول کی اور میجر سنبھل گیا لیکن تبسم طنزیہ انداز میں گردن ہلا رہی تھی۔ "آپ لوگوں کا خیال ہے کہ میں کچھ سمجھتی نہیں۔ لیکن اس سے قبل ڈیڈی ہماری طرف سے اتنے بے اعتماد تو نہیں تھے!" اس نے کہا۔

"ارے نہیں تبسم بیٹے! اس میں بے اعتمادی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں۔ امید ہے تم فراخدلی سے کام لوگی۔ آؤ ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں!" میجر نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔اور پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آگیا۔"مجھے تمہاری مصروفیات کے بارے میں معلوم ہے شہاب! اس وقت کوئی خاص کام ہے؟"

"ہاں میجر! مجھے آپ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ ہمیں کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرنا ہے جہاں ہم اپنا آخری کام انجام دے سکیں!" میں نے میجر کو اپنا مافی الضمیر سمجھایا اور میجر کی آنکھیں خوف اور تعجب سے پھیل گئیں۔ وہ دیر تک خاموشی سے میری صورت دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔"ایسی جگہ میری نگاہ میں ہے!"

"اوہ' خوب۔ لیکن کہاں؟"

"ٹام گریس نامی ایک کمپنی نے گہری کھدائی کی تھی۔ تقریباً نوے فٹ کی گہرائی تک انہوں نے کھدائی کی اور ریزرو کیبن بنا لیا تھا لیکن پھر اس کمپنی نے کچھ خصوصی مطالبات کئے تھے جو حکومت نے منظور نہیں کئے۔ چنانچہ اس کمپنی کے افراد واپس چلے گئے اور وہ جگہ جوں کی توں ہے۔ کسی دوسری کمپنی سے اس کنویں کی کھدائی کا نیا معاہدہ نہیں ہوا ہے ابھی تک!"

"گہرائی نوے فٹ ہے!"

"ہاں!" میجر یوسف نے جواب دیا۔

"میں ابھی اور اسی وقت وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میجر!" میں نے پر جوش انداز میں کہا اور میجر نے گردن ہلا دی ۔ پھر وہ میرے ساتھ اٹھ کر باہر نکل آیا اور ہم دونوں چل پڑے۔

ڈاکٹر برہان کو میں نے دوسرے دن شام کو رپورٹ دی تھی اور ڈاکٹر برہان ششدر رہ گیا۔ "اوہ شہاب! اس سے عمدہ موقع اور کوئی نہیں مل سکتا ۔ واہ سارے معاملات طے ہوگئے۔ تو پھر ضروری کارروائی تم کب تک کر رہے ہو؟"

"صبح سے میں اور میرے ساتھی مصروف رہے ہیں۔ ہم اپنا کام مکمل کر چکے ہیں۔ میں آپ کو آخری رپورٹ دینے آیا ہوں۔"

"میں تمہاری ذہانت کا خلوص دل سے قائل ہوں شہاب! آج تک میں نے یہ بات نہیں سوچی تھی کہ تم بین الاقوامی قسم کے معاملات میں بھی اتنی ذہانت کا ثبوت دے سکتے ہو۔ یہ تو سارا کھیل ہی بدل جائے گا۔ میں آج ہی بریگیڈیر عمران سے بات کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ بھی خوشی سے ناچ اٹھیں گے!"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں جناب! میں نے انکساری سے کہا اور ڈاکٹر برہان فون کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے فون پر بریگیڈیر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

ایون گرے کے چیف انجنیئر البرٹ پیکو نے دعوت قبول کرلی تھی۔ وقت مقررہ پر وہ اعلیٰ حکام کی منتخب کردہ جگہ پر پہنچ گیا۔ ڈریک نوبل اور کیلی پیٹرسن اس کے ساتھ تھے۔ فوجی حکام نے ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ سب سول لباسوں میں تھے اور انہوں نے اپنا تعارف مختلف ناموں اور عہدوں کے ساتھ کرایا تھا۔

ایک مختصر سی ضیافت کے بعد البرٹ پیکو سے اس ملاقات کا سبب اسے بتایا گیا۔ کرنل شیرازی نے وزارت معدنیات و قدرتی وسائل کے ایک رکن کی حیثیت سے کہا۔ مسٹر البرٹ' ٹام گریس نامی ایک کمپنی نے ایک نئے کنوئیں کی کھدائی شروع کی تھی لیکن چند اختلافات کی وجہ سے وہ کام ادھورا چھوڑ کر چلی گئی۔ اور وہ کنواں جوں کا توں پڑا ہے ہماری خواہش ہے کہ اس کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی جائے۔ چنانچہ ہم اس سلسلہ میں آپ سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔

"ہمیں اعتراض نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہماری کمپنی زیادہ سے زیادہ کام حاصل کرنے کی خواہشمند ہے بلکہ اس کے لئے ہم نے ایک درخواست بھی پیش کی تھی!" البرٹ پیکو نے جواب دیا۔

"بڑی مسرت کی بات۔ بہرحال میں حکومت کی جانب سے آپ سے یہ نیا معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہوں مجھے تمام تر اختیارات دیئے گئے ہیں کہ میں آپ سے معاملات طے کرلوں!"

بہتر ہے۔ میں پہلے اس کنوئیں کا معائنہ کر لوں۔ اس سلسلہ میں میری ٹیم کے چند انجینئر بھی ساتھ ہوں گے۔ جگہ اور وقت آپ معین کریں!"

"میری خواہش ہے البرٹ! کہ میں یہ کام جلدی کر کے واپس چلا جاؤں۔ کل دن میں آپ اس کنوئیں کا معائنہ کرلیں۔ اس کے بعد معاہدے کے کاغذات کی تیاری کرلی جائے اور پھر کنوئیں کا چارج آپ کو سونپ دیا جائے!"

"بہت مناسب! کل دن میں دس بجے!" البرٹ پیکو نے جواب دیا اور یہ بات طے ہوگئی۔

دوسرے دن دس بجے ساری تیاریاں مکمل کرلی گئیں۔ البرٹ پیکو کے ساتھ سترہ افراد تھے لیکن ڈریک نوبل ان میں شامل نہیں تھا۔ سترہ افراد کی اس ٹیم کو بڑے احترام سے اس جگہ لے جایا گیا جہاں یہ کنواں موجود تھا۔ تفصیلات بتانے کے بعد کنوئیں میں اترنے کا بندوبست کیا گیا اور پھر کرنل شیرازی البرٹ پیکو کو تفصیلات بتانے لگا۔ میجر یوسف نے جان بوجھ کر البرٹ کے ساتھی چند افراد کو اوپر ہی روک لیا تھا اور ان سے گفتگو کر رہا تھا۔ پروگرام کے مطابق ماجد تھوڑی دیر کے بعد اور آیا اور باہر کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھتا ہوا بولا۔ "مسٹر ہینڈرس دول کون ہیں؟"

"میں ہوں۔ کیا بات ہے؟" ایک طویل القامت شخص نے آگے بڑھ کر کہا............؟

"اوہ مسٹر ہینڈرس مسٹر البرٹ نے آپ کے لئے ایک پیغام دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ایون گرے کے باقی تمام افراد کو لے کر آپ یہاں پہنچ جائیں۔ یہ پیغام مسٹر ڈریک نوبل کو دے دیا جائے اور مسٹر پیکو نے کہا ہے کہ اس کام میں جلدی کی جائے۔ اس کے علاوہ آپ تمام حضرات کو بھی انہوں نے نیچے بلایا ہے!" ماجد نے دوسروں کی

طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے انداز میں اس قدر سادگی تھی کہ کوئی سوچ نہیں سکا اور باقی ماندہ لوگ بھی نیچے اتر گئے۔ میجر یوسف نے باقی لوگوں کو یہاں لانے کے لئے اپنی خدمات پیش کردیں اور ضروری انتظامات کے بعد چلا گیا۔

میں اس وقت تک ایک خاموش تماشائی کی حیثیت رکھتا تھا چونکہ البرٹ پیکو اور ڈریک نوبل مجھے پہچانتے تھے اس لئے میں اس کارروائی میں براہ راست شریک نہیں تھا۔ بلکہ ہلکے سے میک اپ میں ایک عام آدمی کی حیثیت سے میں ان کے ساتھ تھا یعنی میں ٹرک ڈرائیور کے روپ میں تھا اور اس وقت البرٹ پیکو کے ساتھیوں کو لانے کے لئے میری خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

میجر یوسف ہینڈرس کے ساتھ ڈریک نوبل کے پاس پہنچ گیا۔ مجھے باہر ہی انتظار کے لئے کہا گیا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ یہاں صرف ہوگیا۔ ایک ایک لمحہ تجسّس میں گزر رہا تھا۔ ڈریک نوبل کے لئے یہ حیران کن بات ہوگی کہ اچانک ہی ان سب کو طلب کر لیا گیا۔ آخر کیوں؟ ممکن ہے وہ سوچ میں ڈوب جائے لیکن بہرحال اس وقت وہ کسی طرح البرٹ پیکو سے رابطہ نہیں قائم کر سکے گا۔ اور پھر اس کا آدمی ساتھ ہے جو براہ راست پیکو کے پاس سے آیا ہے اس لئے اور واقعی میرے اندیشے بے بنیاد نکلے۔ تھوڑی دیر اور گزری اور پھر بہت سے لوگ ڈریک نوبل کے ساتھ باہر آتے نظر آنے لگے۔ تقریباً تمام افراد تھے سوائے لڑکیوں کے۔ وہ سب ٹرک میں سوار ہوگئے۔ ڈریک نوبل اپنی جیپ میں تھا اور دو آدمی اس کے ساتھ تھے۔

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ڈریک نوبل کے تمام ساتھی ٹرک میں آکر بیٹھ گئے۔ میں نے میجر یوسف کے اشارے پر ٹرک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ میجر یوسف میرے ساتھ تھا۔ باقی لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے!

"کیا پوزیشن ہے؟" میں نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ لیکن وہ حیران تھا۔ بہرحال بظاہر وہ کسی تشویش کا شکار نہیں ہے!"

"مسلح تو نہیں ہیں یہ لوگ؟"

"میرے خیال میں اس کا امکان نہیں ہے۔ ویسے پوشیدہ طور پر کچھ رکھا گیا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا؟" میجر یوسف نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔ ٹرک اس مقام

کی طرف بڑھ رہا تھا جو ہماری منزل تھا۔ کنوئیں کے قریب ہم رک گئے۔ ڈریک نوبل نیچے اتر آیا تھا۔ ہینڈرس اس کے ساتھ تھا اور پھر ہینڈرس ہی کی سرکردگی میں ان کے نیچے اترنے کا بندوبست کیا گیا۔ اس بار میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میجر یوسف بھی۔

"یہاں تو خاصا کام ہوچکا ہے۔" فرسٹ ریسرچ کیبن میں پہنچ کر ڈریک نوبل نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہیں وہ لوگ؟" طویل و عریض کیبن میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے کئی سیکشن تھے۔ چنانچہ ہینڈرس نے ایک سرنگ نما دروازے کی جانب اشارہ کیا اور وہ لوگ اس سے اندر داخل ہوگئے۔ یہ کیبن نمبر دو تھا۔ اور یہاں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جونہی آخری آدمی اندر داخل ہوا اچانک ایک مشینی آواز ابھرنے لگی اور چند ساعت کے بعد روشنی پھیل گئی۔ یہ مشینی آواز کسی جنریٹر کی تھی۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟ ڈریک نوبل کی ناخوشگواز آواز ابھری لیکن وہ اپنا جملہ پورا نہیں کرپایا تھا۔ اس کی آنکھیں دیواروں سے لگے فوجیوں کو دیکھ رہی تھیں جو ان سب کی طرف اسٹین گنیں تانے ہوئے تھے۔ ڈریک نوبل ہینڈرس اور دوسرے لوگوں کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ حیرت کی وجہ سے ان کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ تب کیبن نمبر تین سے کرنل شیرازی ' بریگیڈیر عمران اور چند دوسرے فوجی افسر باہر نکل آئے اور اس طرف کا منظر دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اس کا مقصد ہے کہ کورم پورا ہوچکا ہے۔ کیا ان لوگوں کی تلاشی لے لی گئی ہے؟" بریگیڈیر عمران نے پوچھا۔

"ابھی نہیں!" میجر یوسف نے جواب دیا۔

"تب کام مکمل کرلیں تاکہ معاملے کی بات ہوسکے!"

"میں نہیں سمجھا یہ سب کیا ہے؟" ڈریک نوبل کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"سوری مسٹر ڈریک نوبل لیکن یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔ معاملے کی گفتگو کے لئے ضروری تھا کہ آپ لوگ غیر مسلح ہوں تاکہ پرامن ماحول میں گفتگو ہوسکے!"

"یہ فضول بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کاروباری گفتگو کے لئے مسلح فوجیوں کے ذریعہ گرفتاری ضروری ہوتی ہے کیا؟" نوبل نے پوچھا۔

"تعجب ہے۔ آپ اس کاروبار سے قطعی ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ

مسٹر بیکو کی ہدایت ہے کہ آپ سب کو غیر مسلح کردیا جائے۔"

"ہم سب غیر مسلح ہیں ہم کسی جنگ پر نہیں آئے تھے یہاں!" ڈریک نوبل نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اس کے باوجود ضابطے کی کارروائی ضروری ہے!" بریگیڈیر عمران نے کہا اور پھر چند لوگوں کو اشارہ کیا۔ مسلح فوجیوں نے ان کی تلاشی لینا شروع کردی۔ ڈریک نوبل اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ صورت حال کو وہی سمجھتا جو ہم نے بتائی تھی' اس کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا اور چہرے پر ہلکی سی پیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ ظاہر ہے یہ پیلاہٹ اسی خیال کا نتیجہ تھی کہ وہ کسی الجھن میں پھنس گئے ہیں۔ فوجی جوان انتہائی پھرتی سے ان کی تلاشی لینے لگے۔ جس کی جیب میں ہتھیار قسم کی جو بھی چیز ملی وہ لے لی گئی۔ ویسے پستول وغیرہ کسی کے پاس نہیں تھا۔ تمام لوگوں کی تلاشی لینے میں دس بارہ منٹ صرف ہوگئے۔ اور پھر فوجی جوانوں نے پیچھے ہٹ کر گردن ملا دی۔ گویا انہوں نے لائن صاف ہونے کا اشارہ کیا۔ تب بریگیڈیئر عمران نے گردن جھکا کر انہیں کیبن نمبر تین کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ تیل کی کھدائی کے سلسلے میں جو کنوئیں بنائے جاتے ہیں مجھے ان کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔ یہ کیبن غالباً اس مقصد کے لئے بنائے جاتے ہیں کہ یہاں تجربہ گاہ قائم کی جاسکے۔ اور اس بات کا تجزیہ کیا جاسکے کہ زمین کے نیچے تیل موجود ہے یا نہیں اور اگر موجود ہے تو اس کی کوالٹی کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یقیناً دوسرے کنویں میں بھی ایسی ہی پوزیشن ہوگی۔ بہرصورت یہ ساری چیزیں میرے دلچسپ تھیں!

بریگیڈیر عمران کے اشارے پر وہ لوگ اندر داخل ہوگئے لیکن ان چہروں پر ناخوشگوار کیفیت اور خوف کے آثار موجود تھے۔ اور پھر وہی ہوا جو انہوں نے سوچا تھا یعنی کیبن نمبر تین میں ان کے تمام ساتھی موجود تھے لیکن اس انداز میں کہ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑے ٹھنسے ہوئے تھے۔ وہ سب ایک دیوار سے لگے ہوئے کھڑے تھے اور ان کی آنکھوں میں وحشت کے آثار تھے۔ ان کے سامنے ہی دیوار کے نزدیک لاتعداد فوجی ان پر اسٹین گنیں تانے ہوئے موجود تھے۔ ڈریک نوبل غرا کر پلٹا اور بریگیڈیر عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہوں۔ تو ہمارے ساتھ کوئی سازش کی گئی ہے!"

"خاموشی اختیار کرو۔ فضول بکواس کی تو.......... بریگیڈیر عمران نے پستول نکال لیا۔ یہ لوگ وطن کے دشمن تھے اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت نہیں کی جاسکتی تھی۔ بریگیڈیر عمران نے شرافت کا چولا اتار دیا تھا۔ ڈریک نوبل ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑ بڑا کر رہ گیا۔ اس نے البرٹ پیکو کی جانب دیکھا لیکن البرٹ پیکو کی آنکھوں میں بے بسی کے آثار پاکر خود بھی ڈھیلا پڑ گیا۔ آنیوالے تمام لوگوں کو بھی ہاتھ اور منہ کس کران کے دوسرے ساتھوں کی طرح دیواز کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ پھر ہم سب لوگ ایک جگہ جمع ہوگئے۔ تب بریگیڈیر عمران نے میجر یوسف کو حکم دیا کہ ڈریک نوبل اور البرٹ پیکو کو ان کے سامنے لایاجائے۔ میجر یوسف نے البرٹ پیکو کے منہ سے پٹی کھول کر کپڑا نکالا اور اسے گریباں سے پکڑ کر آگے لے آیا۔ جو رویہ ان لوگوں کے ساتھ شروع کر دیا گیا تھا اس کا اندازہ اب میجر یوسف کو بھی ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان دونوں افراد کو بریگیڈیر عمران کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ بریگیڈیر عمران کی آنکھوں میں نفرت کے آثار تھے۔

"خوب تو مسٹر البرٹ پیکو! آپ اور آپ کے ساتھی یعنی ایون گرے کے کارکن ہمارے ملک کے خلاف سازش کر رہے تھے!" اس نے نفرت زدہ لہجے میں کہا۔

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہو۔ ہم لوگ باقاعدہ یہاں آتے ہیں اور ہم نے تیل کی کھدائی کے لئے کافی کام بھی کیا ہے۔ پھر تم لوگ کس طرح یہ بات کہہ رہے ہو کہ ہم تمہارے خلاف کوئی سازش کرنے آئے تھے!"

"لاتعداد ثبوت ہیں تمہارے خلاف ہم نے تمہارے ریکارڈ سیکشن سے وہ پورا پلان اڑا لیا ہے جس کے تحت تم لوگ یہاں آئے تھے۔ ہمارے جس دشمن کے لئے تم کام کر رہے ہو' اس نے ہماری ترقی کی راہ میں براہ راست روڑے اٹکانے کی کوشش میں خود کو ملوث نہیں کیا ہے بلکہ اس کرائے کے گروہ سے کام لیا ہے جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ تم اس گروہ کے رکن ہو اور یہاں آکر تم لوگوں نے ایک خوفناک جال بچھایا تھا۔ ایک ایسی سازش کی تھی جو ہمارے ملک کی زیڑھ کی ہڈی پر ضرب کاری تھی۔ اس سازش کے تحت تم ہمارے اس پروجیکٹ کو تباہ کرنا چاہتے تھے' اور اس کا الزام ہمارے ایک پڑوسی ملک کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہے تھے جو ہماری طرف سے غلط فہمیوں کا شکار ہے۔ کیا اس تفصیل کے بعد تم اس بات کا اعتراف نہیں کرلو

گے۔ ظاہر ہے یہ انکشاف کسی مفروضے کی بناء پر نہیں کیا جارہا!"

البرٹ پیکو اور ڈریک نوبل سخت پریشان نظر آرہے تھے۔ تب البرٹ پیکو نے کہا۔ "یہ ساری بکواس ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بہتر ہے کہ تم ہمارے ملک کے سفارت خانے سے رابطہ قائم کرو اور ہمیں اس کے حوالے کردو!

"نہیں مسٹر پیکو! تمہاری سازش کو قطعی طور پر ناکام بنانے کے لئے ہم نے بھی کام کیا ہے۔ گٹر لائن کے اہم مقامات پر لگائی گئیں بارودی سرنگیں قطعی طورپر ناکارہ بنا دی گئی ہیں اور تمہارے لئے کوئی چانس نہیں چھوڑا گیا۔ رہی سفارت خانے کے حوالے کرنے کی بات تو اگر تم لوگ اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے تو تمہارا سفارت خانہ ہمارا نقصان تو پورا نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے بات ہمارے اور تمہارے درمیان ہے!"

"ٹھیک ہے تم ہم پر مقدمہ چلاؤ۔ ہم اپنے لئے صفائی کا بندوبست کریں گے!"

"اس کے بجائے ہم نے خود تمہاری صفائی کا بندوبست کر دیا ہے۔ نئے معاہدے پر دستخط ہو چکے ہیں اور اس کے تحت تم لوگوں نے اس نئے کنویں کی کھدائی کا ذمہ لے لیا ہے۔ اب تم لوگ یہاں رہ کر یہ کام مکمل کرو گے اور بیرونی دنیا سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں رہے گا!"

"گویا ہمیں یہاں قیدیوں کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا!" البرٹ پیکو کے چہرے پر کسی قدر اطمینان کے آثار پھیل گئے تھے۔ لیکن زندگی بچ جانے کے بعد وہ مصنوعی برہمی کا اظہار کر رہا تھا۔

"ہاں سو فیصدی! اس کنویں میں سے تمہیں تیل نکالنا ہے اور اب اسی وقت تم یہاں سے باہر جاسکتے ہو۔"

"ہم اس حیثیت سے کام نہیں کریں گے!"

"دوسری صورت میں تمہیں یہیں گولی مار کرہلاک کر دیا جائے گا۔ بس ہمیں یہی کہنا تھا!" بریگیڈیر عمران نے کہا اور دوبارہ ان لوگوں کو باندھنے کا اشارہ کر دیا گیا۔ البرٹ اور ڈریک اس وقت تک احتجاج کرتے رہے جب تک ان کی آوازیں بند نہ کر دی گئیں۔ اس کے بعد ہم باہر نکل آئے اور کیبن نمبرایک میں پہنچ گئے۔

اس مہم کا انچارج ہونے کی حیثیت سے بریگیڈیر عمران نے مجھ سے گفتگو کرتے

ہوئے کہا۔ "کیا آپ اس کارروائی سے مطمئن ہیں مسٹر شہاب!"

"سو فیصدی جناب! میرا خیال ہے کہ سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہوا ہے!"

"میں نے ان لوگوں کو ان کے انجام سے اس لئے واقف نہیں کیا کہ موت کو شہ رگ کے قریب دیکھ کروہ سرکشی کرتے اور ہمیں گولی چلانی پڑتی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان میں سے کسی ایک شخص کی لاش بھی مشتبہ ہو۔ جتنی لاشیں صحیح سالم ملیں گی ہم ان کے سفارت خانے کے سپرد کر دیں گے!"

"میں نے آپ کی اس حکمت عملی کا اندازہ لگا لیا تھا!" میں نے کہا۔

"میں نے نئے کنویں کامعاہدہ سائن کرا لیا ہے۔ ویسے آپ کی اس ذہن کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔ اتنی باریک بینی عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ بہت ہی نفاست سے آپ نے اپنا کام کیا ہے۔ اس نوتعمیر کنویں کاانتخاب لاجواب تھا' بہر حال اب کارروائی مکمل ہے نا؟"

"جی ہاں قطعی مکمل!" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر کس وقت آپ اپنا آخری کام انجام دیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ اب سے کچھ دیر کے بعد ہمیں اپنے تمام آدمیوں کو یہاں سے ہٹا دینا چاہئے!" میں نے جواب دیا اور بریگیڈیر عمران نے گردن ہلا دی۔

"نوتعمیر کنویں میں اب ہمارا کوئی آدمی نہیں رہا تھا۔ گرفتار ہونے والے مطمئن تھے کہ انہیں ایک ایسے کام میں لگایا گیا ہے جس میں ایک طویل عرصہ لگے گا اور اس طویل عرصے میں ان کی بہتری کے لئے کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور ہو جائے گا۔ لیکن وہ چند لمحات کے بعد کے واقعات سے واقف نہیں تھے اور یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ میرے دل میں ان کے لئے ہمدردی کا کوئی عنصر نہیں تھا اور یہاں مجھے احساس ہو رہا تھا کہ انسان اپنے محور سے کتنا ہی ہٹ جائے' وہ ذہنی طور پر ان جذباتی وابستگیوں سے دور نہیں ہو سکتا جو اس کے خمیر میں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ میرے وطن اور اس کی ترقی کے دشمن تھے۔ چنانچہ اس وقت سینے میں کوئی ایسا جذبہ موجود نہیں تھا جسے کسی مالی منافع کا طلب گار کہا جاسکے۔ یہاں کوئی مالی منافع نہیں تھا لیکن ذہن میں وہی احساس ذمہ داری موجود تھا جو اس قسم کے مواقع پر ہوا کرتا تھا!"

بریگیڈیر عمران' میجر یوسف' کرنل شیرازی اور دوسرے تمام فوجی اپنے ٹھکانوں پر

پہنچ گئے تھے۔ میں نے جو کارروائی کی تھی اس کا ہیڈکوارٹر میجر یوسف کے مکان کو ہی بنایا تھا۔ میجر یوسف اس بات پر بے پناہ مسرت محسوس کر رہا تھا کہ اسے کارروائی میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہوئی تھی۔ ریڈیو کنٹرول بورڈ میجر یوسف کی رہائش گاہ کے بیرونی حصے میں موجود تھا۔ چنانچہ بریگیڈیر عمران وغیرہ سے اجازت لے کر میں میجر یوسف کے ساتھ چل پڑا۔ حالانکہ ان لوگوں کی خواہش تھی کہ آخری کارروائی تک وہ ساتھ رہیں لیکن میں نے معذرت کر لی تھی۔ ماجد اور فیضان بھی انہی کے ساتھ چلے گئے تھے۔ میں اور میجر یوسف کنٹرول بورڈ کے پاس پہنچ گئے۔ میجر کاچہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ کنٹرول بورڈ کے نزدیک پہنچ کر میں نے میجر یوسف کی طرف دیکھا اور پھر ایک سوئچ نیچے کر دیا۔ فلک شگاف دھماکے سے پوری تیل کالونی ہل گئی۔ اتنا خوفناک دھماکہ تھا کہ وہاں سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر بھی یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے قیامت آگئی ہو۔ میجر یوسف نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دیر تک ہمارے ذہن سنسناتے رہے۔ پھر میں نے کنٹرول مشین کو ایک پتھر سے چکنا چور کر دیا اور اسے بالکل ناکارہ کر کے پہلے سے کھودے ہوئے گڑھے میں ڈال کر اس کی مٹی برابر کرنے لگا۔ میجر یوسف چند ساعت کے بعد چونکا اور پھر وہ بھی میرے ساتھ کام میں مصروف ہوگیا۔ ہم دونوں نے مل کر گڑھا بند کیا اور پلاسٹک کی میٹنگ اس پر بچھا دی۔

"میں آج رات کو یہاں سیمنٹ کردوں گا!" میجر یوسف نے کہا۔

"ٹھیک ہے میجر! اطمینان سے یہ کام کرلیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس دھماکے کا مرکز یہاں ہوگا!" میں نے پرسکون لہجے میں کہا اور میری آواز پر میجر نے چونک کر مجھے دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ آؤ چلیں!" اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ لان پر تبسم اور بیگم یوسف موجود تھیں۔ دونوں کے چہرے ستے ہوئے نظر آرہے تھے۔ تبسم ہمیں دیکھ کر ہماری طرف دوڑی۔ "ڈیڈی! ڈیڈی! یہ دھماکہ.......... یہ دھماکہ.......... ؟

"اوہ بے بی! شاید کسی کنویں میں ہوا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ تم آرام کرو!" میجر نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی جیپ باہر نکل آئی۔ وہ وہاں کا سیکیورٹی انچارج تھا اس لئے ان حالات کی ذمہ داری اس پر آتی تھی۔ اس نے جگہ جگہ رک کر اپنے گارڈوں سے دھماکے کی سمت معلوم کی اور اس طرف بڑھنے لگا۔ پوری تیل کالونی میں

ہلچل مچ گئی تھی۔ سارے کام رک گئے تھے۔ بہت سے لوگوں نے سیکیورٹی انچارج کو لوگوں سے معلومات کرتے ہوئے جائے حادثہ کی طرف جاتے دیکھا۔ لیکن میجر یوسف کے پہنچنے سے قبل بے شمار لوگ وہاں پہنچ چکے تھے۔ دھماکہ اتنی قوت کا تھا کہ قرب و جوار کی زمین پھٹ گئی۔ کنویں کے اندر کیا حال ہوا ہو گا' اس کا اندازہ باہر سے کیا جاسکتا تھا!

گارڈ چاروں طرف سے سمٹنے لگے اور پھر جائے حادثہ کے گرد گھیرا ڈال دیا گیا۔ تمام غیر ملکی کمپنیوں کے نمائندے بھی وہاں پہنچ گئے تھے اور اس کے بعد کی ساری کارروائیاں سرکاری نوعیت کی تھیں۔ میجر یوسف کی مصروفیات سب سے زیادہ تھیں۔ بریگیڈیر عمران اور دوسرے تمام لوگ بھی وہاں پہنچ چکے تھے اور جائے حادثہ پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ غیر ملکیوں کے سوالات کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا اور بریگیڈیر عمران نے انہیں مطمئن کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابھی تو صورت حالات کا خود انہیں بھی کوئی اندازہ نہیں ہے۔ بہت جلد وہ اس سلسلے میں اپنی رپورٹ پیش کر دیں گے۔ یہ بات تو طے ہو چکی تھی کہ دھماکہ کنویں کے اندر ہوا ہے لیکن ہر شخص یہی سوال کر رہا تھا کہ کنویں میں کوئی موجود تھا یا نہیں اور اس بات کا جواب کئی گھنٹوں کے بعد بریگیڈیر عمران نے دیا۔

"ہاں ایون گرے کے کارکن اس نئے کنویں کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد وہاں پوری تندہی سے کام شروع کر چکے تھے۔"

"اوہ تو کیا کچھ کارکن وہاں موجود تھے؟" کسی غیر ملکی نے سوال کیا۔

"شاید......... لیکن ابھی اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ بہت جلد ہمارے آدمی کنویں میں اتر کر حالات کا جائزہ لیں گے!" بریگیڈیر عمران نے جواب دیا۔

پوری تیل کالونی میں ہر قسم کا کام بند ہوگیا تھا۔ اس روز کوئی اعلان نہیں کیا گیا لیکن دوسرے دن انتہائی افسردگی سے ایون گرے کمپنی کے تمام ارکان کی ہلاکت کا اعلان کر دیا گیا۔ ہر قسم کی قانونی کارروائیاں مکمل تھیں۔ ایون گرے والوں نے اس نئے کنوئیں کا باقاعدہ چارج لیا تھا اور کام شروع کر دیا تھا۔ دھماکے کی وجوہ کے بارے میں تحقیقات کا تسلی بخش وعدہ کیا گیا کہ ابھی تو وہاں سے لاشیں نکالنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ملک بھر کے اخبارات میں سیاہ حاشیوں کے ساتھ غیر ملکی مہمانوں کی ہلاکت کا

اعلان کیا گیا تھا اور حکومت نے ان کے لواحقین کو پورا پورا معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کی تھی۔ گویا کوئی پہلو نہیں چھوڑا گیا تھا۔

دارالحکومت سے بہت سے ماہرین کی ایک ٹیم پہنچ گئی تھی اور اس ٹیم میں ڈاکٹر برہان بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر برہان کے ساتھ طویل عرصہ کے بعد میں نے شارق کو دیکھا۔ شارق اب بالکل ٹھیک نظر آرہا تھا۔

بریگیڈیئر عمران کی کوٹھی بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز تھی۔ ملکی اور غیر ملکی ماہرین وہیں پر معلومات حاصل کرنے کے لئے پہنچے تھے اور بہت سے لوگوں کے قیام انتظام بھی اسی کوٹھی میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ جو فوجی دارالحکومت سے آئے تھے' انہیں آہستہ آہستہ انتہائی احتیاط کے ساتھ رخصت کیا جارہا تھا۔ ہم لوگوں کے لئے میجر یوسف کی رہائش گاہ پر بندوبست کیا گیا تھا۔ کوٹھی کے ایک کمرے میں ڈاکٹر برہان اور ہماری ٹیم کے باقی دوسرے افراد جمع ہوگئے تھے۔ ڈاکٹر برہان بہت مطمئن اور مسرور نظر آ رہا تھا۔ جب ہمیں پہلی بار پر سکون تنہائی میسر ہوئی تو ڈاکٹر برہان نے مجھے طلب کیا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "تو تم نے یہ مہم بھی انجام دے ڈالی؟"

"نہیں جناب! میں اس مہم کو اپنی مہم نہیں کہہ سکتا! اس میں صرف ہماری پوری ٹیم بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی کام کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں میجر یوسف کا نام لوں گا۔ بلاشبہ اس شخص نے جس تندہی سے کام کیا ہے' اور میرے ساتھ تعاون کیا ہے' وہ قابل ستائش ہے۔ اگر وہ ہمارے ساتھ اتنا بہتر تعاون نہ کرتا تو آپ یقین کریں' ہمیں اتنی آسانی نہ ہوتی!"

"بے شک بے شک' لیکن بہر صورت شہاب! تم نے یہاں بھی اپنی برتری برقرار رکھی ہے۔ میں اس سلسلے میں اپنے دوست شارق پر کوئی چوٹ نہیں کر رہا کیونکہ اس کیس کی ابتداء شارق نے کی تھی اور وہ کافی آگے پہنچ چکے تھے۔ اگر ان کے ساتھ یہ حادثہ پیش نہ آتا تو شاید اس مہم کے ہیرو وہی ہوتے لیکن ہم بھی انسان ہیں' اور ہمیں بھی حادثات کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ شارق اگر کسی حادثے کا شکار ہوگئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے! ڈاکٹر برہان نے کہا اور شارق جھینپتے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ ماجد اور فیضان بھی ہنس پڑے تھے۔ "کیوں تم لوگ کیوں ہنس رہے ہو؟" شارق نے انہیں تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! نہیں! کوئی خاص بات نہیں۔ وہ دراصل تمہاری محبوبہ کا خیال آ گیا تھا۔ کیا اب تم اس خانہ بدوش قبیلے میں واپس نہیں جاؤ گے؟"

"میں ڈاکٹر برہان کی وجہ سے اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتا!"

"دے سکتے ہو!" ڈاکٹر برہان نے بھی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا شارق بدستور جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بہر حال جناب!" میں نے اس غیر سنجیدہ گفتگو کو ایک سنجیدہ رخ دیتے ہوئے کہا۔ "ہم اسے ایک مشترکہ مہم ہی کہیں گے اور یہی نہیں کہ اس میں صرف ہماری ٹیم نے کارکردگی دکھائی ہو' بلکہ کچھ افراد اس میں ہمارے ضرورت سے زیادہ معاون ثابت ہوئے ہیں۔ خاص طور پر میرا دوست ڈاکٹر ٹی ٹی جو ایون گرے کا ہی نمائندہ تھا لیکن ذہنی طور پر ان لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا تھا۔ آپ یقین کریں کہ ڈاکٹر ٹی ٹی نے اس کیس کا آدھا مرحلہ خود طے کر دیا تھا!"

"اوہ' وہ شخص کہاں ہے۔ کیا وہ محفوظ ہے؟"

"ہاں! آج کل اس کی محبوبہ اس کے پاس ہے اور وہ سب کچھ بھول کر اس میں مصروف ہے۔ غالباً" خود کو ان معاملات سے الگ رکھنے کے لئے اس نے اپنی محبوبہ کی معیت ضروری سمجھی ہے!" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ایک طرح سے یہاں سے ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ اب کرنل جہانگیر کا معاملہ رہ گیا ہے۔ اس کی بیٹی خان جلال کے قبضے میں ہے اور یہ فیصلہ بھی کرنا ہے کہ خان جلال کے خلاف کیا قدم اٹھایا جائے؟"

"غالباً" اس کا نام بھی فوجی حکام کی فہرست میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں لیکن اس کے انجام کی ذمہ داری بھی ہم پر چھوڑ دی گئی ہے!"

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ڈاکٹر!" میں نے پوچھا۔

"یہ آخری کام تو کرنا ہی ہے اور اس کے لئے بھی شہاب میں تمہیں اور شارق کو متعین کرنا چاہتا ہوں۔ خان جلال جیسے وطن دشمن کو آزاد نہیں رہنا چاہئے۔ ویسے اس سلسلے میں اسے یہ خاموشی نہیں اختیار کرنی چاہئے تھی۔ اگر وہ خود کو ان معاملات سے دور رکھنا چاہتا ہے تو اسے حکام کے ساتھ شامل ہو جانا چاہئے تھا!"

"دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہاں سے فرار ہی ہو جائے!"

"اگر ایسا ہوا تو کرنل جہانگیر کی بیٹی خطرے میں پڑ جائے گی اور ہمیں اس کی تلاش کے لئے از سر نو جدوجہد کرنا ہو گی!" ڈاکٹر برہان نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"تب پھر ضروری ہے کہ ہم فوری کارروائی کریں!"

"لیکن شہاب! اس بارے میں تمہارا ذہن کیا کہتا ہے؟ میرا مطلب ہے خان جلال پر کس طرح ہاتھ ڈالو گے؟"

"فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا جناب! میرا خیال ہے آپ یہ ڈیوٹی میرے اور شارق کے سپرد کر دیں۔ ہم دونوں مل کر کوئی راہ نکالیں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے شہاب! کرنل جہانگیر کو میں اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔ وہ اپنی رہائش گاہ میں موجود ہے۔ یہاں چونکہ اعلیٰ سطح کی ابھی تحقیقات ہوں گی' اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔ تمہارے سامنے اب صرف خان جلال ہے۔ اس لئے تم اس سے آسانی سے نمٹ سکتے ہو۔ میں فیضان اور ماجد کے ساتھ چلا جاؤں گا!"

"مناسب ہے!" میں نے گردن ہلا دی۔

"ڈاکٹر برہان نے کسی طرح بریگیڈیر عمران سے ملاقات کی۔ بیچارہ بریگیڈیر عمران تو ان حالات میں شدید مصروف تھا۔ بہرحال اس کی اجازت ملنے پر ڈاکٹر برہان وغیرہ تیل کالونی سے چلے گئے اور اسی رات میں نے.........ڈاکٹر ٹی ٹی سے ملاقات کی۔ وہ اپنے مکان میں تنہا تھا۔ مجھے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا۔ "خطرناک آدمی! بہت انتظار کرایا۔ میں شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھا!"

"اوہ! تمہاری محبوبہ کہاں ہے ڈاکٹر!"

"دو گھنٹے کی چھٹی لے کر گئی ہے لیکن اب میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ تحقیقاتی کمیٹیاں اس بات کا بھی جائزہ لیں گی کہ ایون گرے کے گروہ میں کوئی فرد زندہ بچا ہے یا نہیں.........ارے ہاں! ان لڑکیوں کا کیا ہوا جو ایون گرے سے تعلق رکھتی تھیں!"

"فوجی حکام کی تحویل میں ہیں۔ انہیں دارالحکومت پہنچا دیا گیا ہے!"

"لیکن وہ کام.........جس کے بارے میں تم نے کہا تھا!"

"اس کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ڈاکٹر ٹی ٹی! میں اپنے سربراہوں سے گفتگو کر چکا ہوں۔ سارے کام مکمل ہیں اس لئے اب ان کی آواز کوئی اہمیت نہیں رکھتی!" میں

نے جواب دیا اور ڈاکٹر ٹی ٹی گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ تم معمولی حیثیت کے حامل نہیں ہو۔ اعلیٰ فوجی حکام سے تمہارا گہرا تعلق ہے۔ میں تمہارے ساتھ کھپ سکتا ہوں یا نہیں؟"

"دوست ہو کر گالیاں دے رہے ہو ڈاکٹر ٹی ٹی! جب ہم دوست ہیں تو پھر یہ شبہ کیا معنی رکھتا ہے؟"

"تو پھر کب چلنا ہے مجھے تمہارے ساتھ؟"

"جب تم پسند کرو۔ بلکہ بہتر ہے اسی وقت اپنی محبوبہ کو داغ مفارقت دے دو!" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور ڈاکٹر ٹی ٹی اٹھ کھڑا ہوا۔ "کیا میں اپنا سوٹ کیس تیار کر لوں؟"

"کرلو ڈاکٹر! رات کو ہم میجر یوسف کے ہاں قیام کریں گے اور پھر تیل کالونی چھوڑ دیں گے!" میں نے کہا اور ڈاکٹر ٹی ٹی نے پوری بات سنے بغیر باہر چھلانگ لگا دی۔

پھر ہم اس عمارت سے نکل آئے۔ میجر یوسف بہت خوش تھا اور میرے بارے میں اس نے بڑے توصیفی کلمات کہے تھے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس نے تبسم کو بھی کچھ بتا دیا ہے۔ اس وقت میں اور ڈاکٹر ٹی ٹی آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو وہ دروازے میں نظر آئی۔

"اگر زحمت نہ ہو تو ادھر آیئے۔ آپ کو امی بلا رہی ہیں!"

"اوہ! ڈاکٹر!! تم آرام کرو' میں تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا!" میں نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا۔

"معزز خاتون! اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو جب تک یہ آپ کی امی سے گفتگو کریں' آپ یہاں بیٹھیں کچھ تبادلۂ خیال ہو گا!" ڈاکٹر نے دست بستہ گردن جھکا کر تبسم سے کہا لیکن تبسم نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے باہر نکل آئی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی!

"معافی چاہتی ہوں۔ اس وقت امی نے آپ کو نہیں بلایا بلکہ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی تھی!" راستے میں تبسم نے کہا۔

"اوہ۔ کوئی حرج نہیں ہے تبسم! لیکن اتنے پر تکلف الفاظ کسی ناراضگی کے اظہار کے طور پر ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں! اب میں اس کی جرات نہیں کر سکتی۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس دنیا میں ہم یونہی تنہا رہیں گے؟" اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

"کیوں تبسم!"

"سنا ہے آپ بھی جا رہے ہیں۔ بہرحال جانا تو آپ کو تھا لیکن میں نے آپ کی شان میں بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ میں آپ کو نہ جانے کیا سمجھتی رہی ہوں۔ میں ان ساری باتوں کی معافی چاہتی ہوں!"

"شرمندہ کر رہی ہو تبسم!"

"نہیں..........واقعی بڑی حماقت ہوئی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہوں گے۔ میں نے تو آپ کو..........آپ کو.........." آنسو اس کے گالوں پر لڑھک پڑے۔

"سمجھ میں نہیں آتا اچانک میرے اندر کونسی بڑائی پیدا ہو گئی؟" میں نے اس کا بازو پکڑ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم تو آپ کے سامنے بے حد ہیچ ہیں۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ سے کبھی دوبارہ ملاقات ہو سکے گی!" وہ آہستہ آہستہ سسکیاں لینے لگی۔

"تبسم! ....کیا بچپن ہے۔ میں ....میں پریشان ہو جاؤں گا تبسم!..........پلیز یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ہم تو اب ساری زندگی پریشان رہیں گے۔ آپ کو تھوڑی دیر پریشان کرنے کا حق ہے ہمیں!" وہ باقاعدہ رو پڑی اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے تیزی سے ایک طرف بڑھ گئی۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ یہ لڑکیاں ساری کی ساری بے وقوف ہوتی ہیں خواہ افلاطون بن جائیں۔ اب بھلا میں اس احمق لڑکی کی ساری زندگی کی پریشانی کیسے دور کر سکتا تھا!

میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور پھر میں نے سوچا کہ بات یہیں ختم کر دی جائے۔ اگر میں ازراہ انسانیت اسے مزید تسلیاں دینے کی کوشش کروں تو یہ اس کے حق میں ہی برا ہو گا۔ اسے کوئی دھوکہ دینا مناسب نہیں ہے۔ میری تو زندگی بھی میری اپنی نہیں ہے۔ میں کسی کے دل کی دنیا کس طرح آباد کر سکوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو میجر یوسف سے رخصت ہوتے وقت میں نے تبسم سے ملاقات نہیں کی۔ میجر یوسف نے

ہمیں بڑی گرمجوشی سے رخصت کیا اور اب ہماری منزل کرنل جہانگیر کا مکان تھا!

کرنل جہانگیر نے بھی انتہائی خلوص سے ہمارا خیرمقدم کیا تھا۔ اس کی حالت اب بھی بہتر نہیں تھی۔ اتنا حیران تھا کہ انتہا نہیں تھی۔ "یہ کیس جو نوعیت اختیار کر گیا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تم لوگ.......... تم لوگ انسانوں میں ایک مثالی حیثیت کے حامل ہو۔ تم نے میری کوتاہی کو بڑائی ثابت کر دیا!"

"میں نہیں سمجھا کرنل!" میں نے تعجب سے کہا۔

"کیا تم نے حکام کو یہ نہیں بتایا کہ میں نے اس سازش کی نشاندہی کی تھی اور اس کے لئے شدید تکالیف اٹھائی ہیں!"

"اوہ' یہ ڈاکٹر برہان کی کوشش ہو گی کرنل!"

"کون الگ ہے۔ سب ایک ہی تو ہو۔ لیکن شہاب! ہما کے لئے بھی کچھ کرو۔ وہ بدبخت نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کرے!"

"ہوں!" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "میں اسی کے لئے رکا ہوں کرنل! آپ بے فکر رہیں!" میں نے جواب دیا۔

"تم سے دوبارہ مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے شارق! لیکن افسوس میں اس گرمجوشی کا اظہار نہیں کر سکا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ اس کی وجہ تم سمجھ رہے ہو گے۔ ہما کے علاوہ میری زندگی میں کچھ نہیں ہے!"

"زبیر خان کہاں گیا کرنل!" میں نے سوال کیا۔

"دل تو نہیں چاہتا اس کے لئے یہ سوچنے کو لیکن اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس نے حالات سے شکست مان لی اور شرمندگی کی وجہ سے یہ جگہ ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ یورپ کا پروردہ تھا اپنے وطن کی اقدار نہ نبھا سکا!"

"وہ اس قسم کا انسان تو نہ تھا۔ بہرحال ہم ہما کے حصول کی کوشش آج رات سے شروع کر رہے ہیں!" میں نے کرنل سے کہا اور وہ امید بھری نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا۔

"حالانکہ ہم نے ڈاکٹر ٹی ٹی کو اس مہم میں حصہ لینے سے منع کیا تھا لیکن وہ بضد تھا۔ اور پھر اس نے ایک ایسی تجویز پیش کی کہ ہمیں قائل ہونا پڑا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ خان جلال کی سیرگاہ میں ہم اس کے دوستوں کی حیثیت سے داخل ہوں۔ اس کے لئے

ہمیں ایسے لوگوں کا میک اپ کرنا ہو گا جو ایون گرے کے کارکن تھے۔ شارق نے تجویز پیش کی کیوں نہ ہم البرٹ پیکو اور ڈریک نوبل کا میک اپ کریں لیکن ڈاکٹر نے اس کی مخالفت کی۔ "یہ مناسب نہیں ہو گا کیونکہ خان جلال ان لوگوں سے بہت قریب تھا اور ان کی حرکات و سکنات سے پوری طرح واقف تھا اس لئے وہ ہمیں پہچان لے گا۔ بہتر ہے کہ ایون گرے کے ایسے کارکنوں کا میک اپ کیا جائے جو اس کے لئے اجنبی ہوں!" ڈاکٹر نے کہاکہ خان جلال ان سے اچھی طرح واقف ہے اور وہ اس بات کی ضمانت ہو گا کہ میں اور شارق ایون گرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خان جلال سے اس بات کا اظہار کریں گے کہ وہ بچ جانے والوں میں سے ہیں اور سازش طشت ازبام ہو گئی ہے اس لئے وقتی طور پر انہیں پناہ کی ضرورت ہے!

ڈاکٹر ٹی ٹی کی یہ تجویز اس قدر عمدہ تھی کہ ہم فوراً تیار ہو گئے۔ البتہ شارق نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے خان جلال ہمیں ہی راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ یہ سوچ کر کہ ہم اس کے جرم کے گواہ ہیں لیکن پھر یہ تجویز کیا گیا کہ خان جلال کو اتنی مہلت ہی نہ دی جائے بلکہ اگر ایسی کوئی صورت ہو تو اسے دھوکہ دیا جائے کہ کچھ اور لوگ بھی زندہ ہیں۔ بہرحال اس خطرے سے بچاؤ کی ترکیبیں بھی کر لی گئیں۔

ہم تینوں بہترین طور پر مسلح تھے۔ ہمارے لباسوں میں اسٹین گنیں چھپی ہوئی تھیں اور ہینڈ گرینیڈ بھی موجود تھے۔ چنانچہ رات کو تقریباً گیارہ بجے ہم سیرگاہ میں داخل ہو گیا۔ طے یہ کیا گیا کہ محافظوں سے ملاقات ہونے پر ان سے یہی کہا جائے گا کہ خان جلال نے ہمیں طلب کیا ہے اور ہمیں فوراً ان کے پاس پہنچا دیا جائے۔

ہم سیرگاہ میں ایک مخصوص مقام تک پہنچ گئے لیکن ابھی تک کسی محافظ نے نہیں ٹوکا تھا۔ ہم آگے بڑھتے رہے اور سخت حیرت ہوئی اس بات پر کہ ابھی تک کسی محافظ سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی.......... "یہ ناممکن ہے۔ یہاں تو بڑی سخت پہریداری ہوتی ہے!" شارق نے بڑبڑاتے ہوئے کہا میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہم اس عمارت تک پہنچ گئے جو اب بھی روشن نظر آ رہی تھی لیکن عمارت کے نزدیک پہنچ کر ہم بری طرح چونک پڑے۔ عمارت کی سیڑھیوں پر چند افراد اوندھے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں پر محافظوں کی وردی تھی۔ ہم تینوں گھوڑوں سے کود

پڑے۔ محافظوں کے نزدیک جاکر دیکھا تو ان کے اردگرد خون پھیلا ہوا تھا۔ ان کے جسموں پر گولیوں کے سوراخ تھے۔ شارق نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "انہیں زیادہ........" لیکن ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ عمارت کے اندر گولیوں کی آواز گونج اٹھی۔ فائرنگ اسٹین گن ہی سے کی جا رہی تھی۔ جوابی فائرنگ بھی ہو رہی تھی لیکن یہ گولیاں رائفل سے چلائی جا رہی تھیں۔

فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی ہم نیچے لیٹ گئے تھے لیکن پھر اندازہ ہو گیا کہ نشانہ ہم لوگ نہیں تھے۔ یقیناً جو کھیل ہو رہا ہے اب اندر عمارت میں ہو رہا ہے۔ دوسرے لمحے شارق اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے اسٹین گن کے بٹ مارمار کر گھوڑوں کو دور بھگا دیا اور ہمارے پاس پہنچ گیا۔ "آؤ........اندر دیکھیں۔ لیکن اس طرف سے!" اس نے کہا اور ہم عمارت کے صدر دروازے کی بجائے بائیں سمت چل پڑے۔ کچھ دور چل کر عقبی دیوار کے ایک تقریباً" نچلے حصے سے ہم اندر کودے لیکن نیچے کودتے ہی ایک بار پھر چونک پڑے۔ دو لاشیں یہاں بھی پڑی تھیں گویا اندر زبردست خونریزی ہو رہی تھی۔

ہم تینوں منتشر ہو گئے تھے اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھا جا رہا تھا۔ پھر ہم روشن عمارت کے برآمدے میں پہنچ گئے۔ اندر سے جنریٹر کی آواز ابھر رہی تھی۔ ماحول پر ایک بار پھر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے اور پھر راہداری سے دوسری طرف گھومے ہی تھے کہ ایک دم گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ بس ایک ہلکی سی آہٹ ہوئی تھی ڈاکٹر ٹی ٹی کے قدموں کی اور فائرنگ شروع ہو گئی تھی لیکن میرے اشارے پر ادھر سے فائرنگ نہیں کی گئی۔ دوسرے لمحے میں نے کسی کو راہداری کے ایک ستون کی آڑ سے دوسری طرف چھلانگ لگاتے دیکھا لیکن میں نے اب بھی فائرنگ نہیں کی تھی۔ البتہ میں نے نہایت پھرتی سے ایک اور ستون کی آڑ لے لی تھی لیکن مجھے شاید دیکھ لیا گیا۔ پورے ستون پر گولیوں کے نشانات بن گئے تھے۔ اگر وہ میری جسامت سے موٹا نہ ہوتا تو نشانہ باز نے میرا بدن چھلنی کر دیا ہوتا۔ پھر اسے احساس ہو گیا کہ ستون کی آڑ میں چھپے ہوئے شخص کو نشانہ بنانا مشکل ہے تو اس نے گولیاں چلانا بند کر دیں اور پھر راہداری کی دوسری سمت روانہ ہو گیا تھا۔ شاید

آگے راہداری بند تھی اس لئے حملہ آور گھر کر رہ گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ مجھے بخوبی ہو گیا۔ میں نے اس شخص کے دوسری جانب دیکھا۔ ایک اور لاش مجھے نظر آئی تھی لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ کیا خان جلال اندر موجود ہے اور اگر موجود ہے تو محافظوں کو کس نے ہلاک کیا ہے؟

دوسری طرف چھپے ہوئے شخص نے پھر گولیاں برسائیں اور اس بار میں نے بھی ان گولیوں کا جواب دیا۔ دوسری طرف چھپے ہوئے شخص کو بھاگ کر ایک دروازے میں داخل ہونا پڑا تھا۔ ا مجھے یقین ہو گیا کہ جو کوئی بھی ہے' گھرا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف ایک ہے' کیا حکمت عملی کرنی چاہئے۔ شارق نہ جانے کس طرف غائب ہو گیا تھا۔ میں اب اس دروازے کے عین سامنے ایک ستون کی آڑ میں تھا جس میں حملہ آور داخل ہوا تھا۔ تھوڑی دیر قبل وہ اسی ستون کی آڑ میں تھا لیکن اب کمرے کے اندر تھا۔ کمرے میں روشنی تھی۔ لیکن چند ساعت کے بعد اچانک تاریکی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک چیخ بھی ابھری تھی۔ روشنی کرو۔ خدا کے لئے روشنی کرو!" اور یہ آواز ....میرے دماغ کے تار جھنجھنا گئے تھے۔ یہ آواز اگر میری سماعت دھوکہ نہیں کھا رہی تھی تو ہما ہی کی تھی۔

میں سوچتا رہا اور پھر میں نے دوبارہ اپنی جگہ سے جنبش کی۔ اب میں دروازے کے قریب دیوار کی آڑ میں تھا۔ ایک بار پھر روشنی ہو گئی اور میں نے آہستہ سے کھسک کر دروازہ پر بھرپور لات رسید کی اور دوسری دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھل گیا تھا۔ لیکن دروازہ کھل جانے کی آواز پر گولیاں نہیں چلائی گئی تھیں البتہ لگاتار چیخیں سنائی دی تھیں۔ دوسرے لمحے میں کھلے دوازے سے اندر داخل ہو گیا۔ میری نگاہ ایک کھڑکی پر پڑی جس کا فریم نکال کر پھینک دیا گیا تھا اور ایک نسوانی بدن اس کھڑکی پر چڑھ کر دوسری طرف کودنے کی فکر میں تھا۔ میں نے جست لگا کر اسے دبوچ لیا اور ایک بار پھر وہ دہشت زدہ انداز میں چیخ پڑی تھی۔ وہ کھڑکی سے دوسری طرف نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی لیکن کھڑکی کے دوسری طرف سبز گھاس پر ایک اور کھیل ہو رہا تھا۔ یہاں دو سائے آپس میں گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ پھر میں نے شارق کی مخصوص غراہٹ سنی اور دوسرے سائے کو اچھل کر نیچے گرتے ہوئے دیکھا۔ شارق نے اپنے شکار پر قابو پا لیا تھا۔ ہما مسلسل چیخ رہی تھی۔ تب میں

نے اس کا منہ بند کر دیا۔ "اگر تمہاری آواز بند ہو سکے تو میری بات بھی سن لو!" میں
نے کرخت لہجے میں کہا۔ لیکن ہما چیختی رہی۔ دوسری طرف شارق نے اپنے شکار کو
پوری طرح بے بس کر دیا تھا۔ اس نے اسے کھڑا کر دیا تھا۔ لیکن طویل القامت سیاہ
پوش سے شاید کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ "شارق! میں یہاں موجود ہوں۔" میں نے
کھڑکی کے نزدیک سے کہا اور شارق نے چونک کر ادھر دیکھا پھر بولا۔ "لو اس گدھے کو
سنبھال۔" میں دیکھتا ہوں' یہ کہیں سے بھاگ رہا تھا؟" شارق نے اپنے شکار کو گردن
سے پکڑ کر کھڑکی کی طرف دھکیلا اور یہاں سے میں نے اسے دبوچ لیا۔ کھڑکی زمین
سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میں نے پوری قوت سے اسے اندر گھسیٹ لیا۔ لیکن سیاہ
پوش میں اب کھڑے ہونے کی سکت نہیں تھی چنانچہ کھڑکی کے اندر آکر وہ گر گیا۔ ہما
کی چیخیں اب بند ہو گئی تھیں لیکن وہ سخت دہشت زدہ انداز میں دیوار سے لگی کھڑی
تھی۔

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ" باہر سے شارق کی آواز ابھری۔ دروازے سے ڈاکٹر ٹی ٹی بھی
اسٹین گن سنبھالے اندر داخل ہو گیا تھا۔ "تم دروازے پر جم جاؤ ٹی ٹی! خیال رکھنا!"
میں نے کہا اور ٹی ٹی دروازے کے قریب رک گیا۔ شارق نے کوئی چیز اندر اچھال دی
تھی اور وہ شے میرے قدموں کے نزدیک آکر گری لیکن اسے دیکھ کر میں بھی کئی قدم
پیچھے ہٹ گیا تھا۔ یہ ایک کٹا ہوا انسانی سر تھا۔ ہما نے ایک بار پھر چیخ ماری اور دونوں
ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ شارق کھڑکی کے اندر کود آیا تھا۔ "یہ گدھا بغل میں سر دبا کر
بھاگ رہا تھا۔ میں نے سوچا' نہ جانے کیا چیز ہو گی۔" شارق بولا۔ لیکن میں تعجب سے
اس سر کو دیکھ رہا تھا۔ یہ سر زبردست جاہ و جلال کے مالک خان جلال کا تھا۔ ہاں یہ
خان جلال ہی کا سر تھا۔ اور اچانک میرے ذہن میں ایک شبے نے سر ابھارا! سیاہ پوش کا
چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ "کیا تم ہوش میں ہو؟" میں نے
پوچھا۔

"کیا تم میک اپ میں ہو؟" سیاہ پوش کی بھرائی ہوئی آواز سن کر میں نے گہری
سانس لی۔

"ہاں دوست! میں اپنا میک اپ اتارتا ہوں اور تم اپنی نقاب اتارو!" میں نے کہا
اور اپنا میک اپ ماسک اتار دیا۔ سیاہ پوش نے بھی نقاب اتار دی تھی۔ پھر اس نے

دانت پیس کر شارق کی طرف دیکھا۔

"تو یہ جنگلی سانڈ ٹھیک ہو گیا۔ اب میں اسے بھی پہچان رہا ہوں۔" نقاب پوش
نے کہا اور شارق احمقانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے منہ سے متحیرانہ آواز
نکلی۔ "زبیر خان!"

"شاید تم نے میری ریڑھ کی ہڈی توڑ دی ہے۔ مجھے اٹھاؤ۔" اس نے ہاتھ اٹھا
دیئے اور میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ آہ! مشکل ہے میں کھڑا نہیں ہو سکتا'
مجھے کرسی پر بٹھا دو!" اس نے کہا اور پھر ہما کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ڈرو مت ہما! یہ
اپنے ہی آدمی ہیں!"

"لیکن ہما اسی طرح کھڑی کانپتی رہی۔ میں نے سہارا دیکر زبیر خان کو ایک کرسی پر
بٹھا دیا۔ "براہ کرم میری امانت میرے حوالے کر دو!" اس نے خان جلال کی کٹی ہوئی
گردن کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ باقی کہاں؟" میں نے پوچھا اور زبیر خان نے بستر کی طرف اشارہ کر دیا۔
مسہری کی آڑ میں خان جلال کا بقیہ جسم پڑا ہوا تھا۔ اس پر سے گردن اتار لی گئی تھی۔
اس کا تمام لباس بے ترتیب تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ زبیر خان سے اس کی سخت
کشمکش ہوئی ہے۔ نزدیک ایک لمبا خون آلود چاقو پڑا ہوا تھا۔ ساری صورت حال سمجھ
میں آگئی تھی۔

"اور لوگ بھی ہیں یہاں؟" میں نے پوچھا۔

"بظاہر میں نے صفایا کر دیا ہے۔ ممکن ہے کوئی رہ گیا ہو؟" زبیر خان نے سفاک
انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر شارق کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تم سے تو میں ایک
بار ضرور کشتی لڑوں گا۔ دھوکے سے مار کھا گیا ورنہ..........!"

"ہاں دھوکے ہی سے مار کھا گئے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نقاب کے پیچھے تم ہو تو
شاید میں تمہارے ساتھ رعایت کرتا لیکن مجھے چیلنج مت کرو۔ ورنہ میں تمہاری ریڑھ
کی ہڈی ہمیشہ کے لئے خراب کر دوں گا!"

"وہ تو ٹوٹ گئی ہے شاید! مجھے اتنی ہی تکلیف ہے!" زبیر خان نے کہا اور شارق
اس کی پشت پر پہنچ گیا اور پھر اس نے عقب سے دھکا دے کر زبیر خان کو نیچے گرا دیا
اور تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی پشت پر پاؤں رکھ دیا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ

کر پیچھے موڑے اور ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ زبیرخان بے اختیار چیخ پڑا تھا۔ لیکن میں نے مسکراتے ہوئے اسے سہارا دیا۔ "شکر ہے اس نے تمہیں بالکل ہی ناکارہ نہیں کیا تھا۔ وہ ہڈیوں اور جوڑوں کا ماہر ہے!"

"بھوت ہو تم لوگ۔ مگر تکلیف اب بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس طرح گرنے سے مجھے چوٹ بھی لگی ہے!" زبیر خان نے میرے سہارے کھڑے ہو کر کہا اور کمر کو آگے پیچھے موڑنے لگا۔ اسی وقت ڈاکٹر ٹی ٹی نے اسٹین گن سے کئی فائر کئے اور باہر چیخیں ابھریں۔

"آہا! ڈاکٹر نے بھی کوئی کارنامہ سرانجام دے ہی دیا۔" میں نے ہنس کر کہا اور خود بھی اسٹین گن سنبھال کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔

"تین تھے لیکن میرا خیال ہے لڑھک گئے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے اور بھی ہوں گے! بہرحال زبیرخان اب کیا خیال ہے؟ کیا خان جلال کے بعد اس کی جانشینی کرنا چاہتے ہو؟"

"لعنت ہے اس خنزیر کی دولت اور جائیداد پر۔ چلو یہاں سے نکلتے ہیں۔ لیکن میں اس کا سر لے کر جاؤں گا!"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو زبیر خان! کیا تم اسے اپنے محل کے دروازے پر لٹکاؤ گے۔ اب وہ دور ختم ہو گیا ہے۔ تمہیں یہ حماقت کرنی ہی نہیں چاہئے تھی!"

"وہ............وہ میرے باپ کا قاتل ہے!" زبیرخان چلایا۔

"تم اس کا انتقام لے چکے ہو۔ وہ چاقو تمہارا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں خان جلال کا ہے۔"

"یہاں اور کوئی ایسی چیز موجود ہے جس سے تمہاری نشاندہی ہو سکے!"

"کوئی چیز نہیں ہے۔ تم اس کی پرواہ بھی مت کرو۔ بس یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو میں کل دن میں یہاں سے یورپ روانہ ہو جاؤں گا۔ سارے انتظامات مکمل ہیں!"

"ممکن ہے اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئے زبیرخان! آؤ۔ تمہاری کمر کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ چل سکتا ہوں۔" زبیر خان نے کہا۔ پھر میں نے زبیر کو سہارا دیا اور

ہم نہایت احتیاط کے ساتھ وہاں سے نکل آئے۔ راہداری میں تینوں محافظوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ "تم نے تو یہاں قتل عام کیا ہے زبیرخان!"

"ہاں کیا ہے۔ یہ سب اس کے گندے اور ناپاک ارادوں کے مددگار تھے۔ اس نانجار کے ساتھی!" زبیرخان حقارت سے بولا۔

"کچھ اندازہ ہے کہ تم نے کتنے افراد کو قتل کیا ہے؟"

"قتل کرتے ہوئے گنتی یاد رکھنا بزدلوں کا کام ہے!" زبیرخان سینہ تان کر بولا اور پھر ٹی ٹی کی طرف دیکھ کر بولا۔ یہ کون ہے؟ کوئی غیرملکی ہے شاید!!"

"ہاں ہمارا دوست اور ساتھی۔ بعد میں تعارف کراؤں گا!" میں نے جواب دیا۔

"بڑی مشکل سے گھوڑے تلاش کئے گئے۔ ہم پانچوں آدمی تین گھوڑوں پر سوار ہو کر انتہائی سنسان راستوں سے کرنل جہانگیر کے مکان پر پہنچے تھے۔ زبیر کا پورا لباس خون آلود تھا۔ کرنل جہانگیر کے مکان میں بھی چور راستے سے ہی داخل ہوا تھا تاکہ کسی ملازم کی نگاہ نہ پڑ جائے لیکن چونکہ کافی رات گزر چکی تھی۔ اس لئے ملازم سو رہے تھے۔

ہما اب بھی ایک دہشت زدہ چڑیا نظر آ رہی تھی۔ اس کے حواس معطل تھے۔ اسے ایک بستر پر لٹا دیا گیا اور اس کے بعد میں نے کرنل جہانگیر کے کمرے کا رخ کیا۔ باہر نرس بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کرنل سو رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں جاگ رہے ہیں!" اس نے جواب دیا اور میں دوازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ کرنل ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔ انگلیوں میں سگار دبا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اچھل پڑا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"کچھ............کچھ ہوا............" اس کی آواز مین بڑا کرب تھا۔

"براہ کرم آپ میرے ساتھ آئیں کرنل!" میں نے سنجیدگی سے کہا اور کرنل تیزی سے سلیپر پہن کر میرے ساتھ باہر نکل آیا۔

"تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ............کہ............" اس نے راستے میں پوچھا۔

"مطمئن ہیں کرنل! ہمیں ناکامی نہیں ہوئی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا اور کرنل بری طرح ہانپنے لگا۔ "ہما خیریت سے تو ہے نا!؟"

"بالکل خیریت سے ہے!" میں نے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو کر کہا اور کرنل کی نگاہ ہما پر پڑی۔ دوسرے لمحے وہ بے اختیار ہو گیا۔ اس نے مسہری کی طرف جست لگائی اور ہما سے لپٹ گیا۔ "میری بچی۔ میری بچی!" وہ بے اختیار رو رہا تھا۔ ہما بھی سسک رہی تھی۔ ہم نے اس منظر میں کوئی دخل نہ دیا اور جذبات کے طوفان کے تھم جانے کا انتظار کرنے لگے۔ زبیرخان باتھ روم میں شاید لباس تبدیل کرنے چلا گیا تھا۔ یہ اسی کا کمرہ تھا۔ چنانچہ یہاں اس کے کپڑے وغیرہ موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی لباس وغیرہ تبدیل کر کے آگیا اور خاموشی سے اس منظر کو دیکھنے لگا۔ بڑی دیر کے بعد وہ دونوں پرسکون ہوئے تھے۔ کرنل جہانگیر نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور گلوگیر لہجے میں بولا۔ "تمہارے احسانات کی فہرست تو اب اتنی طویل ہو گئی ہے شہاب! کہ شکریہ ادا کرتے ہوئے شرم آتی ہے!"

"اگر آپ دوسروں کی کاوشوں کو بھی میرے نام میں لکھتے رہے ہیں کرنل! تو بات تو منافع کی ہے لیکن کیا کروں۔ اس تازہ احسان کے سلسلہ میں ڈنڈی نہیں مار سکتا کیونکہ زبیرخان سامنے موجود ہے!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور کرنل چونک پڑا۔ اس نے گردن گھما کر شارق، ٹی ٹی اور زبیرخان کو دیکھا اور پھر اس پر نگاہ جمائے رہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہما کی حفاظت اور اس کی رہائی کے لئے بھرپور کوشش زبیرخان کا کارنامہ ہے! ہم تو صرف ان دونوں کو یہاں تک لانے کے ذمہ دار ہیں!"

"اوہ، تم کہاں چلے گئے تھے زبیرخان!" کرنل نے پوچھا۔

"بہتر یہ ہے کہ تفصیلی گفتگو کافی کے دوران ہو۔ گرم کافی اس گفتگو کے لطف کو دوبالا کر دے گی جو اس خوشگوار ماحول میں ہو گی۔ میرا خیال ہے ان نیک بی بی کو تکلیف دی جائے جو آپ کے کمرے کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتی ہیں!"

"آؤ، میرے کمرے میں چلو۔ میں کافی کے لئے اس سے کہہ دوں گا۔" کرنل جہانگیر نے کہا اور پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ بیگم کو اس وقت جگانا مناسب نہیں ہو گا۔ ان کی جذباتی کیفیت گفتگو کو خراب کر دے گی!"

تھوڑی دیر کے بعد ہم کرنل جہانگیر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ "میرے ذہن میں صرف ایک احساس تھا کہ خان جلال میرے باپ کا قاتل ہے۔ سرکاری معاملات خواہ

کچھ بھی ہوں، میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر کوشش شروع کر دی اور اس کے ایک خاص آدمی کو قتل کر کے اس کی جگہ لے لی۔ خان جلال کے اتنے ملازم ہیں کہ وہ میری شناخت نہیں کر سکا اور میں نے اس کے قریب منڈلانا شروع کر دیا۔ میں مناسب موقع کی تلاش میں تھا لیکن وہ بدبخت کسی طور میرے ہاتھ میں نہیں لگتا تھا۔ پھر میں نے ہما بی بی کو اس کے ساتھ دیکھا اور میرے فرائض دوہرے ہو گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لعین اس قدر بے غیرت بھی ہو گیا ہے۔ کئی دنوں سے تو وہ پریشان تھا لیکن پھر پرسکون ہو گیا۔ ایک دن اس نے شراب پیتے ہوئے کہا کہ وہ کرنل جہانگیر کی بیٹی کو داغدار کرے گا۔ لیکن.........اس رات میں نے اس کے آخری جام میں بے ہوشی کی گولی ڈال دی اور وہ اوندھا ہو گیا۔ لیکن اس کے جانثار رات بھر اس کے ساتھ رہے۔ ورنہ میں اسی رات اسے قتل کر دیتا۔ بہرحال میں نے ہما کی عزت بچالی تھی مگر اب مجھ پر اس کی نیت واضح ہو گئی تھی اور پھر جب وہ ہما کو سیرگاہ میں لے آیا تو میں بے چین ہو گیا۔ وہ ضرور انہیں نقصان پہنچانے کے لئے لایا تھا۔ مجبوراً میں سیرگاہ میں داخل ہو گیا۔ مجھے ان محافظوں نے روکا مین نے ان میں سے جو میرے سامنے آیا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان لوگوں کو قتل کرتا ہوا اندر پہنچ گیا۔ خان جلال گولیوں کی آوازیں سن چکا تھا اور اس کے کئی محافظ بھی چوکس تھے لیکن میں نے انہیں بھی نہیں چھوڑا اور خان جلال تک پہنچ گیا۔ اور پھر وہ مردود میرے ہاتھوں سے ہلاک ہو گیا لیکن میں ابھی ہما بی بی کو لے کر نکلا بھی نہیں تھا کہ مجھے پھر آہٹیں سنائی دیں اور میں نے یہی سوچا کہ اور محافظ آگئے ہیں لیکن اس بار گولیاں بڑی چالاکی سے چلائی جا رہی تھیں اس لئے مجھے اندر داخل ہو کر پناہ لینی پڑی۔ یہاں سے میں نے ایک کھڑکی اکھاڑی اور دوسری طرف کود گیا۔ میرا خیال تھا کہ ہما بی بی کو بھی میں نیچے اتار لوں گا۔ اس کے علاوہ مین اپنے باپ کے دشمن کا سر لینا نہیں بھولا تھا لیکن جیسے ہی میں نیچے اترا، مجھے کسی نے دبوچ لیا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ اتنے خطرناک اور طاقتور حریف سے اس سے پہلے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ مجھے بے بس کر دیا گیا لیکن.........لیکن وہ میرا دوست شارق تھا۔ بس پھر ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا!" زبیرخان نے بات ختم کی۔

"تو.........تو خان جلال کو قتل کر دیا تم نے؟"

"ہاں، لیکن ان لوگوں نے مجھے اس کتے کا سر نہیں لانے دیا۔"

"زندہ باد! تم نے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا زبیرخان!"

"میں نے اس دوران فرار کا پروگرام بھی بنا لیا تھا کرنل صاحب! میں نے لاتعداد لوگوں کو قتل کیا ہے۔ اس لئے یہاں کا قانون مجھے نہیں چھوڑے گا۔ میری خواہش ہے کہ میں واپس یورپ چلا جاؤں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہو گی زبیرخان! خان جلال ملک کا غدار تھا۔ حکومت اسے خود سزا دیتی۔ تم بالکل فکر مت کرو۔ اس کی ذمہ داری ہم قبول کریں گے۔ ہاں اگر تمہیں اطمینان نہ ہو تو تم کچھ عرصہ کے لئے روپوش ہو جاؤ!"

اسی دوران کافی آگئی اور سلسلہ گفتگو منقطع ہو گیا۔

○ ------------ ☆ ------------ ○

بعد کے حالات خالص کاروباری نوعیت کے تھے۔ ایک انتہائی پرائیویٹ فوجی میٹنگ ہوئی۔ جس میں ہمیں ہدایات دی گئیں کہ جس طرح ہم نے حکومت کے ایک اہم مسئلے کو نمٹا کر ملک کی بہترین خدمت کی ہے' اسی طرح آئندہ بھی اپنے پیشے میں رہتے ہوئے سرکاری مفادات کا خیال رکھیں گے اور یہ راز تاقیامت آشکار نہیں کریں گے اس کے علاوہ ہمیں پیشکش کی گئی کہ کسی بھی ذاتی سلسلے میں ہمیں ہر طرح کی سرکاری سہولت مہیا کی جائے گی۔ تیسری کارروائی یہ تھی کہ ہم سے حلف نامے بھروائے گئے کہ اگر فوجی حکام کو کسی اہم مسئلے میں ہماری ضرورت پیش آگئی تو ہم خدمت انجام دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں گے۔ اس وقت ہمیں اعلیٰ ترین فوجی اعزازات اور عہدے دیئے جائیں گے اور یہ عہدے ہمیشہ برقرار رہیں گے۔ ان تمام کارروائیوں کے بعد ہمارے پیشے کو مدنگاہ رکھتے ہوئے ہمیں دو لاکھ روپے کی رقم بھی اس کارکردگی کے سلسلے میں ادا کی گئی تھی۔

اس رقم کی تقسیم کے وقت ڈاکٹر برہان نے کہا۔ "گو اس کیس میں شدید محنت کرنا پڑی ہے اور آمدنی بہت کم ہوئی ہے لیکن ہمیں جو سہولتیں مہیا کی گئی ہیں' وہ ہمارا اصل منافع ہے۔ اس کے علاوہ وطن سے ہمارے جذباتی رشتے بھی ہیں۔ اس لئے جو روحانی خوشی ہمیں نصیب ہوئی ہے' وہ بھی منافع ہے اس لئے ہمیں کم معاوضے کا احساس نہیں کرنا چاہئے!" اور ہم سب نے ہنس کر اس بات کو ٹال دیا تھا۔

اس کے بعد چین۔ خوش گپیاں' سیر و سیاحت' اپنے اپنے پروگرام شروع ہو گئے۔ کوئی پروگرام مشترک نہیں تھا۔ سب کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ الگ ہی تھی لیکن میری مسجد دو اینٹ کی تھی یعنی ڈاکٹرٹی ٹی میرے ساتھ تھا۔ ڈاکٹرٹی ٹی سب کے لئے تفریح طبع کا سامان بن گیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ڈاکٹر برہان بھی اس سے بے حد متاثر تھا۔ صرف اس وجہ سے نہیں کہ اس نے اس کیس میں ہماری مدد کی تھی بلکہ وہ ٹی ٹی کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا معترف تھا۔ اس نے ٹی ٹی کو اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا تھا۔ "میری خواہش ہے ڈاکٹر! کہ آپ میرے ساتھ رہ کر اپنی صلاحیتوں پر ریسرچ کریں۔ میں آپ کو ہر سہولت مہیا کروں گا۔ جس چیز کی ضرورت آپ کو ہو گی' میں فراہم کروں گا۔ مجھے بے حد خوشی ہو گی!"

"تب اس کے لئے ایک لیبارٹری بنانی پڑے گی!" ٹی ٹی بولا۔

"یقیناً بنائی جائے گی اور آپ کے تصورات کے عین مطابق بنائی جائے گی!" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں ڈاکٹر! لیکن لڑکیوں کی عمریں سترہ سے بیس سال کے درمیان ہونی چاہئیں۔ ان میں کچھ دراز قامت ہوں' کچھ درمیانے قد کی' پستہ قد بھی دو ایک ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رنگ صاف اور نقوش حسین۔ پہلے میں ان کا انٹرویو لوں گا اس کے بعد انہیں اپائنٹ کیا جائے۔ بیس سال سے زیادہ کی کوئی نہ ہو۔" اور ڈاکٹر برہان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے تمسخرانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ "میں نہیں سمجھ سکا مسٹرٹی ٹی!"

"کمال ہے شباب! اب تم ہی بتاؤ اور کس طرح سمجھاؤں۔ ڈاکٹر برہان اتنی سی بات نہیں سمجھ رہے۔" مائی ڈیئر ڈاکٹر! میں اپنے بارے میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں کہ میں خوبصورت لڑکیوں کو کس طرح متاثر کروں۔ بڑی مشکل کا شکار ہوں۔ پہلے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور قریب آکر انکل انکل کہنے لگتی ہیں ہونہہ ہو!"

ڈاکٹرٹی ٹی برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ لیکن ڈاکٹر برہان اس سے زیادہ برا منہ بنا کر دوسری طرف مڑ گیا تھا۔ میرا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔

"آخر اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ کیا مجھے یہ تجربہ نہیں کرنا چاہئے۔ تجربہ کا نام ہو گا ڈاکٹرٹی ٹی اور لڑکیاں.......... کیسا نام ہے؟"

"نہایت عمدہ.........لیکن میرا خیال ہے اب ڈاکٹر برہان تم سے کسی ریسرچ کے لئے فرمائش نہیں کرے گا!" میں نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

"میں خود بھی تو یہی چاہتا ہوں شباب! تم خود سوچو ساری زندگی برباد ہو گئی اور اب باقی ماندہ زندگی بھی ان ہی حماقتوں میں گزاروں! اب تو ان چند لمحات کو میں اپنے طور پر گزارنے کا خواہشمند ہوں۔ مجھے اپنی ان صلاحیتوں سے نفرت ہے!"

"ٹھیک ہے ٹی ٹی! تمہیں اب اس سے کوئی نہیں روکے گا۔ یورپ میں تو تم نے بہت سے حسین ممالک کی سیر کی ہو گی۔ میرا خیال ہے ایشیا کے خوبصورت خطوں کی سیر کی جائے۔ فی الحال میرا ملک دیکھو۔ اس کے بعد اور کسی خاص کام میں مصروف نہ ہوگئے تو یہاں سے باہر چلیں گے!"

"دیکھو دوست! میں بس تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اگر کبھی ان فضول صلاحیتوں سے کام لینے کی ضرورت بھی پیش آئی تو وہ صرف میرے اور تمہارے سلسلے میں ہو گی! اور ہاں میں اس سلسلے میں ایک تجربہ ضرور کروں گا!"

"وہ تجربہ کیا ہو گا ڈاکٹر!" میں نے سوال کیا۔

"ابھی تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گا! فرصت کا کوئی وقت اس کے لئے کافی ہو گا۔ کسی بھی مقام پر یہ کام کیا جا سکتا ہے!" ڈاکٹر ٹی ٹی نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

"ڈاکٹر برہان کی خوبی تھی کہ فرصت کے اوقات میں کسی پر تسلط نہیں رکھتا تھا۔ خود بھی مطالعے میں ڈوبا رہتا تھا۔ ہاں بس یہ ضروری تھا کہ جہاں بھی جاؤ اسے آگاہ رکھو تاکہ کسی ضرورت پر رابطہ قائم کرنے میں مشکل نہ پیش آئے۔ چنانچہ میری درخواست پر اس نے مسکراتے پوچھا۔ "کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"یہاں سے براہ راست نادرپور! آج کل نادرپور میں شکار ہو رہا ہو گا۔ بہترین موسم کی بہترین تفریحات ہوتی ہیں وہاں۔ وہاں جانے کے بعد اگر کہیں اور کا پروگرام بن گیا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا!"

"وہ فضول آدمی بھی تمہارے ساتھ ہو گا؟" ڈاکٹر برہان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ڈاکٹر! بہرحال وہ کام کا آدمی ہے اور پھر میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں!"

"نہیں! نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ لڑکیوں کا مریض ہے بس اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ یورپ نہیں ایشیا ہے کہیں مار نہ کھا جائے!"

"مار کھانا اس کی عادت ہے۔ تاہم میں خیال رکھوں گا!"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو!" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا اور میں اپنی رہائش گاہ میں واپس آگیا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی ایک ملازم سے اردو سیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ملازم ہنس ہنس کر بے حال ہوا جا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ چلا گیا اور ڈاکٹر ٹی ٹی مسکراتا ہوا بولا۔

"میں اس سے تمہاری زبان سیکھ رہا تھا۔ میرا خیال ہے تھوڑی سی کوشش کے بعد یہ زبان میری سمجھ میں آجائے گی!"

"ضرور آجائے گی ڈاکٹر! بہرحال اب ہمیں چلنے کی تیاریاں کرنی ہیں۔ میں تمہیں ایک انتہائی پرفضا مقام پر لے جاؤں گا!"

"مجھے صرف ان فضاؤں میں لے چلو جس میں حسین جسموں کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ جہاں کنوارے قہقہے رقصاں ہوں' جہاں صرف آنکھوں کی شبنم ہو۔ نم ہوائیں جن سے مس ہوکر چلیں اور جسموں کی حرارت ایک دوسرے میں منتقل ہوتی رہے۔ آہ! بس میں ان فضاؤں کا عاشق ہوں!"

"تو عاشق صاحب! تیاریاں کریں۔ بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا!"

"تیاریاں کیا کرنی ہیں؟" ٹی ٹی نے پوچھا۔

"بس آج خریداری کریں گے اور ایک آدھ دن میں روانہ ہو جائیں گے!" میں نے جواب دیا اور ٹی ٹی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "خریداری کیا کرو گے؟"

"نادرپور کا موسم انتہائی سرد ہو گا۔ ان دنوں وہاں شدید برف باری ہوتی ہے اور اس برف باری کے موسم میں سفید لومڑیوں کے شکاریوں کی یلغار ہوتی ہے۔ نادرپور کے بارے میں مشہور ہے کہ جو ایک بار وہاں آتا ہے' زندگی میں دوسری بار ضرور آتا ہے اور میں اس بات کا قائل ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"میں دوسری بار وہاں جا رہا ہوں۔ ایک دفعہ گیا تھا لیکن صرف تین دن قیام کر

سکا۔ چوتھے روز ڈاکٹر نے ایک کام سے مجھے واپس بلا لیا تھا!"

"خوب! تمہاری اس گفتگو سے میرے ذہن میں بھی اس جگہ کو دیکھنے کا اشتیاق بڑھ گیا ہے۔ لیکن کچھ صاف گوئی سے کام لینا چاہتا ہوں شہاب!"

"کہو.........کیا بات ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہماری دوستی تو بہت گہری ہو گئی ہے لیکن میرے مالی معاملات کا کیا ہو گا؟ دیکھو شہاب! میں نے ساری زندگی اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں کیا ہے اور دوسروں پر قناعت کرتا رہا ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں مجبور ہوں۔ میں اپنے طور پر بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں اپنی ضرورت پوری کروں۔اس کے لئے میں جو طریقہ کار اختیار کروں گا وہ ناجائز ضرور ہو گا لیکن غیرقانونی نہیں ہو گا!"

"او، ڈیئر ٹی ٹی! تمہاری ذات کسی طور پر میرے لئے بوجھ نہیں ہے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں' وہ تمہارے علم میں ہے۔ لاکھوں روپے بیکار پڑے ہیں میرے پاس اور پھر ہم بھی تو تم سے کام لیں گے۔ چنانچہ تم یہ بات محسوس مت کرو!"

"اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ میری اپنی شخصیت زندہ رہے!"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا!" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر مسکرانے لگا۔" اب تم میری ذات پر جتنا چاہو خرچ کرو۔ اس اجازت کے بعد میں بھی آزاد ہوں اور تمہارے سارے احسانات کا بدلہ چکا دوں گا۔" ڈاکٹر ٹی نے کہا اور میں نے لاپرواہی سے گردن ہلا دی۔

پھر ہم بازار نکل گئے اور بڑی زبردست خریداری کی۔ سردیوں کے ریڈی میڈ لباس' جانوروں کی کھال کے کوٹ' ٹوپیاں نہ جانے کیا کیا' لدے پھندے گھر واپس آئے تھے اور اس رات ساری تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ نادرپور کے لئے ایئر سروس بھی تھی لیکن ہم نے ٹرین سے سفر کا پروگرام بنایا اور یہ فرمائش ڈاکٹر ٹی کی تھی۔ وہ اس ملک سے واقفیت بھی چاہتا تھا۔

"اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے فوری طور پر اپنی زبان سکھاؤ۔ ابتداء ضروری الفاظ سے ہو گی!" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ڈاکٹر برہان کو اطلاع دے ہی چکا تھا۔ اس لئے دوسرے دن کے ٹکٹ بک کرائے گئے اور ہم نادرپور کے

لئے چل پڑے۔ طویل سفر تھا جو تقریباً" اٹھائیس گھنٹے میں طے ہوتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر ٹی ٹی مطمئن تھا۔ وقت مقررہ پر ہم اسٹیشن پہنچے اور ایئرکنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گئے۔ لیکن ڈاکٹر ٹی ٹی نے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی اپنی حرکتوں کا آغاز کر دیا۔ سیٹ پر بیٹھتے ہی ایک دراز قامت اور حسین لڑکی اس کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ وہ بے اختیار اس کی طرف لپکا اور "ارے جینی!" کہہ کر اس سے لپٹ گیا۔ لڑکی کسی شریف گھرانے کی معلوم ہوتی تھی' وہ بری طرح نروس ہو گئی لیکن ڈاکٹر نے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا تھا۔ "آہ جینی! جینی!! کتنا تلاش کیا میں نے تمہیں یہاں۔ لیکن.........لیکن........." اس نے لڑکی کی گردن چوم لی۔ تب میں نے اس طویل القامت نوجوان کو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے دیکھا جو شاید اس لڑکی کے ساتھ تھا۔ عمدہ سوٹ میں ملبوس اور پروقار شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔ اس نے پشت سے ڈاکٹر ٹی کو تھپتھپایا اور سرد لہجے میں بولا۔ "اب اسے چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا!" ڈاکٹر کی اس حرکت سے میں ایک لمحے کے لئے بوکھلا گیا تھا لیکن مدافعت تو کرنا ہی تھی' ورنہ بات بگڑ جاتی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کا بازو پکڑ لیا۔ "ڈاکٹر!......... آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ پلیز ڈاکٹر! یہ وہ خاتون نہیں ہیں!"

"نہیں ہیں.........!" ڈاکٹر نے سہمے ہوئے انداز میں لڑکی کو چھوڑ دیا اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی۔ نوجوان خونخوار نگاہوں سے ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔ "یہ کیا حرکت تھی؟" اس نے غراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ جناب آپ تشریف رکھئے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ تشریف رکھئے کوئی ایسی بات نہیں ہے!" میں نے نوجوان کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"براہ کرم آپ لوگ اس کمپارٹمنٹ سے نیچے اتر جائیں۔ میں یہاں آپ کا وجود برداشت نہیں کر سکتا!" نوجوان بگڑتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے عرض کیا نا کہ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کو تفصیل سمجھا دوں گا۔" میں نے نوجوان کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"اس شخص کو فورا" نیچے اتار دیں۔ شاید اس نے اس ملک کو بھی کوئی مغربی ملک سمجھا ہے۔ میں اس کی ہڈیاں توڑ گا!"

"تب ٹھیک ہے آپ اس کی ہڈیاں توڑیں!" میں غصیلے انداز میں پیچھے ہٹ گیا اور نوجوان مجھے گھورنے لگا۔

"آپ اس کی بے جا حمایت کر رہے ہیں۔ اس نے جو حرکت کی ہے!"

"عدیل! بات تو سن لو' وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ تم ہٹ جاؤ' میں بات کرتا ہوں۔" ایک معمر شخص نے اٹھ کر مدافعت کی اور نوجوان کو بازو سے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔ نوجوان غصیلے انداز میں پیچھے لوٹ گیا تھا!

"جی آپ کیا فرماتے ہیں اس بارے میں!" معمر شخص نے پوچھا۔

"غلط فہمی صرف غلط فہمی.........ڈاکٹر یورپ کے معزز لوگوں میں ہیں۔ یہاں ایک اپنی عزیزہ سے ملاقات کرنے آئے ہوئے ہیں اور وہ عزیزہ بلاشبہ آپ کی ان خاتون کی ہم شکل ہیں!"

"لیکن تعارف کے بغیر؟"

"اسے صرف جذباتیت کہہ لیں۔ دراصل رشتے کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے۔ آپ لوگ ٹھنڈے ہوں تو میں آپ کو سمجھاؤں!" میں نے جواب دیا۔

"میں کہتا ہوں تم دونوں نیچے اتر جاؤ۔ ورنہ میں تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کروں گا!" نوجوان پھر آگے بڑھا۔

"تم بزدل ہو اور انتہائی بے وقوف بھی۔ جس برے سلوک کی تم بات کر رہے ہو' وہ کبھی نہیں کر سکتے! میں نے تمہیں اس کا موقع دیا تھا!" میں نے کرخت لہجے میں نوجوان سے کہا اور معمر شخص درمیان میں آگیا۔ "عدیل! تم بیٹھ جاؤ۔ میں اس جھگڑے کو نمٹا لوں گا بیٹھ جاؤ۔ میں کہتا ہوں بیٹھ جاؤ۔"

"لیکن انکل! ان سے کہہ دیں کہ نیچے اتر جائیں کسی دوسرے کمپارٹمنٹ میں چلے جائیں۔ جب تک یہ میرے سامنے رہیں گے میرا خون کھولتا رہے گا!" نوجوان نے کہا۔ دوسرے چند لوگ بھی کمپارٹمنٹ میں موجود تھے لیکن ان کا ردعمل واضح نہیں تھا۔ ظاہر ہے ایک غلط فہمی کو کوئی بھی نظرانداز کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر کی اصلیت کسی کو معلوم نہیں تھی۔

"میں کہتا ہوں تم خاموش رہو عدیل! کیا تم میرا حکم نہیں مانو گے؟" اس بار معمر آدمی نے سخت لہجے میں کہا۔ ڈاکٹر اس دوران خاموشی سے عدیل کو گھور رہا تھا۔ اس

کے چہرے پر بے حد اطمینان تھا۔ "آپ بھی تشریف رکھئے جناب! میں معاملے کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہوں۔"

"شکریہ!" میں نے ڈاکٹر کو اس کی سیٹ کی طرف دھکیلا اور ڈاکٹر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ چند لمحات ہم دوسروں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ اس دوران نوجوان مسلسل ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔ معمر شخص بھی اپنی جگہ جا بیٹھا۔ لڑکی نروس تھی اور شرمندہ سی نظر آرہی تھی۔

"اتنی سی بات پر یہ حسین لڑکیاں کس قدر سرخ ہو جاتی ہیں۔ مجھے اس کا شرمانا بہت اچھا لگ رہا ہے!"

"کیا آگے کا سفر نہیں کرنا چاہتے ڈاکٹر!" میں نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

"کیوں نہیں.........کیوں نہیں.........سفر ہو گا اور ضرور ہو گا۔ لیکن ابھی تم نے ڈاکٹر کو کہاں دیکھا ہے۔ اگر اس نوجوان کو راستے ہی میں نہ اتروا دیا تو ٹی ٹی نام نہیں......... اور یہی معمر شخص اسے نیچے اتار دے گا! دیکھتے رہو.........بس دیکھتے رہو!" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا!

"نوجوان عدیل کی نگاہ جب بھی ڈاکٹر کی طرف اٹھتی اس میں نفرت ابھر آتی اور میں محسوس کر رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو گی۔ اگر یہ غلط قسم کے لوگ ہوتے تو مجھے کوئی تشویش نہ ہوتی لیکن معمر شخص کافی شریف انسان معلوم ہوتا تھا اور مجھے اس کی پریشانی پسند نہیں تھی۔ دوسری طرف ڈاکٹر ٹی ٹی کے انداز میں شرارت نمایاں تھی اب وہ براہ راست عدیل کی نگاہوں میں دیکھ رہا تھا۔ میں چونک پڑا۔ ڈاکٹر اب کوئی اور حرکت کرنے جا رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد میں نے عدیل کے خدوخال نرم ہوتے محسوس کئے اور پھر اس نے بھیگی بلی کی مانند گردن جھکائی اور سمت کر بیٹھ گیا۔ ٹی ٹی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسراہٹ پھیل گئی۔ "اب بولو اس سورما کے ساتھ کیا سلوک کروں؟" اس نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے اس کے ساتھ گڑبڑ کی ہے۔"

"مجبوری تھی۔ وہ مجھے کیوں گھور رہا تھا۔"

"ٹی ٹی! عدیل جو کچھ بھی ہے اس کے ساتھ شریف لوگ ہیں۔ میں ان لوگوں کو پریشان نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"لڑکی کی دوستی درکار ہے۔ اس گدھے کو خاموش رہنا ہو گا۔"

"مناسب نہیں ہے ٹی ٹی! وہ خالص مشرقی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی مناسب نہیں ہو گی۔"

"پھر گڑبڑ کی تم نے۔ مغربی لڑکیوں سے تو خود میرا دل بھی بھر گیا ہے۔ ویسے وہ بھی کوئی لڑکیاں ہوتی ہیں نہ عورت نہ مرد۔ میں تو اب زندگی اور نسوانیت سے بھرپور لڑکیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہائے ہائے۔ سب کی سب کٹوریاں۔ کٹوریاں۔" ٹی ٹی منہ ہی منہ میں جیسے ٹافی چوس رہا تھا۔

"لیکن ٹی ٹی! اس بارے میں میرا ایک مشورہ ہے۔"

"کہو؟"

"اگر تم مشرقی لڑکیوں کی حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو ان کی اہمیت پرکھو۔ ان پر ہپناٹزم کی شرارت مسلط کرنے کے بعد اپنی طرف متوجہ کرنے سے تمہیں لطف نہیں آئے گا۔ اس وقت تو وہ صرف تمہاری غلام ہوں گی۔ ان کی اپنی پسند یا سوچ تو نہیں رہ جائے گی۔"

"ہاں یہ درست ہے۔ میں خود بھی یہ نہیں چاہتا۔ کوئی ضرورت سے زیادہ پسند آجائے تو دوسری بات ہے۔"

"گڈ۔ یہ عمدہ خیال ہے اور اس کے لئے جس لڑکی کا انتخاب میں کروں گا وہ تمہاری دوست بنی چاہئے۔ میرا مطلب ہے کہ تم اس کے لئے کوشش کرو۔"

"لڑکی تو یہ بھی بہت خوبصورت ہے۔"

"کچھ بھی نہیں ہے ان کے مقابلے میں جن کا تذکرہ میں کر رہا ہوں۔ تم یہاں کے دیہاتوں میں بکھرا حسن دیکھو۔ صحیح معنوں میں یہ حسن زندگی سے بھرپور ہوتا ہے۔"

"ارے تو تم ہی دکھاؤنا۔ میں خود کیوں دیکھوں؟" ٹی ٹی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"چلو وعدہ رہا۔ ہم نادرپور کے بجائے راستے میں کہیں اتر جائیں گے اور اس کے بعد قرب و جوار کے دیہاتوں میں سفر کریں گے۔ اس طرح سفر کرتے ہوئے نادرپور پہنچیں گے۔"

"ٹھیک ہے مگر یہ لڑکی؟"

"اوہ۔ فضول آدمی۔ اس بے چاری کا پیچھا چھوڑ دو۔" میں جھنجلا کر بولا۔

"اور اس بے چارے کا بھی پیچھا چھوڑ دوں جس نے میری توہین کی ہے؟"

"اگر تمہاری سمجھ میں بات نہیں آتی تو پھر جو تمہارا دل چاہے کرو۔" میں بیزاری سے بولا اور ڈاکٹر ٹی ٹی تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر میری طرف جھک کر بولا۔ "پھر بتاؤ تمہیں دنبے پسند ہیں یا مرغے؟"

"میں آرام کے موڈ میں ہوں۔" میں نے نیچے کھسک کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر کچھ نہیں بولا تھا لیکن چند ہی ساعت کے بعد میں نے کمپارٹمنٹ میں ایک عجیب و غریب آواز سنی۔ ". بھیں۔" اور میری آنکھیں کھل گئیں۔

"پروقار معمر شخص آنکھیں پھاڑے عدیل کو گھور رہا تھا جو بڑے ادب سے اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ "کیا بات ہے عدیل؟" اس نے پوچھا۔

". بھیں......... اللہ کی قسم۔ . بھیں........." عدیل نے دنبے کی آواز نکالتے ہوئے کہا میں نے چونک کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ستم ظریف بوڑھا اطمینان سے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔

"کک......... کیا فضول بکواس ہے عدیل؟۔ بوڑھے آدمی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"جناب عالی، کچھ بھی ہو جائے . بھیں۔ چک چک۔ . بھیں۔" عدیل کی آواز خوفناک ہو گئی۔ لڑکی خوفزدہ انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی سہمی ہوئی نگاہیں عدیل کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اس انداز میں بھی وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

"یہ......... یہ اسے کیا ہو گیا؟" معمر شخص پریشانی سے بولا۔

"میرے آباؤ اجداد دنبے تھے۔ آج مجھے اصلیت یاد آ گئی ہے . بھیں........." عدیل نے جواب دیا۔

"تو میاں ٹرین میں تمہیں اصلیت یاد آئی ہے۔" معمر شخص نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ لیکن دانت شاید نقلی تھے اس لئے جگہ چھوڑ گئے اور معمر شخص نے جلدی سے انہیں سنبھالا دیا۔ پھر غصیلی نگاہوں سے عدیل کو گھورنے لگا۔

"اصلیت بہرحال اصلیت ہوتی ہے جہاں بھی یاد آجائے۔ اس لئے نہایت دست بستہ . بھیں۔"

"خاندانی آدمی ہوں جناب عالی' آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ حکم سر آنکھوں پر مگر کیا کروں۔ میرا دل ۔بھیں ۔بھیں کرنے کو چاہ رہا ہے۔ ۔بھیں.........." عدیل ایک مخصوص انداز میں ۔بھیں ۔بھیں کئے جا رہا تھا۔ معمر شخص نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "جناب' براہ کرم میری مدد کریں نہ جانے اچانک اس نوجوان کو کیا ہو گیا ہے۔ کہیں یہ کوئی خطرناک اقدام نہ کر گزرے۔ مجھے بھی لگ رہا ہے جیسے یہ پاگل ہو گیا ہو۔ براہ کرم آپ لوگ میری مدد کریں۔" اور ڈاکٹر ٹی ٹی ایک دم چونک پڑا۔ چونکہ معمر شخص نے انگریزی میں یہ جملہ ادا کیا تھا اس لئے اس نے بھی سمجھ لیا۔ دوسرے لمحے وہ کھڑا ہو گیا۔ اور ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ میں اس کی کمینگی کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ مجبوراً" میں بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بدحواس لڑکی ایک جانب سمٹ گئی اور ٹی ٹی معمر شخص کے پاس پہنچ گیا۔ "مجھے ڈاکٹر ٹی ٹی کہتے ہیں اور یہ میرے دوست شہاب تیموری ہیں۔ کس الجھن کا شکار ہو گئے ہیں آپ لوگ؟"

"اس کمبخت کا دماغ اچانک الٹ گیا ہے۔ کہیں اور زیادہ نہ بگڑ جائے۔ میرے لئے تو اسے سنبھالنا مشکل ہو گا۔" معمر شخص نے پریشانی سے کہا۔

"ہوں۔ کیوں بھائی تمہیں کیا تکلیف ہے؟" ٹی ٹی اب براہ راست عدیل سے مخاطب ہو گیا۔

"۔بھیں.........." عدیل نے منہ پھاڑ دیا۔

"اوہ اچھا اچھا۔ صرف ۔بھیں نہیں۔ اب اس سے آگے کی منزل میں داخل ہو جاؤ۔ ویسے تم شکل و صورت سے تو اونٹ لگتے ہو۔ دنبے سے تمہارا تعلق غلط ہے۔"

"۔بھیں.........." عدیل نے سہانے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اور آپ بھی بے فکر رہیں جناب۔ اس مرض کو اینی مل فوبیا کہا جاتا ہے۔ لاکھ دو لاکھ انسانوں میں سے کسی ایک انسان کو چند لمحات کے لئے یہ دورہ پڑتا ہے۔ ابھی یہ دنبے ہیں۔ اس کے بعد اچانک خود کو گھوڑا تصور کرنے لگیں گے۔ پھر مرغ بن کر کڑکڑائیں گے اور اس کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ سارا عمل آدھے گھنٹے کے اندر اندر ہو جائے گا' اور اس کے اختتام کے بعد کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔"

معمر شخص کے ہونٹ بھنچ گئے۔ وہ کڑی نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ آپ یہ دلچسپ مذاق کیوں فرما رہے ہیں۔ آپ کس قسم کی توجہ' چاہتے ہیں۔ اپنی عمر کی نسبت آپ نہایت گھٹیا قسم کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ براہ کرم اپنی جگہ تشریف لے جائیے۔ اپنا تعارف صرف اتنا کرا سکتا ہوں کہ میں ریٹائرڈ سرجن ہوں اور پورے پچاس سال تک یہی کام کرتا رہا ہوں۔ شاید آپ نے بھی ڈاکٹر سرجن طاہر علی کا نام سنا ہو سمجھے آپ؟"

"یعنی کمال ہے' آپ نے خود ہی مدد کے لئے بلایا تھا اور اب خود ہی بے عزتی کر رہے ہیں۔ بڑے عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔" ٹی ٹی نے کہا۔

"اینی مل فوبیا کا ذکر کن کتابوں میں ہوا ہے۔ کیا آپ مجھے اس مرض کی تفصیلات بتا سکتے ہیں؟"

"بتاؤں گا تو آپ مانیں گے کہاں۔ لیکن آپ کے خیال میں اس مرض کا وجود نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" سرجن طاہر ہتھیلی پر گھونسہ مار کر بولا۔

"۔بھیں۔" عدیل نہایت کریہہ آواز میں بولا۔ اس بار کی آواز سب سے تیز تھی۔ لڑکی اچھل کر اپنے باپ کے پاس پہنچ گئی۔ وہ بے حد خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اگر وجود ہی نہیں ہے تو میں اتنے بڑے سرجن کے سامنے کیا کہہ سکتا ہوں!" ٹی ٹی نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر واپس اپنی سیٹ پر آ گیا۔

"آپ مطمئن رہیں۔ اگر یہ آؤٹ ہوئے تو ہم سنبھال لیں گے۔" میں نے معمر شخص کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ میں اسے ابھی بالکل آؤٹ کر دوں گا۔" ٹی ٹی نے دبی زبان سے کہا۔

"ٹی ٹی' ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے' باز آجاؤ۔ میں نے کہا اور ڈاکٹر ٹی ٹی برا سا منہ بنا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ میں بھی گہری سانس لیکر کھڑکی سے ٹک گیا تھا۔ ویسے ادھ کھلی آنکھوں سے میں عدیل کو دیکھ رہا تھا جواب بھی دھیمی آواز میں ۔بھیں ۔بھیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے منہ سے خرخر کی آوازیں نکالیں اور اچانک کمپارٹمنٹ میں گھوڑے کی ہنہناہٹ گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی عدیل ایک پاؤں سے فرش

کھڑ چنے لگا۔ لڑکی چیخ پڑی تھی۔ معمر شخص خوفزدہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا لیکن اب اس کے چہرے پر خوف کے بجائے شدید حیرت تھی۔ عدیل وقفے وقفے سے ہنہناتا رہا اور سرجن طاہر خوفزدہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے بے بسی سے ہم لوگوں کو بھی دیکھا تھا۔ میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ اس بگڑتے ہوئے بکھیڑے کو سنبھالنے کی کوشش خطرناک بھی ہو سکتی تھی اور پھر تھوڑی دیر بعد اچانک عدیل نے نہایت انکساری کے ساتھ اذان دینا شروع کر دی۔ اب وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا مرغ کی مانند بانگ دے رہا تھا اور ڈاکٹر طاہر بڑی عقیدت سے ڈاکٹر ٹی ٹی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ اٹھ کر ہمارے پاس آ بیٹھا۔ ''میں معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر۔'' اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

''کیوں.........؟ کس بات کی؟ ٹی ٹی نے کسی نک چڑھی عورت کی مانند کہا۔''

''میں نے ساری زندگی اس مرض کے بارے میں نہ کبھی کچھ پڑھا نہ کبھی ایسے مریض سے سابقہ پڑا۔''

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' ٹی ٹی بولا۔

''آپ......... آپ تو حیرت انگیز انسان ہیں۔ جو کچھ آپ نے کہا تھا وہی ہوا۔ میں آپ سے معافی چاہتے ہوئے اس مرض کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا خواہش مند ہوں۔''

''میں نے کوئی میڈیکل کالج نہیں کھول رکھا۔ کتابیں پڑھیں۔ آپ کو تفصیلات ضرور مل جائیں گی۔'' ڈاکٹر نے بدستور برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن سرجن طاہر علی اب اس سے بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اس لہجے کا برا نہیں مانا اور بدستور معذرت آمیز لہجے میں بولا۔

''میں نے بلاشبہ آپ جیسی عظیم شخصیت کے ساتھ بہتر طرز گفتگو نہیں اختیار کیا لیکن میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں۔ پچاس سال کی زندگی میں نے اسی پیشے میں صرف کی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ میرے لئے قطعی اجنبی ہے۔ میں اس مرض کے بارے میں تو بالکل نہیں جانتا اور ڈاکٹر ٹی ٹی میں اس سلسلے میں آپ کی امداد چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔''

''میں نے عرض کیا نا' میں آپ سے کوئی گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

''جناب اب آپ ہی ڈاکٹر کو سمجھائیے۔'' سرجن طاہر علی نے میری جانب دیکھ کر کہا اور میں شانے اچکا کر مسکرا دیا۔

''ڈاکٹر ٹی ٹی ایک مخلص انسان ہیں جناب! انہوں نے نہایت خلوص سے آپ کو اس مرض کے بارے میں تفصیلات بتا دی تھیں لیکن آپ نے ان کے ساتھ خاصے سخت جملے استعمال کئے۔ میرا خیال ہے اس وقت ان تفصیلات کو جانے دیں۔ ممکن ہے زندگی کے کسی مرحلے پر آپ سے پھر ملاقات ہو جائے اس وقت یہ گفتگو بہتر رہے گی۔'' میں نے کہا اور سرجن طاہر نے گردن جھٹک دی.......... ''اتنی بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے اور مجھے افسوس بھی ہے۔ ویسے آپ لوگ کہا جا رہے ہیں؟''

''بس سیاحت کے لئے نکلے ہیں' کسی بھی اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں آپ کو اپنا نام بتا چکا ہوں۔ سرجن طاہر علی' نادر پور میں میرا بیٹا گورنمنٹ ہسپتال میں سرجن ہے۔ عامر علی کو یہاں کے سبھی لوگ جانتے ہیں۔ ویسے خود بھی دارالحکومت میں رہتا ہوں۔ وہاں میرے دو بیٹے اور ہیں۔ اب تقریباً'' چھ ماہ تک نادر پور میں رہوں گا۔ اگر کبھی وہاں گزر ہو تو ضرور تشریف لائیے۔ جو کچھ ہو چکا اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔'' طاہر علی اٹھ کر اپنی سیٹ پر چلا گیا۔ ٹی ٹی خاموش بیٹھا تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''کیا خیال ہے شہاب۔ کیا ان حالات میں لڑکی کی توجہ حاصل کرنا مشکل کام ہے؟''

''نہیں وہ اب بار بار تمہیں دیکھ رہی ہے۔''

''پھر اب تو نہیں کہو گے کہ میں صرف کسی کو ہپناٹائز کر کے ہی اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہوں۔ لڑکیاں ویسے بھی میری ذات میں دلچسپی لے سکتی ہیں۔''

''یقیناً'' مسٹر ٹی ٹی۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہماری دلچسپیاں حقیقی ہوں اور مجھے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''میں نے تم سے تعاون کیا ہے۔ تمہیں بھی اپنا وعدہ یاد ہے نا؟''

''سو فیصدی۔''

''تو پھر کب اترو گے۔ میں اس ماحول سے بوریت محسوس کر رہا ہوں اور اب تو مجھے اس لڑکی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ اتنی محتاط لڑکیاں بھی بیکار ہوتی ہیں۔

اس دوران وہ ڈرتے اور سہمے رہنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی ہے۔"

"ہوں.........." میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر صبر کرو کسی مناسب مقام کا انتظام کئے لیتے ہیں۔" اور ڈاکٹر خاموش ہو گیا۔ سفر کو کافی وقت گزر چکا تھا۔ طاہر علی نے کافی سے ہماری تواضع کی۔ ڈاکٹر نے بھی کافی کی پیالی قبول کر لی۔ کیونکہ لڑکی نے اسے پیش کیا تھا عدیل اب بالکل خاموش بیٹھا تھا اور اب مکمل طور سے پر سکون ہو گیا تھا۔

شام جھک آئی تھی۔ یہ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی اور میں کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی نے چونک کر مجھے دیکھا۔ "چلئے ڈاکٹر۔" میں نے کہا اور وہ اٹھ گیا۔ سرجن طاہر علی اخلاقاً ہمیں دروازے تک رخصت کرنے آیا تھا۔ ایک بار پھر اس نے ٹی ٹی سے معافی مانگی اور ٹی ٹی پلیٹ فارم پر اتر گیا۔ بہت چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ نہ جانے گاڑی یہاں کیوں رکتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے علاوہ کوئی بھی اس اسٹیشن پر نہیں اترا تھا۔ پلیٹ فارم پر کسی قلی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اکا دکا آدمی نظر آرہے تھے۔ ٹرین وسل دے کر آگے بڑھ گئی اور ہم باہر جانے والے راستے کی جانب' دروازے پر ٹکٹ چیک کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ ہم اپنا مختصر سا سامان اٹھائے باہر نکل آئے۔

"عجیب جگہ ہے۔ کیا تم اسے کوئی دلچسپ جگہ کہہ سکتے ہو؟" ڈاکٹر ٹی ٹی نے سوال کیا۔

"آؤ بھی ڈاکٹر۔ فضول بحث میں نہ الجھ جایا کرو۔ یہ چھوٹے چھوٹے دیہات ہی حقیقی زندگی کے حامل ہوتے ہیں۔"

"مگر اس حقیقی زندگی میں ہم کہاں فٹ ہو سکیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں قیام کے لئے کوئی جگہ مل جائے گی؟"

"ممکن ہے.........." میں نے جواب دیا۔

"اور اگر ممکن نہ ہوا تو.........." ڈاکٹر ٹی ٹی ہکلا کر بولا۔

"بھئی ایک آدھ رات یہاں قیام کریں گے۔ کسی درخت کے نیچے بھی ڈیرہ ڈال سکتے ہیں۔ تم نے یہ کلاسیکی زندگی یورپ میں نہیں پائی ہو گی ڈاکٹر ٹی ٹی.......... پیڑ کے نیچے سونے میں کتنا لطف آتا ہے۔ اس کا اندازہ لگاؤ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ اور ٹی ٹی مجھے گھورنے لگا بہرصورت اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ ہم اپنا مختصر سا سامان

ہاتھوں میں اٹھائے دیہات کی کچی پگڈنڈی پر آگے بڑھنے لگے۔ سامنے ہی کچے مکانات کی قطاریں نظر آرہی تھیں۔ اکادکا پکے مکانات بھی تھے۔ اینٹوں کے بھٹے جگہ جگہ دھواں اگل رہے تھے۔ دھوپ ڈھل چکی تھی اور آسمان پر کجلاہٹیں ابھر آئی تھیں.......... بھٹوں کا چکراتا ہوا دھواں کجلاہٹوں میں گم ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی اب اس سادہ سے ماحول کی طرف متوجہ' ہو گیا۔ بستی اتنی چھوٹی نہیں تھی۔ اس کا اندازہ اندر جا کر ہوا تھا۔ مکانات اور بازار گھنے ہوتے جا رہے تھے۔ بازاروں میں چہل پہل تھی۔ لیکن یہ سادہ سے لوگ ڈاکٹر ٹی ٹی کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ "بڑی غربت ہے تمہاری بستیوں میں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر۔ لیکن یہ محنت کش لوگ ہی زندگی کی صحیح دلکشی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔"

"یہ صرف کلاسیکی باتیں ہیں۔ یہ لوگ جس طرح زندگی کی نعمتوں سے محروم ہیں انہی کا دل جانتا ہو گا۔ ہر شخص مصائب کے بوجھ کے نیچے دبا نظر آتا ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ ان کی ضرورتیں محدود ہیں یہ ان چیزوں کے طلب گار ہی نہیں ہیں جو ہماری زندگی کا اہم جزو بن گئی ہیں۔ ان کی زندگی کے مسائل بہت مختصر ہیں۔ دن بھر شدید مشقت کرنے کے بعد موٹا جھوٹا کھا کر جس سکون کی نیند یہ سوتے ہیں وہ ہمیں اور تمہیں میسر نہیں ہے۔"

"ہاں' اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں ان ضرورتوں کی ہوا ہی نہیں لگنے دی گئی۔"

"اور یہی ان کے حق میں بہتر ہے ڈاکٹر۔ ہر شخص ان کی بہتری کی بات کرتا ہے۔ دیہاتوں کے لئے ترقیاتی سکیمیں بنائی جاتی ہیں لیکن یہ ان لوگوں کی خوش بختی ہے کہ یہ سکیمیں صرف کاغذی کارروائی تک رہتی ہیں۔ اگر وہ نامکمل شکل میں ان تک پہنچ جائیں تو یہ بے چارے نہ تیتر رہیں نہ بٹیر۔"

"وہ دوسری بات ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور اسی وقت میں نے ایک دیہاتی نوجوان کو روکا۔ اور وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ "کیا یہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مسافر ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو میرے گھر چلو۔ جو کچھ ہے حاضر ہے۔" اس نے خلوص سے کہا اور میں ٹی ٹی کو اس کے بارے میں بتانے لگا۔ پھر میں نے کہا......... "تمہارا شکریہ لیکن کوئی اور جگہ بتا دو۔"

"ماما کی سرائے بھی ہے۔ وہاں تمہیں ٹھہرنے کی جگہ مل جائے گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ ٹھیک ہے۔ اس کا پتا بتا دو۔" میں نے کہا اور نوجوان نے ہمارے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لئے اور وہ دونوں سوٹ کیس اٹھائے ہوئے ہمارے آگے آگے چل پڑا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی اندازے سے ہماری گفتگو سمجھ رہا تھا۔ نوجوان نے ہمیں سرائے میں چھوڑ دیا۔ اصطبل نما عمارت تھی جہاں بانوں کی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ لیکن ڈاکٹر ٹی ٹی کے انداز میں اکتاہٹ یا الجھن نہیں تھی اس لئے میں مطمئن ہو گیا۔ ہم اس سرائے میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر ٹی ٹی سے مقامی دیہاتوں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ رات کو ہم نے باہر کا ایک چکر لگایا۔ حالانکہ ابھی آٹھ بھی نہیں بجے تھے۔ لیکن دور سڑکوں پر کتوں کے علاوہ کچھ نہیں نظر آرہا تھا۔ سڑکیں اور مکان تاریک تھے۔ صرف اسٹیشن اور اس کے قرب و جوار میں بجلی کی روشنی تھی۔ باقی بستی اس سے محروم تھی۔ ہاں دیئے ضرور جل رہے تھے۔ کہیں کہیں سڑکوں پر مخصوص طرز کی لالٹینیں روشن نظر آ جاتی تھیں۔ ڈاکٹر ٹی ٹی اس ماحول سے بہت متاثر تھا۔ "بلاشبہ یہاں کے باشندے زندگی کی اہم ضرورتوں سے محروم ہیں۔ لیکن اس زندگی میں ایک انوکھے سکون کا احساس ہوتا ہے۔"

"پسند آئی یہ جگہ تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بلاشبہ انوکھی حیثیت کی حامل ہے۔" ٹی ٹی نے کہا۔ اس وقت اس پر وہ کھلنڈرا موڈ طاری نہیں تھا۔ ہم بہت دیر تک سڑکوں اور گلیوں گھومتے رہے۔ کئی جگہ کتے پیچھے لگے تھے۔ لیکن بہرحال انہیں بھگا دیا گیا۔ خوب تھک گئے تو واپس سرائے میں پہنچ گئے۔ بانوں کی چارپائیاں بھی ڈاکٹر ٹی ٹی کے لئے ایک دلچسپ تجربہ تھیں۔ خاصی رات تک وہ باتیں کرتا رہا اور پھر آرام سے سو گیا۔ نیند کے سامنے اس نے جگہ اور ماحول کو فراموش کر دیا تھا۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو سرائے کا مالک ناشتہ لئے کھڑا تھا۔ مکھن، چھاچھ اور باجرے کی روٹیاں۔ ٹی ٹی نے ان کا طریقہ استعمال معلوم کیا اور خوب لطف لیکر ناشتہ کیا۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ پھر ہم نے رخت سفر باندھ لیا۔

"یہ زندگی میرے تصور سے باہر تھی۔ تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے اس انوکھے تجربے سے روشناس کرایا۔ لیکن وہ سب کہاں ہے جس کا تم نے وعدہ کیا تھا؟"

"وہ بھی نظر آجائے گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر سرائے کے مالک کو تھوڑے سے پیسے دے کر ہم باہر نکل آئے اور بستی سے باہر جانے والی سڑک پر چل پڑے۔ یہ سڑک ریلوے اسٹیشن کے برابر سے گزرتی تھی۔ دن کی روشنی میں باہر کے مناظر اور خوشنما لگ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ ٹکٹ گھر میں ایک شخص موجود تھا اس سے ہم نے نادرپور کی ٹرین کے بارے میں معلوم کیا۔

"نادرپور جانے والی ٹرین تو شام کو ملے گی جناب پانچ بجے تک یہاں پہنچتی ہے۔"

"اور کوئی ٹرین نہیں مل سکتی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں صاحب، دوسری ٹرینیں یہاں سے گزرتی ضرور ہیں مگر رکتی نہیں ہیں۔" جواب ملا۔ اور میں نے ٹی ٹی کی طرف دیکھ کر اسے صورت حال بتائی۔ "کیوں نہ تھوڑا سا سفر پیدل کیا جائے؟" ٹی ٹی بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک منٹ رکو۔" میں نے ٹکٹ کلرک سے دوسرے اسٹیشن کے بارے میں معلوم کیا۔

جواب ملا۔ تقریباً" چھ کوس کے بعد پدماگڑھ ہے، وہاں کئی ٹرینیں رکتی ہیں۔ وہاں سے آپ کو ضرور کوئی نہ کوئی ٹرین مل جائے گی۔" یہ سن کر ہم چل پڑے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی خوشی خوشی اپنا سامان اٹھائے چل رہا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت پھیلے ہوئے تھے اور ان کھیتوں میں لوگ کام کر رہے تھے۔ کافی دور نکل آنے کے بعد دفعتاً ٹی ٹی رک گیا۔ سرخ اوڑھنی اور چولی پہنے ہوئے ایک دیہاتی حسینہ نظر آئی۔ سرو قامت، پھول کی طرح کھلا ہوا چہرہ دودھیا رنگ، گالوں پر سرخی، آنکھوں میں چمک لئے وہ کھیتوں کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہی تھی۔

"اُف۔ کیا حُسن ہے۔ کیا تم اس حسین لڑکی سے بات کرنے کی اجازت بھی نہیں

دو گے؟" ڈاکٹر کے قدم رک گئے تھے۔

"ضرور........ اسی حسن کے بارے میں تو میں نے تم سے کہا تھا۔" میں مسکراہٹ روکتے ہوئے بولا۔

"تو پھر آؤ' اس سے باتیں کریں" ڈاکٹر خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"ایک آدمی جائے ورنہ وہ گھبرا جائے گی۔"

"مگر مجھے تو مقامی زبان نہیں آتی۔" ڈاکٹر نے پریشانی سے کہا۔

"آنکھوں کی زبان ساری دنیا میں سمجھی جاتی ہے۔ تم دل کی بات آنکھوں سے کہنا۔ وہ سمجھ جائے گی۔" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے گردن ہلا دی۔ میں تھوڑے فاصلے پر چلنے لگا۔ اور ڈاکٹر سڑک سے اتر کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ لڑکی چونک کر رک گئی تھی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی نے پیار بھرے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ اس نے جلد بازی کی تھی' ورنہ جو کچھ ہوا اس میں ذرا سی دیر ضرور لگتی۔ دوسرے لمحے چٹاخ کی آواز آئی۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ ٹی ٹی کا رخ بدل گیا تھا اور قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی زور زور سے چیخنے لگی تھی۔ "بابا.......... بابا.........."

"کون ہے؟ کیا ہے؟" کافی دور سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"یہ سفید چوہا مجھے چھیڑ رہا ہے۔ جلدی آؤ بابا۔" اور کھیتوں سے ایک قوی ہیکل شخص باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھوں میں چوڑے پھل والا کلہاڑا تھا۔ دوسرے لمحے ٹی ٹی نے سڑک پہ چھلانگ لگا دی۔ میں نے بھی تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ دیہاتی آدمی تھا۔ ممکن ہے زیادہ ہی جذباتی ہو جاتا۔ اس لئے بھاگنا بہتر تھا۔ ٹی ٹی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ یوں ہم بہت دور نکل آئے ۔ ٹی ٹی کی بدحواسی دیکھ کر میرے پیٹ میں بل پڑے جا رہے تھے لیکن بہرحال جان مجھے بھی بچانی تھی۔ ہم دونوں دیر تک دوڑتے رہے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی کی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔

"لعنت ہے۔ لعنت ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بس بس۔" میرا خیال ہے ہم ان لوگوں کو کافی پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اب رفتار سست کر دو ڈیئر ٹی ٹی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم ہنس رہے ہو' میری بری حالت ہے۔"

"مگر کیوں ڈاکٹر؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ........ وہ وحشی عورت' تم نے مجھے کس چکر میں پھنسا دیا تھا؟"

"اوہ' دیہاتوں کے حسن میں وحشت ہی ہوتی ہے ڈاکٹر۔"

"لعنت ہے اس حسن پر کم بخت نے اس زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا کہ گردن ہی ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ مجھے اندیشہ تھا اگر ایک تھپڑ اور مار دیتی تو میری گردن ہی ٹوٹ جاتی۔"

"بڑی جاندار ہوتی ہیں یہ دیہاتی لڑکیاں۔"

"میں کہتا ہوں فضول بکواس مت کرو' میں........ میں اس سے اپنی توہین کا انتقام ضرور لیتا اگر وہ کم بخت نہ آجاتا۔ افوہ بڑا دیوہیکل تھا۔ اگر وہ اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ہتھیار سے مجھ پر حملہ کر دیتا تو کیا ہوتا؟"

"دو ٹکڑے ہو جاتے ڈاکٹر' اس کے علاوہ کیا ہوتا۔" میں نے کہا اور ڈاکٹر بری طرح چڑ گیا۔ "میں سمجھ گیا سب کچھ سمجھ گیا۔ تم نے جان بوجھ کر یہ شرارت کی تھی۔"

"نہیں ڈاکٹر یہ تم الزام لگا رہے ہو۔ کیا تمہارے خیال میں اس لڑکی سے میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کرے؟"

"مگر........ مگر پھر اس نے یہ کیوں کیا۔ میں نے تو اس سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ بس میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے یہی کہا تھا کہ تم کتنی خوصورت ہو۔" ڈاکٹر نے مظلوم انداز میں کہا۔

"اس نے بھی تھپڑ مار کر تمہارے سوال کا جواب دیا تھا۔ ان لوگوں کی اپنی رسمیں ہوتی ہیں ڈاکٹر۔ بعض علاقوں میں محبت کے جواب میں محبت کا اظہار اسی طرح کیا جاتا ہے۔ کلہاڑے والا شخص اس لڑکی کا باپ تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی پسند اپنے پاس رکھ لیتا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے کہا نا کہ مختلف رسمیں ہوتی ہیں۔ بعض دیہاتی ہر اس شخص کو جس نے پہلی بار ان کی بیٹی کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا ہو' ہلاک کر کے اس کا سر اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اپنی بیٹی کے حسن کے بارے میں بتا سکیں۔"

"لعنت ہے ان رسومات پر۔ تم اسی لئے قریب نہیں گئے تھے؟"

"ایک وقت میں ایک ہی شخص اپنی پسند کا اظہار کر سکتا ہے' ورنہ صورت حال بگڑ جاتی ہے۔"

"یہ تو افریقہ کے وحشی علاقوں سے بھی زیادہ خوفناک رسم ہے۔" نہ جانے کیوں ڈاکٹر ٹی ٹی کو میری بات کا یقین آگیا۔" شہریوں میں تو یہ رسومات نہیں ہوتیں۔"

"بعض دیہاتوں میں بھی نہیں ہوتیں۔" میں نے جواب دیا۔ ہم دونوں آگے بڑھتے رہے۔ ڈاکٹر کے حواس ابھی تک بحال نہیں ہوئے تھے ابھی ہم نے زیادہ سفر طے نہیں کیا تھا کہ عقب سے ایک کار کے ہارن کی آواز سنائی دی اور میں نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ ایک انتہائی قیمتی اور لمبی لینڈرووور سڑک پر آرہی تھی۔ ہم بالکل کنارے ہو گئے اور لینڈرووور ہمارے نزدیک سے گزر گئی۔ لیکن تھوڑی دور جا کر وہ رک گئی۔ اور پھر ریورس ہوکر ہمارے نزدیک آگئی۔ "کیا تم لوگوں کو لفٹ درکار ہے؟" ڈرائیونگ سیٹ سے کسی نے سر نکال کر پوچھا اور ڈاکٹر کی حالت کے پیش نگاہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ دوسرے اسٹیشن تک لفٹ لے لی جائے.......... چنانچہ میں ڈرائیور کی طرف بڑھ گیا۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ پچھلی سیٹ پر ایک عورت دراز تھی۔ طویل قامت سیاہ فام عورت جس کی عمر تیس بتیس سے کم نہیں ہو گی۔ انتہائی جدید لباس تھا اور سیاہ فام ہونے کے باوجود اس کے خدوخال بے پناہ دلکش تھے۔ ہمیں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہیلو شریف آدمیو۔"

"ہیلو مادام.......... " میں نے گردن جھکا کر کہا۔ ڈرائیور نے لینڈرووور آگے بڑھا دی تھی۔ لینڈرووور ایئرکنڈیشنڈ تھی اور اندر سے اسے قیمتی چیزوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یوں بھی وہ اتنی بڑی تھی کہ چھوٹی موٹی بس معلوم ہوتی تھی۔

"کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جارہے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"سیاح ہیں مادام.......... پچھلی بستی میں ٹرین سے اتر گئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں سے ٹرین شام تک ملے گی اس لئے اگلے اسٹیشن کی طرف پیدل چل دیئے تھے۔"

"تم مقامی ہو اور یہ صاحب یورپین؟"

"جی ہاں۔"

"تعارف نہیں کراؤ گے اپنا؟"

"میرا نام شہاب الدین تیموری ہے اور یہ مسٹر ٹی ٹی ہیں.......... ڈاکٹر ٹی ٹی"

"ویسے آپ کو دیکھ کر میں شدید حیران ہوں خاتون!" ڈاکٹر ٹی ٹی نے اب سانسوں پر قابو پا لیا تھا۔

"کیوں؟" وہ نرم اور پراخلاق انداز میں مسکرائی۔

"براعظم افریقہ یوں تو اپنے وحشت خیز حسن میں یکتا ہے لیکن یہاں والوں کے خدوخال حسین نہیں ہوتے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ وہاں کے باشندوں کی نہیں بلکہ اس بے پناہ حسین اور پراسرار علاقے کی ساری دلکشی اپنے چہرے میں سمیٹ لائی ہیں۔ میں نے ساری زندگی ایسے حسین چہرے کا تصور بھی نہیں کیا۔" ٹی ٹی نے اپنا مخصوص راگ شروع کر دیا۔

"اور آپ یورپ کی بیباکی کی نمائندگی کر رہے ہیں جبکہ مشرقی باشندہ خاموش ہے۔" عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔ ہنستے ہوئے اس کے بائیں گال میں ایک انتہائی خوشنما گڑھا نمودار ہو گیا تھا۔ جس نے اس کی کشش بڑھا دی تھی۔

"اس کے ذہن میں کیا ہے یہ آپ کو نہیں معلوم۔ یہ لوگ صاف گو ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر نے ہار نہیں مانی تھی۔

"ہاں لیکن مخلص دوست نہیں ہوتے۔ اب دیکھ لیں ایک ذرا سی بات پر آپ اپنے دوست کی برائیاں گنانے بیٹھ گئے.......... " وہ ہنس کر بولی۔ اور میں بھی ہنسنے لگا۔ ڈاکٹر چند ساعت تو خاموش رہا لیکن پھر وہ بھی ہماری ہنسی میں شریک ہو گیا۔ پھر بولا "لیکن آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا؟"

"مجھے برجیتا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ افریقہ سے ہی تعلق رکھتی ہوں اور دنیا کی سیاحت پر نکلی ہوں۔ یہاں اپنی ایک دوست کے ساتھ نادرپور میں ٹھہری ہوں۔ نادرپور میں یہ موسم سفید لومڑیوں کے شکار کا موسم ہوتا ہے۔ بڑا خوبصورت موسم ہے یہاں کا۔ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟"

"آپ کو دیکھنے کے بعد اب نادرپور کے علاوہ اور کہاں جائیں گے۔" ڈاکٹر نے گہری سانس لے کر کہا۔ اور سیاہ فام عورت نیم باز آنکھوں اسے دیکھنے لگی۔

"خوب.......... اچھا ہے نادرپور تک ساتھ رہے گا۔ میں ایک کام سے آئی

ہوئی تھی اور اب نادرپور جا رہی ہوں۔ ویسے مسٹر ٹی ٹی آپ دلچسپ انسان ہیں۔"

"میرا دوست بھی دلچسپ انسان ہے۔ بس ذرا دیر سے کھلتا ہے۔ ویسے خاتون آپ کے مشاغل کیا ہیں؟"

"شکار.........." عورت نے جواب دیا۔

"صرف لومڑیوں کا.......... یا..........؟"

"جو بھی مل جائے۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں اس پر غور کر رہا تھا۔ خاصی پراسرار شخصیت کی مالک تھی۔ نرم چہرہ' نرم آنکھیں۔ لیکن اس کی شخصیت میں کوئی خاص بات تھی جسے میں صرف محسوس کر رہا تھا۔ الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا تھا۔

"مثلاً" جیسے ہم لوگ مل گئے ہیں۔" ڈاکٹر نے مصنوعی خوف کا اظہار کیا اور وہ ہنسنے لگی۔ "میرے آباؤ اجداد یقیناً" آدم خوری کرتے ہوں گے لیکن افسوس' اب ہم یہ شوق چھوڑ چکے ہیں ورنہ شاید۔" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولی۔ ڈاکٹر اس سے دلچسپ گفتگو کرتا رہا۔ میں نے ان باتوں میں بہت کم حصہ لیا تھا۔ برجیتا ہم سے کسی قدر بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس نے گھڑی دیکھی اور چونک کر ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "ارے تم گاڑی چلا رہے ہو یا چہل قدمی کر رہے ہو۔ کیا اس طرح ہم دوپہر تک نادرپور پہنچ سکتے ہیں؟"

"جی۔ سڑک زیادہ اچھی نہیں ہے۔" ڈرائیور نے کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن گاڑی ضرور اچھی ہے۔ میں نے اپنی دوست سے لنچ پر پہنچنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ہر قیمت پر لنچ اس کے ساتھ کروں گی۔ رفتار بڑھاؤ۔" اس نے کہا اور ڈرائیور نے ایکسیلیٹر پر مزید دباؤ ڈال دیا۔ وہ اب خاموش ہو گئی جیسے گفتگو کرتے کرتے تھک گئی ہو یا مزید گفتگو نہ کرنا چاہتی ہو۔ ہم دونوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "روک دو.......... گاڑی روک دو.........." اور ڈرائیور نے آہستگی سے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ پھر اس نے رفتار سست کر کے گاڑی روک دی۔ "جاؤ پیچھے بیٹھو۔" اور ڈرائیور دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

"آپ لوگ آگے آجائیں.......... آجائیں پلیز.........." اور ڈاکٹر ٹی ٹی جلدی

سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ وہ برجیتا کے برابر بیٹھ گیا جس نے اب اسٹیرنگ سنبھال لیا تھا۔ میں بھی ٹی ٹی کے برابر بیٹھ گیا اور برجیتا نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس نے ایک چشمہ نکال کر آنکھوں پر چڑھا لیا تھا۔ اور پھر گاڑی کی رفتار پکڑنے لگی۔

"یہاں کے لوگ بہت بزدل ہوتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"ہاں ڈرائیونگ تو یہاں واقعی سست ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے لقمہ دیا۔

"مسٹر شہاب آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ شاید مجھے بولنے پر مجبوری کرنا چاہتی تھی۔

"سست رفتاری بزدلی کی علامت تو نہیں ہے۔ اس کی دوسری وجوہ بھی ہیں۔ مثلاً خراب سڑکیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں سڑکیں تو واقعی بے حد خراب ہیں۔ ویسے آپ لوگ کیا کرتے ہیں۔ خاص طور پر آپ مسٹر شہاب؟ آپ کے بدن کی بناوٹ تو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ورزشی انسان ہیں۔ بلکہ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کافی سخت جان اور محنت کش انسان ہیں۔ ڈاکٹر کے پروفیشن سے واقف ہی ہو چکی ہوں۔ یوں بھی یہاں آپ کے مہمان ہوں گے۔"

"آپ کو جسموں کی بناوٹ کا کافی تجربہ ہے؟" ڈاکٹر نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

"ہاں' یہ میری ہابی ہے۔ میں نے کئی پہلوان ملازم رکھے ہیں۔ وہ جسمانی طور پر بہت شاندار ہیں۔ میں آپ کو دعوت دیتی ہوں کہ ایک دو دن میرے ساتھ قیام کریں۔ آپ دلچسپی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔"

"عجیب شوق ہے۔ عام عورتوں سے مختلف۔"

"ہاں' میں عام عورت نہیں ہوں۔" اس نے غرور سے کہا۔ گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ یوں بھی لینڈروور مخصوص قسم کی تھی اور اس کی رفتار عام گاڑیوں سے زیادہ تیز تھی۔ ڈاکٹر کی گفتگو رک گئی۔ گاڑی اس وقت ایک سو ساٹھ کلومیٹر کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ ویسے اس کی رفتار حد دو سو پچاس کلو میٹر تک تھی۔ اور سوئی آگے ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

"یہاں کی سڑکیں اس رفتار کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔" چند ساعت کے بعد

ڈاکٹر نے بھینچی بھینچی آواز میں کہا۔

"مگر میں لنچ سے قبل نادر پور پہنچنا چاہتی ہوں۔"

"مگر ہم لنچ سے قبل جہنم نہیں جانا چاہتے۔" ڈاکٹر بولا اور وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ رفتار بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ میں خاموش تھا۔ اس وقت اس کی ذرا سی لغزش ہمیں فنا کر سکتی تھی۔ سوئی اب دو سو پر پہنچ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے آنکھیں بند کر لیں۔

"یورپین اتنے بزدل تو نہیں ہوتے۔"

"بب......... بزدلی کی کیا بات ہے۔ مجھے تو اس سبک رفتاری پر نیند آ رہی ہے۔" ڈاکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور وہ مسکراتی رہی۔ رفتار دو سو سے اوپر نہیں ہوئی لیکن یہ رفتار بھی معمولی نہیں تھی۔ پھر خاموشی ہی رہی اور پھر نادر پور کے آثار نظر آنے لگے۔ گاڑی جب نادر پور میں داخل ہوئی تو میں نے سکون کی سانس لی۔ شہر میں داخل ہو کر رفتار خودبخود سست ہوتی گئی کیونکہ کافی چڑھائی تھی اور سڑکیں بھی مصروف تھیں۔ ویسے نادر پور کا یہ طویل سفر اتنے سفر کے آدھے سے بھی کم وقت میں طے کر لیا گیا تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ خاتون ہمیں کسی مناسب جگہ اتار دیں۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ میرے مہمان نہیں بنو گے؟"

"آپ اپنا پتہ دیدیں۔ کسی وقت حاضر ہوں گے۔"

"تم لوگوں سے تو زیادہ گفتگو بھی نہیں ہوئی۔ میرا خیال تھا کچھ وقت میرے ساتھ گزارتے۔" اس نے دعوت دینے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے شاہب۔ ہم کچھ وقت مادام برجیٹا کے ساتھ گزاریں گے اور پھر کسی ہوٹل میں منتقل ہو جائیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ جب ہوٹل میں ہی قیام کرنا ہے تو پھر اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" وہ بولی اور میں خاموش ہو گیا۔ حالانکہ مجھے ٹی ٹی کی آوارگی پسند نہیں آئی تھی۔ ممکن ہے برجیٹا نے محض اخلاقاً ہی ہمیں مدعو کیا ہو۔ اس صورت میں ہم بلاوجہ اس پر بوجھ بن جاتے۔

گاڑی اب مختلف موڑ کاٹ رہی تھی اور ڈاکٹر ٹی ٹی نادر پور کی بناوٹ دیکھ رہا تھا۔

یہ شہر جدید طرز پر تعمیر کیا گیا تھا۔ خاص طور سے اس وقت اس کی از سر نو تعمیر کی گئی جب برفباری کے موسم میں یہ سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بن گیا تھا۔ سفید لومڑیوں کے شکاری اس موسم میں اس طرف ٹوٹ پڑتے تھے اور ہوٹلوں وغیرہ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی تھی۔ شہر کے مختلف حصوں میں رہنے والے اپنے مکانات کرائے پر اٹھا دیتے تھے اور اس طرح انہیں بہت اچھی آمدنی ہو جاتی تھی۔ حکومت نے یہ صورت حال دیکھ کر یہاں سیاحوں کی سہولت کے لئے مزید انتظامات کئے تھے۔ کئی شاندار ہوٹل تعمیر کئے گئے۔ شہر میں مزید سہولتوں کا بندوبست کیا گیا اور پھر لومڑیوں کی افزائش کا انتظام بھی کیا گیا۔ سال کے نو مہینے یہاں شکار بند رہتا تھا اور صرف تین مہینے کے لئے شکار کے لائسنس جاری کئے جاتے تھے۔ اس طرح حکومت کو کروڑوں کے زرمبادلہ کی آمدنی یہاں سے ہونے لگی تھی اور نادر پور کی تقدیر بدل گئی تھی۔

مادام برجیٹا اونچی نیچی سڑکوں سے گزر کر ایک انتہائی خوبصورت عمارت کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہو گئی۔ عمارت وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے دو طرفہ لان تھا جس کی گھاس سبز اور ترتیب سے کٹی ہوئی تھی۔ دیواروں کے کنارے کنارے گھنے اور پھیلے ہوئے درخت ایک دوسرے سے جڑے کھڑے تھے اور اتنے نزدیک نزدیک تھے کہ دیواریں چھپ گئی تھیں۔ لان کے اختتام پر ایک وسیع پورچ تھا جس میں کئی قیمتی کاریں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ اسی پورچ میں لینڈ روور رک گئی۔ فوراً ہی دو ملازم لپکے اور پیچھے سے ڈرائیور بھی نیچے اتر آیا تھا۔ تب برجیٹا نے ڈرائیور سے کہا۔ "مہمانوں کو مہمان خانے میں لے جاؤ اور ان کی مدارات کا بندوبست کرو........." "یس مادام۔" ڈرائیور نے گردن جھکا دی اور سیاہ فام عورت ہم سے گفتگو کے بغیر اندر کی طرف مڑ گئی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" ڈاکٹر ٹی ٹی میری طرف دیکھ کر بولا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں ڈاکٹر۔ تم نے اس کی میزبانی قبول کی تھی۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آیئے جناب۔" ڈرائیور نے ہمارا سامان اٹھا لیا تھا۔ ناچار ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہ ہمیں عمارت کے بغلی حصے کی طرف لے چلا یہاں ایک وسیع کمرے میں پہنچ دیا گیا پورے کمرے میں نفیس فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ دو بستر لگے تھے۔ باتھ روم بھی ملحق تھا

اور آسائشوں کا پورا بندوبست تھا۔ تب رائیور نے کہا۔ "آپ لوگ غسل وغیرہ سے فارغ ہو جائیں تو میں آپ کے لئے لنچ کا بندوبست کروں۔"

"ہوں' ٹھیک ہے تم جاؤ۔" میں نے ڈرائیور سے کہا اور مودب انداز میں جھک کر باہر نکل گیا۔ تب میں نے ٹی ٹی کی طرف دیکھا۔ "یہ میزبانی تو کچھ جچی نہیں ٹی ٹی۔"

"ہاں' اس نے ہمیں نظرانداز کر دیا ہے۔ کیا خیال ہے یہاں سے واپس چلیں۔ ہم خود تو نہیں آئے تھے۔ وہ ہمیں اصرر کرکے لائی تھی........." میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ آج یہاں گزارہ کریں کم از کم تھکن ہی دور ہو جائے گی۔ کل صبح یہاں سے بہتر قیام کا بندوبست کر لیں گے۔" اور ڈاکٹر نے مجھ سے اتفاق کر لیا۔ غسل کے بعد ہم نے کھانا کھایا اور اطمینان سے بستر پر دراز ہو گئے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی مسکرا رہا تھا۔ میں نے اس کی مسکراہٹ کے بارے میں پوچھا۔

"بس کیا بتاؤں۔ بعض اوقات احساس ہوتا ہے کہ نیت واقعی بہت خراب ہو گئی ہے۔ ہر جگہ رال ٹپک پڑتی ہے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا تم نے کوئی سیاہ فام حسینہ اتنی پرکشش دیکھی ہے؟"

"نہیں' مجھے تم سے اتفاق ہے۔"

"حیرت انگیز طور پر حسین ہے۔ اس کی شخصیت میں کوئی خاص بات ہے۔ ویسے یہ طرز رہائش بتاتا ہے کہ وہ عام حیثیت بھی نہیں رکھتی۔"

"نادرپور اب سے کچھ عرصے قبل کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن جب سے یہ شکاریوں اور سیاحوں کی جنت بنا ہے یہاں کا طرز زندگی بے حد بلند ہو گیا ہے۔ اور اب یہ اس ملک کا مہنگا ترین شہر ہے۔ یہاں اتنی بڑی عمارت کسی کروڑ پتی کی ہو سکتی ہے۔ اگر کرائے پر بھی لی گئی ہے تو ہزاروں روپے ماہانہ کرایہ ہو گا اس کا۔"

"پوری عمارت شاندار فرنیچر اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہے۔"

"ہوں۔" میں گہری سانس لیکر خاموش ہو گیا۔ شام کی چائے کے لئے ہمیں لان پر دعوت دی گئی۔ مادام برجیٹا اس وقت چائے پر ہمارے ساتھ شریک ہوئی تھی۔ "ہیلو دوستو......... مجھے یقین ہے کہ تم پرسکون ہو گے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم مطمئن ہیں۔ لیکن معاف کیجئے گا مادام۔ ہمیں یہاں آکر زیادہ خوشی بھی نہیں

ہوئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ' کیوں۔ کوئی تکلیف پہنچی ہے؟" وہ چونک کر بولی۔

"دوپہر کو آپ نے ہمیں قطعی نظرانداز کر دیا تھا۔ حالانکہ ہم آپ کی دعوت پر یہاں آئے تھے۔"

"اوہ۔" وہ پرخیال انداز میں مجھے دیکھتی رہی۔ پھر ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ میری کمزوری ہے۔ کسی الجھن میں پھنس جاؤں تو بالکل ہی حواس باختہ ہو جاتی ہوں۔ ہاں تمہاری' شکایت درست ہے میں اس کے لئے معافی چاہتی ہوں۔ دراصل جس سے میں لنچ پر پہنچ جانے کا وعدہ کرکے گئی تھی وہ خود میرے استقبال کے لئے موجود نہیں تھی۔ یہ بات میرے لئے الجھن کا باعث بن گئی۔ وہ اچانک ہی کسی کو اطلاع دیئے بغیر چلی گئی ہے اور میں اس وقت تک الجھن میں رہی جب تک مجھے اس کا فون نہ موصول ہو گیا۔ وہ دارالحکومت میں ہے اور ابھی نہ جانے کب تک وہاں رہے گی۔ بہرحال اب میں پرسکون ہوں۔ اور معافی تو مانگ ہی چکی ہوں۔" وہ دلآویز انداز میں مسکرائی اور "آپ لوگ مجھے اتنے سنگدل بھی نہیں معلوم ہوتے کہ اتنی سی خطا معاف نہ کر سکیں۔"

"میں نے تو آپ کو آپ کی پہلی مسکراہٹ پر ہی معاف کر دیا تھا۔ ان کی بات میں نہیں کرتا۔" ڈاکٹر ٹی ٹی نے کہا اور وہ نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔ اور پھر تو یوں لگا جیسے دونوں کو سکتہ ہو گیا ہو۔ دونوں ساکت و جامد ایک دوسرے کو گھور رہے تھے اور میں باری باری دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا مجھے برجیٹا کی پرکشش آنکھوں میں ایک خوفناک چمک محسوس ہوئی تھی اور پھر اچانک وہ کرسی سے گر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔

"یہ دوسری بات ہے ڈاکٹر........." اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر ٹی ٹی کرسی کی پشت سے ٹک گیا تھا۔

"ہاں تو مسٹر شہاب۔ کیا مشاغل ہیں آپ لوگوں کے؟" اس نے ٹی ٹی پر سے توجہ ہٹالی تھی لیکن میں کسی قدر حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ برجیٹا کا گرنا اور اس کے پراسرار الفاظ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ "کہاں کھو گئے مسٹر

شباب؟" اس کے الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ "میں نے پوچھا تھا آپ کے کیا مشاغل ہیں؟"

"سیاحت.......... آوارہ گردی.........." میں نے جواب دیا۔

"کسی بڑے باپ کے بیٹے ہو گے۔ اور کوئی کام نہیں کرتے آپ؟"

"نہیں۔"

"یہ انمول ہیرا کہاں سے ہاتھ لگا؟" وہ ٹی ٹی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"جہاں سے بھی ہاتھ لگا برائے فروخت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ کیا قیمت لو گے۔ میں ہر قیمت پر یہ خریدنا چاہتی ہوں۔"

"آپ کے لئے مفت۔"

"زبان سے تو نہیں پھرو گے؟" وہ ہنس کر بولی۔ اسی وقت ٹی ٹی نے دخل دیا۔

"اے محترمہ.......... اے محترمہ ذرا میری بھی تو سنیئے۔ یہ مول تول غلط ہو رہا ہے۔ میں ان کی ملکیت نہیں ہوں۔"

"میری ملکیت بن جاؤ۔" وہ انداز دلربائی سے بولی۔

"سوچ لو۔ بہت مہنگا پڑوں گا۔"

"تم اقرار تو کرو میری جان۔" اس نے بڑی بیباکی سے کہا اور ٹی ٹی نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "کیا خیال ہے شباب واپسی ممکن ہو گی؟" اور میں اس کے اس انداز پر ہنس پڑا۔ اسی دوران چائے آگئی اور سلسلہ گفتگو تھوڑی دیر کے لئے منقطع ہو گیا۔ لیکن برجیٹا بدستور مسکرا رہی تھی۔ ملازموں نے چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ دوسری بہت سی چیزیں بھی تھیں۔ جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برجیٹا نے کہا۔ "کیا سوچا ڈاکٹر؟"

"ہمیں مشورہ کرنے کے لئے کچھ وقت دو۔ پھر جواب دیں گے۔" ڈاکٹر چائے کا گھونٹ لیکر بولا اور وہ مسکرا کر گردن ہلانے لگی۔ "مگر ذرا جلدی"

میں خاموشی سے چائے پی رہا تھا۔ برجیٹا بھی اب کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ پھر وہ چونک کر بولی۔ "لیکن یہ قوت اب کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ کیا تمہارا دوست واقف ہے؟" سوال ڈاکٹر سے تھا.......... ڈاکٹر اس سوال کا فوری جواب نہیں دے سکا تھا۔

"تم اس سے کس حد تک واقف ہو؟" چند ساعت کے بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔

"کافی حد تک.......... میرا باپ اس قوت کا بادشاہ تھا۔ جب تک زندہ رہا اس کے دشمن اس کے سامنے گردن جھکائے پالتو کتوں کی مانند دم ہلاتے رہے۔ یہ اس کا عطیہ ہے کہ میں تمہارے ٹرانس میں نہیں آسکی۔ اس نے ہپناٹزم کے ذریعے ہی میرے ذہن کو ہمیشہ کے لئے اس کے اثرات سے آزاد کر دیا تھا۔ صاحب اس کی موت کے بعد بھی میرے ذہن میں وہ قوتیں موجود ہیں کہ کوئی آنکھوں سے مجھے اسیر نہیں کر سکتا۔ اس نے جواب دیا۔

"خود تمہیں اسے سیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی؟"

"کوشش کی تھی' لیکن اس کے قواعد پر عمل نہ کر سکی لیکن اب سیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تم واقف ہو کہ یہ مشق کا کھیل ہے۔"

"ہاں میرے پاس کافی وقت ہے۔ سکھادو گے؟"

"تمہارے پورے وجود میں اتنی کشش ہے کہ اس کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ کیا کرو گی سیکھ کر؟"

"اس کشش کو دو آتشہ اور سہ آتشہ کروں گی تاکہ اپنے پسندیدہ نوجوان کو ایک نگاہ دیکھوں اور وہ میرا غلام بن جائے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اس مسکراہٹ میں بڑی بیباکی تھی۔

"فی الحال تو میرا نام اپنے غلاموں میں لکھ لو۔" ڈاکٹر ٹی ٹی بھی کسی سے کم نہیں تھا۔

"تم؟" اس نے شرارت آمیز نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھا اور ہنس پڑی۔ "تم نے جوانی کہاں کھو دی ڈاکٹر؟ لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں جوانی کی خبر بھی نہ ہوئی ہو گی۔ کھنڈرات بتا رہے ہیں کہ بنیادیں ہی کمزور رہی ہوں گی۔"

"چیلنج کر رہی ہو؟" ڈاکٹر نے کہا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

"نہیں۔ میں گھاٹے کے سودے کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ ویسے تمہاری فطرت پسند آئی ہے۔ کچھ ہو یا نہ ہو بیباک ضرور ہو.......... اور تمہارے برعکس تمہارا ساتھی بڑا خاموش طبع اور شرمیلا سا ہے۔ کیوں مسٹر شباب' غلط تو نہیں کہہ

رہی؟"

"آپ لوگوں کی گفتگو نے ہی اتنا بدحواس کر دیا ہے کہ اپنے لئے کوئی گنجائش نہیں پا رہا۔" میں نے جواب دیا.......... اسی وقت ایک ملازم نزدیک پہنچ گیا..........

"مادام"......... اس نے جھک کر کہا۔ "آپ کا فون ہے۔"

"اوہ۔ اچھا.......... براہ کرم محسوس نہ کرنا.........." اس نے کہا اور اٹھ گئی۔

ڈاکٹر دانت بھینچے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ بلاشبہ جسمانی طور پر دس بیس لاکھ میں اس کا انتخاب کیا جا سکتا تھا۔ بے حد پرکشش عورت عورت تھی۔ "کمال ہے۔" ڈاکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم بھی کافی باکمال ہو ڈاکٹر۔ لیکن کافی خطرناک عورت معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ہر طرح سے خطرناک ہے شہاب لیکن مجھے پسند آئی ہے میں کیا کروں۔ یقین کرو زندگی میں بے شمار سیاہ فام لڑکیاں دیکھی ہیں لیکن سیاہ فاموں میں ایسی حسین لڑکی یا عورت کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔"

"تم نے اسے ٹرانس میں لانے کی کوشش کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن وہ بے پناہ مضبوط قوت ارادی کی مالک ہے۔ اس کے علاوہ ہپناٹزم کی علامات سے واقف ہے اس لئے اس نے خود کو محفوظ کر لیا۔ میں نے اسے شدید ذہنی جھٹکے دیئے تو وہ جسمانی توازن نہ سنبھال سکی لیکن ذہنی طور پر متاثر نہیں ہوئی تھی۔"

"بہرحال عام عورت نہیں ہے جس انداز سے سامنے آئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف.........." میں نے جملہ ادھورا چھوڑا دیا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی میری بات کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ وہ کسی اور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے چونک کر کہا۔ "واپس نہیں آئی۔ کافی دیر ہو گئی۔" میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور پھر وقت گزرتا رہا۔ ہم یہاں بیٹھے بور ہو گئے تھے۔ تب میں اٹھ گیا۔ "تم چاہو تو انتظار کرو۔ میں چلتا ہوں۔"

"اوہ۔ میں بھی چل رہا ہوں۔ خاص عورت ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم بے وقوف ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا اور ہم دونوں اندر چل پڑے۔ صدر دروازے تک

پہنچے ہی تھے کہ ایک حسین لڑکی دروازے میں نمودار ہوئی۔ شاید برطانوی تھی۔ اس نے گردن خم کی اور مسکراتی ہوئی بولی۔ معاف کیجئے گا۔ مادام پھر مصروف ہو گئی ہیں۔ آپ لوگ آرام کریں۔"

"جی۔" میں نے گردن ہلا دی۔ لیکن ڈاکٹر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ "مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے مس؟" اس نے سوالیہ انداز میں لڑکی کی طرف دیکھا۔

"سوزن میرا نام ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"خوب۔ تو کیا آپ مجھے کچھ وقت دے سکتی ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ آیئے میرے ساتھ۔" اس نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے معذرت آمیز انداز میں مجھے دیکھا اور لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں بیزاری کے انداز میں اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ ویسے اب اس حماقت سے بوریت ہونے لگی تھی۔ اس سے زیادہ یہاں رہنا حماقت تھی۔ اس نے ہمیں راستے میں لفٹ دیدی۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ ہم اس کے ساتھ ہی رہنے لگیں۔ اس کی اپنی مصروفیات بھی ہوں گی۔ چنانچہ بہتر تھا کہ یہاں سے نکل چلا جائے۔ ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر میں نادرپور کے نواح کی سیر اور یہاں اپنی تفریحات کا تعین کرنے لگا۔ بعض اوقات ڈاکٹر ٹی ٹی کی شخصیت بور معلوم ہونے لگتی تھی۔ خاص طور سے اس کی یہ عادت بہت ناگوار گزرتی تھی کہ ہر لڑکی کو دیکھ کر گدھا بن جاتا تھا۔ اسے کہیں قرار نہیں تھا۔ اسے برداشت کرنے کے سلسلے میں بس ایک مجبوری تھی۔ وہ یہ کہ میں نے اسے ساتھ رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اور بہرحال اس نے اپنے گروہ سے کٹ کر میری مدد کی تھی۔

میں نے ایک طویل جماہی لی اور پھر نزدیک پڑے ایک میگزین کی ورق گردانی کرنے لگا۔ کافی دیر گزر گئی۔ رات ہو گئی تھی۔ ایک ملازم آکر لائٹیں جلا گیا۔ اس نے مجھ سے کسی ضرورت کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ تقریباً پونے آٹھ بجے ڈاکٹر ٹی ٹی واپس آ گیا۔ وہ بہت مسرور تھا۔ اندر آکر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یورپ بہرحال یورپ ہے۔ یہاں کے باشندے فراخ دل اور کشادہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لڑکی سوزن نے مجھے اپنا کمرہ دکھا دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ گیارہ بجے اس کی چھٹی ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں میرا انتظار کرے گی۔"

"واقعی یورپ بہت فراخ دل ہے۔" میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے

کہا۔

"یہ تم نے خود پر نحوست کیوں طاری کر لی ہے شباب۔ یہاں اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ ویسے کمال کی عمارت ہے۔ بے حد وسیع اور خوبصورت زیادہ ملازم لڑکیاں ہیں۔ عمارت کا کچھ حصہ میں نے دیکھا ہے۔ بہت نفاست سے آراستہ ہے۔"

"عیش کرو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم بھی اپنے اوپر سے یہ خول اتار دو اور باہر نکلو۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہاں کافی آزادی ہے۔"

"ہاں نکلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے مادام برجیٹا سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں گئی ہے۔ سفید رنگ کے لباس میں اتنی حسین نظر آرہی تھی کہ کیا بتاؤں۔ اس سیاہ فام قیامت نے دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"اب تم گیارہ بجے کا انتظار کرو گے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہار یار۔ نہ جانے یہ گیارہ اتنی دیر سے کیوں بجتے ہیں۔" اس نے بے چینی کے انداز میں کہا اور میں نے دوبارہ میگزین اٹھا لیا۔ تقریباً ساڑھے نو بجے ہمیں ڈنر کے لئے بلایا گیا۔ برجیٹا ڈنر پر موجود نہیں تھی۔ میں نے خاموشی سے کھانا کھایا لیکن دل میں فیصلہ کیا تھا کہ صبح کو یہاں سے بوریا بستر سمیٹ لوں گا۔ کھانے کے بعد میں نے آرام کا فیصلہ کیا لیکن ڈاکٹر ٹی ٹی نے مجھ سے اجازت طلب کر لی تھی۔

اپنے کمرے میں آکر میں نے پھر ایک میگزین اٹھا لیا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا لیکن ذہن پر کچھ دباؤ تھا۔ اور آہستہ آہستہ یہ دباؤ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں دکھن ہونے لگی۔ میں نے میگزین رکھ دیا۔ روشنی آنکھوں کو بری لگ رہی تھی۔ میں نے قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا اور پھر اٹھ کر روشنی بند کر دی۔ لیکن سر چکرا رہا تھا......... آخر کیوں......... آخر کیوں؟

میں بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں جھکی جا رہی تھیں۔ ذہن میں سنسناہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن دماغ میں دھمک ہو رہی تھی۔ ایک انوکھی دھمک......... میں پریشان ہو گیا۔ یہ دھمک......... یہ دھمک......... میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ہوا کے تیز جھونکے میرے بدن سے ٹکرا رہے تھے......... یہ ہوا کہاں سے آرہی تھی۔ بدستور تھی۔ دھمک بدستور تھی لیکن

اب یہ دھمک دماغ میں نہیں تھی بلکہ سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ ڈھول کی سی آواز......... یہ......... یہ اس عمارت کا کمرہ تو نہیں ہے۔ قرب و جوار میں ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ڈھول کی آواز انہی درختوں کے درمیان سے آرہی تھی۔

یہ ایک ناقابل یقین بات تھی۔ سمجھ میں نہ آنے والی بات۔ ابھی تو میں اس عمارت کے کمرے کے ایک بستر پر تھا اور اب......... لیکن......... یہ سب کیا تھا۔ میں اب کسی عمارت میں نہیں تھا......... کیا......... کیا مجھے ہپناٹائز کیا گیا ہے۔ کیا یہ صرف نظر کا دھوکہ ہے۔ لیکن کیوں۔ اور کیا ہپناٹزم کے زیر اثر رہنے سے قوت باقی رہ جاتی ہے۔ میں نے اپنے بازو پر زور سے چٹکی لی اور تکلیف کا احساس جاگ اٹھا......... یہ سب کچھ تصور نہیں تھا۔ تو پھر ڈھول کی آواز بدستور آرہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب......... یہ سب کیا ہے کوئی خاص بات تھی۔ یقیناً" کوئی خاص بات تھی۔ اور پھر دفعتاً" میں اس ذہنی انتشار کے جال سے نکل گیا۔ وہ عورت......... ضرور کسی خاص حیثیت کی حامل تھی۔ گو ہماری ملاقات اتفاقیہ ہوئی تھی لیکن وہ ابتداء ہی سے مجھے پراسرار لگ رہی تھی۔ مگر مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ میں کچھ عرصہ خود سے بے نیاز رہا ہوں۔ وہ دھمک جو ذہن میں پیدا ہوئی تھی کسی خاص اثر کے تحت تھی۔ اس کے بعد سے میری سوچ کا سلسلہ مسلسل نہیں رہا ہے۔ ضرور یہ سلسلہ درمیان میں منقطع ہوا ہے تو کیا اس سلسلے میں افریقی جادوگری کا ہاتھ کارفرما ہے؟

میں نے ایک فیصلہ کیا اور اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا پہلے میں نے سوچا تھا کہ درختوں کے سلسلے کی طرف بڑھوں۔ لیکن پھر میں بائیں سمت کے ٹیلوں کی طرف چل پڑا۔ ایک ٹیلے کے عقب سے نکل کر میں چھوٹے سے مسطح ٹکڑے کو طے کرنے لگا جس کے بعد ٹیلوں کا ایک اور سلسلہ نظر آرہا تھا۔ ابھی میں وہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ دفعتاً" ایک تیز چیخ کی آواز سنائی دی۔ بڑی خوفناک چیخ تھی اور اس کے ساتھ ہی ٹیلے کے عقب سے ایک گنبد نما انسان برآمد ہوا۔ گہرا سیاہ رنگ' سر پر پروں کا تاج' مادر زاد برہنہ۔ سیاہ بدن پر سفید لکیریں چمک رہی تھیں۔ قد تین فٹ سے زیادہ نہیں ہو گا لیکن پھیلاؤ بے پناہ تھا۔ میرے ذہن میں گنبد کا تصور بلاوجہ نہیں ابھرا تھا۔ ابھی وہ

سامنے آیا بھی نہ تھا کہ دوسری بار پھر وہی چیخ سنائی دی اور بالکل ویسا ہی ایک دوسرا گنبد نما انسان ٹیلے کے عقب سے نمودار ہو گیا۔ ان کے ہاتھوں میں کسی جانور کے لمبے لمبے سینگ تھے جنہیں ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے انہوں نے بے ہنگم انداز میں اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ رات کا وقت' پراسرار ماحول اور پھر ان دونوں کا وحشیانہ رقص' بڑا خوفناک منظر تھا۔ بلاشبہ ایک عام آدمی کے دل کی حرکت بند کر دینے والا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں حیرت اور خوف کے احساس سے عاری ہو گیا۔ اب میں صرف اس ہنگامے کا مقصد معلوم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میرے عضلات تن گئے۔ میں خاموشی سے ان کی اچھل کود دیکھتا رہا۔ ذرا سی دیر میں وہ دونوں تھک گئے اور ان کی اچھل کود کی رفتار سست ہونے لگی۔ تب میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھا۔ ان کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ رک گئے۔ میں بھی ان سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچ کر رک گیا تھا۔ "تھک گئے تم لوگ؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا اور ان دونوں نے نہ سمجھنے والے انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔ "اب ان حرکتوں کا مقصد بھی بتاؤ......... ورنہ......... جو کچھ تم نے کیا ہے میں بھی اس کے جواب میں تمہیں کچھ دکھا سکتا ہوں۔"

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ مجھے غصہ آرہا تھا۔ چنانچہ میں ایک قدم اور آگے بڑھا اور اب میں نے انہیں پیچھے کھسکتے دیکھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ ٹیلے کے پیچھے جائیں۔ کچھ کرنا ضروری تھا اس لئے دفعتاً میں اچھلا۔ اور دونوں ٹانگیں جوڑ کر ان میں سے ایک کے سینے پر ماریں۔ ان سے پٹنا میں مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ کیونکہ ان گنبدوں کی جسمانی قوت میرے علم میں نہیں تھی۔ لیکن میری اس کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ وہ گنبد نما شخص اپنا توازن نہ سنبھال سکا تھا۔ اور لڑھکتا ہوا ٹیلے سے ٹکرا گیا۔ لیکن دوسرے گنبد نے اچانک اپنا سینگ منہ سے لگایا اور دوسرے لمحے سینگ سے ایک غبار سا نکلا جو براہ راست میرے منہ سے ٹکرایا تھا۔ اور دفعتاً میرا سانس بند ہونے لگا۔ میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن یقیناً اس غبار کی نوعیت کچھ مختلف تھی۔ میرے قدم وزنی ہونے لگے اور ایک بار پھر اس بھاری پن کا احساس ہوا۔ میں نے گرنے سے بچنے کے لئے زمین پر بیٹھ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ پھر ٹھنڈی زمین پر رخسار رکھ کر مجھے کچھ سکون ملا اور میں ماحول سے بے خبر ہو گیا۔

دوسری بار ہوش آیا تو سورج نکل چکا تھا۔ میرے سامنے وہی کھڑکی تھی جو اس آرام کرسی کے عین سامنے جہاں میں بیٹھا میگزین دیکھ رہا تھا اور میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ ہاں وہی کمرہ تھا وہی بستر تھا۔ میرے ہونٹ بھنچ گئے۔ دوسری بار بے ہوش ہونے کے بعد مجھے دوبارہ وہاں لے آیا گیا تھا۔ لیکن مقصد؟ کیا یہ صرف کھیل تھا۔ خود کو ضرورت سے زیادہ ہوشیار اور تفریح پسند ثابت کرنے کی کوشش۔ لیکن یہ کوشش کسی عام انسان کے حواس خراب کرنے کے لئے تو کافی تھی۔ بے وقوف برجیٹا مجھ سے ناواقف تھی۔

لیکن اب......... کیا وہ جوابی کھیل سے بچ سکے گی؟ میں نے ہونٹ بھینچ کر سوچا اور پھر میں اطمینان سے اٹھ گیا۔ غسل خانے میں جاکر غسل وغیرہ کیا۔ اور پھر ایک ملازمہ مجھے ناشتے کی اطلاع دینے آگئی۔ میں اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا تھا لیکن ناشتے کے لئے آج ہم اس کمرے میں نہیں گئے جس میں پہلے روز ناشتہ کیا گیا تھا۔ بلکہ اس وقت ملازمہ مجھے کئی راہداریوں سے گزار کر ایک بالکل اندرونی حصے میں لے گئی تھی۔ اور پھر ایک کمرے میں برجیٹا نے میرا استقبال کیا۔ وہ سیاہ ریشمی لباس میں تھی جس پر سرخ بڑے بڑے پھول بنے ہوئے تھے۔ بال ایک خاص انداز میں بندھے ہوئے تھے۔ سامنے ہی ناشتے کی ایک چھوٹی سی گول میز لگی ہوئی تھی۔ "ہیلو........." وہ دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"ہیلو........." میں نے بھی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ برجیٹا ناشتے کی میز پر جا بیٹھی اور میں بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"رات کیسی گزری؟" برجیٹا نے پوچھا۔

"بڑی دلچسپ" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور اس نے ناشتہ شروع کر دیا۔ "میرا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ اپنی دوست کے ساتھ مصروف ہے۔ انوکھا انسان ہے یوں لگتا ہے جیسے اسے بس عورت کی خوشبو پسند ہو۔ عورت کا کوئی تعین نہیں ہے اس کی نگاہ میں۔"

"ہاں وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔"

"تم کس قسم کے آدمی ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس ایک معمولی سا......... عام سا آدمی......... آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔"

میں نے جواب دیا۔

"نہیں۔ ابھی مجھے کوئی انداز نہیں ہوا۔ ویسے اس سفید فام سے تمہاری دوستی کس طرح ہوئی؟"

"جس طرح آپ سے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ یعنی یونہی......... سرراہ؟"

"ہاں۔"

"عمدہ شخصیت ہے۔ مجھے پسند ہے۔ ویسے پراسرار علوم سے اسے کافی دلچسپی ہے اور خاص دسترس رکھتا ہے۔ ایسا انسان کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں۔"

"خطرناک لوگوں کے بارے میں مجھے واقعی اندازہ نہیں ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں خاموشی سے ناشتے میں مصروف تھا۔ پھر میں نے کہا۔ "بہرحال آپ کی میزبانی کا شکریہ۔ میں اب اجازت چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچانک چونک پڑی۔

"نادر پور میں بغرض تفریح آیا ہوں خاتون۔ آپ کا مہمان بننے نہیں۔"

"یہاں کوفت محسوس ہو رہی ہے؟"

"ظاہر ہے یہ تفریحی مقام تو نہیں ہے اور پھر آپ کو مزید تکلیف دینا بھی تو مناسب نہیں ہے۔"

"شکار سے دلچسپی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہر قسم کے شکار سے۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر آج تم ایک کالے بھیڑیئے کا شکار کرو......... لطف آجائے گا تمہیں۔"

"سفید لومڑیاں تو یہاں بکثرت ہوتی ہیں۔ یہ کالا بھیڑیا شاید آپ افریقہ سے لائی ہیں؟" میں نے کہا۔ اور وہ ہنس پڑی۔ "بالکل ٹھیک سمجھا ہے تم نے۔ آؤ تمہیں دکھاؤں۔" ہم ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ وہ اٹھی تو میں بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ برجیٹا اس کمرے میں لگی ایک الماری کے نزدیک پہنچی اور پھر اس نے الماری گھما دی۔ اس کے دوسری طرف ایک دروازہ نظر آیا اور اس نے دروازے میں داخل ہو کر

روشنی کر دی۔ اندر کمرے میں ایک سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ خاصا وسیع گول کمرہ تھا۔ اور قالین کے علاوہ یہاں اور کوئی چیز فرنیچر نام کی نہیں تھی' البتہ کمرے کے درمیان ایک طویل القامت سیاہ فام اوندھا پڑا سو رہا تھا۔ اس کے زوردار خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔ اس کی جسمانی ساخت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا بدن کسی ڈائی میں بنا ہو۔ ایک ایک پٹھا ابھرا ہوا تھا۔ بے پناہ طاقتور معلوم ہوتا تھا۔ اس کا قد خوفناک حد تک لمبا تھا۔

"برجیٹا نے دیوار میں لٹکا ہوا ایک چمڑے کا ہنٹر اتارا اور دبے قدموں سیاہ فام کے نزدیک پہنچ گئی۔ پھر اس کا ہنٹر والا ہاتھ بلند ہوا۔ اور دوسرے لمحے شائیں کی آواز کے ساتھ وہ سیاہ فام کے بدن پر پڑا۔ سیاہ فام سیدھا ہو گیا تھا۔ لیکن برجیٹا نے دوبارہ ہنٹر بلند کیا اور اس بار پھر ایسی ہی آواز ہوئی۔ سیاہ فام اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن تعجب کی بات تھی کہ اس نے نہ تو کسی خوف اور نہ تکلیف کا اظہار کیا تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے سونے سے یہ جاگنا اچھا نہ لگا ہو۔ برجیٹا نے دو تین ہنٹر اور مارے تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔" نہیں مارو......... اب میں ہوش میں ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اور برجیٹا نے دو ایک ہنٹر اور جھاڑ دیئے۔ سیاہ فام سکون سے کھڑا ہوا تھا۔

"تم میں سے ایک شکار ہے اور دوسرا شکاری۔ فیصلہ تم دونوں کرو گے۔" برجیٹا نے کہا اور سیاہ فام کے سفید دانت نمودار ہو گئے۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں لیکن میں چونک پڑا۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں مادام؟" میں نے پوچھا۔

"شکار کرو مسٹر شہاب۔ کیا یہ سیاہ بھیڑیا نہیں لگ رہا تمہیں؟" وہ ہنس کر بولی۔

"گویا یہ آپ کا دوسرا مذاق ہے؟" میں ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"یہی سمجھ لو.........."

"اس قسم کے مذاق کا مطلب؟" میں نے سوال کیا۔

"بس میری تفریحات اسی نوعیت کی ہیں۔ تم اندازہ لگا چکے ہو کہ میں عام عورت نہیں ہوں۔" اس نے لاپرواہی سے کہا اور پھر سیاہ فام کی طرف دیکھ کر بولی۔ "بونگا۔ انتظار کیوں کر رہے ہو؟" سیاہ فام نے گردن جھکائی اور برجیٹا ایک طرف ہٹ گئی۔ سیاہ فام نے دونوں بازو پھیلائے اور آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگا۔

"اس تفریح کے نتائج پر بھی غور کیا ہے مادام؟" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ لیکن
اس کے ساتھ ہی سیاہ فام نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی تھی۔ میں پھرتی سے اونچا
اچھل گیا اور وہ جھونک میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس سے لپٹنا
یا اس پر حملہ کرنا خطرناک ہو گا۔ میں صرف اسے تھکا کر زیر کر سکتا ہوں اور اس کے
لئے مجھے نہایت پھرتی سے کام لینا ہو گا۔ مجھے برجیٹا پر شدید غصہ آرہا تھا۔ لیکن گرم
ذہن سے میں مار کھا سکتا تھا۔ اس لئے خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

سیاہ فام پلٹ پڑا تھا۔ اس کے منہ سے غراہٹیں سی نکلنے لگی تھیں۔ برجیٹا نے
پلٹ کر وہ دروازہ بند کر دیا جس سے ہم اندر آئے تھے۔ میں سیاہ فام کا جائزہ لے رہا
تھا۔ اس بار اس نے نہایت مہارت سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن میں نے اس کا اندازہ
پورا نہ ہونے دیا۔ اس بار میں اچھلنے کی بجائے بیٹھ گیا۔ اور جونہی وہ مجھ سے ٹکرایا میں
پوری قوت صرف کرکے اٹھ گیا۔ سیاہ فام میرے کندھے سے گزر کر فرش پر الٹ گیا
تھا۔ برجیٹا نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔ وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔ سیاہ فام
جھنجھلا گیا تھا۔ اس نے قلابازی کھائی اور اس بار میں اس پر کوئی عمدہ ضرب لگانا چاہتا
تھا۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اب دیوار مجھ سے زیادہ دور نہیں رہ گئی
تھی۔ اس بار سیاہ فام منہ سے کریہہ آوازیں نکالتا ہوا کسی گوریلے کی طرح مجھ پر حملہ
آور ہوا تھا لیکن نتیجہ اس کے حق میں برا نکلا۔ میں پھر اس کا حملہ بچا گیا اور وہ بری
طرح دیوار سے ٹکرایا۔ اس کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ میں اب خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔
وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے پوری قوت سے دونوں لاتیں جوڑ کر اس پر چھلانگ
لگائی اور وہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دیوار سے ٹکرایا۔ پھر [illegible] ہی تھا کہ میں
نے اسے دوبارہ دیوار سے دے مارا۔ اور یہ تیسری ضرب پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک
تھی۔ اس بار اس کی پیشانی بری طرح پھٹ گئی اور خون بہہ کر اس کی آنکھوں میں
آنے لگا۔ تب میں نے فری اسٹائل کے ایک داؤ سے اس کی گردن پکڑی اور دونوں
پاؤں پھنسا کر اسے پوری قوت سے دیوار پر دے مارا۔ میرا واحد ہتھیار صرف وہی دیوار
تھی اور اس لئے میں اسے دیوار کے نزدیک سے ہٹنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرا ہر داؤ
اسے دیوار سے مار رہا تھا اور میں اس پر چھا گیا تھا۔ ویسے مجھے اندازہ تھا کہ اگر ایک بار
بھی میں اس کی گرفت میں آگیا تو پھر شاید ہڈیوں کا سراغ بھی نہ مل سکے کہ کونسی ہڈی

کہاں واقع ہوئی تھی۔

برجیٹا اب خاموش کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر
جب میں نے سیاہ فام کی طرف سے کسی قدر اطمینان حاصل کر لیا تو دوسری سوجھی۔
چنانچہ اس بار بھی میں غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹا تھا۔ پھر میری ایک لمبی چھلانگ مجھے
برجیٹا کے قریب لے گئی میں نے اس کے ہنٹر پر ہاتھ مارا تھا اور ہنٹر میرے ہاتھ میں
آگیا۔

برجیٹا ہنس رہی تھی۔ ہنٹر لے کر میں سیاہ فام پر پل پڑا۔ اب وہ ہنٹر کھا رہا تھا اور
بری طرح لوٹ رہا تھا۔ اس کے انداز میں شدید اذیت تھی۔ ہنٹر مار مار کر میں نے اسے
لہولہان کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ بالکل ساکت ہو گیا۔ برجیٹا نے ایک بار پھر
تالیاں بجائی تھیں اور پھر اس نے اپنے لباس سے ایک تھیلی نکال لی۔ اسے کھولا اور
اس میں سے کوئی چیز نکال لی۔ یہ تین چمکدار پتھر تھے۔ تمہارا انعام.........
تم......... تم واقعی حیرت انگیز ہو۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ہیرے یوں سڑکوں پر بھی
مل جاتے ہیں۔" میں نے ان تین قیمتی پتھروں کو دیکھا اور مسکرا کر گردن جھکا دی۔
"میں مادام کا شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا اور اس کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس کے
پھیلے ہوئے ہاتھ سے ہیرے اٹھانے کی بجائے میں نے اچھل کر اس کے بال پکڑ لئے
تھے۔ اور دوسرے لمحے ایک زوردار جھٹکا دے کر میں نے اسے قالین پر گرا لیا۔ تینوں
ہیرے نیچے گر پڑے تھے۔" اب میری تفریح شروع ہوتی ہے مادام۔" میں نے غراتی
ہوئی آواز میں کہا۔ اور ہنٹر لے کر اس کی طرف بڑھنے لگا......... برجیٹا کے چہرے پر
بدحواسی نظر آتی تھی۔ "سنو۔ سنو تو سہی۔ میری بات تو سنو۔" وہ سرکتے ہوئے بولی'
اور میں نے ہنٹر گھما کر شڑاک سے اس کے بدن پر مارا۔ برجیٹا چیخ پڑی تھی۔ میری
بات تو سنو شہاب!" اس نے بڑے محبوبانہ انداز میں کہا۔

"ہر انسان کی الگ الگ فطرت ہوتی ہے۔ میں جب شکار کرتا ہوں تو پھر ایک
شکار سے میرا دل نہیں بھرتا۔" میں نے دوبارہ ہنٹر اس کے رسید کر دیا اور وہ اچھل کر
دور جا گری۔ تیسرے ہنٹر پر اس کا لباس پھٹ گیا اور وہ کراہنے لگی۔" آہ۔ بس۔ بس
اب نہ مارنا......... بس شہاب بس۔ میری ایک بات سن لو۔ سنو تو سہی۔
میں......... میں تو صرف......... وہ......... وہ کسی طور نہیں زخمی نہ کرتا۔ یقین

کرو، اسے ہدایات تھیں کہ وہ تمہیں بس زیر کر لے کوئی تکلیف نہ دے۔" اس نے بدستور کراہتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں جان من.......... یہ سب کیوں؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔ آہ میرے زخم جل رہے ہیں۔"

"رات کے کھانے میں مجھے بے ہوشی کی دوا دی گئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"وہ کونسی جگہ تھی جہاں مجھے لے جایا گیا تھا؟"

"نادرپور کے نواح.......... مگر کوئی غلط مقصد نہیں تھا۔ بہت غلط ہو گیا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اس قدر جذباتی ہو جاؤ گے۔ آہ میں تو.........."

"بکواس مت کرو.......... اور سنو۔ نادرپور چھوڑ کر فوراً کہیں نکل جاؤ۔ ورنہ مجھے جب بھی تمہاری حرکت یاد آئے گی میں واپس آؤں گا اور تمہاری بری درگت بناؤں گا سمجھیں۔" میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر کی پشت پر ٹھوکر رسید کر دی۔ اور اس نے چیخ کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ تب میں نے ہنٹر پھینک دیا۔ الماری والا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ باہر آ کر میں نے دروازہ پھر برابر کیا اور اس کمرے سے نکل آیا۔ لیکن کمرے سے نکلنے سے قبل میں نے اپنے منتشر بال درست کئے۔ لباس بھی بے ترتیب ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے حتی الامکان اسے بھی درست کر لیا تاکہ کسی ملازم وغیرہ کو میری حالت پر کوئی شبہ نہ ہو سکے۔ اس کے بعد میں پرسکون انداز میں چلتا ہوا عمارت کے مختلف حصوں میں ڈاکٹر ٹی ٹی کو تلاش کرنے لگا۔ جب وہ مجھے نظر نہیں آیا تو میں نے دور سے گزرتی ہوئی ایک لڑکی کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ "میرے ساتھی کو جانتی ہو؟" میں نے پوچھا' اور لڑکی کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔ "کہاں ہے وہ؟"

"زیبی کے کمرے میں۔" لڑکی نے جواب دیا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیوں۔ تم باربار کیوں ہنس رہی ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور لڑکی ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"معافی چاہتی ہوں جناب۔ کیا میں انہیں بلا کر لاؤں؟"

"میں نے تم سے ہنسنے کی وجہ پوچھی تھی؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ جناب میں سخت شرمندہ ہوں۔ وہ دراصل.........." وہ انگلیاں مروڑنے لگی۔

"تم شرمندگی کی وجہ سے ہنس رہی ہو۔ کیوں؟.......... یہ میرے سوال کا جواب ہے؟"

"تو میں کیا کروں.......... بات ہی ہنسی کی ہے۔ پہلے وہ بنی کے دوست تھے اور انہوں نے اس سے شدید قسم کا اظہار عشق کیا۔ اس کے بغیر زندہ نہ رہنے کی قسمیں کھائیں' پھر اچانک زیبی کو دیکھا اور اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اب وہ بنی کو پہچاننے سے انکار کر رہے ہیں اور زیبی ان سے چھپی چھپی پھر رہی ہے۔"

"اوہ.........." میں آہستہ سے بولا۔

"جی ہاں۔ وہ پچھلی رات سے چھپی ہوئی ہے اور وہ حضرت اس کے کمرے سے باہر نہیں نکلے۔ انہیں یقین ہے کہ وہ ان کی سچی محبت سے متاثر ہو کر ضرور ان کے پاس آئے گی۔" لڑکی نے بتایا اور وہ پھر ہنس پڑی۔

"زیبی کا کمرہ کس طرف ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سامنے ہی تو ہے۔" لڑکی ایک طرف اشارہ کر کے بولی اور میں عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا.......... "جی اور کوئی خدمت؟" اس نے میرے چہرے پر نگاہ ڈال کر بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"آہ.......... تمہاری ہنسی کے جلترنگ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں.......... تم.......... کتنی دلکش ہو۔ بالکل کسی.......... سی.........." لیکن دوسرے لمحے لڑکی نے چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ بے تحاشا دوڑتی ہوئی ایک راہداری میں مڑ گئی۔ اور میں مسکراتا ہوا ٹی ٹی کی طرف بڑھ گیا بے وقوف عاشق ایک مسہری پر اطمینان سے دراز تھا۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔

"زیبی کون ہے؟" میں نے اس سے بے اختیار پوچھا۔

"اوہ۔ کک کیوں.......... کیوں؟" ڈاکٹر ٹی ٹی جلدی سے مسہری سے نیچے اتر آیا۔ مجھے اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ "ابھی میرے کمرے میں آئی تھی اور مجھے ایک پیغام دے کر باہر چلی گئی۔ پیغام یہ تھا کہ فوراً ڈاکٹر کو لے کر

سفید دھبے کے ہوٹل سیسن میں آجاؤ۔ وہ ہمیں وہاں ضرور تلاش کر لے گی۔ یہاں اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"یہ سفید دھبہ کیا ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اس اسنو پوائنٹ کو کہتے ہیں جہاں شکاریوں کی ٹولیاں ٹھہرتی ہیں اور جہاں سے برفانی شکار گاہوں کا راستہ ہے۔"

"لیکن تعجب ہے.......... یہ پیغام.......... یہاں اس کی زندگی کو کیسا خطرہ ہو سکتا ہے۔ بہرحال چلتے ہیں۔ سخت تعجب ہے۔" اور اس کے بعد ڈاکٹر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ اپنے کمرے میں آیا اور یہاں سے سامان اٹھا کر ہم خاموشی سے باہر نکل آئے کسی نے کوئی تعرض یا استفسار نہیں کیا تھا۔ اپنا سامان اٹھائے ہم دیر تک پیدل چلتے رہے۔ پھر ایک ٹیکسی مل گئی اور ہم نے اسے اسنو پوائنٹ چلنے کے لئے کہا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی خاموش تھا اور خیالات میں گم تھا۔ نادرپور کے حسین راستے ہماری توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ اسنو پوائنٹ کا فاصلہ کافی تھا۔ تقریباً بیس بائیس منٹ میں ہم یہاں پہنچے۔ شہر خاموش اور پرسکون تھا لیکن یہاں ہنگامے تھے۔ درجنوں چھوٹے بڑے ہوٹل بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان بازار لگے ہوئے تھے۔ جن میں خوب چہل پہل تھی۔ بہت سے ملکوں کے سیاح اور شکاری نظر آرہے تھے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی نے دلچسپی کی نگاہوں سے ان ہنگاموں کو دیکھا۔ "واہ یہ تو عمدہ جگہ ہے.........." اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور ہم ٹیکسی سے اتر گئے۔ ڈرائیور کو بل ادا کرکے ہم نے اپنا سامان اٹھایا لیکن اسی وقت ایک شخص ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"قیام کریں گے صاحب؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ کیا تمہارے پاس جگہ ہے؟"

"اس وقت آپ دل چاہے جیسی کوشش کر لیں۔ یہاں آپ کو جگہ ملنا مشکل ہے لیکن میں آپ کو جگہ فراہم کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی خاص شرط ہے تمہاری؟"

"جی ہاں.......... ہوٹل کاسترو میں ایک کمرہ دس دن پہلے میں نے بک کرایا تھا۔ اس کمرے کا کرایہ تین ہزار روپے ماہوار ہے۔ آپ مجھے پورے مہینے کا کرایہ دیدیں۔ اسے میں منافع سمجھوں گا اور دس دن کا کرایہ ادا کر دوں گا۔ پھر آپ کا جب تک جی

چاہے رہیں۔"

اور میں نے ایک طویل سانس لے کر گردن ہلا دی۔ اس نے جلدی سے ہمارا سامان تھام لیا تھا۔ اور پھر وہ ہمیں کاسترو لے چلا۔ لیکن راستے میں ڈاکٹر ٹی ٹی نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "لیکن اس نے تو کسی اور ہوٹل کے بارے میں کہا تھا؟"

"یہاں آکر بھی اس کے جال میں پھنسے رہو گے۔ کیا چاروں طرف دیکھ نہیں رہے۔ ان سب کی موجودگی میں تم ایک دقیانوس قسم کی ملازمہ سے عشق کرو گے ڈاکٹر؟" میں نے کہا اور ڈاکٹر جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔

"ہاں.......... یہ تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چند ساعت کے بعد ہم ہوٹل کاسترو پہنچ گئے۔ نہایت اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا۔ اس شخص نے کاؤنٹر سے چابی لی اور ہم اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ کشادہ اور خوبصورت طرز سے آراستہ کمرہ ہمیں پسند آیا۔ میں نے اسے تین ہزار روپے ادا کر دیئے اور وہ ہمیں سلام کرکے چلا گیا۔ اس کے چند منٹ بعد ایک ملازم آیا اور اس نے ہمارے لباس وغیرہ الماری میں سجا دیئے۔ ڈاکٹر ٹی ٹی ایک کھڑکی کے نزدیک کھڑے ہوکر بازار کا منظر دیکھنے لگا جہاں قیمتی اشیاء فروخت ہو رہی تھیں۔ بہت دور خیموں کی بستی آباد تھی۔ یہاں قیام کا یہ طریقہ بھی تھا۔ بہرحال نفیس جگہ تھی۔ ڈاکٹر کو بھی بہت پسند آئی تھی۔ ہوٹل کے ملازم نے ہم سے کسی ضرورت کے بارے میں پوچھا اور پھر انعام لے کر چلا گیا۔

"واقعی عمدہ جگہ ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ اور پھر مجھے بغور دیکھنے لگا۔ "ویسے میرا خیال ہے تم نے مجھے چکرا دیا تھا۔ کیا واقعی زیبی نے مجھے پیغام دیا تھا؟"

"کون زیبی؟" میں نے تعجب سے پوچھا اور ڈاکٹر مسکرانے لگا۔ پھر گردن ہلا کر بولا۔ "بہرحال تم مجھے بھی نہیں چھوڑتے۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔ دو وار کر چکے ہو۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری ڈاکٹر۔ مجھے خطرہ تھا کہ ہم کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ وہ عورت کافی خطرناک ہے۔ نہ جانے وہ ہم سے کیا چاہتی تھی؟"

"برجیسا..........؟" ڈاکٹر نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"بہرحال کچھ بھی ہو وہ افریقی حسن کی اعلیٰ مثال ہے۔"

"میرے ساتھ اس نے ایک اور مثال قائم کی ہے۔ لیکن میں ابھی تک اس کے مقصد سے ناواقف ہوں۔" میں نے کہا۔ اور ڈاکٹر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ تب میں نے اسے اپنے اوپر بیتی ہوئی کہانی سنا دی۔ وہ یقین نہ کرنے والی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال اب ان کہانیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تم سے اتفاق کر لیا ہے۔" میں بیزاری سے خاموش ہو گیا تھا۔" تو پھر اب کیا خیال ہے۔ میں ذرا ایک چکر لگا لوں؟" اس نے پوچھا۔

"ضرور.......... لیکن احتیاط رکھنا ڈاکٹر۔ تفریح صرف تفریح کی حد تک رہے تو بہتر ہے۔ کہیں کوئی تمہیں اغوا نہ کر لے جائے۔" میں نے کہا اور ڈاکٹر نے گردن ہلا دی۔ وہ میری باتوں کو محض مذاق تصور کر رہا تھا۔ پھر اس نے لباس تبدیل کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں دیر تک آرام کرسی پر بیٹھا برجیتا کے بارے میں غور کرتا رہا۔ نہ جانے کن کیفیات کا شکار عورت تھی۔ اس کے بعد میں بھی باہر نکل آیا اور یہاں کے ہنگاموں میں گم ہو گیا۔ میں نے تفریحات کے لئے عمدہ جگہیں تلاش کیں۔ یہاں سب کچھ تھا۔ ہوٹلوں کے علاوہ نائٹ کلب بھی قائم کئے گئے تھے اور سیاحوں کی وجہ سے تفریحی ضرورتوں کی ساری چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں۔ شکاری ٹولیوں کو خیمے اور برف پر سفر کرنے کے لوازمات فراہم کرنے کے لئے الگ ایجنسیاں تھیں۔ شکار کے لائسنس کے لئے حکومت کے دفاتر بنے ہوئے تھے۔ غرض ہر چیز موجود تھی۔ تفریح پسند لڑکیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ میں نے ان پر بھی توجہ دی تھی۔ اور پھر کافی گھوم پھرنے کے بعد میں ایک ریستوران میں جا بیٹھا اور کافی طلب کر لی۔ کافی کے دو تین گھونٹ ہی لئے تھے کہ ایک مقامی لڑکی اندر داخل ہوئی اور گردن گھما کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر مجھے دیکھ کر مسکرائی اور میرے نزدیک آ گئی۔ "اگر مجھے غلط فہمی نہیں ہو رہی تو آپ مسٹر فرید ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" میں نے اطمینان سے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔ "کیا منگاؤں آپ کے لئے؟"

"کافی ہی منگوا لیں۔ ویسے مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟" میں نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر ویٹر کو اشارہ کیا اور اس کے لئے بھی کافی طلب کر لی۔ "آپ کب پہنچے یہاں؟"

"میرا مطلب ہے' نادر پور میں۔"

"ابھی چند منٹ قبل۔"

"میرا مطلب ہے' نادر پور نہیں۔"

"چند روز قبل۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"میں تو آج ہی آئی ہوں۔ لیکن یہاں قیام کے لئے تو سخت مشکلات ہیں۔ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"کاسترو میں.........." میں نے جواب دیا۔ کاسترو کمرہ نمبر ستائیس۔"

"میرے خدا.......... وہ تو بڑا ہوٹل ہے۔"

"ہاں۔" میں نے مختصراً کہا۔

"پھر مجھے مشورہ دیں مسٹر فرید۔ میں کیا کروں۔ کسی تنہا لڑکی کے لئے تو یہاں قیام بہت مشکل ہے۔"

"ممکن ہے مسٹر فرید آپ کو اس سلسلے میں کوئی بہتر مشورہ دے سکیں میرا نام شہاب ہے۔" میں نے کہا اور وہ چونک پڑی۔ پھر اس نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا اور پریشانی سے بولی۔ "آپ عجیب انسان ہیں بلاوجہ میرا وقت ضائع کیا۔ میں تو فرید کی تلاش میں ہوں۔" وہ اٹھ گئی۔ میں نے اسے نہیں روکا تھا۔ لیکن اس کے چونکنے کے انداز سے میں نے جان لیا کہ وہ روکے جانے کی منتظر ہے۔ میں نے اسے نہیں روکا۔ اور وہ فرید کو تلاش کرنے کے بجائے باہر نکل گئی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لڑکی بری نہیں تھی۔ بل ادا کر کے میں باہر نکل آیا اور پھر بہت دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ بازاروں کی رونق میں بور ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ رات گئے تک میں سیر و تفریح کرتا رہا۔ دو تین ہلکے پھلکے پروگرام دیکھے اور پھر اپنے ہوٹل واپس پہنچ گیا۔

کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ چابی میرا ساتھی لے گیا ہے۔ چنانچہ میں اوپر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر ٹی ٹی کمرے میں موجود تھا اور کچھ لکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا۔ "اچھا ہوا تم آ گئے۔ میں تمہارے نام پیغام چھوڑ کر جا رہا تھا۔"

"کہاں ڈاکٹر.......... ؟"

"وہ۔ کچھ دوستوں سے ملاقات ہو گئی ہے۔ مگر ٹھہرو۔ کیا تم میرے ساتھ چلو

گے؟" میں تمہیں سونا سے ملاؤں گا۔"

"یہ کون ہے؟" میں نے پوچھا اور ڈاکٹر میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ "ہپیوں کا ایک گروہ یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ ان میں ایک سپینش لڑکی ہے۔ سنہری رنگ اور گداز بدن کی مالک۔ تم کچھ بھی کہو شباب' تمہارے ملک سے باہر کی لڑکیاں کافی فراخ دل اور فراخ ذہن ہوتی ہیں اور یہ تمہارے ملک کی لڑکیاں بے حد نک چڑھی اور مغرور۔ کسی کو گھاس ہی نہیں ڈالتیں۔"

"اوہ۔ اس کا ایک افسوسناک پہلو ہے ڈاکٹر۔ ہمارے ہاں کی زیادہ تر زمینیں بنجر اور سیم و تھور کی ماری ہوئی ہیں۔ یہاں گھاس پیدا ہی کم ہوتی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"مذاق اڑا رہے ہو؟ اس سپینش لڑکی نے نہایت محبت سے مجھے اپنے خیمے میں قیام کی دعوت دی ہے۔ یار یہ زندگی بھی خوب ہے۔ کوئی غم نہیں۔ کوئی رشتہ ناطہ نہیں۔ میں ان لوگوں سے بہت متاثر ہوں۔"

"ہپیوں سے؟"

"ہاں۔ انہوں نے انسان کی ذات کو بے معنی بوجھ سے آزاد کرانے کا مشن شروع کیا ہے اور میں ان کے اس مشن سے متفق ہوں۔ بہرحال چلنا چاہو تو چلو۔ اور ہاں مجھے کچھ کرنسی درکار ہے۔" میں نے خاموشی سے نوٹوں کا ایک بنڈل نکال کر ڈاکٹر کے سامنے ڈال دیا۔ "نہیں اتنے نہیں۔" ڈاکٹر نے ان میں سے چند نوٹ کھینچ کر جیبوں میں ٹھونس لئے اور پھر بولا۔ "تمہارے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ تم جانے کے موڈ میں نہیں ہو۔ میں چلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر.......... ہاں شکار سے کچھ دلچسپی ہے تمہیں یا یہیں رکو گے؟"

"سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایک ہی قسم کے شکار سے دلچسپی ہے۔ اگر تم برا نہ مانو تو.......... مجھے یہاں شکار کرنے دو۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ کمرہ موجود ہے۔ میں کل برفانی لومڑیوں کے شکار کے لئے چلا جاؤں گا۔ تم اطمینان سے اپنا شکار جاری رکھو۔ اور ہاں یہ نوٹ تم ہی سنبھال لو' ممکن ہے مجھے دو ایک دن لگ جائیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے نوٹ سنبھال لئے اور پھر انہیں اپنے سامان میں رکھ

کر اس نے دوبارہ مجھ سے اجازت لی اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ ڈاکٹر کے بارے میں میرا تجربہ درست تھا۔ وہ ذہنی طور پر الجھا ہوا انسان تھا۔ اس کی عمر کے بہترین سال اس سے چھین لئے گئے تھے۔ اس لئے اب وہ ان سب گزرے ہوئے دنوں کی کمی پوری کر رہا تھا۔

بہرحال میں نے فیصلہ کیا کہ دوسرے دن میں شکار پر نکل جاؤں گا۔ سارا دن آوارہ گردی کر کے تھک گیا تھا اس لئے رات کو کسی تفریح کے لئے دل نہیں چاہا اور میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ دوسرے دن کے لئے میں نے ذہن میں پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔ اس وقت رات کے تقریباً دس بجے ہوں گے کہ کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں اٹھ گیا۔ نائٹ بلب روشن تھا۔ میں نے اسے بجھا کر تیز روشنی کر دی اور پھر دروازہ کھول دیا۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں اس لڑکی کو پہچان لیا تھا جو دن میں ریستوران میں ملی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور اداس سی آواز میں بولی۔ "میں اندر آسکتی ہوں؟" میں خاموشی سے راستے سے ہٹ گیا۔ اس کے اندر آنے کے بعد میں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ "تم میرے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہے ہو گے۔ لیکن یقین کرو میں بری لڑکی نہیں ہوں۔"

"بیٹھو.........." میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میں نے تو تمہیں بری لڑکی نہیں کہا۔"

"مگر تمہارا رویہ میرے ساتھ بہت خشک ہے۔"

"یہ بات بھی نہیں۔ میں فرید نہیں تھا تو خود کو فرید کیسے کہہ دیتا۔ ویسے یہ فرید کون ہے جسے تم شکل سے نہیں پہچانتیں اور اس کی تلاش میں گھومتی پھر رہی ہو؟"

"کوئی نہیں۔ وہ تم سے تعارف حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔"

"خوب۔ اب ہوئی نابات۔ دراصل مجھے حقیقتیں پسند ہیں۔ اور انسان کو جب اس کی پسند مل جاتی ہے تو وہ زیادہ متاثر نہیں ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ اور اس کی گردن کچھ اور جھک گئی۔ "اطمینان سے بیٹھو۔ ویسے آج ہی یہاں آئی ہو؟"

"ہاں۔ یقین کرو' سارا دن کسی رہائش گاہ کی تلاش میں گھومتی رہی ہوں۔ مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ شکر ہے تم نے اپنے کمرے کا نمبر بتادیا تھا۔"

"بہت اچھا کیا۔ کھانا کھایا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" وہ بولی۔ اور میں نے ویٹر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا دی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس سے اس کے بارے میں بہت کچھ پوچھوں لیکن پھر یہ خیال ترک کر دیا۔ وہ پہلے ہی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ بہرحال وہ یہاں تنہا کیوں آئی تھی اس کے بارے میں صاف اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ مزید کچھ پوچھنا بے مقصد تھا۔ ویٹر کے آنے پر میں نے اسے کھانے کا آرڈر دیا۔ اپنے لئے کافی منگوائی تھی۔ "تم کھانا کھا چکے ہو گے؟"

"ہاں۔ تھوڑی دیر قبل۔"

"سیاحت پر آئے ہو گے یا شکاری بھی ہو؟"

"بس دونوں ہی باتیں ہیں۔"

"تنہا بور نہیں ہو جاؤ گے۔ سیر و تفریح میں کسی ساتھی کا ہونا تو ضروری ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں خود کو پیش کر رہی ہوں اور کوئی مستقل سہارا چاہتی ہوں۔ بس یوں ہی پوچھ لیا ہے۔"

"ہاں، بس کوئی لڑکی ساتھ نہیں ہے۔ ایک دوست کو ساتھ لایا ہوں۔"

"اوہ۔ تب ٹھیک ہے۔ کہاں ہے وہ۔ کیا اس کا کمرہ الگ ہے۔ بستر تو دو ہیں؟"

"وہ بھی تفریح کرنے نکل گیا ہے اور شاید رات کو واپس نہ آئے۔" میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گئی۔ ویٹر کھانا لے آیا اور میں نے اسے کھانے کی پیشکش کر دی۔ اس نے پہلے میرے لئے کافی بنا کر مجھے پیش کر دی اور اس کے بعد کھانے بیٹھ گئی۔

کافی پیتے ہوئے میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے۔ میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ہم ایسی لڑکیوں کو معاشرے کا ناسور سمجھتے ہیں لیکن یہ ناسور کیوں پرورش پاتے ہیں، ان کے لئے ان راستوں کا انتخاب کون کرتا ہے؟ بڑی دیر تک میں ان خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر میں نے ذہن جھٹک دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے اپنے لئے کافی بنائی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ "تمہارا نام شہاب ہے نا؟" اس نے کہا۔

"ہاں میں نے ریستوران میں تمہیں بتایا تھا۔"

"میرا نام نجمی ہے۔"

"کہاں سے آئی ہو؟"

"دارالحکومت سے۔ وہاں میرے دوسرے اہل خاندان بھی ہیں۔"

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا۔ امید ہے تم محسوس نہیں کرو گی؟"

"نہیں، ٹھیک ہے۔ میں تو بس سلسلہ گفتگو شروع کرنا چاہتی تھی۔"

"یہاں آ کر بیٹھو۔ ہمارے پاس دوسرے موضوعات بھی ہیں۔" میں نے کہا اور وہ کافی کی پیالی لئے میرے پاس آ بیٹھی۔ اور پھر ہم نادرپور کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ بے تکلف ہونے لگی اس نے مجھ سے شراب کے بارے میں پوچھا۔

"میں دوہرے نشے کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"دوہرا نشہ؟"

"ہاں۔ تمہارے قرب کا نشہ اور پھر شراب کا نشہ۔ نہیں بھائی دونوں یکجا نہیں ہو سکتے۔" میں نے ہنس کر کہا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔ ہم لوگ بے تکلفی سے ہر موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور جب وہ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہو گئی تو میں نے روشنی گل کر دی۔

دوسری صبح میں نے اسے اتنی رقم دے دی کہ وہ اطمینان سے کوئی رہائش گاہ تلاش کر سکے۔ اس سے زیادہ میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے دوسری رات کے بارے میں پوچھا۔ تو میں نے انکار کر دیا اور بتایا کہ میں آج اپنے ساتھی کے ساتھ لومڑی کے شکار پر جا رہا ہوں۔ وہ چلی گئی اور میں اسے بھول گیا۔ ٹی ٹی کا انتظار کرنا فضول تھا اس لئے میں تیاریاں کرنے لگا۔ اور پھر ہوٹل سے نکل آیا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شکار گاہ پہنچا اور شکار کا بندوبست کرنے والی ایک کمپنی کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ میرے عقب میں ایک عمدہ صحت لیکن اچھی خاصی عمر کا مالک شخص بھی اس کمپنی کے دفتر میں ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور دو نوجوان بھی تھے۔ لڑکیاں کافی اسمارٹ تھیں۔ چست پتلون اور جیکٹ پہنے ہوئے تھیں۔ نوجوان بھی قیمتی اور جدید شکاری لباس میں تھے اور نفیس بیلٹ لگائے ہوئے تھے۔ سرخ و سفید چہرے والے معمر شخص نے ایک سرسری نگاہ مجھ پر ڈالی تھی اور پھر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے

خیمہ اور اپنی پسند کی رائفل منتخب کی اس کے علاوہ گھوڑا بھی طلب کیا اور یہ تمام چیزیں انتہائی' گراں معاوضے میں مجھے مل گئیں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شکار کا لائسنس بھی مل گیا تھا۔ کمپنی والے تمام انتظامات کے ذمہ دار تھے۔ معمر شخص بھی میرے ساتھ ہی ان کارروائیوں میں مصروف تھا۔ جب میں نے اپنا نام بتایا تو وہ ہنس پڑا۔ ''اب میں تمہیں کہاں تک نظرانداز کروں گا؟'' وہ بولا۔

''میں نہیں سمجھا جناب؟'' میں نے بھی خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارے تومند بدن اور چستی کا اندازہ کر کے مجھے اپنی جوانی یاد آ گئی تھی۔ بالکل تمہاری مانند تھی اور آج کل کے جوانوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میرے خیال میں ہمارے وطن کی پچانوے فیصد آبادی کے نوجوان مخنی' مدقوق اور نازک مزاج ہیں بننے کو تو وہ بہت کچھ بنتے ہیں۔ لیکن قوت برداشت اور صحت سے عاری ہیں۔ ایسے ماحول میں صحت مند جوانوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی ہے۔ اب میرے ان نالائق بھانجوں کو دیکھو۔ ان میں سے ایک بھی رائفل چلانا نہیں جانتا۔ لیکن حلئے دیکھو یوں لگتا ہے جیسے ان سے زیادہ چست چالاک کوئی نہ ہو۔ تمہارے بارے میں یہی سب کچھ سوچ لیا تھا۔ اور اب نام سن کر یہ مذاق اور دلچسپ ہو گیا ہے۔''

''وہ کیوں؟''

''اس لئے کہ میرا نام بھی شہاب ہے اور اتفاق سے تیموری بھی ہوں۔''

''اوہ بڑی خوشی ہوئی' آپ سے مل کر۔'' میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ یوں سمجھو کہ تم اپنے بڑھاپے سے مل رہے ہو۔''

''مجھے اتنا شاندار بڑھاپا بخوشی قبول ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''آؤ تمہیں اپنے بچوں سے ملاؤں۔'' خوش مزاج شخص نے کہا اور میں مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چل دیا۔ لڑکیاں' لڑکے کچھ بحث کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

''نوجوانو! میں تمہیں ایک ایسے شخص سے ملانا چاہتا ہوں۔ جو تمہارے لئے اجنبی ہے۔ لیکن اس کا جو نام ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ تم میں سے کوئی اس کا نام بتا دے تو میں اسے انعام دوں گا۔!'' بوڑھے شہاب نے کہا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ

پھیل گئی۔ سب دلچسپی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک لڑکی بولی۔ ''کوئی اتہ پتہ انکل؟''

''صرف یہ بتاؤں گا کہ یہ نام تمہارے ذہنوں میں موجود ہے۔''

''کوئی' مشہور شکاری؟'' ایک لڑکے نے پوچھا۔

''نہیں اس کی شخصیت سے تو میں بھی ناواقف ہوں۔ میں صرف نام کی بات کر رہا ہوں۔ وہ نام جو تم سے بے حد قریب ہے۔ اتنا قریب کہ تم سوچے سمجھے بغیر اسے لے سکتے ہو۔'' سب کے چہروں پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے۔ لیکن کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکا۔ اسی وقت کمپنی کے نمائندے نے ہماری تمام چیزوں کی تیاری کی اطلاع دی۔ اور ہم کمپنی کے دفتر سے باہر نکل آئے۔ افسوس تم میں سے کوئی بھی انعام نہیں جیت سکا۔ یہ شہاب تیموری ہیں۔'' لڑکیاں اور لڑکے ہنسنے لگے تھے۔

''تم تنہا ہو شہاب؟'' بزرگ نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''تو پھر آ جاؤ۔ ہم تمہیں کمپنی دینے کے لئے تیار ہیں۔ شکار کے لئے ہی چل رہے ہونا؟''

''جی۔'' میں نے جواب دیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کی پشت پر زین کے ساتھ سفید نفیس خیمہ بندھا ہوا تھا۔ رائفل میں نے خود پسند کی تھی۔ چالیس کارتوسوں کی پٹی مجھے مل گئی تھی۔ وہ سب ہی الگ الگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ایک گھوڑے پر ان کا سامان تھا۔ یقیناً' یہ تمام چیزیں حاصل کرنے کے لئے انہیں کافی بڑی رقم خرچ کرنا پڑی ہو گی۔ اس حساب سے وہ خاصے متمول لوگ معلوم ہوتے تھے۔

''ویسے تم شکار کے لباس میں نہیں ہو۔ ہر تفریح کے لئے موڈ بنانا ضروری ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے؟''

''درست کہا آپ نے۔ بس لباس ذہن میں نہیں رہا۔''

''پہلے شکار کیا ہے لومڑیوں کا؟''

''نہیں۔''

''تب میری پیش گوئی ہے کہ تم ایک بھی شکار نہیں کر سکو گے۔ رائفل چلا لینا دوسری بات ہے اور شکار کی دوسری اور پھر برف پر رہنے والی لومڑیاں انتہائی ٹھنڈے

مزاج کی مالک ہوتی ہیں اور جس کا ذہن جتنا ٹھنڈا ہوتا ہے وہ اتنا ہی چالاک ہوتا ہے۔ ان لومڑیوں کا شکار کرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں ہر سال یہاں آتا ہوں۔ انکا شکار میرا محبوب مشغلہ ہے۔ لیکن تم دیکھو گے کہ کتنے شکاری لومڑیوں کا شکار کرتے ہیں اور کتنے صرف بندوق لٹکائے پھرتے ہیں۔"

"ہاں۔ میں اس سلسلے میں اناڑی ہوں۔"

"شکار بھی سائنس ہے۔ ہر جانور کا مزاج مختلف ہوتا ہے۔ اس کے شکار کے لئے اس کا مزاج آشنا ہونا ضروری ہے"

"بلاشبہ۔ آپ اس سلسلے میں کافی تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں۔"

"میاں۔ ساری عمر اس دشت کی سیاحی میں گزاری ہے۔ کہاں شکار نہیں کھیلا اور کون سے جانور کا نہیں کھیلا۔"

"آپ کی صحت بتاتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میرا ہم نام بوڑھا کافی خوش ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا اچھا ہے تفریح رہے گی۔ تنہائی کا احساس تو نہیں ہو گا۔ گھوڑے مناسب رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ ویسے وہ سب گھوڑ سواری کے ماہر معلوم ہوتے تھے لیکن وہ ہم سے کچھ پیچھے ہی چل رہے تھے۔

"وہ دونوں آپ کے بھانجے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ بہت وسیع خاندان ہے۔ خان بہادر تیموری کے بارے میں تم پورے احمد پور میں کہیں بھی معلوم کر سکتے ہو۔ وہاں کی سب سے بڑی کپڑے کی مل میری ہے۔ تیموریہ ٹیکسٹائلز۔"

"دلچسپ بات ہے۔ ایک طرف تو آپ کاروباری اور صنعتکار ہیں اور دوسری طرف آپ کا یہ شوق؟"

"صنعتکار تو صرف نام کا ہوں۔ کچھ ایسے معتمد مل گئے ہیں جو سارا نظام سنبھالے ہوئے ہیں اور انہوں نے میری ساکھ پر کوئی آنچ نہیں آنے دی ہے۔ ویسے تم کیا کرتے ہو؟"

"میں آوارہ گرد ہوں۔ والدین کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر عیش کر رہا ہوں۔ کوئی اور نہیں ہے جو مستقبل کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت پیش آئے۔"

"اوہ بڑی خوش نصیبی ہے۔ جتنا بڑا خاندان اتنی ہی الجھنیں۔" ہمارے ساتھ

اور بھی شکاری پارٹیاں گھوڑے دوڑا رہی تھیں۔ بعض لوگ پیدل بھی نظر آئے۔ برف سے ڈھکی گھاٹیاں تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھیں۔ دوپہر تک کے سفر کے بعد ہم اس علاقے کے نزدیک پہنچ گئے۔ جہاں ایک بورڈ پر شکار کی حدود شروع لکھا ہوا تھا۔ اس بورڈ پر شکاریوں کے لئے ہدایت بھی لکھی ہوئی تھیں۔ ہم اس سے آگے نکل آئے۔ "قیام کے بارے میں کیا خیال ہے ڈیڈی؟" ایک لڑکی اپنا گھوڑا دوڑا کر ہمارے قریب پہنچ گئی۔

"زندگی میں ہار جانے کا نام نہایت لغو چیز ہوتی ہے۔" خان بہادر شہاب نے جواب دیا۔

"لیکن گھوڑے ہمارے اس فلسفے سے متاثر نہیں ہوں گے؟" لڑکی نے کہا۔

"تب پھر فیصلہ بھی وہی کریں گے چلتی رہو" خان بہادر نے جواب دیا۔ اور گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ میں مسکرا رہا تھا۔ "بس تھک گئے ہوں گے۔ لیکن یہ کوئی رکنے کی جگہ ہے۔ کیا لومڑیاں یہاں ہماری راہ تک رہی ہوں گی اور یہ سوچ کر یہاں آگئی ہوں گی کہ کہیں ہمیں پریشانی نہ ہو۔ آؤ راستہ کاٹتے ہیں۔ ناک کی سیدھ میں کبھی نہیں چلنا چاہئے۔ خان بہادر صاحب نے گھوڑے کا رخ بدل لیا۔ دوسرے لوگ بھی ان کی تقلید کر رہے تھے۔ یہ راستہ سیدھے جانے والے راستے کی بہ نسبت دشوار گزار تھا۔ گھوڑے گڑھے پھلانگتے ہوئے جا رہے تھے اور میں نے محسوس کیا کہ چست لباسوں میں اکڑے ہوئے نوجوان ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔ پھر ایک گھوڑا ہنہنا کر رک گیا۔ اور خان بہادر نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک نوجوان کا گھوڑا اڑ گیا تھا۔ خان بہادر اسے گہری نظروں سے دیکھتے رہے اور پھر بے اختیار مسکرا دیئے۔ "تم نے دیکھا شہاب؟"

"جی۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا محسوس کیا؟"

"گھوڑے کو غلط طریقے سے روکا گیا ہے۔ وہ خود نہیں رکا اس وجہ سے وہ اڑ رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بالکل یہی بات ہے۔ وہ لوگ تھک چکے ہیں اور رکنا چاہتے ہیں۔ لیکن ابھی یہ کیسے ممکن ہے؟ آؤ۔" خان بہادر نے گھوڑا واپس موڑ لیا دوسرے گھوڑے بھی رک گئے تھے۔ "کیا بات ہے نوید؟" انہوں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں انکل آگے نہیں بڑھ رہا ہے غالباً" تھک گیا ہے۔"

"نیچے اتر آؤ بیٹے۔ لو میرا گھوڑا لے لو۔ اُس گدھے کو میں سنبھالتا ہوں۔" خان بہادر خود بھی گھوڑے سے اتر گئے اور پھر انہوں نے اپنا گھوڑا نوید کے حوالے کر دیا اور خود اس کے گھوڑے پر بیٹھ کر آگے نکل آئے۔ لڑکے اور لڑکیاں ناچار آگے بڑھنے لگے تھے۔ اس کے بعد ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اور تقریباً تین میل تک مزید سفر کیا گیا۔ پھر ایک وسیع میدان میں خان بہادر نے گھوڑے روک دیئے۔ "شکار کے لئے بہترین جگہ ۔ خیمے اتار لو۔" اور سب گھوڑوں سے اتر گئے۔ نوجوان بالکل ڈھیلے ڈھالے ہو رہے تھے۔ انہوں نے بمشکل تمام خیمے نصب کئے۔ میں نے اور خان بہادر نے بھی ان کی مدد کی تھی۔ اور پھر وہ سب خیموں میں گھس گئے۔ میں نے اپنا خیمہ ان لوگوں سے کافی دور ہٹ کر لگایا تھا۔ خان بہادر نے اس بات میں استفسار کیا تو میں نے جواب دیا کہ میں ان کی ذاتیات میں دخل انداز ہونا پسند نہیں کرتا۔ بہرحال خیمہ نصب کرنے کے بعد خان بہادر کے بلانے پر میں ان کے پاس پہنچ گیا۔

"بری حالت ہے ان سب کی' تھک گئے ہیں۔ یہ بھلا کیا شکار کھیلیں گے۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں تو دوچار گولیاں اپنے سینے میں اتار لیتا۔ شکار میں کوئی ساتھی نہ ہو تو لطف نہیں آتا۔ کہیں تم بھی تھک تو نہیں گئے؟"

"نہیں خان بہادر۔ لیکن شکار کس وقت کریں گے؟"

"رات کو۔ اس وقت جب چاند نکل آئے گا۔ بہت کم لوگوں کو یہ گر معلوم ہے۔ دن کی روشنی میں لومڑیاں اپنے ٹھکانوں میں گھس جاتی ہیں اور رات کو ان کے غول نکلتے ہیں۔ تم دیکھنا ہم کو اس جگہ کئی لومڑیاں ملیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور پھر میں نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ انتہائی اسمارٹ لڑکے لڑکیاں چولہے جلا رہی تھیں اور ان کی حالت بری تھی۔ لیکن کھانے کا انتظام تو کرنا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد کھانا تیار ہو گیا۔ کھانے کے بعد میں خان بہادر شہاب سے باتیں کرنے لگا۔ لڑکے لڑکیاں اپنے خیموں میں چلے گئے تھے۔

"پھر رات کو شکار کی تیاریاں ہوئیں اور لڑکے کراہنے لگے۔ "ہم تو کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں ہیں انکل۔ شکار کیا کھیلیں گے۔"

"ایک ایک کو چلنا پڑے گا۔" خان بہادر نے کہا۔

"انکل خدا کے لئے۔" نوید گڑگڑایا۔

"صرف ایک شرط پر جو اس وقت شکار کے لئے تیار نہ ہو گا۔ اسے کل احمد پور روانہ ہونا پڑے گا۔ بولو۔ کس کو یہ شرط منظور ہے؟" سب کے چہرے اتر گئے اور خان بہادر نے میری طرف دیکھ کر آنکھ دبا دی۔ انہیں شرارت سوجھ گئی تھی۔ چنانچہ رات کو سارے شہسوار شکار کے لئے تیار تھے اور خوب دلچسپ شکار رہا۔ ہم سب چاندنی رات میں برف کی سفید چادر پر لومڑیوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ لومڑیوں کا ایک غول نظر آیا لیکن کسی دوسری طرف سے ان پر گولی چلائی گئی تھی۔ اس لئے وہ دوڑ پڑا۔ خان بہادر نے بھاگتی ہوئی لومڑیوں پر کئی گولیاں چلائیں لیکن یہ آسان بات نہیں تھی۔ ہم اور آگے بڑھ گئے۔ پھر ایک لومڑی گھیری گئی۔ اور خان بہادر نے اسے شکار کر ہی لیا وہ قلقاریاں مار رہے تھے اور میں نے اس رات صرف شکار کا جائزہ ہی لیا تھا۔ تقریباً صبح چار بجے تک تین لومڑیاں شکار کی گئیں اور پھر ہم واپس چل پڑے۔

دوسرے دن صبح گیارہ بجے تک سب بے خبر سوتے رہے تھے۔ اس کے بعد ناشتہ وغیرہ ہوا۔ دن کو ایک بجے کے بعد خیمے اکھاڑ لئے گئے۔ اور تقریباً دو میل دور چل کر انہیں دوبارہ نصب کر دیا گیا۔ پھر دوسری رات بھی یہی تفریح رہی خان بہادر نے ان چاروں کی زندگی حرام کر دی تھی۔ اس کے بعد تیسرا دن ہوا۔

اس وقت خان بہادر اپنے خیمے میں آرام کر رہے تھے کہ کسی نے میرے خیمے کا پردہ سرکایا۔ اور ایک آواز سنائی دی۔ "میں اندر آسکتی ہوں۔"

"آیئے۔" میں نے کہا۔ یہ خان بہادر کی لڑکی نوشاب تھی۔

"آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینی ہے۔"

"دیجئے۔" میں نے کہا۔

"باہر آئیں گے؟"

"اگر تکلیف باہر لے جا کر دینا مقصود ہے تو چلئے۔ باہر چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باقی تین افراد بھی برف کے ایک تودے پر اداس بیٹھے ہوئے تھے۔ نوشاب مجھے ان سے ہٹا کر ایک طرف لے گئی۔ وہ سب میری ہی طرف دیکھ رہے تھے۔ کیا ہم لوگ آپ کو شکل و صورت سے شکاری نظر آتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"کم از کم شکار ضرور ہیں؟" میں نے جواب دیا۔
"بڑا درست تجزیہ کیا ہے آپ نے۔ خدا کی قسم ہم واقعی شکار ہو گئے ہیں۔ کیا آپ کو ہماری صحت خراب نہیں نظر آتی؟" وہ مسکین سی شکل بنا کر بولی۔
"ممکن ہے میری نگاہ کمزور ہو کیونکہ ایسی کوئی بات مجھے نہیں محسوس ہو رہی۔"
"دو چار دن اور اسی طرح گزر گئے تو محسوس ہونے لگے گا۔ اچھا یہ بتایئے آپ نے کبھی عشق کیا ہے کسی سے؟" نوشاب نے بیباکی سے پوچھا اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔
"یاد نہیں۔ میرا خیال ہے ایسا کوئی حادثہ نہیں ہوا میرے ساتھ۔"
"ہائے۔ پھر تو آپ بھی خان بہادر ہی ہیں۔ دنیا میں کسی نہ کسی کو تو ضرور چاہا ہو گا آپ نے۔ آپ کو اسی کا واسطہ ہماری مدد کریں۔"
"مگر تکلیف کیا ہے آپ کو بی بی؟" میں نے پوچھا۔
"ہمیں اس برف گردی سے نجات دلائیں۔"
"آپ آئی کیوں تھیں؟"
"راز دار اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ رازدار رہیں۔ کیا آپ ہمارا راز راز رکھیں گے؟" اس نے پوچھا۔
"میرے ہاں کہنے سے آپ یقین کر لیں گی؟"
"ضرور کر لیں گے؟"
"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب فرمایئے؟"
"ادھر" لڑکا اور لڑکی نظر آ رہے ہیں آپ کو۔ یعنی نوید اور شاہینہ۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں اور برف کی سہانی فضاؤں میں رومانی گیت گانے کے لئے آئے تھے کہ لومڑیوں کا شکار ہو گئے۔"
"او ہو ہو۔ واقعی یہ تو افسوس کی بات ہے۔ پر اب؟"
"یہ گیت گانا چاہتے ہیں۔"
"تو مجھے کیا ان کے لئے ہارمونیم اور طبلے کا انتظام کرنا ہے۔" میں نے پوچھا۔ اور وہ بے اختیار مسکرا دی۔ پھر چند ساعت کے بعد بولی۔ "نہیں اللہ کے واسطے آپ ڈیڈی کو تنہا شکار پر لے جائیں ان بے چاروں کا بھلا ہو جائے گا۔ ساری زندگی آپ کو

دعا دیں گے۔"
"اوہ یہ بات ہے۔ ٹھیک ہے آج میں خان بہادر سے کہہ دوں گا کہ شکار میں صرف ہم چار افراد جائیں گے۔ یعنی میں اور خان بہادر اور آپ اور جاوید صاحب۔"
"کک کیا مطلب۔ کیا مطلب؟" وہ پریشان ہو کر بولی۔
"کیوں؟ آپ چونک کیوں پڑیں؟"
"ہم دونوں سے کیا دشمنی ہے آپ کو۔ مم میرا مطلب ہے.........."
"تو کیا آپ دونوں بھی؟"
"تو اور کیا" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔
"ہوں تو یوں کہیں آپ اس برف کی زمین میں رومان بگھارنے تشریف لائے تھے۔ کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ آپ لوگ خان بہادر صاحب کو چکمہ نہیں دے سکیں گے؟"
"بس احمد پور میں بور ہو گئے تھے ہم نے سوچا کہ نادر پور میں۔"
"ٹھیک ہے اب آپ نے مدد طلب کی ہے تو میں کوشش کروں گا۔"
"ہلکی پھلکی کوشش نہیں۔ ڈیڈی آپ کی بات ضرور مان لیں گے؟"
"شادی کریں گے آپ لوگ؟" میں نے پوچھا اور اس نے شرمانے کی کوشش شروع کر دی۔" "مجھے اگر شادی میں بلائیں تو میں یہ کام کر دوں گا۔"
"ایمان سے۔ آپ کہیں بھی ہوں گے میں آپ کو تلاش کر کے ضرور بلاؤں گی۔" نوشاب نے جلدی سے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ بہرحال میں اس کے وعدہ کر کے اٹھ گیا اور اس رات میں نے خان بہادر کو تنہا چلنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ آج ایک نئی سمت اختیار کی تھی۔ خان بہادر کی نگاہیں لومڑیوں کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں اور گہری سانس لے کر بولے۔ "تم بھی شاید رائفل چلانے سے گھبراتے ہو شہاب؟"
"نہیں خان بہادر صاحب۔ یہ بات نہیں۔ میں صرف آپ کا احترام کرتا ہوں۔"
"میرا احترام اپنی جگہ لیکن کیا لومڑیوں کا احترام کرنا بھی ضروری ہے۔" خان بہادر نے ہنس کر کہا۔
"آپ نے میری پوری بات نہیں سنی۔ جس جگہ میں نے نشانہ بازی کی تو پھر

سارے شکار میرے ہی ہوں گے۔"

"یہ بات ہے تو پھر آج کی رات تمہارے نام۔"

"جو حکم۔ اور نمونہ ذرا ملاحظہ فرمایئے۔" میری نگاہ اتفاق سے تین لومڑیوں پر پڑی تھی۔ چنانچہ میں نے رائفل سیدھی کر کے فائر کیا اور ایک لومڑی اچھل کر گر پڑی باقی دو فرار ہونے لگیں لیکن ان کے لئے کوئی اوٹ نہیں تھی۔ اس لئے میں نے دوسرے فائر میں ان دونوں کو سمیٹ لیا۔ خان بہادر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ایک۔ ایک فائر کے بعد تم نے وقفہ کیوں اختیار کیا تھا؟" وہ بے اختیار بولے۔

"تاکہ دوسرے فائر میں ان دونوں کو بیک وقت نشانہ بناؤں۔"

"یہ۔ یہ اعتماد کا کمال ہے۔ گویا اب تک تم میری نشانہ بازی پر دل میں ہنستے رہے ہو گے۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ یقین کریں میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔"

"خدا کی قسم شہاب۔ تمہاری ذات میں میری جوانی پوشیدہ ہے۔ کاش تمہارے بدن میں بھی میرے ہی خون کی بو ہوتی۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مردہ لومڑیوں کو اٹھا کر ہم آگے بڑھ گئے اور جب بات میری رات کی تھی تو میں نے چند ہی گھنٹوں میں اتنا شکار کر لیا جتنا خان بہادر نے کئی دنوں میں بھی نہیں کیا تھا۔ ہمارے گھوڑوں پر لومڑیوں کو لٹکانے کی جگہ بھی نہیں رہی۔ تو ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا خان بہادر حیرت سے گنگ تھے۔

پھر جب ہم واپس اپنے کیمپ کی طرف جا رہے تھے تو ہمیں کسی طرف سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بے شمار شکاری رات میں شکار کرتے تھے۔ لیکن آوازوں میں میں نے دوبار انسانی چیخیں سنیں اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔

"یہ گولیاں۔ کیا آپ نے ان میں کچھ اور آوازیں بھی سنی ہیں؟"

"کیسی آوازیں؟"

"مجھے محسوس ہوا ہے جیسے ان میں انسانی چیخیں بھی شامل ہوں۔ اسی وقت ایک اور چیخ ابھری۔ اوہ تمہاری سماعت۔ بہت تیز ہے اور پھر لوگوں کی آوازیں ایسی ہیں جیسے

آپس میں فائرنگ کا تبادلہ کیا جا رہا ہو۔ یہ شکار کرنے کی آوازیں نہیں ہیں۔"

"میں دیکھوں گا خان بہادر صاحب۔"

"مناسب نہیں شہاب۔ ممکن ہے شکاریوں کے گروہ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ اکثر ایسا بھی ہو جاتا ہے۔"

"پھر بھی میں ضرور دیکھوں گا۔"

"میں بھی چلتا ہوں۔" خان بہادر نے کہا۔

"مناسب نہیں ہے۔ آپ فوراً جاکر ان لوگوں کو دیکھیں۔ انہیں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا اور یہ الفاظ کارگر رہے۔ خان بہادر تیار ہو گئے۔ میں نے لومڑیاں اپنے گھوڑے سے نیچے دھکیل دیں اور پھر آوازوں کی طرف روانہ ہو گیا .... فائرنگ کی آوازیں اب بالکل ست ہو گئی تھیں۔ لیکن میں نے بالآخر شعلے لپکتے دیکھ ہی لئے۔ اس طرح مجھے سمت کا اندازہ ہو گیا۔ لیکن سامنے کے رخ سے وہاں جانا خطرناک ثابت ہوتا۔ اس لئے میں نے گھوڑے کو بائیں سمت کر لیا اور اس کی رفتار بھی ست کر دی۔ میں نے ایک برفانی ٹیلے کو آڑ بنا لیا تھا۔ لیکن پھر میں نے گھوڑے سمیت وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا اور ایک جگہ گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ فائرنگ اب بالکل بند ہو چکی تھی۔ میں برق رفتاری سے اس ٹیلے کی جانب دوڑنے لگا۔ جہاں سے میں دوسری سمت دیکھ سکتا تھا اور پھر میں نے دوسری طرف دیکھا۔ چند خیمے لگے ہوئے تھے لیکن ان کے درمیان کیا ہو رہا تھا۔ یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ پہلا خیمہ بالکل ٹیلے کے درمیان میں تھا اس لئے میں نے ایک لمحہ میں فیصلہ کر لیا اور پھر میں احتیاط سے ٹیلے کی آڑ سے نکل کر خیمے کے عقب میں پہنچ گیا۔ میں نے آہٹیں لیں لیکن یوں لگتا تھا جیسے ٹیلوں کے قریب کوئی موجود نہ ہو۔ اس خیمے کی آڑ سے نکل کر میں دوسرے خیمے کے پاس پہنچ گیا۔ تب میں نے چاندنی میں کچھ سائے دیکھے۔ چار قوی ہیکل آدمی تھے جن کی شکل و صورت واضح نہیں تھی۔ لیکن وہ کوئی چیز گھسیٹ کر لا رہے تھے۔ پانچواں سایہ کسی عورت کا تھا۔ یہ لوگ ابھی خیموں سے کافی دور تھے۔

عورت کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ لیکن میں انہیں واضح طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ وہاں چھوٹے چھوٹے ٹیلے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور ان پر برف جمی ہوئی تھی۔ جس سے وہ برف کے

تودے ہی معلوم ہو رہے تھے۔ چونکہ ان تین چار دنوں میں یہاں برف باری نہیں
ہوئی تھی۔ اس لئے یہ برف کافی سخت ہو گئی تھی۔ صرف تھوڑا سا فاصلہ ان لوگوں کی
نگاہ بچا کر طے کرنا تھا۔ اس کے بعد میں ایک ایسے ٹیلے کے عقب میں پہنچ جاتا۔ جہاں
سے انہیں نہ صرف صاف دیکھا جا سکتا تھا بلکہ ان کی آوازیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔
چنانچہ میں نے جسم کو تولا اور پھر ایک مخصوص انداز میں چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے
میں اس ٹیلے کے عقب میں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس انداز سے دوڑتے ہوئے مجھے
دیکھا نہیں جا سکا ہو گا۔ تاہم چند لمحات میں بے حرکت لیٹا رہا پھر ہر خطرے سے نمٹنے
کے لئے تیار ہو گیا۔ اور پھر جب اطمینان ہو گیا تو میں نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے۔

"احتیاطاً" دیکھ لو۔" مجھے ایک نسوانی آواز سنائی دی اور میں دنگ رہ گیا۔ اس
آواز کو میں نے فوراً" پہچان لیا اور نزدیک سے دیکھنے پر اس کی تصدیق بھی ہو گئی آواز
مادام برجیٹا کی تھی۔ وہ طویل القامت عورت برجیٹا ہی تھی۔ لیکن یہ خطرناک عورت
یہاں کیا کر رہی ہے۔ یہ کون سا کھیل کھیل رہی ہے۔ میں نے سوچا۔

"ہم نے دیکھ لیا ہے مادام۔ بس یہ پانچ ہی تھے۔"

"اوہ بیوقوف آدمی۔ گھوڑے پر بیٹھ کر ذرا دور تک کا چکر لگاؤ کاہلی اچھی چیز نہیں
ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی اور باقی رہ گیا ہو۔ لیکن ٹھہرو شاید تم خوفزدہ ہو۔ یوں کرو دو
آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے جاؤ اور ایک فرلانگ کے علاقے میں نگاہیں دوڑاؤ۔ کسی
کے ساتھ رعایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جو حکم مادام۔" ان میں سے دو آدمی خیموں کی طرف بڑھ گئے۔ تب میری نگاہ
ان لاشوں پر پڑی جو برجیٹا کے قدموں میں پڑی ہوئی تھیں۔

"ان لاشوں کا کیا کیا جائے مادام؟" باقی رہ جانے والوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"میں ان کی تلاشی لیتی ہوں۔ تم برف میں الگ الگ گڑھے کھود کر انہیں دفن
کر دو۔ جاؤ گڑھے تیار کرو۔ اس کے بعد راتوں رات یہاں سے خیمے ہٹا کر ہم یہاں
سے کہیں اور قیام کریں گے۔"

"بہتر ہے۔" دونوں آدمیوں نے کہا اور برجیٹا جھک کر لاشوں کی تلاشی لینے لگی۔
ابھی وہ اس کام میں مصروف تھی کہ دفعتاً" ان میں سے ایک آدمی دوڑتا نظر آیا جو
خیموں کی طرف گئے تھے۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ "مادام۔ مادام۔ ایک اور گھوڑا۔

ہمارے خیموں کے بالکل عقب میں موجود ہے۔ لیکن اس کا سوار موجود نہیں ہے۔"

"اوہ۔ اسے تلاش کرو کہیں وہ نکل نہ جائے۔ تلاش کرو۔ جیکی تم بھی اپنا کام
چھوڑ دو اسے تلاش کرو۔" اور میں نے گہری سانس لی۔ یہ نیا گھوڑا میرا بھی ہو سکتا ہے
جو ممکن ہے آگے بڑھ آیا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسرے گھوڑے ان کے قبضے
میں ہیں۔ لیکن اب اس بات کا امکان تھا کہ وہ اسے تلاش کرتے ہوئے اس طرف بھی
نکل آئیں اور یہ جگہ۔ یہ جگہ اس لحاظ سے قطعی محفوظ نہیں تھی۔ میں نے چاروں
طرف دیکھا۔ چاروں آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر برفانی ٹیلوں کے درمیان چکرانے لگے
تھے۔ ان حالات میں یہاں رکنا خطرناک تھا چنانچہ ایک بار پھر میں نے خیموں کی طرف
دوڑ لگائی۔ مادام برجیٹا تنی کھڑی ہوئی تھی اور اس بار بھی مجھے نہ دیکھا جا سکا۔ میں ایک
خیمے کی آڑ میں پہنچ گیا۔ لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ خیمے کا دروازہ ہے۔ جہاں میں
کھڑا ہوں۔ ابھی مجھے یہاں پہنچے چند لمحات بھی نہیں گزرے تھے کہ کسی نے خیمے کا پردہ
سرکایا۔

اور پھر ایک تیز چیخ مجھے اپنے کانوں کے نزدیک ہی سنائی دی۔ اور میں اچھل
پڑا۔ یہ بھی نسوانی چیخ تھی۔ دوسرے لمحے میں سانپ کی طرح پلٹا اور میں نے چیخنے والی
کو دبوچ لیا اور دوسری گھٹی گھٹی چیخ ابھری۔ جسے میں نے دبوچا تھا اس نے کوئی مدافعت
نہیں کی اور میں نے خونخوار لہجے میں کہا۔ "خبردار۔ تمہاری تیسری چیخ نکلی تو۔" میں
نے خونی نگاہوں سے اسے گھورا۔ لیکن اتنے قریب سے میں اس لڑکی کے خدوخال دیکھ
سکتا تھا اور اسے دیکھ کر میرے ذہن کو جھٹکا لگا اس نے میرا دماغ ہلا کر رکھ دیا۔ میں
اس صورت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ صورت بھی میری جانی پہچانی تھی، یعنی
رانی آف اٹرپور۔

"تم.......... میرے منہ سے حیران آواز نکلی۔"

"مجھے بھی اتنی ہی حیرت ہوئی ہے تمہیں دیکھ کر۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم
برجیٹا کے ساتھ ہو گے۔"

"یہ ایک الگ کہانی ہے۔ لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"بہت کچھ.......... لیکن گفتگو کے لئے یہ مناسب جگہ نہیں ہے۔ آؤ میرے
ساتھ، ایک تنہا گوشے میں رانی آف اٹرپور نے مجھے ایک انوکھی داستان سنائی جو کچھ

یوں تھی کہ برجیٹا درحقیقت ایک افریقی ملک کی سیکرٹ ایجنٹ ہے اور اپنے ملک کے ایک شہزادے کی تلاش میں جو پرنس بورٹو کے نام سے مشہور ہے۔"

"پرنس کے دشمن نہیں چاہتے کہ اپنے باپ کی موت کے بعد اسے حکمرانی ملے۔ وہ بورٹو کو ہلاکت کردینا چاہتے ہیں اور ہم، یعنی میں اور برجیٹا پرنس کی زندگی کے لئے کام کر رہے ہیں۔"

"رانی آف اٹر پور کی بتائی ہوئی اس تفصیل نے مجھے حیران کردیا تھا لیکن بعد میں ڈاکٹر برہان نے اس پوری کہانی کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ کیس ہمارے پاس ہے۔ پرنس بورٹو کرنل شیرازی کی تحویل میں ہے اور تمہیں کرنل شیرازی کے روپ میں ان سے ملاقات کرنا ہے۔" ڈاکٹر برہان نے ایک خوبصورت منصوبہ ترتیب دیا تھا۔ میں اس پر غور کرنے لگا حالانکہ مجھے اس منصوبے کے کچھ پہلوؤں پر اعتراض تھا۔

ڈاکٹر برہان نے ایک اہم فیصلہ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ڈاک پیلس پر چھاپہ مارے گا اور وہاں موجود افراد کو گرفتار کر لے گا۔ لیکن غور کیا تو ڈاکٹر کا فیصلہ ہی مناسب معلوم ہوا۔ چھاپہ مارنے سے وہ لوگ غائب ہو سکتے تھے وہ جتنے چالاک تھے اس کا اندازہ قدم قدم پر ہو چکا تھا اس لئے ان کے لئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" ڈاکٹر برہان نے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ "کیا میرا فیصلہ غلط ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں ڈاکٹر۔" میں نے کہا اور ڈاکٹر مسکرا دیا۔ "مجھے تمہاری اس خوبی سے پیار ہے شہاب۔ تم اعتماد بھی کرتے ہو اور جرات بھی رکھتے ہو۔ میرے کسی فیصلے پر صرف گردن نہیں جھکا دیتے بلکہ اس پر بحث کرتے ہو۔ ڈاک پیلس پر حملہ کرکے ان لوگوں کو گرفتار بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اول تو ہمیں ان کی صحیح تعداد نہیں معلوم۔ دوسرے یہ ضروری نہیں کہ وہ اتنی آسانی سے ہمیں یہاں مل جائیں۔ اس لئے پہلے انہیں اعتماد میں لینا ضروری ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں ڈاکٹر۔" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"کیا خیال ہے تمہارا۔ کیا میرا یہ فیصلہ غلط ہے؟"

"مجھے کرنل شیروانی کے میک اپ میں ان لوگوں سے ملاقات کرنا ہو گی اور ان کی اس قوت کے بارے میں اندازہ لگانا ہو گا جو یہاں مصروف عمل ہیں؟" میں نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں' یہ بات طے ہے کہ وہ بہترین ذرائع رکھتے ہیں۔ شاہ کائی ٹس نے حالانکہ انتہائی ذہانت سے انہیں الجھایا تھا ورنہ کہاں بلجیم اور کہاں ہمارا ملک کوئی مماثلت ہی نہیں تھی۔ لیکن وہ لوگ صحیح حالات کا تجزیہ کرتے رہے اور بالاخر صحیح جگہ پہنچ گئے۔ کیا یہ معمولی بات ہے؟"

"نہیں۔ معمولی بات تو نہیں ہے۔"

"اس سے تم ان لوگوں کی اعلیٰ کارکردگی کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" برجیٹا بھی ذہین عورت ہے لیکن وہ ان لوگوں کو کافی نقصان پہنچانے کے باوجود ان کے مقابلے میں ناکام رہی ہے۔ اس نے اسنو پوائنٹ پر ان کے جتنے آدمیوں کو ہلاک کیا تھا اٹرپور ہاؤس کو تباہ کرکے انہوں نے اس کا انتقام لے لیا ہے اور ان کی صحیح تعداد ہمیں اس وقت تک نہیں معلوم جب کہ برجیٹا کا اب کوئی آدمی اس کے ساتھ نہیں ہے اور وہ تنہا رہ گئی ہے۔ اگر صحیح معنوں میں جائزہ لیا جائے تو انہوں نے برجیٹا کو معطل کر دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گئی ہے۔ گویا برجیٹا کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ یوں سمجھو کہ وہ سرکاری طور پر تو اس ملک میں آئی ہی نہیں ہے اور یہاں آکر اس نے کافی حد تک مجرمانہ کارروائیاں کی ہیں۔ چنانچہ اگر وہ حکومت سے براہ راست مدد لینے کی کوشش کرتی تو الٹی پھنس جاتی۔ ان حالات میں کیا اب برجیٹا کے اندر ان سے مقابلہ کرنے کی سکت باقی رہ گئی ہے؟" ڈاکٹر برہان نے پوچھا۔

"نہیں ڈاکٹر برہان آپ کا خیال درست ہے۔ اب تو صرف برجیٹا کی اپنی ذات رہ گئی تھی۔ یقیناً وہ اسے بھی تلاش کرکے اپنے راستے سے ہٹا دیتے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"چنانچہ ان حالات میں ہمیں ان کے بارے میں مکمل طور پر جائزہ لینا ہو گا۔ جلد یا بدیر وہ کرنل شیروانی کو تلاش کر ہی لیتے اور اس کے بعد پرنس بورٹو کو قابو میں کرنا ان کے لئے مشکل نہ ہوتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میں آپ سے متفق ہو چکا ہوں ڈاکٹر۔" میں نے یہ تفصیل ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

"تو پھر اب میرا پروگرام بھی تمہاری سمجھ میں آگیا ہو گا۔"

"براہ کرم مجھے کچھ اور تفصیل سے آگاہ کریں۔"

"بس تفصیل یہ ہے مسٹر شہاب کہ تم کرنل شیروانی کے میک اپ میں ان لوگوں سے ملاقات کرو گے اور اسی قسم کا اظہار کرو گے جیسے تم ان سے حسب معمول متاثر ہو اور ان کی امانت ان کے سپرد کر دینے کے خواہش مند ہو۔ اپنے طور پر تم کسی شک و شبے کا اظہار نہیں کرو گے۔ ان سے پرنس بورٹو کو ان کے حوالے کرنے کا وعدہ کر لینا۔"

"ایک سوال اور ڈاکٹر۔" میں نے کہا اور ڈاکٹر برہان سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ "میں ان لوگوں سے پرنس بورٹو کو ان کے حوالے کرنے کا وعدہ کر لوں؟"

"ہاں یقیناً۔ ان کی امانت تو ان کے سپرد کرنا ہی ہو گی۔ تم اس سلسلے میں اپنے جذبات کا اظہار کر سکتے ہو کہ تم بھی پرنس کو بہت چاہتے ہو۔"

"اگر وہ فوری طور پر پرنس کو طلب کریں اور اپنے کسی آدمی یا افراد کو میرے ساتھ بھیجیں تو؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تمہاری ذہانت پر منحصر ہے کہ انہیں کچھ وقت کے لئے ٹال دو۔"

"مناسب۔" میں نے گردن ہلا دی۔ "یہ کام کب کرنا ہو گا؟"

"اس سے قبل کرنل شیروانی اور پرنس بورٹو سے ملاقات بھی تو کرنی ہو گی۔" ڈاکٹر برہان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً"۔"

"اور اس کے لئے میں نے آج رات ان سے ملاقات کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں شام تک انتظامات مکمل کر لوں گا۔" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا۔

"اس موضوع پر اور کوئی گفتگو باقی رہ گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" ڈاکٹر برہان نے قطعی لہجے میں کہا اور میں اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

گویا اب شام تک کی فرصت تھی۔ اور فرصت کے ان لمحات کو گزارنے کا فیصلہ ایک مشکل امر تھا۔ میں اس کارروائی کے لئے خود کو پرسکون بھی رکھنا چاہتا تھا اس لئے باہر نکلنا مناسب نہیں تھا اور یہاں شیطانوں کا ٹولہ موجود تھا۔ لیکن میں نے ان سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ رانی آف اٹرپور ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس کے علاوہ صاحب ثروت تھی۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اس خوش بختی پر نازاں ہوتا۔ اور فوراً رانی آف اٹرپور کی پیشکش قبول کر لیتا۔ ظاہر ہے پوری زندگی عیش سے گزرتی اور کسی

فضول سی زندگی کا تصور ہی ختم ہو جاتا۔ اب میں اتنا گاؤدی بھی نہیں تھا کہ ایک چھوٹی سی ریاست کے امور سے نہ نمٹ سکتا۔ لیکن یہاں تو بھیجے کی ساخت ہی غلط تھی۔ کسی ایک محور پر ٹک جانا قبر میں چلے جانے کے مترادف تھا۔ اس لئے بھلا میں رانی صاحبہ کے قابل کہاں تھا۔ لیکن وہ عورت بھی سر پھری تھی۔ خواہ مخواہ پیچھے لگی ہوئی تھی۔ قابل رحم بھی تھی کہ اس کی عقل خبط ہو گئی تھی۔ ورنہ سراب کے پیچھے کون دوڑتا ہے۔ ڈاکٹر برہان کے کمرے سے نکل کر میں ایک راہداری میں پہنچ گیا۔ راہداری کے ایک کمرے کے دروازے سے شارق نکلا اور مجھے دیکھتے ہی دونوں پاؤں زمین پر مار کر اٹین شن ہو گیا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "باادب باملاحظہ ہوشیار مہاراجہ آف اثرپور تشریف لا رہے ہیں۔" اس نے لمبی آواز میں کہا.......... اور میں مسکراتا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ شارق نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گردن جھکا لی تھی۔ تب میں نے اس کی گدی پر ایک ہاتھ رکھ دیا۔" حرکتوں سے باز نہیں۔آؤ گے تم؟"

"عالیجاہ' جہاں پناہ ہمیں بھی کوئی اچھی سی نوکری مل جائے۔"

"کیا فضول باتیں لگا رکھی ہیں۔ شارق بور مت کرو۔"

"کیا مطلب.......... یعنی جناب قبلہ راجہ آف اثرپور خادم کی اس بات سے بور ہو رہے ہیں۔"

"آؤ آؤ۔ بکواس کریں کہیں بیٹھ کر۔" میں نے دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔ "یار خوش نصیبی قدم قدم پر تمہارے قدم چومتی ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ ہم کونسا قدم اٹھائیں کہ یہ خوش نصیبی ہماری بھی قدم بوسی کرے۔"

"واہ' شاعری پر اتر آئے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں' شاعری پر نہیں' تم اسے حسرت نصیبی کہہ سکتے ہو۔ یہاں زندگی میں کبھی عشق کرنے کی کوشش کی تو ناکام رہے۔ کوئی نہ کوئی کھپلا پڑ ہی گیا۔ اور تم ہی دیکھو وہ خانہ بدوش حسینہ جس نے دماغ خراب کرکے رکھ دیا تھا۔ یار خدا کی قسم آج بھی کبھی کبھی وہ یاد آجاتی ہے۔ نہ جانے ذہن کے کون سے گوشے میں محفوظ رہ گئی ہے۔"

"چلے جاؤ وہاں۔ میرا خیال ہے مل جائے گی اور تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گی۔

لیکن خانہ بدوش تمہاری تکہ بوٹی کرکے پھینک دیں گے۔"

"میری بات چھوڑیئے راجہ آف اثرپور آپ اپنی سنائیے.......... ان گناہگار آنکھوں نے جو مناظر دیکھے ہیں کیا میں انہیں بھول جاؤں۔ ہائے شعلہ حسن سینے سے لپٹا ہوا تھا اور آپ اس قدر بے نیاز تھے جیسے کسی فقیر کو خیرات دے رہے ہوں۔"

"وہ پاگل عورت ہے۔ میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"پاگل نہ ہوتی تو تم جیسے پتھر سے سر پھوڑتی لیکن اس کا کرو گے کیا؟"

"جہنم میں جائے۔ مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اللہ.........." شارق زنانہ انداز میں مسکتے ہوئے بولا۔ "ہماری بھی تقدیر ایسی ہی بنا دے"

"اچھا یہ بتاؤ کیا تم سب اس وقت موجود تھے۔ جب رانی آف اثرپور صاحبہ حماقت فرما رہی تھیں؟"

"ارے ہماری آنکھوں میں تو روشنی اتر رہی تھی۔ کچھ بھی ہو ہمارے دوست تو ہو۔ راجہ بن جاؤ گے تو ہمارے بھی عیش ہو جائیں گے۔ کم از کم اور کچھ نہ سہی لوگوں سے کہہ تو سکیں گے کہ اتنی بڑی ریاست کا راجہ ہمارا دوست ہے۔"

"لعنت ہے اس پر اور لعنت ہے تم سب پر۔ خواہ مخواہ مجھے بور کر رہے ہو۔" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے پیچھے ہی شارق نے آواز لگائی تھی۔ "با ادب باملاحظہ ہوشیار.........." لیکن میں اس کی آواز پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اور اب میں برجیٹا کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ رانی آف اثرپور بھی وہیں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر دونوں مسکرا دیں۔ برجیٹا کا چہرہ پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔ رانی آف اثرپور البتہ محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آیئے مسٹر شہاب' بیٹھیں۔ ہم دونوں بڑی بور ہو رہی ہیں۔"

"خواتین میں ایک بہت بڑی خوبی ہوتی ہے۔ وہ ہر حال میں خود کو ماحول سے بے نیاز کر لیتی ہیں۔ میرا خیال ہے جن حالات سے آپ دونوں خواتین گزر رہی ہیں۔ ان میں بور ہونے کی تو گنجائش ہی نہیں نکلتی اس کے باوجود آپ بور ہو رہی ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اسے بھی تم بے بسی کی انتہا کہہ سکتے ہو شہاب۔" رانی آف اٹرپور بولی۔

"کیوں۔ ایسی کیا بے بسی ہے؟"

"برجیٹا ابھی اس موضوع پر بات کر رہی تھی۔ اس کا خیال ہے کہ اس نے خود کو کبھی عورت نہیں سمجھا۔ ہمیشہ وحشیانہ کھیلوں کی شائق رہی ہے۔ خون بہانا اس کے لئے کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اور زندگی میں گزرنے والے واقعات نے ہمیشہ اسے سایہ دیا ہے۔ لیکن پہلی بار وہ اس قدر بے بس ہوئی ہے کہ اسے یاد آگیا کہ وہ عورت ہے۔ اور اب وہ خود کو صرف ایک عورت محسوس کر رہی ہے۔"

"کیوں مس برجیٹا۔ کیا یہ حقیقت ہے؟" میں نے برجیٹا کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ "ہاں مسٹر شہاب۔ بعض اوقات خیالات ذہن بھٹکا دیتے ہیں۔ میں نے زندگی میں جو بھی کام کیا بھرپور اور کامیاب انداز میں کیا۔ ناکامی کا منہ پہلی بار دیکھنا پڑا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ میری جگہ اگر کوئی مرد ہوتا تو کیا وہ بھی خود کو اس قدر بے بس محسوس کرتا؟"

"یہ تو حالات کا اتفاق ہے مس برجیٹا یہاں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ ان لوگوں کے ساتھ ایک پوری قوت متحرک ہے۔ جب کہ آپ بہت مختصر سے انتظامات کے ساتھ یہاں آئی تھیں۔"

"ہاں یہ بنیادی غلطی ہوئی۔ میرا خیال ہے شاہ کائی لُس کو ایک مضبوط پروگرام بنانا چاہئے تھا۔ اور اسے ہر حال میں مقامی حکومت سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔"

"جو گزر چکی ہے اسے بھول جانا بہتر ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"بھول کر ہی تو بوریت کا احساس ہوا ہے۔ اگر ان حالات کو یاد کرتے رہتے تو پھر بوریت کے بجائے دہشت کا شکار ہوتے۔" رانی آف اٹرپور بولی۔

"میں تو شاہانہ فیروز کے لئے پریشان ہوں۔ اگر مجھے حالات کے اس قدر خطرناک ہونے کا احساس ہوتا تو میں اسے ان معاملات میں ملوث نہ کرتی۔" برجیٹا نے کہا۔

"بڑی خود غرض ہو تم برجیٹا۔ کسی دوسرے کو دیکھتے ہی مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس سے قبل تو تم نے ایسی بات نہیں کہی تھی۔" رانی آف اٹرپور بولی اور برجیٹا ہنستی رہی۔ اسی وقت فیضان اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں چائے کے برتن تھے جنہیں اس نے نہایت احترام سے ہمارے سامنے رکھ دیا اور سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

میں ان لوگوں کی شرارتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

شام تک یہ تفریحات جاری رہیں۔ دوپہر کے کھانے پر بھی فیضان اور ماجدہ وغیرہ شرارتیں کرتے رہے تھے۔ ان کی شرارتوں کو صرف میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ سب میری مدارات میں لگے ہوئے تھے۔ کھانے میں شریک ہونے پر بھی انہوں نے تکلف کیا اور پھر اس طرح با ادب بیٹھے رہے جیسے انہیں کھانے میں شریک کرکے کوئی بڑا اعزاز بخشا گیا ہو۔

شام کو سات بجے ڈاکٹر برہان نے مجھے طلب کر لیا۔ دن میں وہ کہیں چلا گیا تھا۔ جب میں اس کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے مسکرا کر میرا خیرمقدم کیا۔ "انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم کرنل شیروانی سے ملاقات کرنے چلیں گے۔"

"مناسب.........." میں نے مختصراً کہا۔ "کیا کرنل شیروانی کو اس ملاقات کی اطلاع دیدی گئی ہے؟"

"ہاں وہ ساڑھے آٹھ بجے ہمارا انتظار کریں گے۔" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر ٹھیک آٹھ بجے میں ڈاکٹر برہان کے طلب کرنے پر باہر نکل آیا اور اس سیاہ رنگ کی وین میں بیٹھ گیا جسے فیضان ڈرائیور کر رہا تھا۔ ڈاکٹر برہان بھی وین میں موجود تھا۔ ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ڈاکٹر برہان نے کے اشارے پر وین چل پڑی غالباً" فیضان کو راستے کے بارے میں ہدایات دیدی گئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وین ایک خوبصورت عمارت کے چوڑے گیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔ خاصی کشادہ اور حسین عمارت تھی۔ عمارت کے برآمدے میں کرنل شیروانی نے ہمارا استقبال کیا خوبصورت اور کشادہ پیشانی والا یہ شخص صورت ہی سے فوجی معلوم ہوتا تھا۔ اس عمر میں بھی بہترین صحت تھی۔ حالانکہ سارے بال سفید ہو چکے تھے۔ بڑی بڑی گھنی مونچھوں کی چھاؤں میں اس نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا اور ڈاکٹر برہان اور مجھ سے مصافحہ کرکے ہمیں اندر آنے کے لئے کہا۔ ڈاکٹر برہان کی وہیل چیئر کو اس نے کسی قدر تاسف سے دیکھا تھا۔ "مجھے آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی ڈاکٹر.......... لیکن یہ..........؟" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور ڈاکٹر مسکرا کر رہ گیا۔ "بہرصورت آپ جیسے باہمت اور اولوالعزم لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ اگرچہ آپ پیروں سے معذور ہیں لیکن آپ نے کتنی اہم ذمہ داریاں سنبھال رکھی ہیں۔"

"نوازش.........." ڈاکٹر برہان نے مختصراً جواب دیا اور کرنل شیروانی ہمیں لیکر ایک بڑے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ اتنی حسین کوٹھی کا ڈرائنگ روم بھی اتنا ہی حسین ہونا چاہئے تھا۔ جتنا کہ یہ تھا۔ ہم آرام دہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ تب کرنل شیروانی نے کہا۔ "بڑے عجیب و غریب حالات ہیں مجھے اس وقت بھی یہ احساس تھا جب شاہ کائی ٹس نے میری جان بچانے کے بعد شہزادہ بورٹو کو میرے حوالے کیا تھا۔ لیکن اس بات کا امکان نہیں تھا کہ حالات اتنا سنگین رخ اختیار کر جائیں گے۔ بعض اوقات تو میں اپنے بارے میں بھی سوچنے لگتا ہوں۔"

"کیا کرنل شیروانی؟" ڈاکٹر برہان نے سوال کیا۔

"یہی کہ میں براہ راست ان معاملات میں ملوث نہ ہو جاؤں۔ دراصل ڈاکٹر برہان' حالات انسان کو بہت بزدل بنا دیتے ہیں۔ میری ذمہ داریاں اب مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں بھاگ دوڑ کی زندگی میں حصہ لوں۔"

"یقیناً کرنل' لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اپنا فرض پورا کر چکے ہیں۔" ڈاکٹر برہان نے کہا۔

"فرض؟" کرنل شیروانی نے مسکراتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر برہان کی طرف دیکھا۔

"ہاں فوج کی زندگی اتنی مصروف ہوتی ہے کہ اگر آدمی اس میں چند سال بھی گزار لے تو اس کے بعد باقی عمر آرام کرنے کے لئے ہی رہ جاتی ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر یہ بات نہیں ہے ہمیں تو ابتدائی تربیت یہی دی جاتی ہے کہ زندگی اسی مصروفیت کا نام ہے۔ لیکن اب ان مصروفیتوں کو ترک کئے ہوئے بھی ایک عرصہ بیت گیا اور اب میں تن آسان زندگی کا عادی ہو گیا ہوں۔ تاہم میرے اپنے کچھ معمولات ہیں جن پر عمل کرکے میں آج بھی خود کو فوجی محسوس کرتا ہوں۔" کرنل شیروانی نے کہا اور ہم سب ہنسنے لگے۔ پھر وہ بولا۔ "بہرصورت حالات کیا ہیں۔ کیا مجھے ان کے بارے میں بتانا پسند کریں گے آپ؟"

"کیوں نہیں کرنل۔ کسی حد تک تو میں آپ کو ٹیلیفون پر بتا ہی چکا ہوں۔ مختصراً تفصیل یہ ہے کہ شاہ کائی ٹس کو اپنے بیٹے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے مخالفین نہیں چاہتے کہ پرنس بورٹو اپنے وطن واپس پہنچے اور عنان حکومت سنبھالے۔ چنانچہ

انہوں نے پرنس بورٹو کو قتل کرنے اور شاہ کائی ٹس کے اس منصوبے کو ناکام کرنے کا عزم کر رکھا ہے اور شاہ کائی ٹس کے بھیجے ہوئے افراد کے ساتھ یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ یہاں ان لوگوں میں آپس میں کافی چپقلش رہی اور شاہ کائی ٹس کے بھیجے ہوئے افراد کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تب اتفاقاً وہ ہم تک پہنچ گئے اور میں نے حکومت کے تعاون سے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ پرنس بورٹو کو شاہ کائی ٹس کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"گڈ۔ بہت عمدہ قدم ہے آپ کا اور اگر محسوس نہ کریں تو ایک پیش کش میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔" کرنل شیروانی نے کہا۔

"وہ کیا کرنل؟"

"میں نے ابھی آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ ہمیں ابتدائی تربیت اسی بات کی دی جاتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو ہمیشہ مصروف عمل رکھیں۔ گو میں زندگی کی یہ نہج ترک کر چکا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ ایک بار پھر اس جدوجہد میں حصہ لوں۔"

"وہ کس طرح کرنل شیروانی؟" ڈاکٹر برہان نے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ پرنس بورٹو کو اس کے وطن تک پہنچانے میں بھی آپ کے ساتھ رہوں۔"

"یہ سوچ لیں کہ اس مہم میں خاصی مشکلات پیش آئیں گی کرنل شیروانی۔"

"یقیناً.......... میں نے کہا تھا ناکہ میرے حالات مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ میں اب کسی مہم میں حصہ لوں۔ لیکن خواہشات کو انسان کہاں دبا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اجازت دیں۔"

"میں آپ کے لئے گنجائش نکالوں گا کرنل شیروانی!"

"نہایت شکر گزار ہوں گا میں آپ کا اور اس کے علاوہ کچھ دلی جذبے بھی ہیں۔ پرنس بورٹو ایک طویل عرصے سے میرے ساتھ ہے اور یہاں اس نے میری اولاد ہی کی طرح پرورش پائی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کسی کی امانت ہے اور وہ بہرحال مجھے واپس کرنا تھی میں نے خود کو اسی لئے تیار کیا تھا اور آج بھی اس کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اگر میں اپنے اس رشتے کو جسے ہم ان چند برس کے ساتھ کا رشتہ کہہ سکتے ہیں اس حد تک نبھانے کی کوشش کروں کہ اسے واپس شاہ کائی ٹس کی خدمت میں پیش کردوں

تو مجھے دلی مسرت ہو گی۔ اس سلسلے میں، میں آپ کے تعاون کا طلب گار ہوں۔"

"بہتر ہے کرنل شیروانی۔ میں آپ کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔" ڈاکٹر برہان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تب فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"وہ اشتہارات جو اخبارات میں دیئے گئے تھے آپ کی نگاہوں سے ضرور گزرے ہوں گے۔ دراصل وہ اشتہارات پرنس بورٹو کے دشمنوں کی جانب سے تھے۔ چونکہ وہ لوگ شاہ کائی ٹس کے بھیجے ہوئے افراط کو معطل کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے یہی سوچا کہ اس طرح آپ کو اپنی طرح رجوع کرکے خود کو شاہ کائی ٹس کے ساتھیوں کی حیثیت سے پیش کریں اور پرنس بورٹو پر قبضہ کر لیں۔" ڈاکٹر برہان نے بتایا۔

کرنل شیروانی کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ چند ساعت وہ متحیرانہ انداز میں ہمیں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میری چھٹی حس نے یہاں بھی میری مدد کی۔ آپ یقین کریں ڈاکٹر کہ مجھے وہ اشتہار پہلی ہی نگاہ میں مشکوک محسوس ہوا تھا۔ اس دوران شاہ کائی ٹس کے تین افراد مجھ سے ملاقات کر چکے ہیں۔ گو آخری فرد کو ملاقات کئے ہوئے تقریباً پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ہر بار صحیح لوگ صحیح جگہ پر پہنچے۔ پھر اشتہار کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے صرف ایک بات پر حیرت ہے۔"

"کس بات پر؟"

"ان لوگوں نے کتنی ذہانت سے ساری تفصیلات معلوم کر لیں.......... اشتہار میں انہوں نے اس واقعے کی کتنی مناسب عکاسی کی تھی جو مجھے شاہ کائی ٹس تک لے گیا۔ اس سے صرف ایک اندازہ ہوتا ہے۔"

"وہ کیا کرنل؟" ڈاکٹر برہان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"شاہ کائی ٹس کے کچھ لوگ اس کے دشمنوں سے جا ملے ہیں اور انہوں نے اس واقعے کی نشاندہی کی ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی کہ دشمنوں نے کسی ایسے آدمی کو قابو میں کرکے یہ راز حاصل کر لیا ہو جو شاہ کا دوست اور اس کا ہمراز تھا۔"

"ہاں ممکن ہے۔ حالانکہ بہت کم لوگ اس وقت کے راز دار تھے۔"

"بہرحال یہ بات ہمارے لئے قابل بحث نہیں ہے۔ ہم تو پرنس بورٹو کو واپس

اس کی حکومت کو دینے کے خواہش مند ہیں۔"

"اس فرض میں آپ تنہا نہیں ہیں۔ میرے اوپر بھی میرے دوست کائی ٹس کی یہ خدمت فرض ہے اور میں اس فرض کو ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"پرنس بورٹو کہاں ہیں؟" ڈاکٹر برہان نے پوچھا۔

"ملاقات کرنا چاہتے ہیں ان سے؟"

"یقیناً۔" ڈاکٹر برہان بولا۔ میں اس دوران خاموش ہی رہا تھا۔ تب کرنل شیروانی نے گھنٹی بجائی اور ایک ملازم اندر آگیا.......... "آپ کیا پینا پسند کریں گے ڈاکٹر؟"

"کافی پلوا دیں۔" ڈاکٹر بے تکلفی سے بولا۔ اور کرنل شیروانی نے ملازم کو کافی لانے کے لئے کہہ کر کسی سعدی کو بھیجنے کے لئے کہا اور ملازم سر جھکا کر چلا گیا۔

"آپ لوگ اسے سعدی کے نام سے پکارتے ہیں۔" ڈاکٹر برہان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" کرنل نے کسی قدر بھاری لہجے میں کہا۔ "وہ یہاں سے چلا جائے گا تو اس کی کمی کسی طور پر پوری نہیں ہو سکے گی ڈاکٹر۔ لیکن امین کو یہ دکھ تو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔"

"سلیپنگ سوٹ میں ملبوس ایک سیاہ فام نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ نقش و نگار سو فیصدی افریقی تھے۔ بدن بھی کسا ہوا تھا لیکن چہرے پر ایک عجیب سی نرمی پائی جاتی تھی۔ مسکراہٹ بڑی جاندار تھی۔ یہ پرنس بورٹو تھا۔ "ہیلو.........." اس نے مہذب انداز میں گردن جھکائی۔

"ہیلو پرنس۔" ڈاکٹر برہان نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ابھی نہیں۔ براہ کرم ابھی نہیں۔ انہوں نے مجھے سعدی کہا ہے اور سعدی کی عظمت میرے سینے میں چھپی ہوئی ہے۔ ابھی مجھ سے میرے خواب نہ چھینیں۔ حالانکہ ہر شے چھن جانے کے لئے ہے۔" وہ نستعلیق اردو میں بولا اور ڈاکٹر نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ "خوب۔ آپ کی کوشش قابل داد ہے کرنل۔"

"بیداد میرے ساتھ ہوئی ہے۔ بس ایک اجنبی شناسا ہوں۔ جن وادیوں میں، مجھے اپنوں کے درمیان بھیجا جا رہا ہے وہ میرے لئے اجنبی ہیں آپ لوگ خود سوچئے میں کیا رہوں گا۔ کیا یہ میرے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟"

"لیکن حقیقت، حقیقت ہوتی ہے، مسٹر سعدی۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں۔ گو مجھے اس حقیقت کا سبق ہمیشہ دیا گیا ہے۔ لیکن میری روح میں یہ فضائیں رچی ہوئی ہیں۔ بڑے تلخ دور میں داخل ہو رہا ہوں میں.........."

"سعدی شاعر ہے۔ آپ نے میکش کے نام سے اسے پڑھا ہو گا۔ اکثر مشاعروں میں اس کے نام کی بازگشت گونجتی ہے۔" کرنل نے بتایا۔

"خوب۔ واقعی یہ افریقہ کا عجوبہ ہے۔ لیکن مسٹر سعدی کیا آپ کو یہ بات بچپن ہی سے بتائی گئی ہے کہ آپ پرنس بورٹو ہیں؟"

"ہاں مجھے بچپن سے ہی یہ بتایا گیا ہے۔ لیکن اس وقت میں یہ سمجھتا تھا کہ پاپا جب ناراض ہوتے ہیں تو یہ بات کہتے ہیں مجھے کیا معلوم تھا کہ پاپا ایک دن سچ مچ ناراض ہو جائیں گے اور مجھے معاف نہیں کریں گے۔" اس کی آواز بھرا گئی اور کرنل کی آنکھوں میں نمی جھانکنے لگی۔ "تم نے وعدہ کیا تھا سعدی کہ ایسی گفتگو نہیں کرو گے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں بھی ایک کمزور انسان ہوں پاپا۔ آپ اس بات کو نظرانداز نہ کیا کریں۔ بہرحال میں معافی چاہتا ہوں۔" سعدی نے کہا اور پھر مسکرانے لگا۔ "آپ دونوں حضرات؟" اس نے سوالیہ انداز میں ہمیں دیکھا اور کرنل نے ہم دونوں کا تعارف کرایا۔ "خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"ملازم کافی لے آیا اور کافی کے دوران ہم لوگ گفتگو کرتے رہے۔ کرنل شیروانی اور سعدی جذبات سے نکل آئے تھے اور کرنل پوچھ رہا تھا کہ پرنس بورٹو کو بحفاظت لے جانے کے لئے کیا انتظامات کئے جائیں گے؟

"ابھی اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا ہے لیکن فوجی حکام ہم سے تعاون پر آمادہ ہیں اور اس سلسلے میں کوئی بہتر پروگرام ترتیب دیا جائے گا.......... فی الحال میں نے ایک اور سلسلے میں آپ کو زحمت دی ہے۔"

"جی۔ فرمایئے؟" کرنل شیروانی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"میں ان لوگوں سے نمٹنا چاہتا ہوں جو شاہ اور پرنس کے دشمن ہیں۔ اس سلسلے میں میرے لوگ بہت جلد ڈاک پیلس میں ان سے ملاقات کریں گے۔"

"اوہ۔ اس اشتہار کے جواب میں؟"

"جی کرنل۔ اور آپ کی حیثیت سے۔"

"کیا مطلب۔ میری حیثیت سے؟" کرنل چونک پڑا۔

"ہاں، پرنس بورٹو کی واپسی کے مذاکرات کرنے کے لئے۔ لیکن در حقیقت ہم ان کے بارے میں اندازہ لگا کر ان کے لئے جال بچھانے کی کوشش کریں گے۔"

"خوب۔ عمدہ پروگرام ہے۔ لیکن آپ میری حیثیت سے کسے بھیجیں گے۔ ظاہر ہے وہ میرا پتہ نہیں جانتے لیکن میری شخصیت سے اس قدر لاعلم بھی نہیں ہوں گے کہ کسی دوسرے شخص کو میری حیثیت سے قبول کر لیں.........."

"اس کے لئے میک اپ استعمال کیا جائے گا۔"

"ظاہر ہے آپ لوگوں کا اپنا طریقہ کار ہو گا لیکن کیوں نہ اس کے لئے آپ مجھے ہی استعمال کریں؟"

"اس پیشکش کا شکریہ کرنل۔ میں نے بھی آپ سے ملاقات کے بعد ایک لمحے کے لئے اسی انداز میں سوچا تھا۔ لیکن مناسب نہ ہو گا۔"

"کیوں؟"

"ہمیں موقع کے لحاظ سے گفتگو اور عمل کرنا ہو گا۔ کچھ دوسرے ایسے کام بھی اس وقت انجام دینا ہوں گے جن کے ذریعہ ہم ان پر اپنی گرفت کر سکیں۔"

"اوہ۔ یقیناً یقیناً۔ آپ سے مل کر اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ اعلیٰ پیمانے پر یہی کام کریں گے۔ بہرحال بہتر ہوا ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ میرے لئے جو ہدایت ہو فرما دیں۔"

"احتیاطاً آپ پرنس بورٹو کو یہاں سے ہٹا دیں اور کسی ایسی محفوظ جگہ رکھیں جہاں وہ لوگ آپ تک نہ پہنچ پائیں بلکہ مناسب تو یہ ہو گا کہ آپ خود بھی اپنے اہل خاندان کے ساتھ وہاں سے ہٹ جائیں۔"

"اگر آپ پسند کریں تو بورٹو کو اپنی تحویل میں لے لیں۔ ممکن ہے میں اس کی مناسب حفاظت نہ کر سکوں۔"

"اگر آپ کو اور پرنس کو اعتراض نہ ہو تو۔"

"مجھے اعتراض نہیں ہے۔ یہ میرے پاس امانت ہے اور امانت کی حفاظت کرنے کا میں بھی اتنا ہی خواہش مند ہوں جتنا آپ لوگ۔"

"براہ کرم پرنس بورٹو' آپ تیار ہو جائیں۔"

"بہتر ہے۔" بورٹو نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ کرنل نے ایک گہری سانس لی تھی۔ پھر وہ بولا۔ "اس کی ذہنی کیفیت سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ لیکن اسے حقیقت تسلیم کرنا ہو گی۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم کرنل شیروانی سے رخصت ہو گئے۔ بورٹو ہمارے ساتھ تھا۔ اب اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا اور وہ پرسکون نظر آرہا تھا۔ راستے میں میں نے اس سے کہا۔ "آپ بہت غمزدہ ہیں مسٹر سعدی؟"

"میں بورٹو ہوں۔ شاہ کائی لس کا بیٹا۔ اس لئے براہ کرم آپ مجھے بورٹو کے نام سے ہی مخاطب کریں۔ پاپا بھی تو بے قصور ہیں۔ ویسے میرے اندر ایک انوکھی قوت پوشیدہ ہے۔ جب میرا ذہن حالات کو قبول کر لیتا ہے تو پھر میں دوسرے مفروضات بھول جاتا ہوں۔" وہ آہنی لہجے میں بولا۔

"آپ کے لئے یہی بہتر ہے پرنس.......... ویسے' اگر آپ حالات پر قابو پالیں تو آپ کے لئے یہ مشکل نہ ہو گا کہ ایک شہنشاہ کی حیثیت سے آپ کرنل شیروانی اور ان کے خاندان کو اپنے پاس ہی بلا لیں۔" ڈاکٹر برہان نے کہا اور پرنس بورٹو چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر کچھ سوچتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "آپ کا شکریہ ڈاکٹر۔ آپ نے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ واقعی میں نے اس انداز میں کبھی نہیں سوچا۔ یہ تو آسان سی بات ہے۔ پاپا کی ذمہ داریاں مجھے معلوم ہیں۔ وہ باآسانی میرے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اوہ' واقعی اس طرح تو بہت زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔"

"تعجب ہے۔ آپ نے یہ بات نہیں سوچی۔"

"بس عقل خبط ہو جاتی تھی اپنے بارے میں سوچ کر۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نئی دنیا میں رہنا ہے۔ بعض اوقات انسان پر ایسی کیفیات بھی طاری ہو جاتی ہیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ ڈاکٹر برہان۔ میں خاصا سکون محسوس کر رہا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے پرنس۔" ڈاکٹر برہان نے کہا۔

"بعض حقیقتیں بڑی انوکھی ہوتی ہیں۔ میں نے صحیح معنوں میں اسی ماحول میں ہوش سنبھالا ہے۔ گو پاپا بڑی دیانت داری کے ساتھ میرے ذہن میں میرے ماحول کی

یاد تازہ کرتے رہے ہیں۔ وہ مجھے بتاتے رہے ہیں کہ میری ایک ماں ہے' باپ ہے۔ میں حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ لیکن میں ان باتوں کو ایک کہانی کی حیثیت سے سنتا رہا ہوں۔ میں نے خود کو کبھی اس شہزادے کے کردار میں نہیں پایا۔ بہرحال آپ کے ان چند الفاظ کے لئے مجھے میری مشکل کا ایک حل مل گیا ہے۔ اور اب میں آپ سے مکمل تعاون کے لئے تیار ہوں۔"

"شکریہ پرنس۔"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔ آپ مجھے بزم کا ہی نہیں رزم کا انسان بھی پائیں گے۔" پرنس بورٹو نے کہا۔

"آنے والا وقت آپ کے لئے بھی مصروف ہو گا پرنس۔ آپ کے دشمن اس وقت تک سکون سے نہیں بیٹھیں گے جب تک آپ ملکی معاملات بہتر طور پر نہیں سنبھال لیں گے۔"

"پاپا عظیم انسان ہیں۔ انہوں نے میری تربیت کے لئے جو جتن کئے ہیں آج سے قبل ان کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن آج مجھے ان کی کاوشیں یاد آرہی ہیں۔ مجھے افریقی زبان کی مشق کے لئے انہوں نے کئی لوگوں کو متعین کیا تھا۔ اس کے علاوہ ہر ہفتے کی رات کو مجھے میرے دیس' میرے ماحول کی فلمیں دکھائی جاتی تھیں اور مجھے میرا مقام جتایا جاتا تھا اور نہ جانے کیا کیا۔ اب سب یاد آرہا ہے۔"

"کرنل نے ایک مخلص انسان کی حیثیت سے صرف اپنا فرض پورا کیا ہے۔" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا اور پھر ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ اسی وقت پرنس بورٹو کو برجیٹا کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ اسے دیکھ کر سحرزدہ سی رہ گئی تھی اور پھر وہ اس کے سامنے جھک گئی۔

"یہ کون خاتون ہیں؟" بورٹو نے پوچھا۔

"تمہارے دیس سے آنے والی۔ تمہارے باپ کی قاصد۔"

"آہ پرنس۔ آپ کو دیکھ کر میں شدید حیران ہوں۔"

"کیوں؟"

"آپ ہوبہو شاہ کائی لس کی جوانی ہیں۔ اگر عمر کا فرق نہ ہوتا تو کوئی بھی آپ کو شاہ کائی لس سمجھ سکتا ہے۔"

"میرے دوسرے اہل خانہ خیریت سے ہیں؟"

"ہاں، سب ٹھیک ہیں۔"

پرنس کو برجیٹا کے حوالے کرنے کے بعد ہمارا پہلا کام ختم ہو گیا تھا۔ میں اور ڈاکٹر برہان واپس اسی کمرے میں آگئے جو نشست کا خصوصی کمرہ تھا۔ تب ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "کیا خیال ہے مسٹر شہاب؟"

"ہم اس ابتدائی مرحلے کو تسلی بخش کہہ سکتے ہیں۔"

"کرنل شیروانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں با آسانی اس کا کردار ادا کر لوں گا۔"

"لیکن پتہ نہیں یہ تمہاری خوش بختی ہے یا بد بختی کہ میں نے تمہارے لئے ایک دوسرا پروگرام بھی بنایا ہے۔" ڈاکٹر برہان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا ڈاکٹر؟"

"پرنس بورٹو کے لئے میرے ذہن میں ایک پلان تھا۔ میں اسے کسی ایسے انوکھے انداز میں لے جانا چاہتا تھا جس سے اس کی حفاظت کے بہتر انتظامات ہو سکیں اور اس کے لئے میں نے سوچا تھا کہ پرنس بورٹو کی شخصیت کو پوشیدہ رکھا جائے اور کسی دوسرے کو اس کے میک اپ میں سفر کرایا جائے۔ اب میں اس خواہش کو کیا کروں کہ میرے ذہن میں اس سلسلے میں بھی تمہارا ہی نام آیا ہے"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ڈاکٹر۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"لیکن مشکلات سے آگاہ ہو؟"

"ہاں ظاہر ہے۔ میرے پیچھے دشمنوں کی ایک فوج ہو گی۔ لیکن ایک اور بات میرے ذہن میں ہے۔"

"کیا؟"

"کیا شاہ کائی ٹس ہماری اس حد تک مداخلت کو پسند کرے گا۔ کیا اس سے اس کے کسی مفاد کو ٹھیس نہیں پہنچتی؟"

"بڑا دلچسپ سوال کیا تم نے۔ میں تمہاری ذہانت کا ہمیشہ سے قائل ہوں۔ دراصل برجیٹا کی اتنی بڑی حیثیت نہیں کہ وہ شاہ کائی ٹس کی طرف سے سارے معاملات طے کر لے۔ لیکن ہم برجیٹا کے لئے یا شاہ کائی ٹس کے لئے نہیں بلکہ اپنے

ملک کے لئے کام کر رہے ہیں۔"

"اوہ۔ کیا مطلب؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"حکومت اس کھیل میں پوری طرح ملوث ہے۔ میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ یوں سمجھو کہ شاہ کائی ٹس کو ممنون کر کے ہم اپنا مفاد بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ دوسرا ملک بھی ہمارا شکرگزار ہو گا جو شاہ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور پھر کائی ٹس کا جانشین ایک طرح سے ہمارا اپنا آدمی ہو گا۔ ہم اس کے ذریعے اس دوسرے ملک سے بھی کچھ حاصل کر سکیں گے جو چند وجوہ کی بناء پر ہم سے دور ہٹ گیا ہے۔ پرنس بورٹو ہمارے لئے راستہ ثابت ہو گا اور وہ ہمارے لئے وہ کرے گا جو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ سمجھ رہے ہونا؟"

"خوب۔ گویا یہ کام سرکاری پیمانے پر ہو رہا ہے۔"

"ہاں۔ لیکن حکومت ہمارے کاندھوں پر رکھ کر بندوق چلانا چاہتی ہے۔ وہ براہ راست اس لئے ملوث نہیں ہو رہی کہ اس کی نیت پر شک نہ کیا جا سکے۔ جب کہ ہمیں بورٹو کی طرف سے اطمینان ہے۔ اور اس اطمینان کا ذریعہ کرنل شیروانی بھی ہے۔"

"واقعی گہری بات ہے۔"

"حکومت کی طرف سے مجھے خصوصی اختیارات دیئے گئے ہیں اور اگر کاروباری بات کرو تو ایک گراں رقم کی پیشکش بھی کی گئی ہے۔ لیکن یہ سودا خفیہ ہے۔"

"تب پھر غور و فکر بیکار ہے۔" میں نے ہنس کر کہا اور ڈاکٹر برہان بھی ہنسنے لگے۔
ہم بہرحال کسی طور کاروبار کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے دن رات کو آٹھ بجے میں اس پہلے آپریشن کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ کرنل شیروانی کی کار پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ ٹھیک سوا آٹھ بجے میں اسے ڈرائیو کرتا ہوا نکل آیا، اور اب میرا رخ شہر سے کافی دور اس ڈاک بنگلے کی طرف تھا جسے ڈاک پیلس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ راستہ بڑا ہی پرسکون تھا۔ کام کا وہی موڈ تھا جو عموماً خطرناک مواقعوں پر بن جایا کرتا تھا۔ کرنل شیروانی کے میک اپ میں تھا لیکن اتنی بہت سی چیزوں سے لیس تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر برہان اپنی انہی خوبیوں سے اپنے دشمن پر حاوی رہتا تھا۔

رات کی تاریکی میں سڑک ہیڈ لائٹس سے جگمگاتی رہی اور بالآخر میں ڈاک پیلس کے نزدیک پہنچ گیا۔

دن کی روشنی میں بھی کئی بار میں نے اس عمارت کو دیکھا تھا لیکن کبھی اس میں داخل ہونے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ڈاک بنگلہ ہونے کے باوجود عمارت کافی صاف ستھری اور کسی حد تک آراستہ تھی۔ احاطے میں درخت لگے ہوئے تھے جن کی مناسب دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ عمارت کے کسی حصے میں روشنی کی ایک رمق بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہاں زندگی موجود ہے۔ حالانکہ قرب و جوار کا علاقہ دور دور تک ویران اور سنسان پڑا ہوا تھا۔ سڑک سے تقریباً ایک فرلانگ کچے میں چلنے کے بعد اس عمارت تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ویسے سڑک کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے ابھرے ہوئے تھے۔ میں نے کار اطمینان سے عمارت کے احاطے کے سامنے روک دی۔ احاطے میں پھاٹک موجود نہیں تھا۔ کبھی ہو گا۔ لیکن اب اس کے نشانات بھی باقی نہیں رہے تھے۔ البتہ اندر کے دروازے، کھڑکیاں وغیرہ سب مضبوط اور صاف ستھرے نظر آ رہے تھے۔ میں کار سے نیچے اتر آیا............ چند ساعت کچھ سوچتا رہا۔ پھر میں نے زور زور سے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ کافی دیر تک ہارن بجانے کے باوجود کوئی باہر نہ آیا۔ تب میں نے احاطے کے اردگرد کا جائزہ لیا احاطے کے اندر جاکر ایک دروازہ تھا۔ میں نے وہ دروازہ کھٹکھٹایا اور خود احاطے کے باہر آگیا۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھلا اور ایک سایہ برآمد ہوا۔

مقامی بوڑھا آدمی تھا جو یقیناً ڈاک بنگلے کا چوکیدار ہو گا۔ وہ لنگڑاتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا اور پھر اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے کی کوشش کی۔

"جی صاحب؟" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"کون ہو تم............؟"

"چوکیدار ہوں، بڑے صاحب۔ یہیں رہتا ہوں۔"

"اندر ڈاک بنگلے میں اور کوئی مقیم ہے؟"

"ہاں کچھ صاحب ہیں۔ مگر اب آپ کے ٹھہرنے کے لئے جگہ نہیں ہے سارے کمرے گھرے ہوئے ہیں۔" چوکیدار نے جواب دیا۔

"کتنے کمرے ہیں اس ڈاک بنگلے میں؟"

"چار ہیں بابو جی۔"

"اور چاروں گھرے ہوئے ہیں؟"

"ہاں جی"

"ہوں اور اگر کوئی پانچواں آدمی آجائے تو اس کا کیا ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ کہیں تو میں برآمدے میں آپ کے لئے بندوبست کئے دیتا ہوں۔ چارپائی اور بستر موجود ہے۔ مجھے معاف کیجئے گا سرکار میں تو یہاں خادم ہوں جو آئے گا آرام کرے گا سرکار" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جو لوگ یہاں مقیم ہیں ان میں انگریز بھی ہیں؟"

"ہاں صاحب۔ باہر کے لوگ ہیں۔"

"تب تم ان سے کہو کہ ان کا ایک مہمان ان سے ملنے آیا ہے۔"

"اوہو آپ مہمان ہیں؟"

"ہاں، کیوں؟" میں نے اس کے چونکنے پر اسے بغور دیکھا۔

"کچھ نہیں صاحب جی، ان لوگوں نے کہا تھا کہ اگر کوئی مہمان ان سے ملنے آئے تو اس کے بارے میں فوراً اطلاع دی جائے۔"

"ٹھیک ہے تو جاؤ اور اطلاع دے دو۔"

"کیا نام بتاؤں آپ کا صاحب جی؟"

"کرنل شیروانی۔" میں نے کہا اور چوکیدار چلا گیا۔ میں آہستہ آہستہ دوبارہ احاطے میں داخل ہو گیا۔ چوکیدار نے اندر داخل ہوکر نہ جانے کیوں دروازہ بند کر دیا تھا۔ شاید اسے اسی قسم کی ہدایت ملی ہو۔ چند لمحات کے بعد کچھ افراد تیزی سے باہر نکل آئے۔ ان میں ایک سفید فام شخص جس کا قد لمبا اور بدن خاصا چوڑا تھا نمایاں تھا۔ وہ میرے سامنے آگیا اور اس نے برآمدے کی تیز روشنی جلا دی۔ تیز روشنی میں اس نے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا۔ اور پھر سر خم کرکے بولا۔

"کرنل شیروانی!"

"ہاں، مگر میں کس سے مخاطب ہوں؟"

"آپ مجھے فریڈرک کہہ سکتے ہیں۔" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ پھیلایا اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فریڈرک کا ہاتھ خاصا چوڑا اور مضبوط تھا۔

لیکن اس چوڑے ہاتھ کی قوت کے جواب میں میں نے بھی قوت استعمال کی تھی اور تھوڑی دیر تک اس کا ہاتھ دبائے رکھنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے پیچھے دو سیام فام بھی تھے جو عمدہ قسم کے سوٹوں میں ملبوس تھے۔ لیکن شکل و صورت سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تعلق کس قوم سے ہے۔ تینوں آدمی مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ فریڈرک میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ "بڑا انتظار کروایا آپ نے کرنل شیروانی! ہم تو بڑی بے چینی سے آپ کے منتظر تھے۔"

"جی ہاں' میں کچھ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔"

"آیئے آیئے اندر چل کر بیٹھئے۔ ارے ہاں آپ کے ساتھ کار میں کوئی اور تو نہیں ہے؟"

"نہیں' کسی اور کے آنے کا کیا سوال تھا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور فریڈرک مجھے بغور دیکھنے لگا۔ لیکن جونہی میری نگاہ اس سے ملی اس نے فوراً رخ دوسری طرف کر لیا۔ چند ساعت کے بعد ہم ایک کمرے میں تھے۔ معمولی قسم کا فرنیچر کمرے میں موجود تھا۔ ظاہر ہے اس سے بہتر انتظامات تو ڈاک بنگلے میں نہیں ہو سکتے تھے۔ کمرہ مجموعی طور پر صاف ستھرا تھا۔ فریڈرک نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور مزید چار پانچ آدمی ہمارے سامنے پہنچ گئے۔ فریڈرک نے ان سب سے میرا تعارف کرایا۔

"ان میں دو سیاہ فام اور تھے اس کے علاوہ دو سفید فام تھے۔ سفیدی اور سیاہی کا یہ امتزاج عجیب معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سب چبھتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"مجھے چند لمحات کے لئے اجازت دیں ابھی حاضر ہوا۔" فریڈرک نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کس لئے باہر گیا ہے۔ ظاہر ہے کار کی طرف سے مطمئن ہونا بھی ضروری تھا۔ اس کے علاوہ قرب و جوار میں بھی وہ لوگ گہری نگاہ رکھتے ہوں گے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ میرے ساتھ کوئی اور تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے ذہانت اور عقل مندی کا یہی تقاضا تھا اور وہ لوگ بہرحال بے وقوف نہیں تھے۔ فریڈرک باہر چلا گیا تھا اور اس کے ساتھی کمرے میں موجود تھے۔ خاصے لوگ تھے۔ میں دل ہی دل میں ان لوگوں کی منصوبہ بندی پر غور کرتا رہا اور اپنے اطراف کا جائزہ لیتا رہا۔ تب چند لوگوں نے فریڈرک کے جانے کے بعد مجھ سے رسمی

سی مزاج پرسی کی اور پھر ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا پیئوں گا۔

"شکریہ کچھ نہیں پیؤں گا اس وقت۔" میں نے کسی قدر مضمحل لہجے میں جواب دیا۔ وہ سب گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر فریڈرک واپس آ گیا اور مسکراتا ہوا میرے سامنے بیٹھ گیا۔ "مجھے افسوس ہے کرنل۔ میں نے آپ کا استقبال بھی کیا تو کسی فضول جگہ پر۔"

"میں نہیں جانتا' اس میں تمہاری کیا مصلحت تھی۔ کیا تم براہ راست میرے پاس نہیں آ سکتے تھے؟" میں نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

"طویل گفتگو ہو گی کرنل۔ آپ کو کسی قسم کی جلدی تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"شکریہ۔ تب براہ کرم آپ پہلے میرے اس سوال کا جواب دیں۔ کیا ہمارے اشتہار آپ کی نگاہ سے نہیں گزرے تھے؟"

"گزرے تھے لیکن ایک مذاق سا محسوس ہوتے تھے۔ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور سچ بات یہ ہے کہ میں ابھی تک، تمہاری طرف سے غیر مطمئن ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری اس صاف گوئی کا برا نہیں مانو گے۔ لیکن ضروری ہے کہ پہلے تم مجھے اپنی طرف سے مطمئن کرو۔"

"اوہ ضرور۔" فریڈرک نے کہا اور پھر جیب سے ایک سفید رنگ کا کارڈ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ "شاہ کائی ٹس کا خصوصی نشان۔" میں نے غور سے اس کارڈ کو دیکھا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "افسوس ایسے کسی نشان سے پہلے میرا واسطہ نہیں پڑا۔ لیکن مجھے بتاؤ یہ طریقہ کیوں اختیار کیا گیا۔ گو عرصہ طویل ہے لیکن اس دوران میں بادشاہ کے آدمی مجھ سے مل چکے ہیں۔ شاہ کو میرا پتہ معلوم تھا۔"

"اس بار حالات ذرا مختلف ہیں۔ کرنل بہرحال آپ کی تشویش بجا ہے۔" فریڈرک نے کہا۔

"حالات کیا مختلف ہیں؟"

"ظاہر ہے شاہ نے بلاوجہ تو پرنس کو آپ کے پاس نہیں چھوڑا تھا انہیں کچھ لوگوں سے خطرہ تھا۔ وہ لوگ نہیں چاہتے کہ پرنس موجودہ ریاست کا حکمران بنے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اعلیٰ پیمانے پر اپنی کارروائی شروع کر رکھی ہے۔ ان کی وجہ سے

ہمیں یہ طریقہ کار اختیار کرنا پڑا۔"

"کیا وہ دشمن تمہارے پیچھے یہاں تک پہنچ گئے ہیں؟"

"بظاہر تو اندازہ نہیں ہوتا۔ لیکن ہمیں اس قسم کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں؟" فریڈرک نے جواب دیا۔

"ہوں.........." میں نے ایک گہری سانس لی اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"آپ لوگ مجھے فون ہی کر لیتے۔"

"بس کسی حد تک بدحواسی کہیں کرنل۔"

"لیکن ان حالات میں پرنس بورٹو کو لے جانا مناسب ہو گا؟"

"ہم نے بھرپور احتیاطی اقدامات کئے ہیں۔ بہرحال ہم بھی اپنے دشمنوں سے کمزور تو نہیں ہیں۔" فریڈرک نے جواب دیا۔

"میں تمہارا تفصیلی تعارف چاہتا ہوں مسٹر فریڈرک!"

"میرا نام فریڈرک بیل ہے۔ کائی لس انتظامیہ کا افسر اعلیٰ ہوں اور اپنی شاہ پرستی کے لاتعداد ثبوت پیش کر چکا ہوں اسی لئے شاہ نے یہ آخری کام بھی میرے سپرد کیا ہے۔ میرے ساتھ انتظامیہ کے دوسرے افراد بھی ہیں جن سے آپ ملاقات کر چکے ہوں گے۔"

"بہرحال بورٹو میرے پاس شاہ کی امانت ہے۔ میرے دل میں بس یہی خواہش ہے کہ اس کی امانت اسے واپس مل جائے۔ ان سوالات کا مقصد بھی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری ان باتوں کو محسوس نہیں کرو گے؟"

"اوہ نہیں کرنل۔ آپ ہمارے لئے قابل احترام ہیں کیونکہ آپ ہمارے شاہ کے دوست ہیں۔ اگر یہ حالات نہ ہوتے تو ہم باقاعدہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم کب واپس جانا چاہتے ہو؟"

"اگر کرنل تعاون کریں تو آج ہی رات یا کل صبح۔"

"میں نے ایک طویل عرصے بورٹو کی پرورش کی ہے۔ مجھے کچھ وقت دو۔ کیا تمہارے خیال سے میں پتھر ہوں انسان نہیں؟"

"ہمیں آپ کے جذبات کا احساس ہے کرنل۔ لیکن پھر وہی حالات کا رونا۔ کیا آپ ہمیں ہمارے دشمنوں پر قابو پانے میں تعاون نہیں کریں گے؟"

"پھر بھی کم از کم دو تین دن۔"

"کرنل۔ اگر آپ زیادہ سے زیادہ پرسوں تک انتظامات کر لیں تو ہم دلی شکر گزار ہوں گے۔ آپ ہمارے دو آدمی اپنے ساتھ لے جائیں کم از کم ہمیں اطمینان رہے گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے میں ایک اور پیشکش بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا کرنل؟"

"میں خود بھی پرنس کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

"ان حالات میں مناسب نہ ہو گا۔ ہاں پرنس کی تاج پوشی میں آپ کی شرکت ہمارے لئے باعث افتخار ہو گی۔"

اس کے منہ سے یہ بات سن کر میں نے گردن جھکا لی۔ میرے چہرے سے افسردگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن اس دوران میں اپنا کام بھی بخوبی انجام دے رہا تھا۔ تین مخصوص قسم کے بٹن سفید رنگ کے تھے۔ اس صوفہ اور میز میں نیچے کی طرف پیوست ہو چکے تھے جو درحقیقت اعلیٰ قسم کے ڈکٹومیٹر تھے اور اب ہماری آوازیں ڈاکٹر برہان تک بخوبی پہنچ رہی ہوں گی۔ یہ ڈکٹومیٹر فیضان کی ایجاد تھے اور سوگز کے علاقے میں یہ آواز کو پکڑ سکتے تھے۔ ان کا ایک ریسیور میری جیب میں بھی موجود تھا جو اس وقت آف تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے، آپ لوگوں کی مرضی لیکن پرنس کی روانگی کے بارے میں' میں آخری وقت آپ لوگوں کو کل بتاؤں گا۔"

"کل کس وقت کرنل؟"

"دن کو بارہ بجے؟"

"تب آپ ہمارے ایک ساتھی کو ضرور ساتھ لے جائیں۔ اسے اطلاع دیدیں۔ وہ یہ اطلاع ہم تک پہنچا دے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کل دن کو بارہ بجے میں آپ کو اطلاع بھجوا دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ کرنل۔ آپ نے ہم پر جو احسان کیا ہے۔ درحقیقت اس وقت ہم اس کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہیں۔ اگر کبھی حالات نے اجازت دی تو.........."

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ شاہ نے بھی تو میری جان بچائی تھی اور پھر بورٹو میری اولاد کی مانند ہے۔" میری آواز بھر آگئی۔ اس موقع پر مجھے چند آنسو بھی نکالنے تھے جو زیادہ مشکل نہ ثابت ہوئے۔ فریڈرک میرے غم میں برابر کا شریک معلوم ہو رہا تھا۔ پھر میں نے ان سے اجازت طلب کرلی۔

"ڈریک، تم کرنل کے ساتھ جاؤ گے۔" فریڈرک نے ایک شخص سے کہا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بھی سفید فام ہی تھا۔ میں بھی اٹھ گیا اور پھر میں نے ان لوگوں سے مصافحہ کیا۔ میری حالت کافی غیر تھی۔ وہ لوگ مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرتے رہے۔ اس کے علاوہ مجھے باہر تک چھوڑنے بھی آئے تھے۔

"براہ کرم اسٹیئرنگ مجھے دیدیں۔ آپ کافی پریشان ہیں۔" ڈریک نے ہمدردی سے کہا۔

"شکریہ مسٹر ڈریک۔" میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ڈریک نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ ان حالات میں میں نے یہ تبدیلی برداشت کرلی تھی۔ یوں بھی اس وقت اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے انتہائی کامیابی سے اپنا کردار انجام دیا ہے اور ان لوگوں کو میرے اوپر کوئی شبہ نہیں ہو سکا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے ان کی طرف سے غافل بھی نہیں ہونا تھا۔ ان کا آدمی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور میں اسے راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ ابھی تو خیر ہم سیدھی ہی سڑک پر چل رہے تھے لیکن شہر میں داخل ہونے کے بعد میں نے اسے ہدایات دینا شروع کر دیں۔ میں جانتا تھا کہ کرنل شیروانی کو اس وقت میری آمد کا علم نہیں ہے اور وہ ہمیں دیکھ کر بھونچکے رہ جائیں گے۔ لیکن یہ شخص جس کا نام ڈریک تھا۔ میرے لئے کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ فوری طور پر اس پر قابو پانا ضروری تھا۔ چنانچہ بعد کے حالات با آسانی نمٹ لئے جائیں گے۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد میں نے اس کار کو بخوبی دیکھ لیا جو ہمارا تعاقب کر رہی تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ لوگ بھی خاصے ہوشیار ہیں اور کسی بھی ممکنہ سازش کو نظرانداز نہیں کرتے۔ بہرحال تعاقب کیا بھی جا رہا تھا تو کوئی پریشان کن بات نہیں تھی۔ اس وقت تو کرنل شیروانی کی کوٹھی ہی مناسب رہے گی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں کرنل شیروانی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ کار کا ہارن دیا گیا اور دروازہ کھل گیا۔ ڈریک

کار کو اندر لیتا چلا گیا تھا اور پھر اس نے کار سیدھی لے جاکر پورٹیکو میں کھڑی کر دی۔ اس نے کار باہر روکنے کی ضرورت محسوس نہیں تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں کرنل شیروانی باہر نہ نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے بھاری لہجے میں ڈریک سے کہا۔" آیئے مسٹر ڈریک۔ کار کو یونہی رہنے دیں۔ کوئی ملازم اسے مناسب جگہ کھڑا کر دے گا۔ آیئے۔" میں نے مستعدی سے کہا۔

"شکریہ" ڈریک نے کہا اور میں اس کے ساتھ تیزی سے صدر دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ میرا خیال درست ہی تھا۔ کرنل شیروانی کو کار کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ جونہی میں صدر دروازے سے اندر داخل ہوا۔ سامنے سے کرنل شیروانی آتے نظر آئے۔ وہ سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ راہداری میں خاصی روشنی تھی اور مجھے یقین تھا کہ چند ہی ساعت کے بعد ڈریک کرنل شیروانی کو دیکھ لے گا۔ چنانچہ اس سے پہلے میں اپنے کام کے لئے تیار ہو گیا۔ پھر جونہی کرنل شیروانی سامنے آئے ڈریک کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن اس کے ساتھ ہی میرا جچا تلا ہاتھ اس کی گردن کی پشت پر پڑا تھا اور ڈریک کے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن میرا دوسرا گھونسہ اسے زمین پر لے آیا۔ کرنل شیروانی اچھل کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی تعجب سے پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسرے لمحے میں نے پلٹ کر صدر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ میں نے باہر دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"یہ............ یہ............" کرنل شیروانی ہکلاتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"کوئی بات نہیں ہے، سب ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ "کیا یہاں ملازم وغیرہ قریب ہی موجود ہیں؟"

"نہیں، اس وقت تو سب سونے کے لئے جا چکے ہیں۔ کیا بلاؤں؟" کرنل شیروانی نے پوچھا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کا دور رہنا ہی بہتر ہے۔ براہ کرم آپ محتاط رہئے۔ میں اسے اندر لئے جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہاں اور کوئی موجود نہیں ہے۔ کیا تمہیں کوئی خدشہ ہے؟"

"ہاں ممکن ہے چند لوگ باہر سے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں۔ اگر ایسی کوئی صورت حال پیش آجائے تو آپ بے دریغ انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ یہ پستول رکھ

لیں۔" میں نے اپنا پستول کرنل شیروانی کو دیتے ہوئے کہا اور کرنل شیروانی نے گردن ہلا دی۔

"میں نے ڈریک کی بغلوں میں ہاتھ دیئے اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے میں لے گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اسے زمین پر ڈال دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہاں مجھے کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے میں ڈریک کو باندھ سکتا۔ چنانچہ میں واپس آیا۔ باہر کرنل شیروانی مستعد تھے۔ وہ ایک جگہ سے باہر جھانک رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا روشندان تھا۔

"کیا پوزیشن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"باہر تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہاں سے گیٹ تک صاف نظر آتا ہے۔ ہاں اگر ادھر ادھر سے کوئی داخل ہونے کی کوشش کرے تو دوسری بات ہے۔"

"میرا خیال ہے اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ویسے محتاط رہنا ضروری ہے۔ ہاں مجھے ایک رسی درکار ہے۔"

"رسی.......... اوہ.......... وہ سامنے ایک سٹور ہے اس میں تمہیں رسی مل جائے گی۔" کرنل شیروانی نے ایک جانب اشارہ کیا اور میں گردن جھکا کر اسٹور کی جانب بڑھ گیا۔ کرنل شیروانی کی آواز میں عجیب سی لرزش تھی۔ غالباً وہ بڑی سنسنی محسوس کر رہے تھے۔ اسٹور سے رسی نکال کر میں دوبارہ اسی کمرے کی طرف چل پڑا جہاں میں ڈریک کو چھوڑ کر آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے ڈریک کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ مضبوطی سے باندھ دیئے۔ اس کے بعد میں نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی۔ جیب میں پستول موجود تھا لیکن اس کے پورے لباس میں ٹرانسمیٹر یا ڈکٹوفون جیسی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ جس کی طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں نے سکون کا گہرا سانس لیا تھا اور پھر میں بھی باہر نکل آیا کمرے کا دروازہ میں نے باہر سے بند کر دیا تھا۔ تب کرنل شیروانی کے ساتھ مل کر میں نے عمارت کے ایسے حصوں کا جائزہ لیا جہاں سے کسی کے اندر داخل ہونے کا خدشہ ہو سکتا تھا۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ تعاقب کرنے والوں نے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کی ہے تو میں کرنل شیروانی کے ساتھ واپس اس کمرے میں آگیا جہاں ڈریک موجود تھا۔ کرنل شیروانی متحیر انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے اسی طرح تعجب خیز لہجے میں کہا۔ "خدا کی

پناہ' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے دو روپ بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہارا میک اپ تو قیامت کا ہے۔ ویسے مجھے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ تم میرے میک اپ میں ہو گے۔ اس لئے مجھے حیرت نہیں ہوئی ورنہ میں خود تمہیں دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ کیا یہ میں ہوں؟" کرنل شیروانی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا.......... "لیکن یہ کون ہے؟" کرنل شیروانی نے پوچھا۔

"ہمارا شکار.........."

"اوہ بیٹھ جاؤ' تم اس وقت غیر متوقع ہی آئے ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ تم ہو گے۔ بس کار کی آواز سن کر میں باہر نکل آیا۔ کیونکہ نیند نہیں آ رہی تھی۔" کرنل شیروانی نے کہا۔

"میں حسب پروگرام ڈاک پیلس گیا تھا۔ وہاں سے یہ مصیبت میری گردن میں آ پڑی۔ اسے ٹال نہیں سکتا تھا اور چونکہ آپ کے میک اپ میں تھا اس لئے یہیں آنا پڑا۔"

"خوب۔ کیا تمہارا تعاقب کیا گیا تھا؟"

"جی ہاں۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے لئے جس قدر اہم ہے اس کے پیش نظر یہ بات تعجب خیز نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب وہ مسلسل اس عمارت کی نگرانی کریں گے۔"

"تب تو بورٹو کا یہاں سے چلے جانا ہی مناسب ہوا۔"

"لیکن کرنل اب ایک مشکل درپیش ہے۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔ اور پھر چونک پڑا۔ مجھے کچھ یاد آ گیا تھا۔ "نہیں کرنل سب ٹھیک ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ کرنل شیروانی نے متحیر انداز میں مجھے دیکھتا رہا۔ اور میں نے جیب سے ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر نکال لیا۔ پھر میں نے اس کے نمبر درست کر کے ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کیا۔ چند ساعت کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ "ہیلو ڈاکٹر.......... میں شہاب بول رہا ہوں۔"

"کیا تم کرنل شیروانی کی کوٹھی پہنچ گئے۔ شہاب؟" ڈاکٹر برہان نے پوچھا۔

"ہاں یہیں موجود ہوں۔"

"جو شخص تمہارے ساتھ آیا ہے وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اسے بے ہوش کر کے رسی سے باندھ دیا ہے۔"

"باہر کی کیا کیفیت ہے؟"

"کسی نے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کی؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن امکان ہے کہ باہر رک کر نگرانی کریں گے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے شہاب' تم وہیں رک کر حالات کا انتظار کرو۔ میں تھوڑی دیر کے بعد تم سے گفتگو کروں گا۔" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا۔

"اوکے ڈاکٹر.........." میں نے جواب دیا اور مطمئن انداز میں ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ کرنل شیروانی متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "ڈاکٹر کو ان حالات کا علم کس طرح ہو گیا؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"ہمارا طریقہ کار جناب۔ ورنہ ایک پورے ملک سے ٹکر لینا آسان بات تو نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور کرنل بدستور تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ ڈکٹومیٹر کام کر رہے تھے اور ڈاکٹر برہان مکمل طور سے صورت حال سے آگاہ تھا۔ ویسے طویل عرصے کے بعد ہمیں اپنی پوری قوت سے کام لینا پڑا تھا۔ یہ پہلا کیس تھا جو اس نوعیت کا حامل تھا۔"

"اب کیا کرو گے؟" کرنل شیروانی نے پوچھا۔

"یہ رات.......... میرا خیال ہے کرنل اگر آپ پسند کریں تو آرام کی نیند سو جائیں۔ میں جاگ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس کا کیا سوال ہے۔ بھلا ان ہوشربا حالات میں نیند آئے گی۔ لیکن تم لوگ تو جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ سچ میری عقل سے باہر ہے یہ کارروائی۔ اتنے اعلیٰ پیمانے پر تو شاید حکومت کی مشینری بھی کام نہ کرتی ہو۔ نہ کہ تم پرائیویٹ لوگ۔ میں نے تمہارے بارے میں کسی حد تک اندازہ تو لگا ہی لیا تھا۔ واقعی میں سخت حیران ہوں۔ اب اس وقت یہ بتاؤ کہ کیا خاطر کروں تمہاری؟"

"کچھ نہیں کرنل شکریہ۔ بس آپ آرام کریں۔"

"مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ ان لوگوں سے تمہاری کیا گفتگو ہوئی؟"

"بس انہوں نے مجھے آپ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور درخواست کی کہ بورٹو کو جلد از جلد ان کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے پرسوں کا وعدہ کر لیا ہے۔"

"پھر اب کیا کرو گے؟"

"پرسوں بورٹو کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"ڈاکٹر کا یہی پروگرام ہے۔"

"لیکن اس طرح تو.......... اس طرح تو بورٹو کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔" کرنل نے پریشان لہجے میں کہا۔

"بورٹو کو ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کی جگہ بھی ایک قربانی کا بکرا ہو گا۔"

یکایک کرنل اچھل پڑا۔

"ہاں.......... اور وہ قربانی کا بکرہ بھی آپ کے سامنے ہی ہے۔"

"یہ بھی مناسب نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ بورٹو کے دوست نہیں ہیں وہ اسے قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"اس کے باوجود بورٹو بچ جائے گا۔"

"لیکن کیا تمہاری زندگی خطرے میں نہیں پڑ جائے گی؟"

"اللہ مالک ہے کرنل۔" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"کیا ان لوگوں کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا؟"

"اتنے مختصر وقت میں یہ ممکن نہیں ہو سکے گا کرنل! بہرحال ڈاکٹر کے پروگرام جامع ہوتے ہیں اور پھر خطرات سے کھیلنا تو ہماری زندگی ہے۔ میں اپنی حفاظت کروں گا۔ ویسے میں آپ کو ایک تماشہ ضرور دکھاؤں گا۔" میں نے وہ ریسیور نکال لیا جس پر ان ڈکٹومیٹرس کی آواز سنائی دے سکتی تھی جو میں وہاں چھوڑ آیا تھا۔ میری خوش بختی تھی کہ وہ لوگ اسی کمرے میں موجود تھے جہاں میں نے ڈکٹومیٹر لگائے تھے۔

"لیکن مسٹر فریڈرک۔ اس سے کیا نتیجہ نکلے گا؟"

"بے وقوف ہو تم.......... جب وہ ہمارے قبضے میں آجائے گا تو ہم اس سے دوسرے کام بھی لے سکتے ہیں۔"

"شاہ کائی ٹس بیوقوف نہیں ہے وہ آخر وقت تک کوشش کرے گا لیکن اگر اسے اس کے بیٹے کی آواز سنا دی جائے اور کہا جائے کہ اگر اس نے ہماری ہدایات پر عمل نہ کیا تو ابھی اسے اس کے بیٹے کی آخری چیخ سنائی دے گی اور وہ ہمیشہ کے لئے

اس سے محروم ہو جائے گا تو........ ممکن ہے باپ کی محبت اسے کوئی عمل کرنے سے روک دے۔ یہ تو ہمارے ہاتھ میں ایک موثر حربہ ہو گا۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے مسٹر فریڈرک کہ آپ حالات سے مطمئن ہو گئے ہیں؟"

"کیا تم نہیں ہو؟"

"کچھ عرصے قبل صورتحال کافی خراب تھی۔ میرے ذہن پر اس کا اثر ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ابھی برجیٹا زندہ ہے۔"

"برجیٹا صرف تمہارے لئے اہمیت رکھتی ہے۔ وہ اب بے دست و پا ہے۔ ممکن ہے وہ یہ ملک چھوڑ چکی ہو۔ بہرحال مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ بس میں اس وقت تک متفکر ہوں جب تک بورٹو ہمارے قبضے میں نہیں آجاتا۔ اوہ دیکھو شاید ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا ہے۔"

"ہاں۔" دوسری آواز سنائی دی۔ اور پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحات کے بعد ایک باریک آواز ابھری۔ "ہیلو........ ہیلو........ چیف فریڈرک ہیلو چیف۔"

"فریڈرک بول رہا ہے۔"

"حالات بالکل پرسکون ہیں چیف۔ یہ عمارت جس میں وہ لوگ آئے ہیں شہر کے ایک بارونق علاقے میں ہے۔ عمارت کے دروازے پر پیتل کی ایک پلیٹ لگی ہوئی ہے جس پر کرنل اے آر شیروانی لکھا ہوا ہے۔ عمارت کے اندر سکوت ہے۔ تیز روشنیاں بجھ چکی ہیں۔ ڈریک اندر ہے۔"

"گڈ........ تمہارے لئے وہاں کیا گنجائش ہے؟"

"رکنے کے لئے مناسب جگہ نہیں ہے چیف۔ دن کی روشنی میں ہم لوگوں کی نگاہوں میں آجائیں گے۔ اس وقت بھی دو بار پولیس پٹرول گزر چکا ہے۔"

"واپس آجاؤ۔ کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہیں ہے۔"

"او کے چیف۔" جواب ملا اور پھر کلک کی آواز کے ساتھ ٹرانسمیٹر بند ہو گیا۔ میں نے کرنل شیروانی کی طرف دیکھا۔ وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔ میں مسکرانے لگا۔

"میں تو پاگل ہوا جا رہا ہوں۔ تم لوگوں نے تو انہیں معطل کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ شاید ڈکٹوفون ریسیور ہے۔ لیکن اتنا سادہ' اتنا چھوٹا اور پھر ڈکٹوفون وہاں کیسے پہنچ گیا؟"

"میں ساتھ لے کر گیا تھا۔"

"کیا تمہیں اسے وہاں نصب کرنے کا موقع مل گیا؟"

"ہاں کام تو کرنا ہی تھا۔"

"بڑے زبردست انتظامات کئے ہیں تم نے ان لوگوں کے خلاف۔ میں نے اندازہ لگا لیا وہ تمہاری ٹکر کے لوگ نہیں ہیں۔ لیکن شباب تم لوگ باقاعدہ حکومت کے تحت کیوں نہیں آجاتے؟"

"ہم اپنے وطن کے لئے ہی کام کر رہے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ جدید ترین سہولتیں۔ کام کرنے کا یہ پھرتیلا انداز........ تم عام لوگوں میں سے نہیں ہو۔"

"اب اس کے لئے شکریہ کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کرنل!" میں نے جواب دیا۔ میرے لئے اجنبی بات نہیں تھی۔ ہم عام لوگوں سے مختلف تھے اور اپنی اسی ذہنی برتری سے دوسروں میں ممتاز تھے۔ یہ گروہ عظیم دماغوں پر مشتمل تھا۔ آج بھی میری شخصیت دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ گو بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن میری نگاہ دور تک ہے۔

رات کے تقریباً پونے چار بجے تھے جب ماجد' فیضان اور شارق پہنچ گئے۔ وہ عقبی دروازے سے آئے تھے اور ان کے ساتھ خاصا سامان بھی تھا۔ ہم اس وقت جہاں بیٹھے تھے وہاں سے صدر دروازہ صاف نظر آتا تھا۔ لیکن دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اور جب وہ تینوں اچانک ہمارے سامنے پہنچے تو کرنل گھبرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"سوری کرنل! گو میدان صاف تھا لیکن اس کے باوجود احتیاط بہتر ہوتی ہے۔" شارق نما گینڈے یا گینڈے نما شارق نے کہا۔

"تم لوگ........ تم لوگ کہاں سے آئے۔ مم۔ میرا مطلب ہے تم........ کون ہو؟" کرنل کی آواز میں لرزش تھی۔

"برہان اینڈ کو........ یہ شارق ہے۔ یہ ماجد اور یہ فیضان........ یہ سب ڈاکٹر برہان کے آدمی ہیں۔" میں نے کرنل کو مطمئن کرنے کے لئے کہا۔

"خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔" کرنل کے منہ سے نکلا۔ وہ نروس ہو رہا تھا۔

"ویسے تم لوگ نازل کس لئے ہوئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"سارے انتظامات فوری طور پر مکمل کر لئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر برہان کا خیال ہے کہ تاخیر مناسب نہیں ہے۔ ان کا پیغام موجود ہے........" فیضان نے جیب سے ایک ٹیپ ریکارڈر نکال کر اسے آن کر دیا اور ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

"شہاب! جیسی کہ تم سے امید تھی تم نے بخوبی اپنا کام انجام دیا ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ اب ضروری ہدایات سنو۔ ڈکٹومیٹر روانہ کئے جا رہے ہیں۔ جہاں جاؤ اور جو مناسب مقام پاؤ انہیں نصب کرو تاکہ ہمارا رابطہ تم سے اور اپنے دوسرے دوستوں سے رہے جو کہیں بھی تم سے دور نہیں ہوں گے۔ یہ لوگ تمہیں لے کر سوان نامی ایک جہاز پر جائیں گے اور جہاز سفر شروع کر دے گا۔ یہ جہاز اس حلیف ملک کی ملکیت ہے اور تقریباً ایک ماہ سے یہاں لنگرانداز ہے۔ تم بورٹو کے میک اپ میں ہو گے۔ افریقی زبان تم قطعی طور سے بھول چکے ہو۔ اس لئے پریشانی نہیں ہو گی۔ نمبر2 ماجد اور فیضان میں سے تم انتخاب کرو گے کہ ڈریک کا کردار کون ادا کر سکتا ہے۔ پلاسٹک میک اپ موجود ہے۔ تم اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام دو گے۔ مجھے اعتماد ہے۔ ڈریک کو ان لوگوں کے ہاتھوں میرے پاس روانہ کر دو۔ یہ ہمارے لئے کام کا آدمی ثابت ہو گا۔ کسی بھی حادثے کی کوئی پرواہ نہیں کرو گے۔ تمہارے لئے بہتر انتظامات کر لئے گئے ہیں۔ اور ایک مخصوص وقت پر یعنی جہاز کے سفر کے تیسرے یا دوسرے دن یا کسی فوری خطرے کے پیش نگاہ تم ان لوگوں پر اپنی اصلیت کھول دو گے۔ باقی سب کچھ تمہاری ذہانت پر۔ کوئی سوال کرنا ہو تو ان لوگوں سے کر سکتے ہو۔"

ڈاکٹر برہان کی آواز بند ہو گئی اور فیضان نے ٹیپ بند کر دیا اور پھر تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "صرف ایک خامی ہے اس پروگرام میں۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" فیضان نے پوچھا۔

"ڈریک کا کردار........ اس کی آواز کی نقل کیسے کی جا سکے گی۔ تم دونوں اجنبی ہو۔ ویسے اس کے لئے ماجد مناسب رہے گا۔ اس کی جسامت ڈریک سے ملتی ہے۔"

"میری فکر مت کرو۔" ماجد لاپرواہی سے بولا۔

"نہیں ماجد یہ آسان کام نہیں ہے۔"

"لیکن میں اسے آسان بنا لوں گا۔" ماجد مسکرا کر بولا۔

"وہ کس طرح؟"

"میک اپ کرنا تمہارا کام ہے۔ باقی اسی دوران جلد از جلد میرے ساتھ ایک حادثہ پیش آجائے گا اور میرے سر میں گہری چوٹ لگ جائے گی۔ یوں سمجھو کہ میں ذہنی طور پر بالکل مفلوج ہو جاؤں گا........ چنانچہ یہ مسئلہ بھی باآسانی ختم ہو جائے گا۔" ماجد مسکرا کر بولا۔

"شیطان کا دماغ پایا ہے تم لوگوں نے۔" کرنل بے اختیار بول پڑا۔

"شکریہ کرنل!" ماجد نے مسکراتے ہوئے کہا اور کرنل خجل ہو گیا۔ "سوری ڈیئر! میں اس ایک رات میں اتنا بدحواس ہو گیا ہوں کہ مجھے اپنے افعال پر اختیار نہیں رہا ہے۔ میں ان جملوں کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

"نہیں کرنل۔ آپ خواہ مخواہ محسوس کر رہے ہیں۔ یہ تو اپنے جدامجد کا نام سن کر بہت خوش ہو جاتے ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہم تمام بھائیوں کی یہی کیفیت ہے۔" ماجد نے برجستگی سے کہا اور کرنل ہنسنے لگا۔

"تو پھر اب ابتداء کر دی جائے۔ اور ہاں کرنل شیروانی! آپ کل دن میں پرنس بورٹو اور ڈریک کو ڈاک پیلس پہنچا دیں گے اور کہیں گے جو کام کرنا ہے اس میں دیر کیوں کی جائے۔ لیکن آپ سخت افسردہ ہوں گے اور بہت کم گفتگو کریں گے۔" شارق نے کہا۔

"مختصر ہی سہی لیکن تم لوگوں کی صحبت نے اتنی ہی دیر میں مجھے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ بے فکر رہو میں اپنا مختصر رول بخوبی ادا کروں گا۔ کرنل شیروانی نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر میری درخواست پر ہمارے لئے تیز روشنی کا بندوبست کر دیا گیا۔

ڈریک ابھی تک بے ہوش تھا۔ ہاتھ کافی تگڑا پڑا تھا اس لئے وہ کئی گھنٹوں کے لئے انٹا غفیل ہو گیا تھا۔ میں نے تیز روشنیوں کے درمیان جدید ترین پلاسٹک میک اپ سے ماجد کا حلیہ بدلنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ مکمل سامان لے کر آئے تھے۔ فیضان میری مدد کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک گھنٹے کی شدید محنت کے بعد میں نے ڈریک کا ہم شکل پیدا کر دیا۔ اس کے بعد میری اپنی باری تھی۔ کرنل بھی اپنی حیثیت بھول کر شارق کے ساتھ کچن میں چلا گیا تھا جہاں سے وہ بہترین کافی بنا کر لایا۔ پرنس بورٹو کا میک اپ کافی

مشکل تھا۔ اس کے لئے محنت کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ اس کی لاتعداد تصاویر کی روشنی میں میں نے یہ میک اپ کیا تھا جو کرنل نے میری درخواست پر فراہم کی تھیں۔ بہرحال میک اپ مکمل کرنے کے بعد میں نے آخری جائزہ لیا۔ میرے دوست اس میک اپ سے پوری طرح مطمئن تھے اور کرنل شیروانی نے تو اب حیرانی کا اظہار بھی چھوڑ دیا تھا۔ کون کونسی بات پر حیران ہوتا بے چارا۔

روشنی پھوٹنے لگی تھی۔ اس لئے فیضان اور شارق جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ڈریک کو ہوش آگیا تھا لیکن اسے دوبارہ بے ہوش کر دیا گیا۔ باہر کے معاملات پرسکون تھے۔ ان لوگوں کو اطمینان ہو گیا تھا اس لئے اب باہر نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ لوگ ڈریک کو لے کر چلے گئے اب کرنل شیروانی کی کوٹھی میں' میں' ماجد اور کرنل شیروانی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ویسے کرنل شیروانی کے اہل خانہ اور ملازم وغیرہ جاگنے لگے تھے اس لئے وہ کسی قدر بے چین نظر آنے لگا۔ ''تم لوگ اجازت دو تو میں تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاؤں۔ یوں بھی دوسرے لوگ جاگ گئے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''ضرور کرنل۔ لیکن آپ رات بھر جاگے ہیں اگر نیند آگئی تو پھر آنکھ نہیں کھلے گی۔''

''نیند تو اب نہ جانے کب آئے۔ تم لوگوں نے اعلیٰ کردار کی وہ مثال قائم کی ہے کہ عقل تسلیم نہیں کرتی مجھے تو خطرہ ہے کہ کہیں تمہارے بارے میں سوچتے سوچتے میرے دماغ کی شریانیں نہ پھٹ جائیں۔''

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے کرنل۔ بس یوں کہیں کہ یہ سارے کام اتنی تیزی سے ہوئے ہیں کہ آپ توقع نہیں کر سکتے تھے۔ باقی رہے دوسرے معاملات تو بہرحال آپ نے بھی لاتعداد فوجی مہمات سرانجام دی ہوں گی۔''

''تم لوگ بھی آرام کرو۔ پھر ناشتہ ساتھ ہی کریں گے اور اس کے بعد جو پروگرام بھی ہو'' کرنل نے کہا اور چلا گیا۔ اب کمرے میں ماجد اور میں رہ گئے تھے۔ ماجد ڈریک کے میک اپ میں تھا اور تمسخرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''آرام کرو یار۔ ساری رات گزر گئی۔''

''مجھے تو بس ملکہ عالیہ کا غم کھائے جا رہا ہے۔ وہ تو تمہارے ساتھ نہیں جا سکیں گی۔ تمہاری غیرموجودگی میں ان کا کیا حشر ہو گا؟'' ماجد نے مسخرے پن سے کہا۔

''تم نے ان حالات میں بھی فضول باتوں کے لئے وقت نکال سکتے ہو؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''معافی چاہتا ہوں جہاں پناہ۔ لیکن بس دل نہیں مانتا۔ اگر وہ آپ کی یہ روسیاہی دیکھ لے تو اس کے دل پر کیا بیتے گی؟'' ماجد بدستور بکواس کرتا رہا اور میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ پلکیں نیند سے جڑی جا رہی تھیں لیکن سونا خطرناک تھا۔ میں قوت ارادی سے کام لے کر جاگتا رہا۔ اور پھر تقریباً ساڑھے نو بجے کرنل ہمارے کمرے میں آگیا۔

''ناشتہ کر لیا جائے۔ میں نے اہل خانہ کو کوئی بات نہیں بتائی ہے۔ خواہ مخواہ ہمیں فضول ہنگاموں میں الجھنا پڑے گا۔''

''ناشتہ بھی الگ ہی کر لیا جائے۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''میں انتظام کر کے آیا ہوں۔ تم دونوں اٹھ جاؤ۔ لیکن مسٹر شہاب پانی کا اثر آپ کے رنگ پر تو نہیں ہو گا؟''

''نہیں کرنل۔ یہ میک اپ تو بس اب ایک خاص قسم کی گیس سے ہی اترے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتے کی میز پر آگئے۔ کرنل کے چہرے سے اداسی جھلک رہی تھی۔ ناشتے کے دوران اس نے کہا۔ ''حالات میں اتنی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں کہ میں ششدر رہ گیا ہوں۔ نہ جانے اب ڈاکٹر برہان کا کیا پروگرام ہے۔''

''آپ ہمیں وہاں پہنچانے کے بعد ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی اور کرنل خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔ پھر دن میں تقریباً گیارہ بجے ہم لوگ کرنل کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ کرنل شیروانی خود ہی ڈرائیونگ کر رہے تھے۔ راستے میں مکمل خاموشی رہی تھی۔ کار شہر سے باہر نکل آئی اور تیز رفتاری سے ڈاک پیلس کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر ہم کچے راستے پر اتر آئے۔ مجھے توقع ہی نہیں تھی کہ ماجد کے ذہن میں کوئی ایسا خطرناک منصوبہ ہے۔ ایک ایک قدم ناپا تلا تھا۔ ڈاک پیلس کے بالکل قریب ایک خطرناک جگہ تھی۔ ایک طرف تقریباً دس فٹ گہرا گڑھا تھا اور دوسری طرف ناہموار بلندی۔ ماجد نے اچانک ہی اسٹیرنگ گڑھے کی طرف گھما دیا اور کرنل شیروانی جو متوقع نہ تھے اسٹیرنگ پر قابو نہ رکھ سکے۔ کار گڑھے میں اتر کر الٹ گئی۔ ماجد کا یہ اقدام وحشیانہ تھا۔ کم از کم کرنل شیروانی کو اس میں ملوث

کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بولنے کا وقت نہیں تھا۔ کرنل شیروانی کے بھی چوٹ آئی تھی اور باقی دوسروں کے بھی۔ کار کا ہارن خصوصی طور پر دبایا گیا تھا یا دب گیا تھا۔ لیکن توقع کے مطابق ہی ہوا۔ ڈاک پیلس سے ہمیں دیکھ لیا گیا اور بہت سے لوگ ہماری طرف دوڑ پڑے۔ الٹی ہوئی کار سے ہمیں کافی مشکل کے ساتھ باہر نکالا گیا تھا۔ کرنل شیروانی کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ بدحواس ہو گئے تھے۔ ماجد بے ہوش پڑا تھا۔ حالانکہ اس کے کوئی شدید چوٹ نہیں آئی تھی۔ لیکن اس کا پروگرام ہمیں معلوم تھا۔

ہم تینوں کو اندر لے جایا گیا۔ وہ ہم سے حادثے کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ سبھی آ گئے تھے اور ان کی تعداد اٹھارہ انیس سے کم نہیں تھی۔ ڈاک پیلس میں ہمیں ابتدائی طبی امداد دی گئی۔ کرنل کے زخم کے بینڈیج کر دی گئی۔ مجھے چند خراشیں آئی تھیں۔ وہ لوگ میری موجودگی سے سحرزدہ سے ہو گئے تھے۔ بہرحال وہ اس کام سے فارغ ہو گئے۔ ماجد بدستور بے ہوش تھا اور اس کا پروگرام یہی تھا۔ کرنل گو ابتداء میں بدحواس ہو گئے تھے لیکن انہوں نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔ "بس اچانک مجھے چکر سا آ گیا تھا۔ دراصل ساری رات ہم سو نہیں سکے۔" کرنل نے نحیف میں کہا۔

"ہمیں افسوس ہے کرنل! ہمیں اس وقت آپ کے آنے کی توقع نہیں تھی"۔ فریڈک نے کہا۔

"بس میں نے اچانک ہی فیصلہ کر لیا۔ بروٹو سے میرا جو ذہنی رشتہ ہے وہ تو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ لیکن، مجھے اس سے دور ہونا ہی تھا۔" کرنل نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"ہم اس تعاون پر آپ کے دلی شکرگزار ہیں کرنل۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کو واپس پہنچانے کا معقول بندوبست کیا جائے گا۔ میرے آدمی گاڑی باہر نکال لائے ہیں۔ اس میں معمولی سی خراشیں پڑی ہیں۔ چند شیشے ٹوٹے ہیں اور کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا۔"

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔ خود چلا جاؤں گا۔ مسٹر ڈریک ہوش میں آ گئے؟"

"اسے کوئی دماغی چوٹ آئی ہے۔ لیکن ہمارے پاس ڈاکٹر موجود ہیں۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔"

"میرے لئے اب کیا حکم ہے؟" کرنل نے پوچھا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ آپ کی کوئی خدمت کی جائے۔ لیکن اس غریب الوطنی میں ہم .... بہرحال شاہ کائی ٹس آپ کی اس دوستی اور خلوص کو بھول نہیں سکیں گے۔ حالات پر قابو پانے کے بعد آپ سے ضرور رابطہ قائم کیا جائے گا۔"

"کرنل نے افسردگی سے گردن جھکا لی اور پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولے۔

"اچھا بورٹو، مجھے اجازت دو۔ میری طرف سے ایک بہتر زندگی کی دعائیں تمہارے ساتھ سفر کریں گی۔" میں نے آگے بڑھ کر جذباتی انداز میں کرنل کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور پھر ایک جھٹکے سے دوسری طرف رخ کر لیا۔ "خدا حافظ" کرنل نے کہا اور اس کمرے سے باہر نکل گئے۔ فریڈرک اخلاقاً انہیں باہر تک چھوڑنے گیا تھا۔ تب میں ایک گہری سانس لے کر دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سب عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ "میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"اندر تشریف لائیے پرنس۔ یہ جگہ آرام کی تو نہیں ہے لیکن..........." اور میں ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ایک جگہ انہوں نے میرے آرام کا بندوبست کر دیا تھا لیکن زیادہ مہلت نہیں مل سکی۔ تھوڑی ہی دیر سویا ہوں گا کہ مجھے جگا دیا گیا۔

"معاف کیجئے گا پرنس! ہمیں یہ جگہ چھوڑنی ہے۔ آپ کو آرام کے لئے بہترین جگہ فراہم کی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے انگریزی زبان میں کہا۔ اور پھر میں ان لوگوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان میں سے ایک میں مجھے بٹھا دیا گیا اور گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر چل پڑیں۔" مسٹر ڈریک ہوش میں آ گئے؟" راستے میں میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ان کی حالت تشویشناک ہے۔ ابھی تک وہ گہری بے ہوشی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان کے دماغ پر گہری ضرب آئی ہے۔"

"نفیس انسان ہے۔ میں اس کے لئے افسردہ ہوں میں نے کہا اور دوسرے لوگوں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے علاوہ میں نے اور کوئی گفتگو نہیں کی تھی اور یہ سفر بندرگاہ پر ختم ہوا۔ پانی میں سفید رنگ کی ایک خوبصورت لانچ ہماری منتظر تھی جس پر سوان لکھا ہوا تھا۔ لانچ پر سوار ہو کر ہم سمندر میں کھڑے ہوئے ایک جہاز کی طرف چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد اس عظیم الشان اور خوبصرت جہاز پہنچ گئے۔

جہاز کے سفید فام کپتان نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا اور پھر وہ

فریڈرک سے گفتگو کرنے لگا۔ مجھے ایک انتہائی آرام دہ کیبن میں پہنچا دیا گیا۔ درحقیقت رات بھر کی تھکن تھی۔ میں آرام دہ بستر پر لیٹ گیا۔ ماجد کے بارے میں تھوڑی سی الجھن تھی ذہن میں۔ کہیں سچ مچ اسے زیادہ چوٹ تو نہیں لگ گئی ہے۔ مذاق ہی مذاق میں وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائے۔ اس کی یہ کوشش خطرناک تھی۔ کار کسی غلط ڈھب سے بھی گر سکتی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہم لوگوں میں صحیح الدماغ کون تھا؟سب ہی سرپھرے تھے اور ایسی ہی الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ انہی تصورات میں ڈوبا ہوا میں گہری نیند سو گیا اور خوب سویا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کتنا وقت گزر گیا۔ جب آنکھ کھلی تو بدن کو ہچکولے لگ رہے تھے۔ نامانوس سے ہچکولے۔ تھوڑی دیر تک تو ذہن پر سستی سی طاری رہی اور پھر حواس واپس آگئے۔ سب کچھ یاد آگیا۔ شاید جہاز چل پڑا تھا۔

انتہائی پھرتی سے کام کر رہے تھے وہ لوگ۔ لیکن دھوکہ کھا گئے تھے۔ ویسے ان کے وسائل کے بارے میں کوئی حیرانی نہیں تھی۔ کیونکہ ایک بڑی حیثیت کا ملک ان کی مدد کر رہا تھا۔ اور یقیناً انہیں ہمارے وطن میں بھی مراعات حاصل ہوں گی۔ میری نیند پوری ہو چکی تھی اس لئے طبیعت میں بشاشت تھی۔ میں کیبن کے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارے اور پھر واپس باہر نکل آیا۔ باہر دو سیاہ فام لڑکیاں موجود تھیں جو میری منتظر تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ جھک گئیں اور انہوں نے افریقی زبان میں کچھ کہا۔

"میں افریقی زبان نہیں جانتا۔" میں نے انگریزی میں کہا۔ اور وہ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔ پھر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ اور میں کسی دوسرے کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اس بار ایک سفید فام لڑکی مسکراتی ہوئی اندر آئی تھی۔ "ہیلو پرنس۔" اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو" میں سرد لہجے میں بولا۔

"ہم آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے۔"

"کیا وقت ہو گیا؟"

"شام کے سات بجے ہیں۔ باہر تاریکی پھیل گئی ہے۔"

"اوہ۔ میں کافی دیر تک سویا۔"

"ہاں۔ آپ یقیناً بھوک محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"طبیعت بھاری ہے۔ صرف چائے یا کافی پیئوں گا۔" میں نے کہا۔

"باہر کا موسم بے حد خوشگوار ہے پرنس۔ آیئے ڈیک پر چلیں وہاں میں آپ کے لئے کافی مہیا کر دوں گی۔" لڑکی نے کہا اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جہاز پر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں ڈیک پر آگیا۔ یہاں آکر اندازہ ہوا کہ جہاز کھلے سمندر میں نکل آیا ہے۔ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔

ڈیک پر ایک خوبصورت گوشے میں جہاں گملے رکھے ہوئے تھے اور ان میں خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے۔ رنگین کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ لڑکی نے یہاں تک میری رہنمائی کی اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ دور سے میں نے فریڈرک کو آتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ایک دراز قامت اور انتہائی پرکشش بدن کی مالک سیاہ فام لڑکی بھی تھی جو جدید فیشن کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس کی چال بیحد حسین تھی اور بدن کے بدگوشت حصے ایک خاص انداز میں تھرک رہے تھے۔ خدوخال بھی برے نہیں تھے اور ان میں بڑی کشش تھی۔

"پرنس بورٹو" فریڈرک نے جھک کر کہا۔ "مادام ڈلائی شیبا بورین" میں نے خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ "پرنس کی اجازت سے؟" فریڈرک نے ایک کرسی بورین کے لئے کھینچی اور دوسری پر خود بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال لیا تھا۔ پھر اس نے مجھے سگریٹ پیش کی۔

"نہیں شکریہ۔ میں نہیں پیتا۔"

"آپ کی اجازت سے پرنس!" اس نے خود ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا اور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "آپ کی اداسی ابھی تک دور نہیں ہوئی پرنس؟" اس نے پوچھا۔

"کیا ہمارا تعارف ہے؟" میں نے سوال کیا اور فریڈرک ایکدم سنبھل گیا۔

"اوہ۔ واقعی مجھ سے یہ حماقت ہوئی ہے۔ میں شاہ کائی ٹس کے خصوصی محکمے "بی جی" کا افسر اعلیٰ ہوں اور میرا نام فریڈرک ہے۔"

"شکریہ مسٹر فریڈرک۔ میں ذاتی معاملات میں مداخلت پسند نہیں کرتا۔"

"لیکن میں آپ کے خاص جانثاروں میں سے ہوں پرنس' اور میری ڈیوٹی ہے کہ آپ کو خوش رکھوں۔ میں آپ کی دلجوئی کا خواہشمند ہوں۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"آپ ایک بہترین مستقبل حاصل کرنے جا رہے ہیں پرنس۔ آپ مستقبل کے حکمران ہوں گے۔ آپ کو اس بات پر خوش ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ ایک طویل عرصے تک آپ اپنوں سے دور رہے ہیں۔ کیا آپ کو ان لوگوں کے درمیان جانے کی خوشی نہیں ہے؟"

"میں انہیں بھول چکا ہوں۔" میں نے کہا۔

"شاہ کائی ٹس نے بنیادی غلطی کی تھی۔ انہیں آپ کو اپنے ہی ماحول میں رکھنا چاہئے تھا۔ سنا ہے آپ افریقی زبان بھی بھول چکے ہیں؟"

"ہاں۔ میں بچپن ہی میں وہاں سے چلا آیا تھا۔"

"آپ کیا محسوس کر رہے ہیں پرنس؟"

"کس سلسلے میں؟"

"یوں لگتا ہے جیسے آپ خوش نہ ہوں۔" فریڈرک بھی ایک جھکی آدمی تھا۔

"میں نے جن لوگوں کے درمیان پرورش پائی ہے ان کو چھوڑ کر میں واقعی خوش نہیں ہوں۔ لیکن حقیقت حقیقت ہوتی ہے۔"

"آپ کو شاہ اور اپنا گھر یاد نہیں ہے؟"

"نہیں۔ میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔"

"بس مسٹر فریڈرک! آپ بہت سے سوالات پوچھ چکے ہیں۔ اب پرنس کو زیادہ پریشان نہ کریں۔" پہلی بار لڑکی نے کہا۔ اس کی آواز بھی بہت خوبصورت تھی۔ فریڈرک مسکرانے لگا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ کافی پی اور اٹھ گیا۔ "مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت ہے پرنس؟"

"تشریف رکھئے۔ ماحول بدل جانے کی وجہ سے میں اداس ہوں۔ بداخلاق نہیں ہوں۔"

"مجھے احساس ہے پرنس۔ لیکن کتنے خوش قسمت ہیں آپ۔"

"کس طرح؟"

"یہاں تو آپ عام زندگی گزار رہے ہوں گے۔ لیکن جہاں تک آپ ایک ریاست کے حکمران بننے جا رہے ہیں آپ کے لئے تو یہ سب اجنبی ہو گا؟"

"ہاں۔ یہ حقیقت ہے۔"

"اس پر آپ خوش نہیں ہیں؟"

"آپ بھی ویسے ہی سوالات کرنے لگیں مس بورین جن کے لئے آپ نے فریڈرک کو منع کیا تھا۔"

"اوہ۔ اگر آپ کو ان سوالات سے الجھن ہو رہی ہے تو میں معافی چاہتی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی اور پھر سمندر کی لہروں کو دیکھنے لگی۔ تاریکی پوری طرح پھیل گئی تھی۔ جب بالکل ہی اندھیرا ہو گیا تو ہم دونوں اٹھ گئے۔ بورین مجھے لے کر کلب چلی گئی۔ جہاں رقص و موسیقی کے پروگرام ہو رہے تھے۔ وہاں بھی ہم نے ایک مشروب طلب کیا۔ میرا موڈ اب بہتر ہو گیا تھا۔ پھر میں نے بورین کے ساتھ رقص کیا اور رات کا کھانا اس کے ساتھ کھایا۔ پھر وہ مجھے میرے کیبن تک چھوڑنے آئی۔ وہ میرے ساتھ ہی کیبن میں داخل ہو گئی تھی۔ "میرے لئے اور کوئی خدمت ہے پرنس؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔ آپ کو میری وجہ سے بڑی زحمت ہوئی ہے مس بورین۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے اسے نظرانداز کر دیا۔

"آپ کی شخصیت اتنی پرکشش ہے پرنس کہ آپ سے ایک لمحے کو جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا۔"

"کل صبح کا ناشتہ میں آپ کے ساتھ کروں گا۔ خدا حافظ۔" میں نے کہا اور بورین شانے ہلا کر واپس مڑ گئی۔ میں نے اس کے جانے کے بعد گہری سانس لی تھی۔ ویسے ذرا سی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ مجھے ڈاکٹر برہان کا پیغام مل گیا تھا۔ لیکن اگر براہ راست اس سے گفتگو ہو جاتی تو زیادہ مطمئن رہتا۔ پیغام محدود تھا اور حالات میں کسی لمحہ بھی تبدیلی ہو سکتی تھی۔ اسی لئے مجھے ایسی مہمات پسند نہیں تھیں جن میں میری حیثیت پابند ہو جائے۔ بہرحال اب تو برداشت کرنا ہی تھا۔ میں نے ڈکٹومیٹر ریسیور چیک کیا لیکن وہ کام نہیں کر رہا تھا۔ گویا جتنے ڈکٹومیٹر ہم نے استعمال کئے تھے ان کی رینج ختم ہو گئی تھی۔ دوسرے دن مجھے سب سے پہلے یہی کام کرنا تھا کہ کسی طرح اہم مقامات پر وہ ڈکٹومیٹر نصب کر دوں جو میرے پاس موجود تھے۔ پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کیبن کے دروازے پر آگیا۔ آہستہ سے میں نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور پھر مختلف حصوں کی تلاشی لینے لگا۔ اس طرف سے بھی اطمینان کرنے کے بعد میں نے جیب سے وہ ہائی پاور ٹرانسمیٹر نکالا جو

چھوٹا ضرور تھا لیکن طویل رینج میں اس پر بات کی جا سکتی تھی۔ بس ایک موہوم سی امید تھی ورنہ سمندر دور دور تک صاف دیکھ چکا تھا اور اپنے کسی شناسا کی قربت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔ اور اس پر سمندر کی لہروں کا شور سنتا رہا۔ پھر میں نے اس کا دوسرا بٹن دبایا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ٹرانسمیٹر کام کر رہا تھا۔ گویا کوئی دوسرا ٹرانسمیٹر اس رینج میں موجود تھا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ ہیلو۔ شہاب تیموری کالنگ۔ ہیلو ڈاکٹر برہان شہاب تیموری کالنگ۔"

"تمہاری آواز میں بدحواسی کیوں ہے؟" ڈاکٹر برہان کی آواز صاف سنائی دی اور میں ایک لمحے کے لئے گنگ ہو کر رہ گیا۔ "ہیلو شہاب۔ ہیلو۔ ڈاکٹر برہان بول رہا ہے۔ خاموش کیوں ہو گئے؟"

"اوہ ڈاکٹر۔ کیا۔ کیا آپ ہیں۔ آپ بھی اسی جہاز پر موجود ہیں۔ اتنی آسانی سے رابطہ ہو جائے گا۔ میں سخت حیران ہوں۔"

"میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"لیکن آپ کہاں ہیں ڈاکٹر؟"

"شہاب تیموری جیسے انسان کے لہجے میں یہ اچنبھا ذرا تعجب خیز ہے۔" ڈاکٹر نے ہنس کر کہا۔

"میں واقعی شدید حیران ہوں۔ کیونکہ آپ سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے میں بہت سے معاملات میں الجھا رہا تھا۔"

"مجھے بھی جلدی تھی اس لئے میں نے سوچا تفصیلی گفتگو تم سے سمندر میں ہو جائے گی۔" ڈاکٹر کا لہجہ بے حد پرسکون تھا۔

"میں پھر وہی سوال دہراؤں گا ڈاکٹر۔ کیا آپ بھی اسی جہاز میں موجود ہیں؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن میں تم سے دور بھی نہیں ہوں۔"

"فضاء میں؟"

"بچکانہ سوال۔"

"اوہ۔ اوہ۔ میں سمجھ گیا۔ میں سمجھ گیا۔" میں نے اچانک کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"بس ٹھیک ہے۔ سمجھ گئے تو مطمئن ہو جاؤ۔ تمہیں علم ہے کہ حکومت مکمل

طور سے ہماری حمایت کر رہی ہے اور ہمیں ہر سہولت بہم پہنچائی گئی ہے۔"

"شکریہ ڈاکٹر۔ اب میں پرسکون ہوں۔"

"پرسکون تو تمہیں پہلے بھی ہونا چاہئے تھا شہاب۔۔ ابھی تک حالات مکمل طور سے کنٹرول میں ہیں لیکن مجھے تم پر اعتماد ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ دیکھو تو حسب حال کام کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے مسٹر برہان۔ اب میں مطمئن ہوں بالکل۔ ہاں کیا آپ وہاں سے ڈکٹومیٹر ریسیو کر سکتے ہیں؟"

"ممکن نہیں ہے۔ تمہارے پاس جتنے ڈکٹومیٹر ہیں انہیں کسی مناسب جگہ پوشیدہ کر دو تاکہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو کام آجائیں۔ سمندر کے نیچے ان کی کارکردگی ممکن نہیں ہے۔ تم جس وائرلیس پر گفتگو کر رہے ہو اس کے پیغامات وصول کرنے کے لئے بھی خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں۔" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا۔

"مناسب ڈاکٹر! اور کوئی حکم؟"

"نمبر دو کس پوزیشن میں ہے؟"

"ابھی تک اس کے بارے میں تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔ اطلاع یہی ہے کہ وہ بے ہوش ہے۔ ویسے وہ ایک کامیاب انسان ہے۔"

"شہاب، پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی نوٹ کر لو۔ یہ خیال میرے ذہن میں فوری طور پر آیا ہے۔ اگر تم محسوس کرو کہ وہ کسی مخصوص وقت پر تم سے چھٹکارا پانے کے خواہاں ہیں تو عین وقت پر اپنی شخصیت سے انہیں آگاہ کر دینا۔ اور اگر وہ تمہارے معاملے میں کوئی خطرناک قدم نہ اٹھائیں تو اپنی یہ حیثیت برقرار رکھنا یعنی اس وقت تک تمہیں ظاہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک خطرہ سر پر نہ پاؤ۔"

"خطرات تو دونوں صورت میں ہیں ڈاکٹر اصلیت سے واقف ہونے کے بعد ممکن ہے کہ وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو جائیں۔"

"مجھے احساس ہے۔ لیکن بچاؤ کے لئے تم سمندر بھی استعمال کر سکتے ہو۔ ہم تمہاری طرف سے غافل نہیں رہیں گے۔ لیکن یہ آخری صورت ہونی چاہئے۔"

"بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اس فوری خیال کا کوئی جواز ہو گا؟"

"ہاں۔ میرا خیال ہے دوسری ملاقات میں بتاؤں گا۔ ہمیں طویل گفتگو سے احتراز کرنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے خداحافظ۔" میں نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ طبیعت ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ یہ احساس بڑا جاں بخش تھا کہ ڈاکٹر بھی زیادہ دور نہیں ہے اور حالات پر ان لوگوں کی نگاہ بھی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سکون کی نیند کے علاوہ اور کیا کرتا۔

"رات بھر کی عمدہ نیند کے بعد دوسری صبح طبیعت پر ایک خوشگوار اثر تھا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ بورین آ گئی۔ اس وقت بھی وہ ایک خوبصورت لباس میں تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا تھا۔ بورین نے بھی مسکراتے ہوئے مجھے صبح بخیر کہا۔ اور دلآویز انداز میں بولی۔

"رات کی اور اب کی کیفیت میں نمایاں فرق ہے پرنس۔ یوں لگتا ہے جسے آپ کے ذہن سے دھند چھٹ گئی ہو۔"

"ایک طویل عرصے کسی ماحول میں گزارنے کے بعد اگر تمہیں اچانک اس سے دور کر دیا جائے تو کیا تمہارے ذہن پر کوئی اثر نہیں ہو گا بورین؟"

"میں آپ سے متفق ہوں پرنس۔ لیکن رات کو میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی آیا تھا۔"

"کیا؟"

"بس میں نے سوچا تھا کہ پرنس نے کہیں شہزادوں کی شان کے خلاف حسن و عشق کا کوئی کھیل تو نہیں کھیل ڈالا۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں پرنس کو اپنی محبوبہ کی جدائی کا کوئی غم تو نہیں ہے۔ کیا ایسی کوئی بات ہے پرنس؟"

"تم نے ایک لفظ کہا۔ شہزادوں کی شان کے خلاف۔ کیا شہزادے عام انسانوں سے مختلف کوئی چیز ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ لیکن ان کے مشاغل ذرا مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی شے قیمتی نہیں ہوتی۔ وہ کسی بھی کھلونے سے صرف دل بہلاتے ہیں اور توڑ دیتے ہیں۔ کوئی چہرہ ان کے ذہن پر مسلط نہیں ہوتا۔"

"تمہارا تجزیہ غلط ہے۔ میں تم سے متفق نہیں ہوں۔"

"ممکن ہے پرنس.......... لیکن آپ کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

"میں مشورے قبول نہیں کرتا۔"

"میں ضد بھی نہیں کروں گی۔ کیا آپ ناشتہ کرنا پسند کریں گے؟"

"ہاں۔ بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ براہ کرم۔" میں نے کہا اور بورین نے میری

رہنمائی کی۔ ناشتے کے کیبن میں جہاز کا کپتان اور فریڈرک بھی موجود تھے۔ پچھلی رات کے رویے کے برعکس اس وقت میں نے ان دونوں سے نہایت گرمجوشی سے ملاقات کی تھی۔ فریڈرک نے بھی میری اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے مسکراتے ہوئے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے اب پرنس بورٹو مطمئن ہو گئے ہیں۔ تاہم ہمیں ان کا اطمینان ہی درکار ہے۔ ویسے مادام بورین آپ سے تو پرنس کافی بے تکلف ہو گئے ہوں گے۔ کیا آپ نے پرنس سے ان کے آئندہ پروگرام کے بارے میں پوچھا ہے؟"

"نہیں' اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔" بورین نے جواب دیا۔

"پرنس کے تعلیمی مشاغل کیا رہے ہیں؟"

"میں سیاست میں ہی دلچسپی رکھتا ہوں اور ممکن ہے میرے پرورش کنندہ نے خاص طور سے یہ موضوع میرے لئے منتخب کیا ہو۔"

"اوہ یقیناً۔ شاہ کائی ٹس نے دور رہ کر بھی آپ کی طرف سے غفلت نہیں برتی ہو گی۔" فریڈرک کہنے لگا۔ اور ہم ناشتے کی میز سے اٹھ گئے۔ فریڈرک وغیرہ کے چلے جانے کے بعد بورین نے کہا۔ "اب کیا پروگرام ہے پرنس۔ آیئے آپ کو جہاز کی سیر کراؤں۔" اس نے خود ہی تجویز بھی پیش کر دی اور میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا لباس ٹٹول لیا تھا۔ چند ڈکٹومیٹر میرے پاس موجود تھے۔

جہاز کی اندرونی خوبصورتی' صفائی' سامان آرائش و زیبائش نہایت مکمل تھے۔ تنگ راہداریوں اور برآمدوں میں دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ ایک جگہ کیبنوں کے ساتھ ہی ایک بہت خوبصورت لائبریری تھی جس میں ہر موضوع پر بہت سی کتابیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ کرسیوں کی بجائے یہاں قیمتی اور آرام دہ صوفے لگے ہوئے تھے۔ لائبریری کے ساتھ ہی بار روم اور کھیلوں کا وسیع کمرہ تھا۔ ویسے یہ ساری جگہیں خالی پڑی ہوئی تھیں کیونکہ جہاز کے عملے کے لوگ زیادہ تر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بہت سے حصے ایئرکنڈیشنڈ تھے اور برآمدے کے ساتھ کھلے عرشے کی آخری حد تک تختوں کی ایک سفید دیوار کھڑی تھی جس کے نزدیک ہی لائف بوٹ کے دو سیٹ رسوں کے ساتھ لٹک رہے تھے۔ مادام بورین مجھے مختلف حصوں میں گھماتی پھری اور کافی دیر کے بعد ہم اس کام سے فارغ ہوئے۔ تب میں نے اچانک پوچھا۔ "وہ شخص کس حال میں ہے جسے میرے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا؟"

"اوہ' آپ کی مراد شاید مسٹر ڈریک سے ہے؟"

"ہاں۔"

"مسٹر ڈریک اتفاقیہ طور پر بہت زیادہ متاثر ہو گئے ہیں ویسے ہوش میں ہیں۔ چل پھر رہے ہیں۔ کھا پی رہے ہیں لیکن نقاہت کافی ہے اور بولنے میں بھی شدید تکلیف محسوس کرتے ہیں کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے جیسے ان کی بصارت پر بھی اثر پڑا ہوا۔ بہرصورت ڈاکٹر انہیں دوائیں دے رہے ہیں۔"

"مجھے اس شخص کے لئے افسوس ہے۔ کہاں ہے وہ؟ میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور بورین نے ادب سے ایک جانب اشارہ کر دیا۔ کیبنوں کی ایک قطار کے آخری کیبن کے سامنے وہ رک گئی۔ اور پھر اس نے آہستہ سے دروازے کو دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر ماجد ڈریک کے میک اپ میں موجود تھا۔ ایک آرام دہ کرسی پر دراز کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے کتاب بند کرکے رکھ دی اور سوالیہ انداز میں ہمیں دیکھنے لگا۔

"ہیلو مسٹر ڈریک کیسے ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں لیکن دن میں بیس بار مجھ سے یہ سوال کیوں کیا جاتا ہے؟" ڈریک نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ مسٹر ڈریک' پرنس بورلٹو آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔"

"پرنس بورلٹو۔" ڈریک بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔ پھر بورین کی جانب دیکھ کر بولا۔ "لیکن آپ نے ان کے ساتھ کیوں آئی ہیں؟"

"یہ بھی پرنس ہی کی خواہش تھی۔"

"ہرگز نہیں۔ میں ایک وقت میں ایک ہی آدمی سے ملاقات کر سکتا ہوں۔"

"ڈریک نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور کتاب دوبارہ اٹھا لی۔ بورین نے بوکھلا کر مجھے دیکھا تھا۔ سوری پرنس' میں نے کہا تھا ناکہ وہ ہوش و حواس میں نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ یوں کریں' آپ آرام کریں۔ میں اس کی عیادت کروں گا۔" میں نے کہا اور بورین گردن جھکا کر باہر نکل گئی۔

"اتنی بے تکلفی مناسب نہیں ہے۔" ڈریک یا ماجد اردو میں بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تم سے گفتگو کئے کافی وقت گزر گیا تھا۔"

"حالات ٹھیک ہیں؟"

"بالکل۔"

"ہم کس طرف سفر کر رہے ہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا؟"

"ابھی تک نہیں ویسے ظاہر ہے ہمارا رخ ریاست کی طرف ہی ہو گا۔ ممکن ہے جہاز درمیان میں کسی دوسرے ملک میں لنگر انداز ہو۔ ویسے ڈاکٹر قریب ہی موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جہاز کے ساتھ ساتھ ایک سب میرین لگی ہوئی ہے۔ وہ لوگ اس سے سفر کر رہے ہیں۔" میں نے کہا اور ماجد بوکھلائے ہوئے انداز میں سر کھجانے لگا۔ "اتنے اعلیٰ پیمانے پر؟" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہماری حکومت پوری پوری دلچسپی لے رہی ہے۔" میں نے بتایا۔

"وہ لوگ بھی ساتھ ہوں گے؟" اس نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

"ٹھیک۔ اب ہمارا یہاں کیا کام ہے۔ لیکن ٹھہرو۔ تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟" ماجد نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

"بات ہوئی تھی۔ انتظامات کئے گئے ہیں اس کے لئے۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب' یہ عمدہ بات ہے۔ بہرحال کوئی نئی بات تو نہیں ہے؟"

"نہیں سب کچھ حسب معمول ہو رہا ہے۔ ویسے تمہیں کوئی الجھن تو نہیں پیش آ رہی ہے؟"

"نہیں۔ ابھی تو سب ٹھیک ٹھاک ہے لیکن یہاں بھی تمہیں مل گئی؟" ماجد نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔ "تقدیر کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ اور پھر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ "اب اجازت دو' زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔ مناسب یہی ہو گا۔" اور پھر میں کیبن سے باہر نکل آیا۔ تھوڑے فاصلے پر بورین کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر میرے نزدیک آ گئی۔

"آپ سے بات ہوئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس کا دماغ متاثر معلوم ہوتا ہے۔"

"سر میں چوٹ آئی تھی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ صورتحال تشویشناک نہیں

ہے۔" وہ بولی۔ میں آگے بڑھ گیا تھا پھر میں نے جہاز کے دوسرے حصوں کا رخ کیا۔ کپتان کے کیبن میں گیا اور وہاں ذہانت سے کام لیکر ایک ڈکٹومیٹر نصب کر دیا۔ دوسرا ڈکٹومیٹر میں نے فریڈرک کی رہائش گاہ میں لگایا تھا۔ اس کے علاوہ کئی اور ایسی جگہوں پر میں نے یہی عمل دوہرایا۔ جو میرے خیال میں کار آمد تھیں۔ اس وقت کی کارکردگی میرے خیال میں اطمینان بخش تھی۔

بورین کافی دیر میرے ساتھ رہی اور پھر تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر چلی گئی۔ میں اپنے کیبن میں آگیا تھا۔ سمندر کے اس غیر معین سفر میں اب میرے لئے کوئی الجھن نہیں تھی۔ اس سے قبل میں کسی قدر منتشر تھا لیکن اب صورتحال مختلف تھی۔ ڈاکٹر برہان وغیرہ زیادہ دور نہیں تھے۔ ویسے ان لوگوں کے آئندہ اقدامات کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ کم از کم انہیں اب یہ اطمینان تو ضرور ہو گا کہ پرنس بورٹو اپنی ریاست تک نہیں پہنچ سکتا۔ ویسے یہ سیاہ فام لڑکی بورین میری نگران اعلیٰ تھی اس لئے میں اس سے محتاط رہنا چاہتا تھا۔

رات کو اپنے بستر پر لیٹ کر بھی انہی خیالات میں ڈوبا رہا۔ بورین نے یہ رات بھی میرے ساتھ گزارنے کی خواہش کی تھی لیکن میں چالاکی سے ٹال گیا۔ وہ کسی قدر ملول سی واپس چلی گئی تھی۔ بہرحال میں نے ڈکٹومیٹر ریسیور سیٹ سینے پر رکھ کر آن کر دیا۔ مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں اور پھر ان میں میرے کام کی آواز مل ہی گئی۔ یقیناً یہ فریڈرک کی آواز تھی۔ وہ کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ دوسری آواز بھی واضح ہو گئی۔ یہ نسوانی آواز بورین ہی کی تھی۔

"نہیں۔ وہ ہمارے لئے ایک کار آمد مہرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جسے اگر کبھی ضرورت پڑی تو ہم استعمال کر سکتے ہیں۔"

"اگر اعلان کے مقررہ وقت تک کائی ٹس بورٹو کو پیش نہ کر سکا تو کیا ہو گا؟"

"اس وقت ہمارے متعین کردہ آدمی کا نام پیش کر دیا جائے گا اور پھر ریاست کے قانون کے مطابق حکومت اسے سونپ دی جائے گی۔"

"خوب تو گویا اب کامیابی یقینی ہے۔" یہ بورین کی آواز تھی۔

"ہاں، اگر اتنی تگ و دو کے بعد بھی کامیابی نہ ہوتی تو پھر ہمیں تو اپنے عہدہ سے استعفٰی ہی دینا پڑتا۔" فریڈرک نے کہا۔ چند ساعت خاموشی چھائی رہی پھر بورین کی آواز ابھری۔ "بہرحال وہ انتہائی پرکشش شخصیت کا مالک ہے۔"

"تم بہت زیادہ متاثر ہو گئی ہو اس سے؟"

"ہاں اس کے اندر شہزادوں کی سی شان موجود ہے اور بہرحال شہزادے پرکشش شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔"

"بورین، محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری رنگین فطرت سے واقف ہوں۔ لیکن بعض اوقات یہ رنگینیاں نقصان دہ بھی ہو جاتی ہیں۔"

"اوہ نہیں ڈیئر فریڈرک، اب تم مجھے اتنا کمزور بھی نہ سمجھو۔ ویسے اس پر مشرقی ماحول کا خاصا اثر ہے حالانکہ میں نے اس سے خاصی کھلی گفتگو کی لیکن اس نے اس طرف توجہ، نہیں دی۔"

"چھوڑو ان باتوں کو بورین میں بور ہو رہا ہوں۔" فریڈرک نے کہا۔ اور بورین کی ہنستی ہوئی آواز آئی۔ "تمہاری بوریت تو میں ابھی دور کئے دیتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" فریڈرک نے دلچسپی سے پوچھا۔ اور پھر شیشے کھنکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے ڈکٹومیٹر ریسیور آف کر دیا تھا۔ گویا اس وقت میرے مطلب کی کوئی بات نہیں تھی۔ بہرصورت دیر تک میں ان حالات پر غور کرتا رہا اور پھر سونے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ نیند آگئی تھی اور اس وقت میں گہری نیند سو رہا تھا۔ جب مجھے باہر سے کچھ تیز تیز آوازیں سنائی دیں۔ چند ساعت تو میں نیم خوابیدہ ذہن کے ساتھ ان آوازوں کو سنتا رہا۔ پھر صورتحال معلوم کرنے کے لئے اپنے کیبن سے باہر نکل آیا۔

اوپر ہواؤں کا شور سنائی دے رہا تھا اور جہاز کے عملے کے لوگ تیزی سے ادھر ادھر دوڑتے ہوئے کچھ ضروری کاموں میں مصروف تھے۔ میں نے متحیرانہ انداز میں ان لوگوں کی جانب دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا۔ میں صورتحال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ طوفان آگیا ہے۔ آسمان پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور فضا میں عجیب سا حبس تھا۔ یہ بالکل نئی صورتحال تھی اور میرے لئے اچنبھے کا باعث۔ ہواؤں کی تیزی میں اس قدر شدت تھی کہ کھڑا رہنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں حالات کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ اس بھیانک طوفان سے نمٹنے کے لئے یہ لوگ کیا کریں گے۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیسا شور کسی طرف سے بورین میرے نزدیک پہنچ گئی۔ "ہیلو پرنس"۔ اس نے مجھے مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے۔ یہ آدھی رات کو کیسا شور ہے؟"

"اوہ کوئی خاص بات نہیں۔ غالباً تیز ہوائیں چلنے لگی ہیں طوفان وغیرہ ہے۔" بورین نے کہا۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ یہ خطرہ خاصا شدید ہے۔ ورنہ اتنی تیزی سے انتظامات نہ ہونے لگتے۔" میں نے کہا۔

"صحیح صورت حال تو مجھے نہیں معلوم۔ آؤ دیکھیں۔ سمندری سفر میں تو ایسی دلچسپ صورتحال پیش آتی ہی رہتی ہے۔" بورین بے خوفی سے بولی۔ اور میں اس کے ساتھ عرشے کی طرف چل پڑا۔ کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی تھی۔

عرشے پر بھی ضروری انتظامات کئے جا رہے تھے اور بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ چاروں طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ماحول خوفناک تھا۔ سمندر میں بڑے بڑے بگولے اٹھ رہے تھے اور ان کے سفید جھاگ ماحول میں ایک چمک سی پیدا کر دیتے تھے۔ میں ساکت نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ اچانک بارش شروع ہو گئی۔ موٹی موٹی بوندوں نے تیز موسلادھار بارش کی شکل اختیار کر لی اور بورین نے میرا بازو پکڑ لیا۔ "اب یہاں نہیں رکا جا سکتا۔ پرنس۔ آئیے آئیے۔" وہ مجھے لئے ہوئے اپنے کیبن کی طرف دوڑی اور پھر کیبن میں داخل ہوکر اس نے دروازہ بند کر لیا۔

رفتہ رفتہ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں اور انہوں نے جہاز کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بارش کے تھپیڑے پوری قوت سے بند کھڑکیوں اور آہنی دروازوں سے ٹکرا رہے تھے۔ بند کیبن کے اندر بھی طوفان کی شدت کا احساس ہو رہا تھا۔ بادلوں کی مہیب گرج اور طوفان کا شور سنائی دے رہا تھا۔ بڑے شیشوں سے جہاں تک نگاہ کام کرتی اونچی اونچی مہیب لہریں جہاز کی طرف لپکتی نظر آرہی تھیں۔ بجلی چمکتی تو ماحول منور ہو جاتا اور پھر وہی خوفناک تاریکی چھا جاتی۔ جہاز پر زلزلے کی سی کیفیت طاری تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک جہاز لرزتا رہا اور پھر کسی قدر سکون محسوس ہوا۔ تیز آوازیں سست پڑ گئیں اور بورین نے سکون کا سانس لیا۔ پھر مسکرا کر میری طرف دیکھنے لگی۔ "آپ کے ذہن میں کوئی طوفان نہیں آتا پرنس؟" وہ مخمور لہجے میں بولی۔

"میں نہیں سمجھا بورین؟" میں نے اسے دیکھا۔

"مجھے تو آپ اس سمندر سے بھی زیادہ گہرے معلوم ہوتے ہیں۔"

"نگاہ کا قصور ہے۔ ہر چیز کا تعین آنکھ کرتی ہے۔ ذہن جو بھی سوچ لے۔ میں عملی انسان ہوں مفروضات کا شکار نہیں ہوتا۔"

"انسانی زندگی کی کمزوریوں کا بھی کوئی تصور نہیں ہے آپ کی نگاہ میں؟" بورین نے پوچھا۔

"کیوں نہیں انسان اگر کمزور نہ ہوتا تو اس طوفان پر قادر ہوتا اور اسے روک سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اور وہ طوفان جو سینوں میں اٹھتے ہیں؟" بورین نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا وہ کتابی طوفان ہوتے ہیں۔ افسانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا زندگی سے اتنا گہرا تعلق نہیں ہوتا کہ انہیں خود پر طاری کر لیا جائے۔ وہ صرف اور صرف جذباتی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ زندگی ٹھوس حقائق کا مجموعہ ہے۔"

"نہیں پرنس' میں آپ کی بات سے متفق نہیں ہوں۔"

"ممکن ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا اور بورین عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا آپ زندگی میں ان حادثات کے قائل نہیں ہیں جو اچانک رونما ہوتے ہیں اور ہماری شخصیت ہل کر رہ جاتی ہے۔"

"قائل ہوں۔ کیونکہ خود اس کا شکار ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ' اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"ممکن ہے جب یہ سب کچھ میرے ساتھ پیش آئے گا تو میں اس کے بارے میں بھی سوچوں گا۔" میں نے جواب دیا اور بورین ایک گہری سانس لیکر پشت سے ٹک گئی۔ پھر چونک کر بولی۔ "پرنس کچھ پئیں گے آپ؟"

"کیا؟" میں سوال کیا۔

"اس وقت کوئی بھی مشروب لطف دے گا۔ میں آپ کے لئے ہیٹی کی دلہن لاتی ہوں۔ نفیس شراب ہے۔ اس وقت کے لئے موزوں ترین۔"

"سوری بورین۔ میں باہوش رہنا چاہتا ہوں۔ سخت ترین حالات میں بھی خود کو کھونے کا قائل نہیں ہوں۔ ہاں اگر کافی پلوا سکو تو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی اٹھ گئی۔ "میں کافی لاتی ہوں۔" بورین بولی۔" اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ میں اس کے دلکش بدن کو بل کھاتے دیکھ رہا تھا۔ ان حالات میں کسی طور اس سے متاثر نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ اس طوفانی رات میں اس کا طوفانی وجود جس قدر سحرانگیز تھا اس کا تصور ہی ذہن و دل میں طوفان لا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی کی ٹرے اٹھائے اندر آگئی اور اس نے ایک کپ مجھے پیش کر دیا۔

"شکریہ بورین۔" میں نے کپ لے لیا اور دوسرا کپ لیکر وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"بارش اب بھی ہو رہی ہے۔ مطلع صاف نہیں ہوا۔" اس نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔

"کیا یہ طوفانوں کا موسم ہے؟"

"طوفان سمندر کی ملکیت ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی موسم نہیں ہوتا۔" بورین بولی۔

"تم شاعرانہ موڈ میں ہو۔" میں نے کافی کا گھونٹ لیا۔ اسی وقت جہاز نے ایک زبردست جھٹکا کھایا اور کافی کا کپ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ بورین کرسی سے نیچے گر گئی تھی اور گرم کافی اس کے لباس پر گر پڑی تھی۔ اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دے کر اٹھا دیا تھا۔ بورین دونوں ہاتھوں سے بدن کے جلے ہوئے حصوں کو مسل رہی تھی اور اپنے لباس پر سے کافی کے قطرے صاف کر رہی تھی۔ "یہ جھٹکا کیسا تھا؟" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"پتہ نہیں۔ آؤ باہر چل کر دیکھیں۔" میں نے کہا اور بورین خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

باہر سے مدہم مدہم آوازوں کا شور پھر بلند ہو رہا تھا۔ ہم نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے۔ ٹھنڈی ہواؤں کا ایک جھونکا بدن سے ٹکرایا تھا اور بدن میں کپکپی کی لہریں دوڑ گئیں۔ دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ جہاز چل نہیں رہا۔ اس کے انجن خاموش ہیں۔ میں نے بورین کا شانہ تھپتھپایا۔ "بورین جہاز کے انجن بند ہو چکے ہیں؟"

"شاید۔" بورین نے کہا۔ اور پھر ایک تیز آواز ہمارے کانوں میں گونجی۔

"آگ۔ آگ۔ آگ۔"

"آگ" بورین تعجب سے میری طرف دیکھ کر بولی۔ اور دوسرے لمحے ہم تیزی سے آگے دوڑنے لگے۔ میں نے بورین کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ جہاز کے ایک حصے سے آگ کے اونچے اونچے شعلے اور دھوئیں کے سیاہ مرغولے اٹھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور جہاز کے عملے کے لوگ ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ میں حیرت سے ساکت رہ گیا۔ آگ کے شعلے میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ نہ جانے یہ آگ کیسے لگ گئی تھی۔ بہرصورت جہاز خوفناک آگ کا شکار ہو گیا تھا۔ عملے کے لوگ گرتے پڑتے ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے اور ان

کی تیز آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید وہ لوگ آگ بجھانے کے انتظامات کر رہے تھے۔ بورین بھی بدحواس ہو گئی تھی اور میرے ساتھ ادھر سے ادھر دوڑ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک دوڑتے ہوئے شخص کو پکڑا۔ "کیا ہو گیا۔ آگ کیسے لگ گئی؟" اس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" اس شخص نے تیزی سے بورین سے ہاتھ چھڑایا اور دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

"پرنس یوں لگتا ہے جیسے یہ رات کسی خوفناک حادثے کی رات ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ جہاز کسی شدید حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔" بورین نے کہا۔ میں بھلا کیا جواب دے سکتا تھا۔ آگ کے شعلے لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتے جا رہے تھے' اور شعلوں کی تپش اب ہر جگہ محسوس کی جا رہی تھی۔ اس تپش نے سرد ہواؤں کا اثر کافی حد تک زائل کر دیا تھا۔ میں نے صورتحال کا جائزہ لیا۔ اب میری حیثیت ایک تماشائی کی سی نہیں ہونی چاہئے۔ پرنس بنے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ صورتحال بگڑ چکی ہے۔ چنانچہ میں نے بورین سے کہا۔ "میرا خیال ہے بورین۔ کپتان سے صورتحال معلوم کرو۔ آگ شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔" بورین بھی اب مفروضات کے سمندر سے نکل آئی تھی اور اسے اپنی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے ان الفاظ کو غنیمت جانا اور تیزی سے ایک طرف دوڑی چلی گئی۔

میں نے چاروں طرف دیکھا اور سب سے پہلے میں ماجد کی کیبن کی طرف بھاگا۔ ڈریک کی حیثیت سے اسے بھی کیبن میں رکھا گیا تھا۔ وہ میرے علم میں تھا۔ اور ماجد نے ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے کیبن کے سامنے رہنا مناسب سمجھا تھا۔ میں نے اسے دیکھ لیا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو شہاب۔ صورتحال تشویشناک ہے۔"

"ہاں ماجد۔ آگ بہت شدید ہے۔"

"میں تمہیں تمہارے کیبن میں دیکھنے گیا تھا۔ اور جب تم وہاں نہیں ملے تو میں واپس یہاں آ گیا۔ اس خیال سے کہ تم مجھے تلاش کرتے ہوئے اسی جگہ آؤ گے۔"

"گڈ۔ پھر اب کیا خیال ہے؟"

"اپنے طور پر حفاظت کا بندوبست کر لو۔ یہ ضروری ہے۔ ممکن ہے جہاز چھوڑنا پڑ جائے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔" میں نے کہا۔ اور میں اور ماجد تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

اپنے کیبن میں پہنچ کر میں نے وائرلیس سیٹ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ اس کے علاوہ باقی چیزیں بیکار تھیں ہم دونوں کیبن سے نکل کر جہاز کے ایک ایسے گوشے کی تلاش میں چل پڑے جو نسبتاً پرسکون ہو۔ شور تو چاروں طرف ہی بلند ہو رہا تھا۔ پھر ایک جگہ رک کر میں نے ٹرانسمیٹر آن کیا اور ڈاکٹر برہان کو کال کرنے لگا۔ لیکن دیر تک کوشش کے باوجود ہواؤں کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ اور میں نے تشویشناک نگاہوں سے ماجد کو دیکھا۔

"ان حالات میں مشکل ہے۔" ماجد مایوسی سے بولا۔ اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ٹرانسمیٹر احتیاط سے اندرونی لباس میں رکھ لیا۔ اب ہمیں اپنی زندگی بچانے کی جدوجہد کرنی تھی۔

آگ اب کیبنوں تک پہنچ گئی تھی اور بہت سے کیبن دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ لکڑی کے تختے اور جہاز کا دوسرا سامان آگ کے اندر جل کر تڑاخ پیدا کر رہا تھا۔ خلاصی اور انجینئر آگ کو بجھانے کی انتہائی کوششیں کر رہے تھے لیکن آگ اب ممکن طور سے بے قابو ہو چکی تھی۔

"کیا خیال ہے شہاب۔ جہاز بچ سکے گا؟ ماجد آہستہ سے بولا۔

"مشکل ہے۔"

"تو پھر کھڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ کچھ کریں۔" ماجد بولا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تب ہم آگے بڑھ گئے۔ دوسری طرف عملے کے افراد نے بھی زندگی کی فکر شروع کر دی تھی۔ گو بڑے بڑے افسر اور انجینئر وغیرہ ابھی تک آگ بجھانے کے سلسلے میں پرامید تھے۔ لیکن جہاز کے نچلے درجے کے ملازم خوفزدہ ہو گئے۔ میں نے دیکھا چاروں لائف بوٹس سمندر میں اتاری جا چکی تھیں اور اب اوپر ایک بوٹ بھی نہیں تھی۔

ماجد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک جلا ہوا چوڑا تختہ سامنے ہی پڑا ہوا تھا۔ اس تختے سے کئی رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ماجد نے اسے سنبھال لیا۔ "لائف بوٹس کا ہاتھ آنا مشکل ہے۔ آؤ جہاز چھوڑ دیا جائے۔" وہ بولا۔ اور میں نے اس سے اتفاق کیا۔ تختے کو سمندر میں پھینکنا اور اس پر اترنا ایک مسئلہ تھا۔ لیکن اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ ماجد نے تختہ سمندر میں اچھال دیا اور اس کے بعد ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور

پھر تاریک سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

شعلوں کا پہاڑ بلند سے بلند تر ہو گیا تھا۔ اس خوفناک آگ پر اب قابو پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یقیناً" عملے کے افراد اب صرف جہاز چھوڑ دینے کی ترکیبیں کر رہے ہوں گے۔ ہوا کے ایک تیز اور گرم جھونکے نے ہمارے تختے کو جہاز سے دور کر دیا۔ دور دور تک شدید تپش تھی اور گرم جھلسا دینے والی ہوا چل رہی تھی۔ لیکن اسی ہوا نے ہماری مدد کی اور ہم جہاز سے کافی دور نکل آئے۔ سمندر روشن تھا اور آگ کا گولہ اتنے فاصلے سے بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ ماجد اور میں بالکل خاموش تھے اور کسی قدرت وحشت زدہ بھی۔

ہوائیں غیر محسوس انداز میں ہمیں جہاز سے کافی دور لے آئی تھیں۔ تختہ صرف ہواؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ اگر یہی ہوائیں ہمیں جہاز کی سمت دھکیل دیتیں تو اس خوفناک آگ سے بچنے کی کوئی ترکیب نہیں تھی۔ نہ جانے کتنی دیر تک ہم سمندر میں خاموش اور کسی گہری سوچ سے عاری رہے۔ پھر ماجد کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"کیا یہ تختہ اس بیکراں سمندر میں ہماری زندگی کی ضمانت بن سکتا ہے؟" اس نے سوال کیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "خوفزدہ ہو ماجد؟" میں نے پوچھا۔

ماجد عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ "سوچنا پڑے گا۔ ویسے ذہن میں وسوسے تو ہیں۔ کیا تمہیں کسی ایسے سمندری سفر کا تجربہ ہے؟" چند ساعت کے بعد اس نے پوچھا۔

"نہیں سمندری سفر بہت کم کئے ہیں اور ان میں کبھی حادثے سے دوچار نہیں ہوا۔"

"ان حالات میں تھوڑا سا خوف تو یقینی ہے۔" ماجد مسکرا کر بولا۔

"ہاں اجنبی افتاد ہے۔ نہ جانے کم بخت جہاز میں آگ کیسے لگ گئی۔ ویسے وہ شدید جانی نقصان سے دوچار ہوئے ہوں گے۔"

"ان کے بارے میں تو اب سوچنا فضول ہی ہے۔ اپنے لئے سوچو۔ نہ تو ہم بیمار ہیں نہ کسی اہم ترین انسانی فریضے کے لئے موت و زندگی کی کشمکش کے شکار جو رضاکارانہ طور پر خاموشی سے موت قبول کر لیں۔ اتفاق کا شکار ہوئے ہیں۔ ان حالات سے بچاؤ کی ترکیب سوچنا ضروری ہے۔ تختہ تیز و تند سمندر میں ہماری حفاظت نہیں کر

سکے گا۔ اول تو یہ زیادہ چوڑا نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے لڑھکنے کی شکل میں اس میں کوئی روک نہیں ہے۔ البتہ اس کے ساتھ منسلک یہ رسیاں ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ ہمارا انحصار صرف سمندری ہوا پر ہے۔ اور لہروں کا اتار چڑھاؤ ہماری سلامتی کے لئے سخت خطرہ ہے۔ چنانچہ اس وقت کوئی فوری فیصلہ ضروری ہے۔" ماجد نے کہا۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے ماجد۔ یہ رسیاں سمیٹ لو۔" میں نے کہا۔ اور ہم نے پہلی بار جنبش کی۔ تختے سے بندھی ہوئی ریشمی مضبوط رسیاں کافی بڑی تھیں۔ ہم نے انہیں اوپر کھینچ لیا۔ اب اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ ہم خود کو ان رسیوں سے جکڑ لیں۔ اس طرح ہم تختے سے پھسل کر سمندر میں گرنے سے بچ سکتے تھے۔ چنانچہ ہم نے جس قدر ممکن ہو سکا خود کو ان رسیوں سے جکڑ لیا۔ اس طرح تختے سے جدا ہو جانے کا خطرہ دور ہو گیا تھا۔ پھر میں نے لیٹے لیٹے اپنے لباس سے نہایت احتیاط کے ساتھ ٹرانسمیٹر نکالا۔ ماجد خاموشی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ٹرانسمیٹر پر ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ بس یہی ایک امید تھی۔ لیکن لہروں کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وقفے وقفے سے میں آدھے گھنٹے تک رابطہ قائم کرنے کوشش میں مصروف رہا لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ جانے آبدوز کہاں چلی گئی تھی۔

پہلی بار میرے دل میں خوفناک وسوسے جاگ اٹھے۔ اب تک امید تھی کہ ڈاکٹر برہان زیادہ دور نہیں ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر اس سے مدد طلب کی جا سکتی ہے لیکن اب خوف کا ایک احساس ابھر آیا تھا۔ ماجد بدستور خاموش تھا اور میری کوشش کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا اور بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا آبدوز کسی حادثے کا شکار ہو گئی؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا۔ بظاہر تو ایسے آثار نہیں ہیں۔ لیکن یہ خاموشی تعجب خیز ہے۔"

"کیا ڈاکٹر کو جہاز کے اس حادثے کا علم ہو گا؟"

"ہونا تو چاہئے۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔ ماجد خاموش ہو گیا۔ سمندر کے دورافتادہ حصے سے دن کا اجالا پھوٹ رہا تھا۔ ہوا کسی قدر مدھم ہو گئی تھی اور ہماری زندگی کا سہارا لہروں کے دوش پر اچھل رہا تھا۔ وہ بدستور ایک مخصوص سمت پر بہتا جا رہا تھا۔ ہوائیں ہمیں جدھر بھی لے جا رہی تھیں ان کا رخ ایک ہی تھا۔ بالآخر سورج

نکل آیا اور دور دور تک بیکراں نیلگوں سمندر روشن ہو گیا۔ تاحد نگاہ پانی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور یہ منظر خوف کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ اس ہولناک سفر میں ہم بے دست و پا تھے۔ نہ کھانے کے لئے کچھ تھا اور نہ سر چھپانے کے لئے کوئی سہارا۔ سورج لحظہ بہ لحظہ گرم ہوتا جا رہا تھا اور دھوپ کی شدت بدن پر اثرانداز ہونے لگی تھی۔

"برے پھنسے ماجد بیٹے!" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"تمہارے اوپر تو واقعی برا وقت پڑا ہے۔"

"کیوں؟"

"اچھے خاصے راجہ آف اثرپور بن رہے تھے۔ حسین عورت اور بے پناہ دولت۔ دونوں چیزوں کو ٹھکرا کر اس چکر میں آ پھنسے ہو۔ کیا خیال ہے' میں غلط تو نہیں کہتا تھا؟" ماجد نے کہا۔

"اوہ' ماجد' سکوت موت کا دوسرا نام ہے۔ رانی آف اثرپور واقعی ایک احمق عورت تھی اور اگر میں اس کی پذیرائی کرتا تو وہ بلاشبہ اپنا سب کچھ میرے حوالے کر دیتی لیکن تم خود سوچو کہ ہم نے زندگی کی بنیاد جس انداز میں رکھی ہے کیا اس کے تحت یہ سب کچھ مناسب تھا؟"

"میں تمہاری جگہ ہوتا تو ضرور قبول کر لیتا لیکن کیا کروں۔ میری بدقسمتی ہے کہ محل کی کوئی بھنگن بھی کبھی الفت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتی۔" ماجد نے کہا اور ہم دونوں ہنستے رہے۔ یوں لگتا تھا جیسے ہم خود کو بہلانے کے لئے نڈر بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سورج کی تمازت خاصی تیز ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر میں نے ٹرانسمیٹر پر ڈاکٹر برہان کی آبدوز تلاش کرنے کی کوشش کی اور جب تک ہمت رہی یہ کوشش کرتا رہا' لیکن کوئی جواب نہ مل سکا۔ کہیں پر ٹرانسمیٹر کے اشارے موصول نہیں کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر ٹرانسمیٹر واپس رکھ لیا۔ ہم لوگ انتہائی کوشش کر رہے تھے کہ دھوپ کی تپش سے اپنے ذہنوں کو دور رکھ سکیں لیکن جو حقیقت تھی وہ سامنے تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد تو یہ کیفیت ہو گئی کہ زبان ہلانے کو دل نہ چاہا۔ شدید بھوک لگ رہی تھی لیکن کھانے پینے کا تصور بھی اس وقت مضحکہ خیز تھا۔ کیا کھاتے' رسیوں سے جکڑے ہوئے تختے پر پڑے تھے۔ بہت دیر تک یہ کیفیت

رہی اور ماجد کسی قدر بے چین نظر آنے لگا۔ اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا اور بولا۔

”شہاب‘ کیوں نہ ہم اب ان رسیوں سے خود کو آزاد کرالیں ہوائیں زیادہ تیز نہیں ہیں اور پھر دن کا وقت ہے ہم احتیاط رکھیں گے۔“

”ٹھیک ہے‘ جیسا پسند کرو۔“

”دیکھو نا سورج کی تپش ایک ہی انداز میں ہمارے بدن پر پڑ رہی ہے۔ اب تو جسم جلنے لگا ہے۔ اگر ہم رخ بدل لیں گے تو اسے کچھ بچاؤ ہو سکتا ہے۔“ میں نے گردن ہلا دی اور ہم دونوں نے اپنی رسیاں کھول دیں۔ پھر ماجد نے اپنی قمیض اتار دی اور اسے پانی میں بھگو کر اپنے بدن پر ڈال لیا۔ مجھے اس کی یہ ترکیب پسند آئی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس طرح سے دھوپ سے کچھ سکون مل گیا تھا۔ ہم قمیض کو باربار پانی میں بھگوتے اور کبھی چہرے پر اور کبھی بدن پر ڈال لیتے۔ حالانکہ اس پانی میں شدید چپکن تھی اور نمک ہمارے بدن پر لگ کر سورج کی تپش کو اور تیز کر رہا تھا۔ جہاں سے بدن خشک ہوتا وہاں سورج نمک کی زیادتی سے ہمارے جسموں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔ لیکن گزارا کرنا تھا۔ پانی کی فوری نمی اور اس شدت کو کم کر دیتی تھی۔ چنانچہ اس عمل میں ہم شام تک مصروف رہے۔ گو اب ہاتھ پاؤں میں بھی اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن بہرصورت زندگی بچانے کے لئے خصوصی قوت اس وقت ابھر آتی ہے جب انسان خود کو مکمل طور پر بے بس محسوس کرے۔ چنانچہ ہم ان تمام کوششوں میں مصروف رہے۔

لیکن جونہی شام کا جھٹپٹا پھیلا ہمیں ایک اور افتاد کا سامنا کرنا پڑا۔ چھوٹی بڑی بے شمار شارک مچھلیاں اپنے خوفناک جبڑے کھولے تختے کے چاروں طرف بے چینی سے تیر رہی تھی۔ وہ بار بار تختے کی طرف جھپٹتیں اور مایوس ہو کر لوٹ جاتیں۔ میں اور ماجد دہشت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں تختے کے درمیان سمٹ گئے تھے۔ ماجد نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ ”میں نے شارک مچھلیوں کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل پڑھی ہے۔“

”وہ کیا؟“

”میرا خیال ہے شہاب یہ اس وقت تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں گی جب تک کہ ہم ان کی نگاہوں کے سامنے سے اوجھل نہیں ہو جائیں گے۔ میرا خیال ہے لیٹ جاؤ۔ اگر ہم انہیں نظر نہ آئے تو ممکن ہے یہ ہمارا راستہ چھوڑ دیں۔“ میں نے ماجد کے

کہنے پر عمل کیا۔ حالانکہ یہ بھی خطرناک بات تھی۔ کم از کم بیٹھنے سے ان پر نگاہ تو رہتی تھی۔ ممکن ہے کوئی بڑی مچھلی آجائے اور وہ اس تختے کو خاطر میں نہ لائے۔ لیکن بہرصورت اس وقت تو زندگی اور موت کا مذاق ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس مذاق میں ہماری اپنی حیثیت بھی کیا تھی۔

کافی دیر گزر گئی‘ مچھلیاں اب بھی غوطے لگا رہی تھیں‘ ابھر رہی تھیں۔ ان کے اچھلنے کی آوازیں صاف سنائی دے جاتی تھیں لیکن ہم نے جنبش کرنے کی کوشش نہیں کی اور جب سورج غروب ہونے لگا تو میں نے یونہی گردن اٹھا کر دیکھا۔ قرب و جوار میں کوئی مچھلی نہیں تھی۔ تب اس میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ ”ہم ایک خوفناک خطرے سے بچ گئے ہیں ماجد!“

سورج سمندر میں غروب ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد آسمان پر ستارے جھلملانے لگے۔ ہوائیں خنک ہو گئی تھیں۔ دن بھر کی خوفناک تپش کے بعد یہ خنک ہوائیں بے حد فرحت بخش لگ رہی تھیں۔ ہم دونوں نے اپنے بدن رسیوں سے جکڑ لئے۔ یہ آخری کوشش تھی کیونکہ بھوک اور پیاس‘ دن بھر کا تکلیف دہ سفراب اعضاء پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔ سب سے بڑی چیز بے بسی کا احساس تھا۔ اس دوران میں باربار ٹرانسمیٹر پر ڈاکٹر برہان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ ایک بار تو دل چاہا کہ ٹرانسمیٹر سمندر میں پھینک دوں لیکن پھر خود کو اس جذباتیت سے دور رکھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی۔ ماجد نے اس کے بعد کوئی گفتگو نہیں کی۔ میرا دل بھی بولنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ چنانچہ میں بھی خاموش رہا۔ رات کے آخری حصے میں کسی وقت نیند آگئی اور ہم سمندر کے رحم و کرم پر سو گئے۔ صبح کو سورج نے جگا دیا تھا۔ اس کی تیز کرنیں بدن کے کھلے ہوئے حصوں میں چبھنے لگیں۔ منہ کھولنے کی کوشش کی تو تالو میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہوئے۔ سورج آہستہ آہستہ سر پر آتا جا رہا تھا اور ہمارے بدن چھلنے لگے تھے۔ ممکن تھا عام حالات میں ہم جنبش کرنے کی کوشش بھی نہ کرتے۔ لیکن اس دھوپ نے اس قدر تکلیف دی کہ مردہ اعضاء میں جان پڑ گئی۔ کل کا تجربہ دوہرایا جانے لگا۔ اور قمیض بھگو بھگو کر جسم کے مختلف حصوں میں پر رکھتے رہے۔ اس طرح کافی سکون مل رہا تھا۔ ہم دن بھر وقفے وقفے سے یہی کرتے رہے۔ اس دوران ہم نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی حالت سے بخوبی واقف تھے۔

سورج کی حشر سامانی بالآخر ختم ہو گئی۔ سمندر میں یہ ہمارا دوسرا دن تھا۔ ہمارے چہرے زرد ہو رہے تھے۔ ایک بار میری نگاہیں ماجد سے ملیں اور وہ مسکرا دیا۔ میں نے انتہائی کوشش کر کے زبان اندر کی قدرتی نمی سے تر کی اور بولا۔

"کیا حال ہے ماجد؟" میں نے خود اپنی آواز میں کافی کمزوری محسوس کی تھی۔

کافی دیر کے بعد ماجد کی آواز سنائی دی۔ "اب بھی رانی آف اٹرپور کی پیشکش کو ٹھکرانے کی حماقت کو محسوس نہیں کرو گے؟"

"تمہیں وہ بہت یاد آ رہی ہے؟"

"ہاں۔" ماجد نے جواب دیا۔ وہ ان حالات میں اپنی شگفتہ مزاجی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ بس یہ ایک ہذیانی سی کوشش ہے۔ ورنہ اس وقت ایک ایک لفظ بولنا بے حد مشکل کام تھا۔ پھر ہم دونوں خاموش ہو گئے اور سمندر کی یہ تیسری رات بھی سروں پر پہنچ گئی۔ اس رات ہم زیادہ دیر تک ستارے نہیں دیکھ سکے تھے۔ غشی یا نیند ہم پر طاری تھی۔

لیکن زندگی کے بے شمار روپ ہوتے ہیں۔ موت و زندگی کا کھیل عقل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کھیل کا ذمہ دار کوئی اور ہی ہے۔ وہ ہوتا ہے جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بظاہر میں وہ وقت پورا ہو رہا تھا جو زندگی کا تھا۔ یقین ہو چلا تھا کہ ہماری کہانی ختم ہو چکی ہے اور اب صرف موت زندگی کے بقیہ لمحات پورا ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔

صبح ہوئی تو آنکھیں بے نور ہو رہی تھیں۔ اجالا دھندلاہٹ لئے ہوئے تھا۔ سخت دھوپ، تپش، بھوک، پیاس سے آنکھوں کی بینائی متاثر ہوئی تھی۔ لیکن حواس ابھی کسی قدر بحال تھے۔ سننے کی قوت باقی تھی اور یہ آواز اگر کوئی واہمہ نہیں تھی تو......... تو یقیناً کسی مشین کی تھی۔ اور یہ مشین؟"

ذہن پر زور دینے سے اس کا اندازہ بھی ہو گیا۔ وہ ہیلی کاپٹر کی مخصوص آواز ہے۔ ایک دم سے اچھل پڑنے کو دل چاہا لیکن اعضاء نے ساتھ نہ دیا۔ آنکھیں پھاڑنے کی کوشش کی لیکن بینائی نے ساتھ نہیں دیا۔ بڑی مشکل سے میں نے ماجد کو آواز دی لیکن کوئی آواز نہ ابھری۔ ماجد کی حالت مجھ سے زیادہ خراب تھی۔ ہیلی کاپٹر شاید اس تختے کے اوپر بہت نیچی پرواز کر رہا تھا۔ لیکن میں ایک بار بھی اسے نہ دیکھ سکا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا تو سر میں زور کا چکر آتا۔ اور اندر سے کیفیت

خراب ہونے لگتی۔ تمام تر کوشش کے باوجود میں ناکام رہا اور تھک ہار کر میں نے گردن ڈال دی۔ میں اپنے اعضاء پر قابو پانے میں ناکام رہا تھا۔ البتہ ہیلی کاپٹر کی آواز بخوبی کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ کسی کارروائی میں مصروف تھا۔ پھر ایک عجیب سا بوجھ ہمارے اوپر آ پڑا۔ میں اس بوجھ کو محسوس کر سکتا تھا۔ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ عجیب سی شے ہمارے بدن پر باربار گر رہی تھی۔ اٹھ رہی تھی۔ نہ جانے کیا ہو رہا تھا۔ کچھ آوازیں سنائی دیتیں اس کے بعد بوجھ ہٹ جاتا۔ آنکھیں کھولتا تو دماغ متاثر ہونے لگتا۔ اور آنکھوں سے سوچنے میں البتہ کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔

یہ کیا شے ہے۔ یقیناً ہیلی کاپٹر سے کوئی کوشش ہو رہی ہے۔ ہمیں سمندر سے نکالنے کی کوشش۔ پھر اچانک ہمارے جسموں کو جھٹکے لگے زوردار جھٹکے اور پھر یوں لگا جیسے ہمارے بدن خلا میں معلق ہوں۔ تختہ اب بھی بدن کے نیچے تھا۔ لیکن کچھ اس طرح کے ہچکولے لگ رہے تھے جیسے اب ہم پانی پر نہ ہوں۔

کیا ہو رہا ہے۔ شاید جال ڈال کر تختے کو پانی سے اٹھا لیا گیا ہے اور اب وہ کسی مخصوص سمت پرواز کر رہا ہے۔ مسرت کی ایک لہر رگ و پے میں دوڑ گئی۔ گویا زندگی بچ جانے کا امکان ہو گیا ہے۔ عجیب کیفیت تھی۔ نہ عالم ہوش میں تھا نہ بے ہوشی میں' بس کچھ احساسات جاگ رہے تھے اور کچھ نیم غنودگی کی سی کیفیت تھی۔ نہ جانے کتنی دیر خلا کا یہ سفر جاری رہا۔ اس کے بعد یوں لگا جیسے تختہ کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیا گیا ہو۔ پھر ایک زوردار چکر آیا اور ذہن گہرائیوں میں ڈوبتا سا چلا گیا۔ لیکن اس بار جب ہوش آیا تو سر پر نہ تو وہ سلگتا ہوا سورج تھا نہ بدن پر نمکین پانی کی اذیت ناک چبھن۔ بدن میں توانائی بھی محسوس ہو رہی تھی اور ذہنی قوتیں بھی بحال محسوس ہو رہی تھیں۔ کیا یہ احساس موت کے بعد کا ہے۔ میں نے سوچا اور اس تصور سے آنکھیں خودبخود کھل گئیں۔ میں ماحول کا جائزہ لینے لگا۔

ایک ٹھنڈی اور خنک جگہ تھی جہاں انتہائی سکون تھا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس بے سکونی کے عالم میں یہ دن گزرے ہیں اس کے بعد کچھ ایسے لمحات بھی نصیب ہو سکتے ہیں جس کے بعد موت کا کوئی افسوس باقی نہ رہے۔ لیکن یہ سب کیا ہوا ہے۔ کیا ڈاکٹر برہان اپنی کسی کوشش میں کامیاب ہو گیا ہے۔ بہت سی باتیں تھیں۔ عجیب و غریب سا احساس تھا۔ چنانچہ گومگو کے عالم میں خاصی دیر گزر گئی۔ میں فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ یہ کونسی جگہ ہے۔ بہرصورت سمندر کے ہولناک سفر سے زندگی بچ گئی۔ دیر تک

انہی خیالات میں غلطاں رہا۔ اور پھر اس کے بعد دروازہ کھلا اور تیز روشنی اندر آئی۔ پھر وہی ٹھنڈا سا سناٹا چھا گیا۔ اندر آنے والے کے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ سفید لباس میں ایک خوبصورت سی لڑکی تھی۔ سر پر لگی ہوئی ٹوپی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نرس ہے۔ وہ میرے نزدیک پہنچ گئی اور پھر اس نے میرا ہاتھ اپنے نرم' ملائم ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں لیکن ذہن بہت سی الجھنوں کا شکار ہے۔"

"اوہ' ہوش میں آنے کے بعد یہ الجھن ایک فطری بات ہے۔ تم سمندر میں تھے نا؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے مہربان کون ہیں اور ہمیں کیوں بچانے کی کوشش کی گئی ہے؟"

"واہ' یہ دوسرا سوال تو کچھ عجیب سا ہے۔ ظاہر ہے تم موت کے قریب تھے اور ہم تمہیں مرتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔" نرس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور میں بھی مسکرا پڑا۔ پھر مجھے ماجد یاد آیا اور میں نے چونک کر پوچھا۔ "میرا ایک ساتھی بھی تھا۔ وہ .... وہ ...."

"ہاں وہ بھی محفوظ ہے اور ایک دوسری جگہ ہے۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں نرس' اور میں اپنے کرم فرماؤں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"ظاہر ہے تمہارے دوست ہوں گے۔ اگر دوست نہ ہوتے تو تمہیں بچانے کی کوشش نہ کرتے۔ چنانچہ دوستوں کے لئے کوئی تردد کرنا تو مناسب نہیں ہے۔ باقی رہی ان کے بارے میں جاننے کی بات تو بہت جلد تمہیں ان کے بارے میں تفصیل معلوم ہو جائے گی۔" نرس نے کہا اور پھر ایک انجکشن تیار کرنے لگی .... میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور جب اس نے سرنج تیار کرکے مجھ سے ہاتھ آگے بڑھانے کی فرمائش کی تو میں نے اطمینان سے بازو اس کے سامنے کر دیا۔ بازو کو کھولتے ہوئے مجھے اپنے بدن کے لباس کا احساس ہوا اور ایک ہلکی سی بے چینی میرے انداز میں پیدا ہو گئی۔ یہ لباس بدلا ہوا تھا۔ عمدہ قسم کے سلک کا سلیپنگ سوٹ جو یقیناً کسی اور ہی نے مجھے پہنایا ہو گا۔ لیکن اس دوران ٹرانسمیٹر اس کے پاس پہنچ گیا ہو گا۔ چنانچہ یہ بے

چینی اسی وجہ سے تھی۔ لیکن میں نرس سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ جب اس نے انجکشن لگا دیا تو میں بازو ڈھانپ کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ تب نرس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولی .... "کچھ کھانے پینے کی خواہش ہے؟"

"کھلا دو' ویسے بدن کی توانائی حیرت انگیز ہے جب کہ ہم تین دن تک بھوکے رہے ہیں۔"

"تمہارے بدن میں بہترین غذا پہنچا دی گئی ہے۔" نرس نے جواب دیا۔

"ہاں بدن کی توانائی اس بات کا احساس دلاتی ہے۔ تم نے واقعی ہمارے اوپر احسان کیا ہے۔ ہاں یہ تو بتاؤ کیا اس تباہ شدہ جہاز سے کوئی اور شخص بھی زندہ بچ سکا؟"

"کون سے جہاز کی بات کر رہے ہو؟"

"میں جس میں سوار تھا۔"

"افسوس مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ تھوڑا سا آرام کر لو .... اس کے بعد ظاہر ہے تمہیں تفصیلات معلوم ہو ہی جائیں گی۔"

اس نے گردن جھکائی اور باہر نکل گئی۔ میں نے اسے روک کر مزید کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن اب میں پوری طرح سوچ سمجھ سکتا تھا۔ اگر یہ ڈاکٹر برہان کی کارروائی ہوتی تو وہ فوری طور پر مجھ سے ملاقات کرتا بلکہ ان حالات میں میرے سرہانے ہی موجود ہوتا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اجنبی ہاتھوں میں ہوں۔ لیکن وہ کون لوگ ہیں؟.......... میں نے ایک بار پھر اس کمرے کا جائزہ لیا۔ خوبصورت طور پر آراستہ بیڈروم تھا۔ ضرورت کی بہت سی چیزیں موجود تھیں دیواروں پر ہلکا نیلا رنگ تھا۔ ان چیزوں سے کوئی اندازہ لگانا مشکل تھا۔ دفعتاً مجھے کوئی خیال آیا اور میں اچھل پڑا۔ اٹھنے کی کوشش کی تو کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں نے باتھ روم کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ باتھ روم میں آئینہ موجود تھا۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ خدا کا شکر تھا کہ میک اپ برقرار تھا۔

باتھ روم سے باہر نکلا تو وہی نرس موجود تھی۔ اس کے نزدیک ایک میز پر پھلوں کا رس رکھا ہوا تھا۔ "یہ .... پی لیں۔"

"شکریہ نرس۔ میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"نرس ہی کہہ لیں۔ کیا حرج ہے؟"

"بتانا نہیں چاہتیں؟"
"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا نام این گراہم ہے۔"
"شکریہ نرس۔ میں بروٹو ہوں۔" میں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے آئے
کہا۔ لیکن نرس کے انداز میں کوئی خاص کیفیت نہیں پیدا ہوئی۔ میں نے جوس کے
چھوٹے چھوٹے چند گھونٹ لئے اور گلاس رکھ دیا۔
"اور کسی چیز کی ضرورت ہے؟" اس نے پوچھا۔
"جانا چاہتی ہو؟"
"ہاں اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔" وہ بولی۔
"ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو مجھے میرے سوالات کے جواب دے
سکے۔ کھلے دل اور غیر کاروباری انداز میں گفتگو کر سکے۔" میں نے کہا۔
"بہتر ہے۔ میں تمہاری ضرورت کا اظہار کر دوں گی۔" اس نے جواب دیا۔
"کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟"
"اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"
"کیا تم ہی چند منٹ میرے لئے نہیں نکال سکتیں؟" میں نے سوال کیا اور وہ
سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "مجھے افسوس ہے مسٹر بروٹو۔ براہ کرم بے
صبری کا مظاہرہ نہ کریں۔ ظاہر ہے آپ کو پوری تفصیل معلوم ہو ہی جائے گی۔ یوں
سمجھ لیں کہ مجھے صرف آپ کی خدمت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس کے علاوہ
مجھے کسی گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔"
"اوہ۔" میں نے آہستہ سے کہا اور نرس باہر چلی گئی۔ میں پھلوں کا بچا ہوا رس
پینے لگا۔ نرس کے ان الفاظ سے مجھے احساس ہو گیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ مجھے بچانے
والے اجنبی نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ اجنبی ہوتے تو ایسی کسی رازداری کی ضرورت نہیں
تھی۔ پھر وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ جوس ختم کرنے کے بعد میں نے ہونٹ خشک کئے
اور آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچنے لگا۔ کافی دیر گزر گئی۔ تب میں اٹھا اور کمرے
کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ باہر
سے لاک تھا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ حالات قطعی غیر اطمینان بخش تھے۔ گویا
میری حیثیت ایک قیدی کی سی ہے۔ ابھی دروازے کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ
باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں اور دروازہ کھل گیا۔

تین آدمی موجود تھے۔ ان میں ایک غیر معمولی جسامت کا پر رعب شخص تھا۔
تینوں سفید فام تھے اور عمدہ لباسوں میں ملبوس تھے۔ میں دروازے کے سامنے سے ہٹ
گیا۔ "ہیلو پرنس کیسے ہیں آپ؟" بارعب شخص نے پوچھا۔ اور میں نے ایک گہری
سانس لی۔ گویا وہ مجھ سے واقف تھے۔
"شکریہ ٹھیک ہوں۔ لیکن الجھنوں کا شکار بھی ہوں۔" میں نے کہا۔
"کیسی الجھنیں پرنس؟" اس نے پوچھا۔
"میں نے نرس سے پوچھنا چاہا تھا کہ میں کن لوگوں کے درمیان ہوں لیکن اس
نے کوئی جواب نہیں دیا اور معذوری ظاہر کی۔"
"لیکن آپ کو تردد کیوں ہے پرنس۔ ظاہر ہے آپ سمندر میں غیریقینی حالات کا
شکار تھے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہم آپ کو پانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر ہم آپ کے
دوست نہ ہوتے تو آپ کو سمندر سے نکالنے کی کوشش کیوں کرتے؟"
"اگر آپ میری شخصیت سے واقف ہیں تو اس بے چینی کی وجہ بھی آپ کے
علم میں ہوں گی۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔
"ہاں یہ بات درست ہے۔ بہرحال آپ دوستوں کے درمیان ہیں۔ یہ بتایئے
آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"
"بالکل ٹھیک ہوں۔"
"سمندر میں آپ نے غالباً تین دن گزارے ہیں؟"
"ہاں انتہائی خوفناک دن اور رات۔"
"کیا آپ کو زندگی کی کوئی امید تھی؟"
"مایوس ہو چکا تھا۔" میں نے جواب دیا اور وہ شخص مسکرانے لگا۔ باقی دونوں
آدمی خاموش اور کسی قدر مؤدب تھے جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ شخص ان کے
لئے قابل احترام ہے۔ ہم لوگ ابھی تک کھڑے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ تب اس
نے کہا۔
"کیا آپ چہل قدمی پسند کریں گے؟" اگر نہیں تو بیٹھیں۔" اس نے کہا۔
"بہتر ہو گا کہ یہاں سے باہر چلیں۔ میں کسی قدر گھٹن محسوس کر رہا ہوں۔"
میں نے کہا اور وہ فوراً" پلٹ گیا۔ "تشریف لایئے پرنس!" اور میں اس کے ساتھ
دروازے سے باہر نکل آیا۔ "مجھے شمٹ کہتے ہیں۔ ہیری شمٹ۔" اس نے دروازے

سے باہر نکلتے ہوئے تعارف کرایا۔

"آپ کی نوازش مسٹر شمٹ۔ یہ کونسی جگہ ہے؟" میں نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"آپ اسے کیلی بر کے نام سے پکار سکتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم ایک خوبصورت راہداری سے گزر رہے تھے جس میں سرخ رنگ کا قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔

"کیلی بر؟ .... میرے لئے یہ نام اجنبی ہے۔ کیا یہ کوئی جزیرہ ہے؟"

"ہاں، سمندر کے سینے پر رواں دواں۔ جزیرہ۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا۔
پھر ہم راہداری سے نکل کر ایک پلیٹ فارم پر آگئے، جس سے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ دور تک ایک لمبا راستہ پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے اختتام پر ہیلی کاپٹر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن قرب و جوار میں دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ یہ ایک وسیع و عریض جنگی جہاز تھا۔ اور سمندر کے سینے پر رواں دواں جزیرے والی بات اب میری سمجھ میں آئی۔ "میرے خدا۔ یہ جہاز ہے؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ اور کیلی بر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔" شمٹ مسکرا کر بولا .... میں نے جہاز کے ایک سرے پر اس ملک کا جھنڈا لہراتے دیکھا جو کائی ٹس کے خلاف مصروف عمل تھا اور حالات کسی حد تک میری سمجھ میں آگئے۔ میں محتاط ہوگیا۔ "تم لوگ جاؤ۔ اور ہاں ہمارے لئے کوئی عمدہ مشروب بھجوا دو۔ موسم خوشگوار ہے۔ آپ کیا پینا پسند کریں گے پرنس؟"

میں نے آسمان پر جمع ہونے والے بادلوں کے ٹکڑوں کو دیکھا۔ جن کی وجہ سے ابر چھاتا جا رہا تھا اور پھر ہونٹ چبا کر بولا۔ "مشروب کے علاوہ کچھ نہیں۔"

"کیوں۔ شراب نہیں پیتے آپ؟"

"ہاں، ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی ہے میں نے جہاں شراب نہیں پی جاتی۔"

"اوہ، جی ہاں مجھے کسی حد تک آپ کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔ آپ نے واقعی ایک ایسے ماحول میں اور ایک ایسے معاشرے میں پرورش پائی ہے جہاں بہت ساری ضرورت کی چیزوں کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال میں آپ کے لئے کوئی اور مشروب منگوائے دیتا ہوں۔" شمٹ نے کہا۔ اور اپنے آدمیوں کو ہدایات کردیں۔ پھر وہ مجھے لئے ہوئے ایک سمت بڑھ گیا۔ یہاں عرشے کی ریلنگ کے پاس خوبصورت کرسیاں

نصب تھیں۔ کرسیوں کی تعداد پندرہ یا بیس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ چھ چھ کرسیوں کے درمیان ایک میز بھی تھی۔ اور لوہے کی یہ خوبصورت کرسیاں یہاں پر شاید کیلوں سے فرش میں جڑ دی گئی تھیں۔ موسم چونکہ خوشگوار اور ٹھنڈا تھا۔ اس لئے اس وقت ان کرسیوں پر بیٹھنا ناگوار نہ گزرا اور ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ میرے چہرے پر کسی قدر الجھن کے آثار نمایاں ہو گئے۔ تب میں نے چونک کر پوچھا۔ "ہاں مسٹر شمٹ، میرا ایک ساتھی بھی تھا؟"

"اوہ، ڈریک کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"جی ہاں۔"

"وہ خیریت سے ہے اور ایک دوسرے کیبن میں موجود ہے۔"

"ویسے یہ بہت بڑا جہاز ہے۔ غالباً" آپ کے ملک کا جنگی جہاز؟"

"جی ہاں۔"

"مگر یہ سمندر کونسا ہے؟"

"یورپ ہی کا علاقہ سمجھیں آپ اسے ...." شمٹ نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے انداز میں خاصی گہرائی ہے۔ بول بھی کشادہ پیشانی اور بڑی بڑی گہری آنکھوں کی وجہ سے وہ خاصا ذہین انسان لگتا تھا۔ جسامت بھی قابل رشک تھی۔ وہ میز پر کہنیاں ٹکا کر میری صورت دیکھنے لگا اور پھر بولا۔ "سمندر کے درمیان یہ تین دن آپ نے کیسے گزارے پرنس؟"

"انتہائی خوفناک۔ ہر وقت موت کا انتظار کرتے ہوئے۔"

"موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے آپ نے؟"

"بلاشبہ، تختے پر ہم قطعی غیر محفوظ تھے۔ خود کو رسیوں سے نہ جکڑ لیتے تو کسی بھی وقت سمندر میں گر پڑے ہوتے۔ اور پھر شارک مچھلیاں بس زندگی تھی کہ بچ گئے۔ لیکن آپ نے ہمیں کیسے دیکھ لیا؟"

"بہت سے ہیلی کاپٹر آپ کو تلاش کرتے پھرے ہیں۔ جس وقت ایک ہیلی کاپٹر نے آپ کو سمندر سے اٹھایا آپ نیم بے ہوش تھے۔ پہلے تو آپ کو آوازیں دی گئیں کہ آپ رسیوں کے ذریعہ ہیلی کاپٹر پر آجائیں لیکن جب آپ کی طرف سے جواب نہیں ملا تو پھر یہی فیصلہ کیا گیا کہ آپ کو جال ڈال کر تختے سمیت اٹھا لیا جائے۔"

"میں شکر گزار ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں پرنس۔ ہمیں خود ہی آپ کی تلاش تھی۔"

"کیا آپ کو ہمارے جہاز کی تباہی کی اطلاع مل گئی تھی؟"

"ہاں، ہمیں علم ہو گیا تھا۔"

"دوسرے لوگوں میں سے کچھ لوگ زندہ بچے؟"

"کافی افراد .... وہ ایک لانچ کے ذریعے کیلی بر تک پہنچ گئے تھے۔"

"اوہ۔ کیا ان میں مسٹر فریڈرک بھی موجود ہیں؟"

"ہاں انہیں آپ کی بڑی فکر تھی۔ انہی کے ایماء پر ہم آپ کی تلاش میں دوڑے تھے۔"

"مسٹر فریڈرک کہاں ہیں۔ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں تاکہ انہیں زندگی کی مبارکباد دے سکوں اور ہاں ایک خاتون بورین کے نام سے بھی تھیں۔"

"افسوس، وہ جہاز کے حادثے میں ہلاک ہو گئیں۔" شمٹ نے جواب دیا۔

"مسٹر فریڈرک کہاں ہیں؟"

"وہ آگ سے زخمی ہو گئے ہیں۔ بہت جلد ان سے ملاقات ہو جائے گی۔" شمٹ نے جواب دیا اور میں ایک گہری سانس لیکر سمندر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص ہمارے لئے مشروب لے آیا۔ شمٹ نے اپنے لئے شراب منگوائی تھی اس نے اپنے لئے پیگ بنایا اور مشروب کا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ ہم دونوں چھوٹی چھوٹی چسکیاں لینے لگے۔ شمٹ کے انداز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو مجھے چبھ رہی تھی لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بہت سے سوالات میرے ذہن میں مچل رہے تھے جن کا جواب کسی طور حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ سب سے بڑا احساس مجھے ماجد کا تھا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا گزری۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہے۔ بہرصورت یہ لوگ کہہ رہے ہیں تو بہتر ہی ہو گا۔ دیر تک ہم مشروب کی چسکیاں لیتے رہے پھر دو آدمی ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے ہیری شمٹ کو مخاطب کرکے کہا۔ "چیف نے آپ کو طلب کیا ہے۔"

"صرف مجھے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں پرنس بورٹو کو بھی۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔" شمٹ نے شراب کا گلاس رکھ دیا اور میری جانب دیکھ کر بولا۔

"آیئے پرنس، اب آپ کی ملاقات آپ کے بہت سے دوستوں سے کرائی جائے گی۔"
میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ ابھی تک میں حالات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے ٹرانسمیٹر کی بھی فکر تھی۔ اگر وہ ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے تو اس کے بارے میں ان لوگوں نے کیا سوچا ہو گا۔ بہرصورت چھٹی حس اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ کچھ گڑ بڑ ضرور ہو گئی ہے، اور وہ گڑبڑ کس قسم کی ہے اور ان لوگوں نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے اس کا اندازہ تو بعد ہی میں ہو سکتا ہے۔ جہاز انتہائی عظیم الشان تھا۔ اس سے قبل میں نے اتنا بڑا جنگی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ یہ ان روایتی جہازوں میں سے تھا جن کے بارے میں کہانیاں مشہور ہیں۔ بہرصورت ہم بے شمار کیبنوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک کیبن کے سامنے رک گئے اور شمٹ نے دروازہ کھول کر مجھے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوا تو اندر کا ماحول دیکھ کر حیران رہ گیا۔

انتہائی کشادہ ہال تھا جس میں سبز رنگ کا پورا قالین بچھا ہوا تھا۔ درمیان ایک انتہائی نفیس میز بچھی ہوئی تھی جس کے گرد کرسیوں پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان کی کرسی پر ایک کرخت چہرے والا گرانڈیل آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ کافی موٹا تھا لیکن آنکھیں باریک لکیروں کی طرح تھیں جو بمشکل تھوڑی سی کھلتی تھیں۔ ان کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی کیفیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ ایک کرسی پر میں نے فریڈرک کو بھی دیکھا جس کا چہرہ جلا ہوا تھا۔ ایک بازو بھی گردن میں پڑا ہوا تھا۔

ہم دونوں خاموشی سے ہال میں داخل ہو کر کرسیوں کی طرف بڑھ گئے۔ شمٹ اب مؤدب نظر آنے لگا تھا۔ گینڈے نما شخص نے آنکھوں کی جھری سے مجھے دیکھا اور باریک باریک ہونٹ بھینچے دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر بھاری آواز میں بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔" اس کا انداز تحکمانہ تھا۔ میں اس کے سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے پوچھا اور اچانک میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔ یہ سوال کسی قدر غیرمتوقع تھا۔ تاہم میں نے ایک لمحے میں خود پر قابو پالیا۔ مسٹر فریڈرک میرا تعارف کرائیں گے۔" میں نے نہایت وقار سے کہا۔

"میں نے تم سے پوچھا ہے؟"

"پرنس بورٹو کے نام سے پکارا جاتا ہے مجھے۔"

"اصل نام کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ اور گینڈے نما شخص نے دروازے

کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا اور اس میں سے کسی کو اندر دھکیل دیا گیا۔ آنے والا توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا وہ قالین پر گر پڑا۔ اس کے پیچھے ہی دو افراد نمودار ہوئے تھے۔ آنے والا اٹھ گیا۔ یہ ماجد تھا .... اور اس وقت اپنی اصلی شکل میں تھا .... اب کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی۔ ہمارا راز کھل گیا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ ماجد اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تب وہ دونوں آدمی جو ماجد کے عقب میں آئے تھے آگے بڑھے اور میرے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بوتل دبی ہوئی تھی۔ جس کے سرے پر سائفن لگا ہوا تھا۔ میرے نزدیک پہنچ کر وہ کرخت لہجے میں بولا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔" اور میں کھڑا ہو گیا۔

ایمونیا کی پھواریں میرے چہرے پر پڑیں اور پلاسٹک میک اپ اترنے لگا۔ دوسرے آدمی کے پاس تولیہ تھا۔ اس نے اس سے میرا چہرہ رگڑ دیا۔ پلاسٹک میک اپ کے ٹکڑے میرے چہرے اور گردن سے الگ ہو گئے اور میری اصلیت نمایاں ہو گئی۔ سوچنے سمجھنے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ بات صاف تھی کہ وہ لوگ ہماری اصل حیثیت سے واقف ہو چکے ہیں۔ میں مطمئن انداز میں ان کی صورت دیکھتا رہا۔ اب تو جو کچھ ہو گا وہ بھگتنا ہی تھا۔ چنانچہ کسی اضطراب کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ تمام لوگ میرا چہرہ دیکھ رہے تھے اور پھر فریڈرک نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "یہ بھی ایشائی ہی ہے۔"

"ہوں۔" گینڈے نما شخص نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ اور پھر ماجد کو دیکھتا ہوا بولا۔ "ادھر آؤ۔ تم بھی اس کے نزدیک آجاؤ۔" میں کھڑا ہو گیا تھا۔ ماجد بھی میرے برابر کھڑا ہو گیا۔ وہ تمام لوگ مضحکہ خیز نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ تب گینڈے نما شخص نے نرم انداز میں اپنا تعارف کرایا۔ "تم مجھے ہینڈرک کے نام سے پکار سکتے ہو اور اب میں تمہارے نام جاننا چاہوں گا۔" اس نے کہا۔

"میرا نام شہاب تیموری ہے اور یہ میرا دوست ماجد۔"

"گڈ .... تعلق .... ؟" ہینڈرک نے سوال کیا۔

"تفصیل بتانا پسند نہیں کروں گا۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کتے کی موت مارے جاؤ گے۔" وہ بولا۔

"مرتے ہوئے کتے مجھے زیادہ برے نہیں لگتے۔ چنانچہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"خوب' ویسے بات الجھا دینے والی کر رہے ہو۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ تم اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو تاکہ پریشانیوں سے بچ جاؤ۔ یہ بات تو کھل چکی ہے کہ تم پرنس بورٹو

نہیں ہو اور اس کے بعد ہماری نگاہوں میں تمہاری زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔ ہم اطمینان سے تمہیں قتل کر دیں گے۔ لیکن اگر تم چاہو تو تمہاری زندگی بچ سکتی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"سب کچھ صاف بتا دو۔ ایک لفظ بھی نہ چھپاؤ۔ تم ہماری مدد کرو۔ ہم تمہیں زندگی دیں گے۔" ہینڈرک نے کہا اور میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا درست کہا تھا۔ ہماری زندگی کی ان کی نگاہوں میں کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ ہم تو ان کے لئے قطعی بے مصرف تھے۔ لیکن اس کے بعد بھی زندگی کی کیا ضمانت ہو سکتی تھی۔ "مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دی جائے۔" میں نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ جو فیصلہ کرنا ہے ابھی اور اسی وقت کرو۔ میں جانتا ہوں تم مہلت کیوں طلب کر رہے ہو۔ لیکن میں تمہیں موقع دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"مسٹر ہینڈرک۔" دفعتاً" فریڈرک نے درمیان میں دخل دیا۔ اور ہینڈرک چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "آپ اس سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ جو کچھ بتائے گا وہ میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس کا تعلق اس ایشیائی ملک کی انتظامیہ سے ہے اور میں پہلے ہی دھوکا کھانے کا اعتراف کر چکا ہوں۔ برجیتا نے ان لوگوں سے مدد طلب کی ہو گی۔ چنانچہ ہمیں مطمئن کرنے کے لئے بورٹو کے میک اپ میں اسے اور ڈریک کے میک اپ میں اس دوسرے آدمی کو روانہ کر دیا گیا ہے۔ یہ تو قربانی کے جانور ہیں۔ اس سے زیادہ یہ شخص کیا بتائے گا۔"

"لیکن پرنس بورٹو؟"

"میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔ اس سے صرف یہی سوال کیا جا سکتا ہے۔"

"ہوں' پرنس بورٹو کہاں ہے؟"

"میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔"

"آبدوز میں کون ہے؟" ہینڈرک نے ایک اور چونکا دینے والا سوال کیا اور میں نے احمقانہ انداز میں اسے دیکھا۔

"میں ان حماقتوں کا قائل نہیں ہوں۔ مسٹر میں یہ سب کچھ نہیں برداشت کر سکتا۔" ہینڈرک نے غراتے ہوئے کہا اور پھر جیب سے میرا ٹرانسمیٹر نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اس پر آبدوز سے رابطہ قائم کرو۔"

"میں کسی آبدوز کے بارے میں نہیں جانتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ اور دوسرے لمحے ہینڈرک نے جیب سے پستول نکال لیا۔ "نہیں جانتے تو میں اپنے جہاز پر تمہارا وجود نہیں برداشت کر سکتا۔" اس نے میرا نشانہ لیا لیکن اسی وقت ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ "آپ کی کال ہے سر!" اس نے ہینڈرک کو مخاطب کیا تھا۔ ہینڈرک نے خونخوار انداز میں مجھے دیکھا اور پھر میز کے پیچھے سے اٹھ گیا۔ "فریڈرک ان لوگوں سے تم نمٹو۔ میں دوسری قسم کا انسان ہوں۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا میرا شعار نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ ہال کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ باقی لوگ جوں کے توں موجود تھے۔ تب فریڈرک نے بھی اپنی کرسی چھوڑ دی اور پھر ہم دونوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے باہر نکل آیا .... باقی لوگ وہیں رہ گئے تھے۔

فریڈرک اطمینان سے ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔ تب اس نے راستے میں کہا۔ "ہینڈرک کی بہ نسبت میں نرم دل اور مناسب آدمی ہوں۔ لیکن تم خود فیصلہ کرو۔ تم نے ہمارے خلاف کام کیا ہے۔ ظاہر ہے ہم تمہیں معاف نہیں کر سکتے۔ ایسی صورتحال میں تمہیں ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ میں تمہاری زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ تم نے کیا پروگرام بنایا تھا اور کس طرح اس پر عمل ہو رہا ہے؟"

"مسٹر فریڈرک بات تو کھل ہی چکی ہے اور مسٹر ہینڈرک کا یہ خیال درست ہے کہ ہم قربانی کے جانور ہیں۔ ظاہر ہے ہم.......... معمولی لوگوں کو تفصیلات کا علم نہیں ہوتا۔ یہ ٹرانسمیٹر ہمیں دیا گیا تھا اور سمجھایا گیا تھا کہ مجھے پرنس بورٹو کی حیثیت سے اور میرے دوست ماجد کو ڈریک کی حیثیت سے سفر کرنا ہے۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ ہم سے رابطہ قائم رکھا جائے گا۔ اب ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ رابطہ کس طرح قائم کیا جائے گا۔ ابھی تک ٹرانسمیٹر پر ہم سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہم تو خود ان حالات کا شکار ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"اتنے معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ میں جانتا ہوں ایسے معاملات کے لئے عام لوگوں کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم میں اب بھی تمہیں تمہاری زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔ ہمیں علم ہو چکا ہے کہ ایک آبدوز نے ہمارے ساتھ سفر کیا ہے اور وہ اس وقت بھی قرب و جوار کے سمندر میں موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمیں قرب و جوار کی صحیح نشاندہی ہو جائے تاکہ ہم اپنی دوسری کارروائیوں کا آغاز کر سکیں۔ بہرحال اگر تم

تعاون نہیں کرنا چاہتے تو جلد یا بدیر ہمیں اس کے بارے میں اطلاع مل ہی جائے گی۔ اس کے بعد تم آبدوز کا حشر بھی دیکھ لو گے۔"

میں نے صرف شانے ہلا دیئے تھے۔ فریڈرک ہمارے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اس نے سامنے سے گزرتے ہوئے دو آدمیوں کو اشارہ کیا اور بولا .... "ان لوگوں کو لے جاؤ اور بند کر دو۔ حالانکہ یہ خود سمجھدار ہیں اور اتنا انہیں علم ہو گا ہی کہ اس جہاز پر سے فرار صرف موت کی تلاش میں ہو سکتا ہے۔" دونوں آدمیوں نے پستول نکال کر ہماری طرف تان لئے اور پھر ہمیں ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا گیا.......... اور تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک کیبن میں قید کر دیا گیا۔

قید ہونے کے بعد ماجد نے میری طرف پرخیال نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"جناب عالی۔ اب کیا خیال ہے؟"

"سارا کھیل بگڑ گیا ہے ماجد .... پتہ نہیں یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں پتہ نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔ بکرے ہیں ذبح کر دیئے جائیں گے۔" ماجد نے جواب دیا۔

"ہاں۔ امکانات تو اسی بات کے ہیں۔ ویسے یوں لگتا ہے ماجد جیسے اس بار ڈاکٹر برہان کا پروگرام کچھ پھسپھسا سا ہو رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"بس ہم لوگوں کو اس طرح جہاز پر بھیج دیا گیا۔ جہاز تباہ ہو گیا۔ اس کے بعد ہم تین دن تک کسمپرسی کی حالت میں رہے۔ اس دوران کیا آبدوز ہم لوگوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ ابھی تک اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اس کے بارے میں جان چکے ہیں۔"

"ہاں یہ تو حقیقت ہے۔"

"اس کے علاوہ یہ جنگی جہاز تم دیکھ ہی چکے ہو گے۔ معمولی بات نہیں ہے۔ کیا آبدوز اس سے نمٹ سکے گی؟"

"خدا بہتر جانتا ہے۔" ماجد بیزاری سے بولا اور میں بھی گردن جھکا کر خاموش ہو گیا۔ واقعی اس بار کا پروگرام کچھ نامکمل سا رہا تھا۔ ہم لوگوں کی زندگیاں اس طرح خطرے میں ڈال دینا مناسب بات نہیں تھی۔ ہم اپنے طور پر کچھ سوچتے تو یقینی طور پر

اپنی حفاظت کا بندوبست کرنے کی کوشش بھی کرتے۔ ہمیں تو خاصی حد تک لاعلم ہی رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر برہان نے شروع ہی سے اس سلسلے میں غلط اقدامات کئے تھے۔ کرنل شیروانی کی کوٹھی سے مجھے براہ راست یہاں روانہ کر دیا گیا تھا۔ اگر میرے اور اس کے درمیان گفتگو ہوتی تو پھر شاید ان حالات سے گزرنا نہ پڑتا۔ حالانکہ دھوکہ دہی فریڈرک کے ساتھ کی گئی تھی لیکن وہ واقعی کسی حد تک نرم طبیعت کا مالک نظر آتا تھا۔ ورنہ ہینڈرک تو ہمیں قتل کرنے پر تل گیا تھا۔ اگر اس کی وہ کال نہ آجاتی تو پھر کیا صورتحال ہو جاتی۔

میں اور ماجد دیر تک سوچتے رہے۔ پھر نہ جانے کتنا وقت گزر گیا اور ایک بار پھر فریڈرک ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہم لوگوں کو دیکھا تھا اور پھر کہنے لگا۔ ”تم لوگ یہاں قیدی نہیں ہو۔ چاہو تو آزادانہ طور پر جہاز میں گھوم پھر سکتے ہو۔“

”اوہ مسٹر فریڈرک یہ تو بڑی فراخدالانہ پیشکش ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری اس چھوٹی سی حماقت سے ہمارا کھیل بہت زیادہ نہیں بگڑا ہے۔ بلاشبہ ہمیں پرنس بورٹو کی تلاش ہے۔ لیکن اگر وہ ہمیں نہ بھی ملا تب بھی کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ آؤ باہر آؤ' عرشے پر کھڑے ہوں گے۔“

میں نے ایک طویل سانس لی اور فریڈرک کے ساتھ باہر نکل آیا۔ فریڈرک کسی حد تک لنگڑاتا ہوا ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔ پھر وہ عرشے کی ریلنگ سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ ہماری جانب سے اب وہ اس طرح لاپرواہ تھا جیسے ہماری کوئی حیثیت ہی نہ ہو۔ اور یہ بات بھی کسی حد تک تعجب خیز تھی۔ حالانکہ زندگی کی بازی لگا کر ہم لوگ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے تھے لیکن یہ لوگ شاید اس کے متوقع نہیں تھے۔ یا پھر یہ لاپرواہی کسی خاص پروگرام کے تحت تھی۔ میں نے بھی خود کو لاپرواہ ظاہر کیا تھا۔ فریڈرک سمندر کو گھورتا رہا اور پھر اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ”تمہیں اس چالاکی پر بڑا ناز ہوگا۔ کیوں؟“

”بڑی عجیب گفتگو کر رہے ہیں ہم لوگ مسٹر فریڈرک!“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”مجھے اپنی کسی حالت پر کوئی ناز نہیں ہے۔ میں تو حکومت کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں ۔ مجھے جو ہدایات ملیں ان پر عمل کیا۔ ان واقعات کے تحت میرا راز کھل گیا۔ اس میں میرا کوئی قصور تو نہیں ہے۔ مجھے تو اس گورکھ دھندے کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہے اور اب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔“ یہ جملے میں نے اس انداز میں کہے تھے کہ فریڈرک کو یقین آنے لگا۔ وہ چند لمحات میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اس شکل میں کہ تم مجھ سے تعاون کرو۔ میری فطرت کے بارے میں اندازہ لگا چکے ہو۔ میں انسان ہی ہوں اور دشمنی میں دیوانگی کا قائل نہیں ہوں۔ گو تم لوگوں کی وجہ سے میرے ڈیپارٹمنٹ میں سبکی ہوئی ہے۔ لیکن بہرحال ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے۔“

”آپ مجھ سے کیا تعاون چاہتے ہیں مسٹر فریڈرک؟“ میں نے پوچھا۔

”مجھے اس سلسلے کی ساری تفصیل بتا دو۔“

”آپ پوچھئے میں جواب دوں گا۔“

”کون سے محکمے سے تمہارا تعلق ہے؟“

”ملٹری انٹیلی جنس سے۔“

”کیا عہدہ ہے؟“

”لیفٹیننٹ شہاب تیموری اور سب لیفٹیننٹ ماجد۔“

”اس کے باوجود تمہیں اتنی اہم ذمہ داریاں سونپ دی گئیں؟“

”ہمارا ریکارڈ برا نہیں ہے۔“

”تمہارے ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ کون ہے؟“

”کرنل برہان۔“ میں نے جواب دیا۔

”حکومت اس سلسلے میں کیسے ملوث ہوئی جب کہ مجھے علم ہے کہ اس افریقی حکومت نے تمہاری حکومت سے رابطہ نہیں قائم کیا۔“

”میں اپنا عہدہ بتا چکا ہوں مسٹر فریڈرک اگر آپ یقین کر سکتے ہیں تو ضرور کر لیں کہ مجھے تو اس کیس کی تفصیل بھی نہیں معلوم۔“

”کچھ تو بتایا گیا ہو گا تمہیں اس سلسلے میں؟“

”ہاں' محکمے سے ہدایت ملی تھی کہ میں سب لیفٹیننٹ کو لیکر کرنل شیروانی کے مکان پر پہنچ جاؤں۔ ریٹائرڈ کرنل شیروانی کے مکان پر محکمے کے چند افسران موجود تھے۔

ان کی نگرانی میں ہمارے چہرے پر میک اپ کیا گیا اور ہمیں ہدایات دی گئیں۔"

"وہ کیا ہدایات تھیں؟"

"مجھے بتایا گیا کہ میں پرنس بورٹو کی حیثیت سے جا رہا ہوں جو کسی ریاست کا شہزادہ ہے۔ میرے ساتھی کو ڈریک کا نام دیا گیا تھا اور اسے ڈریک نامی ایک شخص سے ملایا بھی گیا تھا۔ خود کو محفوظ رکھنے کے لئے اسے ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ خود کو زخمی کر کے چند روز نکال لے۔"

"اوہ۔ خوب ٹرانسمیٹر کا کیا قصہ تھا؟"

"ہمیں یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ انتہائی خاص موقع پر اس ٹرانسمیٹر پر کرنل برہان سے بات کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"تم نے ایسی کوئی کوشش کی تھی؟"

"ہاں اس وقت جب ہم سمندر میں تختے پر بہہ رہے تھے۔"

"کوئی جواب ملا؟"

"قطعی نہیں۔ اگر جواب ملتا تو ہم بھی زندگی اور موت کے درمیان نہ بھٹکتے ہوتے۔"

"ہوں۔" فریڈرک پرخیال انداز میں جوتے کی نوک زمین پر مارتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لیکر بولا۔ "بڑا احمقانہ منصوبہ تھا تمہارے افسران کا۔ تمہیں تو واقعی داؤ پر لگا دیا گیا ہے۔ یہی شکر ہے کہ ہینڈرک اس آپریشن سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر وہ براہ راست اس آپریشن کا انچارج ہوتا تو تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔ وہ وحشی قسم کا انسان ہے۔ اب مجھے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں؟"

"تمہارا شکریہ فریڈرک۔ ہم تو ہر قسم کے حالات سے گزرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہینڈرک اسی وقت ہمیں قتل کر دیتا تو ظاہر ہے ہمارے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"ہاں وہ وقت تو بس اتفاقیہ طور پر ٹل گیا لیکن اس کے بعد میں نے ہینڈرک سے تمہارے بارے میں گفتگو کی تھی۔ بڑے الجھے ہوئے معاملات ہیں۔ پرنس بورٹو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے لئے اہم ترین شخصیت ہے۔"

"کیا میں اس بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟"

"کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"پرنس بورٹو آخر کیا بلا ہے؟"

"ایک افریقی ریاست کا ہونے والا شاہ۔ لیکن میرا ملک نہیں چاہتا کہ وہ برسراقتدار آئے۔ ہم ایک دوسرے گروہ کو برسراقتدار لانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس ریاست سے ہمارا گہرا مفاد وابستہ ہے جبکہ موجودہ حکمران ٹولہ ایک دوسرے بڑے ملک کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔"

"خدا کی پناہ لیکن بورٹو کا ہمارے ملک سے کیا تعلق نکل آیا؟"

"اس نے وہیں پرورش پائی ہے۔ اور اب شاہ کائی ٹس اسے واپس بلوانا چاہتا ہے لیکن ہم نہیں چاہتے کہ وہ واپس پہنچے۔"

"اوہ۔ تو تم لوگ۔ میرا مقصد ہے کہ تم بورٹو کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟"

"اگر وہ ہمارے قبضے میں آجاتا تو ہم اسے یرغمال بنا کر شاہ سے دوسرے معاملات بھی کر سکتے تھے۔ اور اگر بات بگڑ جاتی تو اسے قتل بھی کر دیتے۔ لیکن تمہارا ملک بلاوجہ درمیان میں آگیا۔"

"کمال ہے۔ اس طرح تو ہماری زندگی بورٹو کی حیثیت سے بھی خطرے میں تھی۔"

"ہاں' تمہارے سربراہوں نے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ انہیں ان معاملات میں الجھنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ تمہارے لئے میں نے یہ کہہ کر بچت کی صورت پیدا کی ہے کہ میں تم سے آبدوز کی تلاش کا کام لینا چاہتا ہوں۔"

"آبدوز کے بارے میں ہمیں تم سے ہی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ تمہیں اس کا پتہ کیسے چلا؟"

"کیلی بر پر اس کے سگنل موصول ہو گئے ہیں۔"

"یہ بین الاقوامی سمندر ہے۔ کیا ضروری ہے کہ وہ ہمارے ملک کی آبدوز ہو؟"

"تمہارے پاس سے برآمد ہونے والے ٹرانسمیٹر سے شبے کو تقویت ملی ہے۔" فریڈرک نے جواب دیا۔ اور میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"معاف کیجئے مسٹر فریڈرک۔ میں آپ کے اس نرم اور مخلصانہ رویے کی وجہ جان سکتا ہوں؟" میرے اس سوال پر فریڈرک پرخیال انداز میں مجھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"ذمہ داریاں سب کی یکساں ہوتی ہیں۔ میدان جنگ میں آنے والے ایک دوسرے کی ذات کے دشمن نہیں ہوتے اور میں ذاتی دشمنی کا قائل نہیں ہوں۔ تم لوگ گو ہماری

راہ کی شدید رکاوٹ بنے ہو لیکن اس کے باوجود میں تمہاری زندگیاں بچانا چاہتا ہوں ...."

"شکریہ مسٹر فریڈرک۔ ایک سوال اور.......... کیا مسٹر ہینڈرک عہدے میں آپ سے بڑے ہیں؟"

"بہت بڑے۔ وہ کیلی بر کے کمانڈر ہیں اور کیلی بر ہمارے بحری بیڑے کا ایک عظیم الشان جہاز ہے۔"

"لیکن آپ کا تعلق؟"

"ہاں میں اس مشن کا انچارج ہوں۔ اس لئے ہینڈرک اپنے پورے اختیارات استعمال نہیں کر رہا ہے۔ اگر میرا جہاز آگ کے حادثے کا شکار نہ ہو جاتا تو مجھے کیلی بر تک آنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔ جہاز کی تباہی کے بعد ہم ایک لانچ کے ذریعے کیلی بر تک پہنچ گئے۔ یہاں مجھے ہینڈرک کو تفصیل بتانی پڑی۔ اس سے امداد جو لینی تھی۔"

"اس ہمدردی پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں مسٹر فریڈرک! اور اس رویے پر صرف اس حد تک پیشکش کر سکتے ہیں کہ اگر ہماری زندگیاں آپ کی تباہی کا باعث بن جائیں تو آپ ہمیں بخوشی قتل کر سکتے ہیں۔ ہم اسے آپ کی مجبوری تصور کریں گے۔"

فریڈرک نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر میرا شانہ تھپک کر بولا۔ "جاؤ آرام کرو۔ میں ایسا نہ ہونے دوں گا۔ جاؤ تم سے گفتگو کرکے ذہنی بوجھ کافی حد تک ہلکا ہو گیا ہے۔"

میں ماجد کے ساتھ واپس اپنے کیبن میں آگیا۔ راستے میں ہم اس عظیم الشان جہاز پر ہونے والے کام دیکھتے ہوئے آئے تھے۔ پورا فوجی اڈا معلوم ہوتا تھا دیکھنے سے رعب طاری ہو جاتا تھا۔ بہرحال زندگی میں پہلی بار ان غیریقینی حالات میں گرفتار ہوئے تھے جہاں قوت فیصلہ مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ماجد بذات خود ایک ذہین انسان تھا۔ لیکن ہم ڈاکٹر برہان کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ ظاہر ہے وہ بھی انسان تھا .... اور بدلے ہوئے حالات کسی کے قابو میں نہیں ہوتے۔

"فریڈرک کی یہ مہربانی کسی قدر تعجب خیز ہے۔ کیا وہ اپنے الفاظ میں مخلص ہے؟" ماجد نے کہا۔

"بظاہر تو لگتا ہے۔ ویسے بھی کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اسے ہم سے کیا

لالچ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود ماجد ہمیں اپنے طور پر محتاط رہنا چاہئے۔"

"کیا خاک محتاط رہیں گے۔ یہاں ہماری حیثیت چوہوں سے زیادہ نہیں ہے۔ کسی بھی وقت چوہوں کی طرح مارے جا سکتے ہیں۔"

"اوہ۔ زندگی اور موت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ موت کے تصور سے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ نہ میں معطل ہونے کا قائل ہوں۔ میں اس پورے جہاز کو تباہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو ماجد؟" دفعتاً" میرے اندر وہی جنون جاگ اٹھا جو میری فطرت کا خاصا تھا اور جس کے جاگ جانے کے بعد میں بے بس نہیں رہتا تھا۔ ماجد گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "میں جانتا ہوں شہاب ہم لوگ اتنے بے بس نہیں ہیں۔ لیکن اور وجوہ بھی تو ہیں۔"

"کیا وجوہ ہیں؟"

"ہمیں ڈاکٹر برہان کے پروگرام کو بھی تو مدنگاہ رکھنا چاہئے۔" اگر ہم اپنے طور پر کوئی شدید کارروائی کریں تو نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر برہان کے ذہن میں کچھ اور ہو۔"

"بہرحال ماجد۔ ڈاکٹر برہان کی طرف سے میں کسی اقدام کا انتظار صرف چوبیس گھنٹے تک کروں گا اور اس کے بعد.......... میں خاموش ہو گیا۔ ماجد تشویشناک نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی کچھ نہیں بولا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ اس جہاز پر اب میرا کوئی کام تو نہیں تھا۔ بس یوں سمجھا جائے کہ ہم دونوں یہاں قیدیوں کی حیثیت سے تھے۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی اور پھر میں اچانک اٹھ گیا۔ ماجد مجھے دیکھنے لگا تھا۔

"کہاں؟" اس نے سوال کیا۔

"آؤ۔ ہم قیدی نہیں ہیں۔ آؤ۔" میں نے کہا اور ماجد بادل ناخواستہ میرے ساتھ اٹھ گیا۔ ہم کیبن سے باہر نکل آئے۔ اور پھر چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ دیر تک ہم مختلف حصوں سے گزرتے رہے۔ میں نے ہیلی پیڈ پر خصوصی نگاہ رکھی تھی۔ آٹھ ہیلی کاپٹر کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اکثر ہیلی کاپٹر اس پر اتر رہے تھے اور پرواز کر رہے تھے میں انہیں گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا۔ جہاز کے قرب و جوار میں لانچیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ یہ لانچیں بھی چھوٹے موٹے جہاز ہی معلوم ہو رہی تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک فریگیٹ بھی نظر آ رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر

تک وہاں رکا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میں جہاز کے دوسرے حصے دیکھتا پھر رہا تھا۔ ہر طرح سے مکمل جہاز تھا۔ پھر میں ٹھٹھک گیا۔ میں نے ہینڈرک کو ایک کیبن سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم دونوں آڑ میں ہو گئے۔ یہ شخص کافی خطرناک تھا۔ پھر میں وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا اور بہت دیر تک میں جہاز میں گھومتا رہا۔

شام ہو گئی۔ سورج چھپ گیا اور جہاز پر روشنیاں جگمگانے لگیں۔ رات کا کھانا ہم دونوں نے جہاز کے ریستوران میں کھایا اور پھر آرام کرنے کے لئے کیبن میں آئے۔ ماجد خاموش خاموش سا تھا۔ پھر میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔

رات کو تقریباً دو بجے میں نے اپنا بستر چھوڑ دیا۔ ماجد گہری نیند سو رہا تھا۔ میں کیبن سے نکل آیا اور پھر احتیاط سے بچتا بچاتا آگے بڑھتا رہا۔ میں رات میں ہیلی کاپٹروں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی ان کا کام جاری تھا۔ وہ اتر رہے تھے اور پرواز کر رہے تھے۔ کافی دیر تک میں ان کی کارکردگی دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے واپس پلٹا۔ اس وقت میں کیبنوں کی قطار کے نزدیک سے گزر رہا تھا کہ سامنے کے موڑ سے اچانک دو خلاصی نکل آئے۔ اس وقت دیکھ لیا جانا یقینی ہو گیا۔ اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں تھی کہ میں کسی بھی کیبن کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے نزدیکی کیبن کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دوسرے کے غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی میں نے وحشت زدہ نگاہوں سے بستر کی طرف دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لی بستر خالی تھا۔ کیبن کا مکین کیبن میں موجود نہیں تھا۔ نائٹ بلب روشن تھا۔ میں نے باتھ روم کی طرف دیکھا اور تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اندر بھی کوئی آہٹ نہیں تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کیبن خالی ہے۔ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور دفعتاً حیرت کا جھٹکا میرے ذہن کو لگا۔ ایک بڑی میز کے نیچے میرا سوٹ کیس اور ٹریول کٹ رکھی ہوئی تھی۔ یقیناً یہ ہمارا ہی سامان تھا۔ دوسرے لمحے میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ خاص طور پر ٹریول کٹ میری توجہ کا مرکز تھی۔ اور اگر کام بن جائے تو۔

میں نے بے صبری سے ٹریول کٹ کا وہ خفیہ خانہ کھولا جس میں بٹن نما ننھے ڈکٹو میٹر اور ان کا ریسیونگ سیٹ موجود تھا اور پھر میں خوشی سے اچھل پڑا۔ یقیناً انہوں نے میرے سامان کی تلاشی لی ہو گی لیکن یہ خفیہ خانہ وہ نہیں پا سکے تھے۔ انتہائی پھرتی سے میں نے یہ سامان نکال لیا۔ اس وقت میرا وہ حال تھا جیسے کسی مفلس انسان کو

کوئی خزانہ مل جائے۔ ان اشیاء کو قبضے میں کرنے کے بعد میں نے کٹ بند کی اور برق رفتاری سے باہر نکل آیا۔ راہداری سنسان تھی۔ میں نے واپس پلٹ کر ایک ڈکٹو میٹر وہیں ایک محفوظ جگہ پر نصب کیا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بہت کچھ کرنے کا ارادہ تھا اور ہر طرح کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ اس بار میرا رخ ہینڈرک کی طرف تھا۔ کیبن کے عقب میں پہنچ کر میں نے جائزہ لیا۔ عقبی راہداری میں بھی کیبن تھے۔ گول شیشوں والا ایک روشندان انسانی قد سے کسی قدر بلند نظر آرہا تھا۔ اس کے نزدیک ہی ایئرکنڈیشنر نظر آرہا تھا۔ یہ عمدہ جگہ تھی چنانچہ میں نے جگہ تلاش کرکے ایک ڈکٹو میٹر وہاں چسپاں کر دیا اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ آیا۔ رات کے آخری پہر میں اپنے کیبن میں واپس آیا تھا۔ لیکن ابھی سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ریسیونگ سیٹ آن کیا اور پھر سیٹ نمبر چیک کرنے لگا۔ پہلے ہی نمبر پر آوازیں سنائی دی تھیں۔

”ڈارلنگ۔ تم .... تم بہت زیادہ نشے میں ہو۔ پلیز.......... میں .... میں اس قابل نہیں ہوں۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔“ یہ ایک نسوانی آواز تھی۔

”کیا بکواس ہے؟“ ایک مردانہ آواز ابھری

”دیکھو نا' اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

”عورت۔ اس تصور کے ساتھ کس قدر گھناؤنی ہو جاتی ہے۔ گیٹ آؤٹ .... جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ۔“ مردانہ آواز میں جھلاہٹ تھی۔

”ڈارلنگ۔“

”گیٹ آؤٹ۔“ مرد حلق پھاڑ کر چیخا اور میں نے جلدی سے نمبر بدل لیا۔ اس نمبر پر خاموشی تھی۔ اس کے بعد والے نمبر پر خراٹے گونج رہے تھے۔ بہرحال کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ میں سیٹ آف کرکے سونے کے لئے لیٹ گیا۔ سیٹ میں نے ایک انتہائی محفوظ جگہ چھپا دیا تھا۔

صبح کو نہ جانے کیا بجا تھا جب ماجد نے ہی مجھے جگایا۔“ میرا خیال ہے میرے پیٹ میں دوڑتے ہوئے چوہے بھی تھک گئے ہیں۔ بھاگ دوڑ کا احساس بھی نہیں ہو رہا۔“

”اوہ کیا بج گیا؟“

”غالباً گیارہ۔“ ماجد نے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے ماجد۔ ناشتہ منگوا لو۔ میں دو منٹ میں تیار ہو جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور ماجد نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتہ کر رہے تھے۔ "کوئی اور تو نہیں آیا اس دوران؟"

"کوئی نہیں۔"

"باہر گئے تھے؟"

"نہیں۔ لیکن تم اتنی دیر تک کیسے سوتے رہے؟" ماجد نے گہری نگاہوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بس ویسے تھوڑا سا کام کرنے نکل گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ کیا کام کیا؟"

"ناشتہ کون لایا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک ملازم .... اس نے کہا تھا کہ جب بھی ناشتے کی ضرورت ہو طلب کر لیا جائے۔"

"برتن لینے تو نہیں آئے گا؟"

"ممکن ہے آئے .... کیوں؟" ماجد نے پوچھا۔

"دروازہ بند کر دو۔" میں نے کہا ماجد نے میرے کہنے پر عمل کیا۔ وہ دروازہ بند کرنے لگا تو میں نے ریسیونگ سیٹ نکال لیا اور پھر اسے آن کر دیا۔ ماجد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "ارے یہ کہاں سے مل گیا۔" میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ ریسیور سے آواز ابھر رہی تھی۔

"زیرو سیون او.......... زیرو سیون او.......... اینگل سیون پر اشارہ موصول ہوا ہے۔ ہم سمت کا اندازہ لگا رہے ہیں۔"

"جلدی کرو۔ میں پوری تفصیل چاہتا ہوں۔" یہ آواز ہینڈرک کی تھی۔

"او کے چیف۔" آواز بند ہو گئی۔

"میرا خیال ہے جناب" ہمیں فوراً" آگے بڑھ کر اینگل سیون پر پہنچنا چاہئے۔" اس بار جو آواز ابھری وہ فریڈرک کی تھی۔

"نہیں وہاں فریگیٹ موجود ہے۔" ہینڈرک کی آواز ابھری۔

"اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے نکلنے کی کوشش نہیں کی ہے۔" فریڈرک نے کہا۔ ہینڈرک نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ہینڈرک

نے کہا۔ "اس کی وجہ وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"کون لوگ؟"

"جو ہمارے قیدی ہیں۔"

"امکان نہیں ہے مسٹر ہینڈرک اگر وہ لوگ سب میرین سے رابطہ قائم کر سکتے تو سمندر میں ان کی مدد کی جا سکتی تھی لیکن وہ محروم رہے۔ اور اگر ہم ان کی زندگی نہ بچاتے تو وہ سمندر کا شکار ہو جاتے۔ ان حالات میں یہ بات نہیں سوچی جا سکتی۔"

"ان لوگوں کو زندہ رکھنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی مسٹر فریڈرک!" ہینڈرک کی آواز ابھری۔

"میں انہیں ایک خاص مقصد کے تحت زندہ رکھنا چاہتا ہوں جناب۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ان دونوں کے ذریعے اس حکومت کو بلیک میل کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو ہمارے پاس بہترین ثبوت ہیں۔" فریڈرک نے جواب دیا۔

"تمہاری یہ دلیل میری عقل سے باہر ہے۔"

"مجھے افسوس ہے جناب لیکن میری گزارش ہے کہ مجھے میرے پروگرام کے مطابق کام کرنے دیا جائے۔" فریڈرک بولا۔

"لیکن میں آبدوز کے بارے میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ سمندر کے اس حصے کی نگرانی اور اس کا کنٹرول میری ذمہ داری ہے۔ افسوس ہماری آبدوزیں دورے پر ہیں۔ اگر وہ یہاں ہوتیں تو اب تک یہ آبدوز ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔"

اسی وقت ایک اور آواز نے درمیان میں مداخلت کی۔ کسی قسم کی اشاراتی گھنٹی تھی۔ دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر ہینڈرک کی آواز ابھری۔ "کیلی بر.........."

"ایٹ ناٹ فائیو۔ ایٹ ناٹ فائیو۔ مسٹر ہینڈرک.........ایٹ ناٹ فائیو ...."

"بول رہا ہوں.........."

"شارٹ ریڈار پر اسے دیکھ لیا گیا ہے۔ اس کا رخ کیلی بر کی جانب ہے۔ وہ اس وقت کیلی بر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہیلو۔ ہیلو.........."

"پیام نوٹ کر لیا گیا ہے۔ بس مزید گفتگو نہیں ہو گی۔" ہینڈرک نے کہا اور پھر شاید اس نے وائرلیس بند کر دیا۔ اس کے بعد اس نے فریڈرک سے کہا۔ "تم قیدیوں

پر نظر رکھو گے۔ میں آبدوز کے بارے میں ہدایات دینے جا رہا ہوں۔"

"بہتر ہے جناب۔" فریڈرک کی آواز ابھری اور میں نے جلدی سے سیٹ بند کر دیا۔ ماجد احمقوں کی طرح میری صورت دیکھ رہا تھا۔ میں نے ڈکٹو فون سیٹ جیب میں رکھ لیا تھا۔

"یہ سب............یہ سب کیسے ممکن ہو سکا؟" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اس وقت اس کا موقع نہیں ہے ماجد............یہ فریڈرک واقعی ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ ورنہ ہماری زندگی سخت خطرے میں ہے۔ آؤ............" میں باہر نکل آیا۔ ماجد بھی میرے ساتھ تھا۔ باہر نکل کر ہم نے جہاز پر بھاگ دوڑ دیکھی۔ خلاصی اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ بہت سی جنگی مشینوں کو حرکت میں لایا جا رہا تھا۔ گویا آبدوز کے آنے کی خبر جہاز کے عملے کو دیدی گئی تھی۔ ہم نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے عام لوگوں کی نگاہیں ہم پر نہ پڑ سکیں۔ اس وقت یہ لوگ بپھرے ہوئے تھے اور ہمارے لئے خطرہ بڑھ گیا تھا۔

"اب تو بتاؤ یار شہاب صورتحال کیا ہے؟" ماجد نے کہا۔

"تم خود اندازہ نہیں لگا سکے ماجد؟"

"کسی حد تک۔ لیکن بعض باتیں میرے ذہن میں مبہم ہیں۔"

"مثلاً۔"

"یہ اس آبدوز کے بارے میں اطلاع تھی جس میں بقول تمہارے ڈاکٹر برہان موجود ہے؟"

"ہاں قیاس یہی ہے۔"

"لیکن شہاب کیا ڈاکٹر برہان کو ہماری افتاد معلوم ہو گی؟"

"خدا جانے۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ ڈاکٹر برہان کسی آبدوز سے سفر کر رہا ہے۔ جس وقت ہماری اس سے گفتگو ہوئی تھی اس وقت پتہ چل سکا۔ لیکن جہاز میں آگ لگنے سے قبل خوفناک طوفان بھی آیا تھا اور جس وقت دوبارہ آبدوز سے رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ کہیں آبدوز بھی طوفان کا شکار نہ ہو گئی ہو۔"

"اوہ یہ تو خاصے اہم معاملات نکلے۔ لیکن اب؟" ماجد نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسے خاموش ہونا پڑا۔ کافی دور............اتنی دور کہ نگاہ ٹھیک سے کام بھی نہیں کر رہی۔

ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور تیز روشنی کا بادل سا سمندر میں بلند ہو گیا۔ جہاز کے عملے کے لوگ ادھر دوڑ پڑے تھے۔ وہ سب بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ چند ہی ساعت کے بعد ویسا ہی دوسرا دھماکہ ہوا۔ کیلی بر کے گرد بکھری ہوئی لانچیں سمٹنے لگیں۔ وہ کیلی بر کے نزدیک آ رہی تھیں۔ تب کیلی بر کے پچھلے حصے میں بڑے بڑے دروازے کھل گئے اور لانچیں ان دروازوں سے اندر آنے لگیں۔ دور شعلے بلند ہو رہے تھے۔ میں نے ادھرادھر دیکھا اور پھر خاموشی سے جیب سے ڈکٹوفون ریسیور نکال لیا۔ میں جلدی جلدی دوسرے نمبر سیٹ کرنے لگا۔ اور یہاں بھی کام بن گیا۔ سیٹ سے آواز آ رہی تھی۔

"جی ہاں جناب! تارپیڈو مارے گئے ہیں۔ فریگیٹ کا انجن روم تباہ ہو گیا ہے۔ آگ تیزی سے پھیل رہی ہے۔"

"جہاز کو کیلی بر کی طرف لانے کی کوشش کرو۔"

"ناممکن ہے جناب۔ انجن روم............" اور پھر ایک اور خوفناک دھماکہ ہوا تھا اور اس کے بعد آواز بند ہو گئی پھر دوسری آوازیں ابھرنے لگیں اور میں نے سیٹ بند کر دیا۔ اور پھر اس کے بعد ایک خوفناک کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر دو دو کر کے فضا میں بلند ہونے لگے۔ وہ برق رفتاری سے اس طرف جا رہے تھے۔ اور پھر انہوں نے فضا میں دائرہ بنایا۔ اس کے بعد ان سے راکٹ چلائے جانے لگے۔ وہ پانی میں نشانے لے رہے تھے اور چند ہی لمحات کے بعد ہم نے کیلی بر میں تحریک محسوس کی۔ اس کی وسیع و عریض چمنی سے دھواں نکلنے لگا۔ پھر وہ آگے چل پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اس سے بھی جنگی کارروائی کا آغاز ہو گیا تھا۔

ایک خوفناک سمندری جنگ کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ کیلی بر سے آبدوز شکن میزائل چلائے جا رہے تھے۔ روشنی کی دو لکیریں میں نے اور ماجد نے برق کی سی تیزی سے کیلی بر کی طرف بڑھتے دیکھیں۔ اور دوسرے لمحے ہم دونوں کان بند کر کے نیچے پلٹ گئے۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کارروائی آبدوز سے کیلی بر کے خلاف ہوئی ہے۔ خوفناک دھماکے ہوئے۔ لیکن عظیم الشان کیلی بر میں لرزش تک نہیں ہوئی تھی............ہیلی کاپٹر ایک دائرے کی شکل میں نزدیک آتے جا رہے تھے اور ان سے میزائل برسائے جا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے آبدوز کو گھیر لیا ہو۔ یہ کارروائی تقریباً" آدھے گھنٹے تک جاری رہی۔ سمندر میں پانی کی سطح سے دھواں ہی

دھواں بلند ہو رہا تھا۔ اور فضا میں بارود کی بو رچی ہوئی تھی۔ میں اور ماجد خاموش نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے ویسے کیلی بر جیسے جہاز کی کارروائی معمول نہیں تھی۔ ڈاکٹر برہان اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔ ممکن ہے اب اس جہاز میں ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ لیکن ان غیریقینی حالات میں کسی چیز کا افسوس بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر کارروائی رک گئی اور ہیلی کاپٹر واپس جہاز پر اتر گئے کسی بات کا انداز نہیں ہو رہا تھا۔ اس کارروائی کا نتیجہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ماحول میں بڑی گھٹن ہو گئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر ڈکٹومیٹر سیٹ آن کر لیا۔ کوئی آواز نہیں ابھری۔ تب میں دوسرے نمبر ٹرائی کرنے لگا۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کیلی بر سے گول گول ڈبے کرینوں کے ذریعے نیچے لٹکائے گئے۔ ان میں شیشے لگے ہوئے تھے اور اندر دو دو آدمی موجود تھے۔ یہ غالباً آبدوز کی تلاش میں جا رہے تھے۔ چنانچہ میں نے ماجد کو وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں واپس کیبن میں آگئے۔

میں نے ماجد کو دروازے کے قریب رہنے کو کہا اور سیٹ آن کر دیا۔ اس بار میں نے ہینڈرک کا نمبر فکس کر لیا تھا۔ گلاس کھنکنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی اور آواز نہ سنائی دی۔ ہم صبر و سکون سے انتظار کرتے رہے اور کافی وقت اسی طرح گزر گیا۔ اس دوران کوئی ہماری طرف نہیں آیا تھا۔ ہم شدید بوریت کا شکار ہو گئے اور پھر میں کچھ بولنے ہی جا رہا تھا کہ آواز ابھری۔

"مسٹر ہینڈرک۔ مسٹر ہینڈرک۔"

"ہینڈرک بول رہا ہے۔" ہینڈرک کی آواز میں خوفناک غراہٹ تھی۔

"فریگیٹ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ اب اس کا ڈھانچہ ڈوب رہا ہے۔"

"عملے کے لوگوں کا کیا ہوا؟"

"شاید کوئی زندہ نہیں بچ سکا۔ اس علاقے میں لاشوں کی تلاش بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں شارک مچھلیوں کے غول کے غول موجود ہیں اور سطح پر خون بکھرا ہوا ہے۔"

"واپس آجاؤ۔" ہینڈرک غرایا۔ پھر چند ہی منٹ کے بعد دوبارہ آوازیں گونجنے لگیں۔ اس بار کئی آوازیں تھیں۔

"ہاں کہو۔"

"ہم نے دور دور تک کا علاقہ دیکھ لیا ہے جناب۔ کسی آبدوز کا نشان نہیں ہے تہہ میں ایک تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ ضرور نظر آیا ہے لیکن آبدوز کوئی نہیں ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" ہینڈرک حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"افسوس جناب۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ دور دور تک کوئی آبدوز نہیں ہے۔"

"واپس آجاؤ۔" ہینڈرک نے اسی طرح دہاڑ کر کہا اور پھر گالیاں بکنے لگا۔ اس کا پارہ عروج پر تھا۔ لیکن ہم دونوں کو کسی قدر سکون نصیب ہوا تھا۔ کم از کم یہ اندازہ ہو گیا کہ آبدوز اس قدر شدید حملے کے باوجود کیلی بر کا شکار نہیں ہوئی ہے۔ میں نے ڈکٹومیٹر آف کر دیا اور ماجد کی طرف دیکھنے لگا۔ ماجد پرخیال میں ٹھوڑی کھجا رہا تھا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" اس نے بڑبڑانے کی انداز میں کہا۔

"کچھ کرنا ضروری ہے ماجد۔ اس طرح لاتعلق بھی رہنا تو مناسب نہیں ہو گا۔"

"مگر کیا؟"

"فرار کی کوشش۔" میں نے کہا اور ماجد کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی۔

"کس طرح؟"

"ہیلی کاپٹر ہماری مدد کر سکتے ہیں۔"

"ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"ہیلی کاپٹر لمبی پرواز کے لئے موزوں نہیں رہیں گے۔ اس کے علاوہ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ کوئی جزیرہ یا شہر یہاں سے کتنی دور ہو گا۔ سوچ لو مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے اور پھر یہ کام اتنا آسان بھی تو نہیں ہو گا۔ ان لوگوں کو پتہ چلے گا تو یہ ہمارا تعاقب کریں گے۔ بہت سی الجھنیں ہیں شہاب!"

"میرے ذہن میں صرف ایک الجھن ہے ماجد۔ اس کے علاوہ اور کوئی الجھن نہیں ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"اگر ہماری فرار کی کوشش کامیاب ہو گئی تو فریڈرک کی پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ بہرحال اس نے ہمارے اوپر احسان کیا ہے۔ ہینڈرک اس کا جینا حرام کر دے گا۔"

"کمال ہے شہاب! تم کیسی احمقانہ باتیں سوچ رہے ہو۔ کیا فریڈرک ہمارا دوست ہے۔ نہ جانے اس نے کس مقصد کے تحت ہمیں زندہ رکھ چھوڑا ہے۔"

"وہ مقصد سامنے تو نہیں آیا۔ اور اس وقت تک اس کی نیت پر شبہ کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ بہرحال یہ زندگی کا معاملہ ہے۔ میں خود بھی اتنا جذباتی نہیں ہوں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب سوچو۔"

"تمہیں تیاریاں کرنی ہیں ماجد۔ ہم یہ خطرہ مول لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وائرلیس سیٹ ان لوگوں کے قبضے میں جا چکا ہے۔ اس طرح اگر آبدوز بچ گئی ہے تب بھی ہم اس سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے اور اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"جیسا تم پسند کرو شہاب! لیکن ایک زبردست خطرہ مول لینا ہو گا۔"

"لیں گے۔" میں نے جواب دیا اور ماجد خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے رہا تھا۔ کاش اس وقت ماجد کی جگہ فیضان ہوتا تو لطف آجاتا۔ جو کام میرے ذہن میں تھا اس کے لئے ماجد سے زیادہ فیضان کار آمد تھا لیکن بہرحال اب ماجد سے ہی کام چلانا تھا۔

رات کو فریڈرک سے ملاقات ہوئی۔ کسی قدر پریشان تھا۔ ہم سے بھی اکھڑے اکھڑے انداز میں ملا۔ "تمہارے ساتھیوں نے تمہارے لئے جہنم تیار کر لیا ہے۔ اب حالات میرے بس سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ کیا ہوا مسٹر فریڈرک؟"

"آبدوز نے ہمارا ایک جہاز ڈبو دیا۔ تقریباً" تیس آدمی ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہینڈرک پاگل ہو رہا ہے ظاہر ہے یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہوا ہے۔ جواب دہی اسے کرنی پڑے گی۔ خطرناک بات یہ ہے کہ آبدوز بھی صاف نکل گئی۔"

"ظاہر ہے اس میں ہمارا قصور نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم فرشتے نہیں ہیں مسٹر شہاب۔ انسانی جذبہ تو پیدا ہوتا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں زیادہ عرصے تک تمہاری حفاظت نہیں کر سکوں گا دقت کی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے کیلی بر سے جانے کے امکانات بھی نہیں ہیں۔ میں نے ہینڈرک سے کہا تھا کہ ہمیں اریوٹوس پہنچا دیا جائے وہاں سے ہم اپنے ملک نکل جائیں گے لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہے۔ بہت سے معاملات الجھے ہوئے ہیں۔"

"اریوٹوس کیا ہے مسٹر فریڈرک؟"

"ایک آزاد جزیرہ ہے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ وہاں بھی کافی مشکلات پیش آ سکتی

ہیں۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ میں اس وقت فضول باتوں میں نہیں الجھنا چاہتا۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ ممکن ہے حالات میرے قابو سے باہر ہو جائیں اور میں تمہاری مدد نہ کر سکوں۔ ہینڈرک اب میری کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے بیڑے کے ایک جہاز کے علاوہ بیس سے تیس تک انسانی جانوں کا نقصان اٹھایا ہے۔"

"جو ہماری تقدیر میں ہو گا مسٹر فریڈرک!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

فریڈرک چند ساعت ہماری صورت دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر بدستور الجھن کے نقش تھے اور پھر وہ اٹھ گیا۔ "ہینڈرک نے ہدایت کی ہے کہ اب تمہیں تمہارے کیبن میں نظربند کر دیا جائے۔" اس نے کہا۔

"بہتر یہی ہے مسٹر فریڈرک کہ آپ ہینڈرک کو ہدایت کریں کہ وہ ہم سے نجات حاصل کر لے۔ خواہ مخواہ کے وسوسوں میں پڑنے سے کیا فائدہ اور پھر آپ بھی اس وجہ سے الجھنوں کا شکار ہیں۔" میں نے کہا اور فریڈرک جھنجھلا گیا۔ "زیادہ جانباز بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھے بھی تم سے کیا دلچسپی اور ہمدردی ہو سکتی ہے۔ بس میں ذرا فطرتاً دوسری قسم کا آدمی ہوں۔ ورنہ تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو جنہوں نے ہمارے مشن کو ناکام بنانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔" فریڈرک نے کہا اور پاؤں پٹختا ہوا کیبن سے باہر نکل گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ماجد کو آنکھ ماری تھی۔

"گویا ہماری نظربندی کے احکامات صادر ہو گئے ہیں اور اب ممکن ہے ماجد صاحب کہ باہر کچھ لوگ تعینات ہو جائیں یا باہر سے کیبن کا دروازہ بند کر دیا جائے۔" میں نے کہا اور ماجد ہونٹ سکوڑ کر خاموش ہو گیا............وہ شاید اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں بھی پرخیال انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ تھا یہ نظربندی اس میں حارج ہو سکتی تھی۔ لیکن بہرحال ان حالات سے تو نمٹنا ہی پڑتا ہے۔ اگر نظربندی کا یہ حکم ذرا سی دیر کے لئے ٹل جائے تو شاید مجھے اپنے مشن میں کامیابی نصیب ہو جائے............میں نے سوچا اور اس کے بعد ہم دونوں نے کیبن سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم خاموشی سے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔

پھر جب رات ہوئی تو میں نے کیبن کے دروازے کو آزمایا اور یہ دیکھ کر ذرا سی حیرت ہوئی کہ دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ نہ ہی اس کے باہر پہرہ دینے والے موجود تھے۔ میں نے شانے سکوڑے۔ یہ فریڈرک واقعی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ گو انسانوں کی اقسام میں اس قسم کے لوگ بھی ملتے تھے جو کسی خطرناک پیشے سے وابستہ ہونے کے باوجود نرم دل اور نرم فطرت کے مالک ہوتے تھے لیکن بہرحال ہماری طرف سے یہ لاپرواہی کسی حد تک ان لوگوں کے لئے خطرناک تھی۔ میں اپنی ذات کے بارے میں اس حد تک جانتا ہوں کہ میں جس شخص کو اپنا دشمن تصور کر لوں ظاہر ہے اسے کسی قیمت پر زندہ چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور اس کے خلاف ہر قسم کی کارروائی مناسب سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص میری نگاہ میں ایک عام حیثیت رکھتا ہو اور اس سے مجھے ہاکا پھاکا نقصان پہنچنے کا خطرہ بھی ہو تب بھی اس کی جان کے درپے نہیں ہوں گا۔ شاید فریڈرک بھی میری ہی جیسی فطرت کا مالک تھا۔ جو کچھ اس نے کہا تھا اس پر سختی سے عمل کرنے کی اس نے کوشش نہیں کی تھی۔ بہرحال میں نے ماجد کی جانب دیکھا اور پھر میں نے اسے اپنے پروگرام سے لاعلم رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ”ماجد میں تم سے اس سلسلے کی آخری گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ ماجد نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں.......... آج رات ہم لوگ کیلی بر سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔“

”مگر کس طرح اور کہاں؟“ ماجد نے پوچھا۔

”ابتداہی سے میرے ذہن میں ہیلی کاپٹر کا تصور تھا۔ یہاں ہیلی پیڈ پر دس ہیلی کاپٹر موجود ہیں، ہم ان میں سے کسی ایک کو اپنے فرار کے لئے منتخب کریں گے۔“

”اوہ۔ لیکن تم نے اس کے نتائج پر غور کر لیا ہے۔“ ماجد نے سوال کیا۔

”ہاں“۔

”یعنی تم مطمئن ہو؟“

”بالکل ماجد.......... ظاہر ہے ہم اس جہاز پر ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں رہ سکتے۔ ہم انتہائی احتیاط کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر لے کر فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ اگر ناکام رہے تو جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ یوں بھی فریڈرک ہمارے خلاف کارروائی اعلان کر گیا ہے اور یقینی طور پر وہ ہینڈرک سے نہیں نمٹ سکتا۔ کیونکہ وہ خود

بھی مشکلات کا شکار ہے۔“

”لیکن ہیلی کاپٹر کو فرار ہونے دیا جائے گا؟“

”قطعی نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”تو پھر؟“

”پھر کیا.......... ابتدائی کوشش کر لیں گے۔ مثلاً یہ کہ یہاں موجود ہیلی کاپٹروں کو ناکام کر دیں گے۔ اور اس کے بعد ایک ہیلی کاپٹر لیکر فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔“ میں نے کہا۔

”کیا یہ کارروائی آسان ہو گی۔ کیا جہاز کے عملے کے لوگ اتنے ہی غافل نظر آتے ہیں تمہیں؟“ ماجد نے سوال کیا۔

”میں فضول باتوں کا قائل نہیں ہوں ماجد، کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر ناکام رہا تو ظاہر ہے وہی ہو گا جو اس سلسلے میں کوئی عمل نہ کرنے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔“

”تب ٹھیک ہے میں تیار ہوں جس طرح تم پسند کرو شہاب!“ ماجد نے لاپرواہی سے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔ اور یہ انداز اس وقت پیدا ہو جاتا تھا۔ جب ہمارے سامنے کوئی خاص راستہ نہ ہو۔

رات کے آخری پہر کا انتخاب کیا تھا ہم نے۔ کیلی بر پر مکمل خاموشی چھائی ہوی تھی۔ خلاصی وغیرہ بھی جو رات کی ڈیوٹی پر ہوں گے سو گئے تھے۔ کوئی تحریک نظر نہیں آتی تھی۔ ہم دونوں انتہائی خاموشی سے مختلف چیزوں کی آڑ لیتے ہوئے ہیلی پیڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ طویل فاصلہ تھا اور درمیان میں ایسی جگہیں بھی تھیں جہاں چھپنے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان جگہوں سے گزرتے ہوئے ہمیں کافی محتاط رہنا پڑا۔ لیکن نیند کا سب سے گہرا وقت ہماری کامیابی کا ضامن تھا۔ آخرکار ہمیں ہیلی پیڈ تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ ایک ہیلی کاپٹر کے عقب میں رک کر ہم نے اعصاب درست کئے اور یہاں کسی موجودگی کا جائزہ لینے لگے۔ ہیلی پیڈ کے ایک حصے میں ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ چیکرس کیبن تھا۔ اور یقیناً یہاں کے لوگ مستعد ہوں گے۔ پوری آزادی سے پرواز کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہم ایسے خطرات سے نجات حاصل کر لیں۔ چنانچہ میں نے ماجد کو دیکھا اور ماجد نے جیسے میرا ذہن پڑھ لیا۔ ”میں تم سے متفق ہوں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ.........لیکن خیال رہے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی تو پھر احتیاط کرنا ہو گی۔" میں نے جواب دیا اور ہم ہیلی کاپٹروں کی آڑ لیتے ہوئے کیبن کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر ہم نے کیبن میں جھانکا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس سے ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔ لیکن اندر کا منظر دیکھ کر ہم نے جلدی سے گردنیں باہر کر دیں اور ہمارے سر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

"اب بولو۔" ماجد نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"لاحول ولاقوۃ ان کمبختوں کو رات کے آخری پہر یہی سوجھی تھی۔"

"لیکن اب کیا کیا جائے۔ ویسے میرا خیال ہے اگر اس وقت بمباری بھی ہو جائے تب بھی وہ باہر آنا پسند نہ کرے گا۔" ماجد مسکرا کر بولا۔

"فضول بکواس مت کرو۔"

"ساری دنیا کی تقدیر میں عیش لکھا ہے ہمارے سوا۔" ماجد نے ٹھنڈی سانس بھری اور میں اس کا بازو پکڑے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ دونوں نشے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمارے قدموں کی آہٹ پر بھی توجہ نہیں دی۔ تب میں نے مرد کا کالر پکڑا اور اس کی کنپٹی پر ایک زور دار ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ بے آواز ایک طرف لڑھک گیا۔ میں نے دوسری ٹھوکر اس کی کنپٹی پر رسید کر دی تاکہ ہوش میں آنے کا امکان ہی نہ رہ۔ لڑکی البتہ کسی قدر ہوش میں تھی۔

"اوہ۔ ڈارلنگ یہ کیا حماقت ہے۔ فضول آدمی ہو ہمیشہ کے.........." لڑکی نے ماجد کے شانے پکڑ کر اسے خود پر جھکاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے مکمل اتفاق ہے بیبی.........مگر میری تقدیر.........." ماجد رو دینے والے انداز میں بولا۔ اور پھر اس نے بھی لڑکی کی کنپٹی پر ہاتھ جڑ دیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور پھر وہ ایک طرف لڑھک گئی۔ کیبن میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں مسکرا کر سیدھا ہو گیا۔ "اب تم تقدیر کا شکوہ نہیں کرو گے۔" میں نے ماجد کا مذاق اڑایا۔

"کیا میں باہر تمہارا انتظار کروں؟" ماجد سے بدلہ لینے کا بہترین موقع تھا۔ ماجد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کیبن میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ پھر اس نے کیبن سے چند اوزار نکالے اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ میں نے بھی ضرورت کی چیزیں اٹھالیں۔ ان میں ایک پستول بھی تھا۔ اس کے چیمبر بھرے ہوئے تھے۔ لیکن مزید کارتوس مجھے وہاں نہیں

مل سکے۔ بہرحال میں بھی باہر آ گیا۔ ماجد ایک ہیلی کاپٹر میں گھس گیا۔ میں نے ہیلی کاپٹر کے ڈیش بورڈ سے تاروں کے سارے جال کاٹ دیئے۔ جس بیدردی سے میں اسے ناکارہ کر سکتا تھا کرتا رہا اور مطمئن ہو کر نیچے اتر آیا۔ پھر دوسرے میں داخل ہو گیا۔ کل آٹھ ہیلی کاپٹر تھے۔ ان میں سے ہمیں ایک کا انتخاب کرنا۔ میں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔ پٹرول وغیرہ بھی چیک کرنا تھا۔ تقریباً تمام ہی ہیلی کاپٹروں کی ٹینکیاں ایندھن سے بھری ہوئی تھیں۔ "ماجد.........." میں نے اسے مخاطب کیا اور وہ رک گیا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ان تمام ہیلی کاپٹروں کو ناکام کر دیں۔ اس لئے کسی ایک کے بارے میں فیصلہ تو کر لو۔"

"اوہ' ہاں یہ بھی ضروری ہے۔"

"بس تو یہ ہیلی کاپٹر ٹھیک ہے۔" میں نے ایک ہیلی کاپٹر کی طرف اشارہ کیا اور ماجد مجھے گھورنے لگا۔

"اور اس کے بعد تم کیبن میں چلے جاؤ گے۔ اسے ہوش میں لاؤ گے اور مجھے جلاؤ گے۔ کیوں؟" اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں اسے ناکارہ کر چکا ہوں۔" ماجد نے جواب دیا۔

"اوہ۔ واقعی مارے ہی گئے تھے۔ پھر یہ ٹھیک ہے۔" میں نے دوسری طرف اشارہ کیا اور ہمارے درمیان اتفاق ہو گیا۔ ہیلی کاپٹروں کی مشینری اور خاص طور سے ان کا الیکٹریکل نظام پوری طرح ناکام کرنے میں ہمیں زیادہ وقت نہ لگا۔ تعمیر کی بہ نسبت تخریب بہت آسان ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے۔

"ایک کسر رہ گئی۔" ماجد نے گہری سانس لیکر کہا۔

"وہ کیا؟"

"کاش ہم تھوڑے سے کھانے پینے کا بھی بندوبست کر لیتے۔"

"تم یہاں رہو۔ میں ذرا اس کیبن کا جائزہ لے لوں بس چند منٹ میں واپس آیا۔" میں نے کہا۔ اور واپس کیبن میں چلا گیا۔ لیکن تلاش کے باوجود مجھے کھانے کی کوئی چیز نہیں ملی۔ البتہ پانی کا ایک بڑا کولر موجود تھا۔ جسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے میں

ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ گیا۔ ماجد نے مجھے دیکھ کر ہیلی کاپٹر کی مشین اسٹارٹ کر دی تھی۔ میں نے کولر رکھ کر دروازہ بند کیا اور اس کے پاس آبیٹھا اور چند ساعت کے بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔

میرے ذہن میں سنسنی تھی۔ لیکن ہمیں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ کیلی بر سے ہیلی کاپٹر اڑتے رہتے تھے۔ اس لئے اگر کوئی دیکھنے والا بھی ہوا تو توجہ نہیں دے گا۔ یہ خیال تسلی بخش تھا اور یہی ہوا بھی۔ ہم نہایت اطمینان سے کیلی بر سے دور ہوتے گئے۔ کسی سمت کا تعین ممکن نہیں تھا اس لئے یہ معاملہ تقدیر پر ہی چھوڑ دیا۔ کافی دیر تک ہم سنسنی کا شکار رہے اس لئے آپس میں کوئی گفتگو بھی نہیں کر سکے تھے۔ پھر جب کیلی بر کی آخر روشنی بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو ماجد نے کہا۔ ہاں اب آئندہ کا پروگرام بتاؤ۔" پروگرام.........؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"سمت کا تعین۔"

"ممکن نہیں ہے۔ جدھر جا رہے ہو چلتے رہو۔"

"کیا ہم ایروٹوس پہنچ سکیں گے؟"

"ممکن ہے دن کی روشنی میں کچھ نظر آجائے۔"

"تمہارے ذہن میں ایروٹوس تھا؟" ماجد نے پوچھا۔

"سچی بات یہ ہے کہ فریڈرک کے منہ سے ایروٹوس کا ذکر سن کر ہی میں نے ہیلی کاپٹر سے فرار کا منصوبہ سوچا تھا۔ ورنہ اس بیکراں سمندر میں ہیلی کاپٹر کا ایندھن ہمارا کہاں تک ساتھ دے سکتا تھا۔"

"یہ خطرہ تو اب بھی موجود ہے۔ ممکن ہے ہم کوئی صحیح سمت نہ اختیار کر سکیں۔"

"کوشش کریں گے۔ اس کے بعد جو بھی تقدیر میں ہو۔" میں نے لاپرواہی سے کہا اور ماجد گردن ہلانے لگا۔

سفر جاری رہا اور دن کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ ہماری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ ایک تعین ہم نے ذہن میں قائم کر لیا تھا اور یہ جذبہ ہمارا معاون تھا۔ اس جذبے نے کبھی دھوکہ نہیں دیا تھا۔ سمندر کے انتہائی کنارے پر ایک شبہ سا ہوا اور ماجد نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا۔ میں اس کے اشارے کی سمت دیکھنے لگا اور پھر میں نے مسرت سے گردن ہلا دی۔ "ہمارا عزم ہماری تقدیر بن گیا ہے ماجد۔

بلاشبہ وہ زمین ہے۔ تم اس کے اوپر آسمان پر پرندے نہیں دیکھ رہے؟"

"اوہ' ہاں اب نظر آرہے ہیں۔" ماجد نے بھی خوشی سے بھرپور آواز میں کہا اور ہیلی کاپٹر کا رخ بدل دیا۔ ہمارے ذہنوں میں مسرتوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جوں جوں اجالا پھیل رہا تھا زمین نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔ پرندوں کے غول سمندر پر نکل آئے تھے اور ہمارا استقبال کر رہے تھے۔ کیلی بر کی طرف سے ابھی کسی کارروائی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

"فریڈرک نے ایک اور بات کہی تھی۔ شہاب۔" ماجد نے اچانک کہا..........

"کیا؟"

"اس نے کہا تھا کہ ایروٹوس پر دوسری الجھنیں بھی پیش آ سکتی ہیں۔"

"ہاں یہ کہا تھا اس نے۔"

"وہ الجھنیں کیا ہو سکتی ہیں؟"

"پتہ چل جائے گا۔ پریشانی کیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کامیابی پر دل مسرت سے دھڑک رہا تھا۔ ماجد بھی خوشگوار موڈ میں تھا۔ ہم ایروٹوس کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ نیچے دیکھنے پر سرسبز درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ کنارے کی ریت چمکدار تھی اور آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ماجد نے جزیرے پر درختوں کے اوپر ایک چکر لگایا.........زیادہ دور تک جانا ہم نے پسند نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کیا حالات پیش آئیں۔ ممکن ہے ہیلی کاپٹر دیکھ لیا جائے اور ہم فوراً" کسی مصیبت کا شکار ہو جائیں۔ ان ساری باتوں کو ذہن میں رکھنا تھا۔ سرسبز درختوں کے درمیان ساحل سے ہٹ کر ہم کوئی ایسی جگہ تلاش کر رہے تھے جہاں ہیلی کاپٹر ٹھہرایا جا سکے۔ لیکن جنگل اتنا گھنا تھا کہ کوئی مناب جگہ نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ مجبوراً ہمیں ان جنگلات سے گزرنے کے لئے آگے بڑھنا تھا۔ اتنا طویل سلسلہ تھا درختوں کا کہ حیرت ہوتی تھی۔ بہرحال اس کے اختتام کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ اور پہلی مناسب جگہ نظر آنے ہی ہم نے ہیلی کاپٹر نیچے اتار دیا۔

ماجد نے ہیلی کاپٹر کی مشین بند کر دی اور پھر ہم دروازہ کھول کر نیچے اتر پڑے۔ عجیب و غریب علاقہ تھا۔ گھنا جنگل جہاں قدم قدم پر دلدلی قطعے انسانوں کو نگل لینے کے منتظر تھے۔ دلدلی علاقہ پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ مغرب میں اونچی اونچی سرسبز پہاڑیاں دعوت نظارہ دے رہی تھیں اور ایک جانب کسی مخصوص قسم کے پھلوں کے

جھنڈ میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ سمندر کا یہاں سے دور دور تک نشان نظر نہیں آتا تھا۔ نہ جانے اس جزیرے پر کیسے لوگ آباد ہوں؟ ان کے بارے میں اندازہ لگانا خاصا مشکل کام تھا۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اس خوفناک لیکن سرسبز و شاداب قطعے میں قدرت نے حسن و جمال کا جو لازوال خزانہ بخش دیا تھا اس میں کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اگر اس جزیرے میں انسانی آبادی ہے بھی تو اتنی دور کہ یہاں سے اس کا تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ بعض جگہ دلدلوں پر دھند چھائی ہوئی تھی۔ میں بغور اس علاقہ کا جائزہ لے رہا تھا اور ان سمتوں کا اندازہ لگا رہا تھا جہاں سے ہم آگے بڑھ سکتے تھے۔ تب میں نے گہری سانس لیکر ماجد کی طرف دیکھا۔ ماجد بھی انہی مشکلات کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "کیا خیال ہے شہاب' کیا ہم اس علاقے کو دنیا کا خوفناک ترین علاقہ نہیں کہہ سکتے؟"

"یہی اندازہ ہوتا ہے ماجد۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے؟" میں نے سوال کیا۔

اس پہاڑی علاقے کو عبور کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ خاص طور سے یہ دلدلیں جن کے بارے میں ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہے۔ بلکہ ہیلی کاپٹر سے یہاں تک آنا ایک لحاظ سے بہتر ہوا۔ اگر ہم ہیلی کاپٹر سمندر کے کنارے اتار دیتے اور وہاں سے ان جنگلات میں سفر کرنے کی کوشش کرتے تو زندگی محال تھی کیونکہ درختوں کے درمیان پھیلی ہوئی دلدلوں کا اندازہ لگانا ناممکن ہی تھا۔"

"بلاشبہ' لیکن کیا ہم اس میدان کو عبور کرنے کے لئے ہیلی کاپٹر استعمال نہیں کر سکتے؟" میں نے کہا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے شہاب' ویسے سوچ لو میرا خیال ہے کیلی بر کی طرف سے اب کارروائی شروع ہو گئی ہو گی اور چونکہ فریڈرک کو یہ بات یاد ہو گی کہ اس نے ہم سے ایروٹوس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ قرب و جوار میں ایروٹوس جزیرے کے علاوہ اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ چنانچہ اگر کیلی بر سے ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ لوگ اس جانب کا رخ کریں گے اور ہیلی کاپٹر با آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ دلدلی خطہ عبور کرنا خاصا مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے ہم مغرب کی ان پہاڑیوں کی جانب چلیں جو یہاں سے نظر آ رہی ہیں۔ ممکن ہے اس کے بعد حالات کچھ بہتر ہوں۔"

"ٹھیک ہے' جیسا تم پسند کرو۔" ماجد نے کہا اور ایک بار پھر ہم ہیلی کاپٹر میں آبیٹھے۔ ماجد نے ہیلی کاپٹر کی مشین اسٹارٹ کی لیکن انجن گھوم کر رہ گیا۔ ماجد نے ہیلی کاپٹر کی مشین کا جائزہ لیا۔ ڈائل وغیرہ دیکھے اور دوبارہ کوشش کی۔ لیکن اس بار بھی ہیلی کاپٹر کا انجن جاگنے میں ناکام رہا تھا۔ تب ہماری نگاہ پٹرول ٹینک پر پڑی اور ماجد نے ہونٹ سکوڑ کر میری جانب دیکھا۔ "لیجئے فیصلہ ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"ذرا پٹرول میٹر کی جانب دیکھیں۔" ماجد بولا۔ اور میری نگاہ میٹر پر پڑی۔

"قدرت کو یہی منظور ہے کہ ہم یہاں سے پیدل سفر کریں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لیکن ایک بات ضرور ہے شہاب۔" ماجد بولا۔

"کیا؟"

"پٹرول ٹینک بھرا ہوا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ ہم نے راتوں رات اتنا طویل سفر کر لیا ہے کہ پٹرول ختم ہو گیا۔ اگر کیلی بر سے ہیلی کاپٹر یہاں آنے کی کوشش کریں گے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی درستگی میں خاصا وقت لگ جائے گا۔ بالفرض محال اگر انتہائی کوشش کر کے دو ایک دو ہیلی کاپٹر تیار کر بھی لیں گے تو وہ لوگ اتنا طویل سفر اتنی آسانی سے نہیں کریں گے۔ یہاں آنے کے بعد بھی انہیں ایندھن کی ضرورت تو ہو گی ہی۔ اس سلسلے میں وہ کیا کریں گے۔" ماجد نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے واپسی کے لئے فالتو ایندھن کا بندوبست۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں میں یہ سوچ رہا ہوں کہ انہیں یہاں پہنچنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ فی الوقت ہمیں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اب جو کچھ بھی ہو لیکن ہیلی کاپٹر تو ناکارہ ہو ہی چکا ہے۔"

"آؤ پھر سفر کی ابتدا کریں۔" ماجد نے کہا اور ہیلی کاپٹر سے ہم نے پانی کا کولر اتار لیا۔ پانی اس وقت ہمارے لئے زیادہ اہم تھا۔ ماجد نے کولر اپنے ہاتھ میں اٹھایا۔ اور ہم دونوں چل پڑے۔

گرم دلدلوں سے بھاپ بلند ہو رہی تھی اور فضا میں حدت تھی۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ بہرحال ہم آگے بڑھتے رہے اور یہ خوفناک راستہ عبور کرتے رہے۔ پہاڑیوں کے نزدیک پہنچنے کا تصور بہت دلکش تھا۔ ہم نے راستے کی

صعوبتوں کو ذہن سے نکال دیا تھا۔ البتہ کبھی کبھی آسمان کی طرف ضرور دیکھ لیتے تھے۔
ویسے موسم بہت خوشگوار تھا۔ دھوپ نہیں نکلی تھی اور سورج ہلکے بادلوں میں چھپا ہوا
تھا۔ راستے میں دو جگہ رک کر ہم نے پانی پیا۔ ابھی تک کوئی خاص تھکن نہیں تھی۔
پہاڑیاں نمایاں ہوتی جا رہی تھیں۔ ان میں ایک ڈھلان پر کھجوروں کے درختوں کے
جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ خاصے بلند درخت تھے اور آہستہ آہستہ ہم ان کے نزدیک ہوتے
جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہم ان درختوں کے نزدیک پہنچ گئے ماجد نے سر اٹھا کر
دیکھا اور پیر سے جوتے اتار دیئے۔

”درخت پر چڑھو گے؟“ میں نے پوچھا۔

”آہ یہ کھجوریں۔ اس حسین دوشیزہ کے سنہرے بدن سے زیادہ خوبصورت ہیں۔
جسے ہم نے رات کو اس دیو کی باہنوں میں دیکھا تھا۔“

”گویا وہ تمہیں ابھی تک یاد ہے؟“

”زندگی کی پہلی لڑکی تھی جس نے دعوت دی تھی۔ ورنہ نہ جانے کیوں لڑکیاں
ایک بار دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتیں۔“

”یہ تم کسر نفسی سے کام لے رہے ہو۔“

”یقین کرو شباب۔ آج تک میرے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے۔ بہرحال باقی گفتگو
پیٹ بھرنے کے بعد ہو گی۔“ ماجد نے کہا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ کھجور کے سپاٹ
درخت پر ماجد جس طرح چڑھا وہ قابل داد بات تھی۔ درخت ستر سے اسی فٹ کے
درمیان بلند ہو گا۔ لیکن آن کی آن میں وہ اوپر پہنچ گیا اور پھر اس نے خود کو پھنسا لیا۔
کھجوروں کے پکے ہوئے خوشے توڑ توڑ کر اس نے نیچے پھینکنے شروع کر دیئے اور میں
انہیں لپکتا رہا۔ کافی کھجوریں توڑنے کے بعد ماجد نیچے اتر آیا۔ انتہائی لذیذ کھجوریں
تھیں۔ ہم جس قدر کھا سکے کھائیں اور اس کے بعد ماجد نے انہیں اپنی قمیض میں
باندھ لیا۔ اس سے قیمتی شے اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہے“ اس نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

”اب کیا خیال ہے' آرام کرو گے؟“

”ہاں یار۔ پیٹ میں کچھ پڑا ہے تو تھوڑا سا اضمحلال طاری ہو گیا ہے۔“

”ٹھیک ہے کھجوروں کے درختوں کے نیچے ہمیں دیکھا نہیں جا سکتا۔“

”تاہم نگاہ رکھی جائے۔ ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کریں گے کہ وہ ایروٹوس

کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔“

میں نے گردن ہلا دی اور ایک مناسب جگہ تلاش کر کے ہم دراز ہو گئے۔ ماجد
بھی خاموش تھا اور میرا دل بھی بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

”کیوں نہ تھوڑی دیر سو لیا جائے؟“

”نیند آ رہی ہے؟“

”بہت.........یہ کمبخت کہاں پیچھا چھوڑتی ہے۔“

”لیکن دونوں کا سونا مناسب نہیں ہو گا ماجد!“

”تم جاگ سکتے ہو؟“

”ہاں۔ لیکن ٹھیک تین گھنٹے کے بعد میں تمہیں جگا دوں گا۔“

”منظور..........“ ماجد نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ واقعی سونے میں
اسے کمال حاصل تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ میں جاگتا رہا کسی بھی
آہٹ پر آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگتا تھا۔ گو ماجد سے وعدہ کیا تھا اور ذہن میں یہی خیال
تھا کہ سونا مناسب نہیں ہے۔ لیکن آنکھیں جھپکنے لگیں۔ سناٹا اور خاموشی مدد دے
رہے تھے۔ اور پھر ساری احتیاط رکھی رہ گئی۔ نہ جانے کب تک سوتے رہے تھے۔ پانی
کی ہلکی ہلکی پھوار نے جگایا تھا۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ذہن احساس سے
عاری تھا۔ پانی کی پھواروں پر حیرت ہوئی اور پھر مزید حیرت ان درختوں کو دیکھ کر ہوئی۔
ماجد بھی کلبلا رہا تھا۔ بہرحال حواس بحال ہو گئے۔ ماحول یاد آ گیا اور میں نے ماجد کو
آواز دی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

”کیوں مذاق کر رہے ہو یار!“ وہ بڑبڑایا۔

”اٹھ جاؤ۔ ورنہ یہ مذاق شدید نہ ہو جائے۔“

”ایں؟“ ماجد نے پھر آنکھیں کھول دیں۔ آسمان کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں
ملنے لگا۔ ”بارش ہو رہی ہے کیا؟“

”ہاں۔“

”تین گھنٹے پورے ہو گئے؟“

”شاید..........“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گھڑی میں چھ بجے تھے جس کا
مطلب تھا کہ ہم پورے نو گھنٹے سوئے تھے۔ ماجد خود کو سنبھالنے لگا اور پھر اس کی نگاہ
گھڑی پر جا پڑی۔ ”ارے یہ گھڑی کو کیا ہوا؟“

"بند ہو گئی کیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، چل تو رہی ہے۔"

"کیا بج گیا؟"

"چھ.........چھ بجے ہیں۔"

"پورے نو گھنٹے سوئے ہو تم.........." میں نے کہا اور ماجد نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں اور پھر اس کے چہرے پر تاسف کے آثار ابھر آئے۔ "افسوس یار۔ مگر تم نے جگا کیوں نہیں دیا؟"

"بس میں نے سوچا کہ تمہاری نیند خراب نہ کروں۔"

"تمہاری تو بری حالت ہو گی۔"

"ہاں۔ مگر کیا کیا جائے۔"

"سو جاؤ۔ آؤ ذرا سی گھنی جگہ تلاش کر لیں۔" ماجد ہمدردی سے بولا۔ لیکن میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ "رہنے دو یار' اب تو بارش بھی شروع ہو گئی ہے۔ اس بارش میں کیسے سو سکوں گا۔ کھجوروں کے درخت اتنے گھنے بھی نہیں ہیں کہ ان کے نیچے بارش نہ پہنچ سکے۔ مجھے صرف یہ خطرہ ہے کہ اگر بارش تیز ہو گئی تو کیا کریں گے؟"

"ان حالات میں بھی کچھ کرنے کا تصور باقی رہ جاتا ہے۔ بس جیسے گزرے گی گزاریں گے۔ فکرمند ہونے کی بات نہیں ہے۔ ہاں یہ تو بتاؤ کیا تم سفر کرنے کے قابل ہو۔ نیند نے تمہاری بری کیفیت کر رکھی ہو گی۔ بہتر تو یہی ہے شہاب کہ اسی جگہ آرام کریں۔ ہاں اس دوران کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟؟"

"قطعی نہیں۔ قطعی نہیں۔ لیکن میں سونے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ کیا تمہیں بھوک نہیں لگ رہی ہے؟؟" میں نے پوچھا۔

"نو گھنٹے گزر چکے ہیں اور پھر کھجوریں ویسے بھی زود ہضم ہوتی ہیں۔ آؤ پہلے کچھ کھا لیا جائے۔" ماجد ابھی تک نیند کے سحر سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ اس کا ذہن سویا سویا سا تھا۔ بہرصورت اس نے کولر سے پانی نکال کر ٹھنڈے پانی کے دو گھونٹ پیئے اور پھر ہم کھجوریں کھانے بیٹھ گئے۔"

بارش ابھی تک آہستہ آہستہ ہو رہی تھی۔ لیکن آسمان پر جس طرح بادلوں کے غول کے غول چھاتے جا رہے تھے۔ ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ بارش ابھی تیز ہو گی۔ یوں

بھی شام جھک آئی تھی اور فضا میں اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ ان حالات میں سفر کرنے کا تصور خاصا احمقانہ تھا۔ کیونکہ ہم ان علاقوں سے واقف بھی نہیں تھے اور جو کچھ دیکھ چکے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس پرخطر علاقے میں بلاخوف و خطر سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

تھوڑی دیر تک ہم حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ بارش جس انداز میں ہو رہی تھی وہ ابھی تکلیف دہ نہیں تھا۔ چنانچہ ہم آگے بڑھنے کے لئے تیار ہو گئے۔

"اگر بارش تیز ہو گئی تو؟" ماجد نے تشویش سے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ آگے ہمیں درخت نہ ملیں اور پھر چڑھائی کا سفر اتنا آسان بھی نہیں ہے" ماجد نے کہا۔

"ممکن ہے کسی چٹان کی پناہ مل جائے۔"

"میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہا تھا۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ چلو۔" میں نے جواب دیا۔ میں نے ماجد کو یہ نہیں بتایا تھا کہ میں بھی گھوڑے بیچ کر سو گیا ہوں۔ ہم پہاڑیوں کی بلندیاں طے کرتے رہے۔ بارش ابھی تک تکلیف دہ نہیں ہوئی تھی.........درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ اور ہم بھیگ رہے تھے۔ لیکن موسم خوشگوار تھا ماجد کے بدن پر تو قمیض بھی نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود خنکی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ مکمل تاریکی چھا گئی۔ ہم پہاڑیوں کی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے۔ ویسے یہ سفر تکلیف دہ نہیں تھا۔ چڑھائی بہت آسان تھی۔ ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ دوسری طرف ڈھلان تھے۔ لیکن اس تاریکی میں ڈھلان پر اترنا خطرناک تھا اس لئے سفر ملتوی کر دیا گیا۔ تاریکی میں اب کوئی چیز نہیں نظر آ رہی تھی۔ ہم ایک سائے دار چٹان تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چھوٹی سی چٹان تھی جو شاید ہماری منتظر تھی۔ اس کے نیچے ہمیں بارش سے پناہ مل گئی تھی۔ ہم سمٹ کر بیٹھ گئے۔ ماجد مجھ سے جڑا بیٹھا تھا۔ اگر زندہ بچ گئے تو یہ سفر ہمیشہ یاد رہے گا۔" تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"مجھے تو ایک اور خطرہ ہے ماجد۔"

"کیا؟"

"کہیں یہ جزیرہ غیر آباد نہ ہو۔"

"اور ممکن ہے لیکن یہ کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟"

"یہاں کا ماحول۔"

"ممکن ہے آگے جاکر ٹھیک ہو جائے۔ یہ ابتدائی علاقہ بھی ہو سکتا ہے جہاں انسانی قدم نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے ہم اس کی غلط سمت اتر گئے ہوں۔"

"ہاں یہ ممکن ہے لیکن کچھ اور بھی ممکن ہے۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"ممکن ہے یہ جزیرہ ایروٹوس ہی نہ ہو۔"

"اوہ.........." ماجد پرخیال انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ لیکن میں اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو خاصی مشکلات پیش آجائیں گی۔ شہاب۔ ظاہر ہے یہاں سے نکلنے کے لئے ہمارے پاس کوئی بندوبست نہیں ہے۔ ہیلی کاپٹر اس لحاظ سے بے کار ہو چکا ہے کہ اس میں ایندھن بالکل موجود نہیں ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آخر کون سا علاقہ ہے؟"

"اس کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں ماجد۔ ہم جتنا سفر طے کر چکے ہیں اس کے بارے میں ہمیں کوئی علم ہی نہیں ہے۔ ویسے مجھے فریڈرک کے الفاظ یاد ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ ہم یورپ کے علاقے میں سفر کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم کسی ایسے خطے میں ہوں جو جزائر کا خطہ کہلاتا ہو اور یہ جزیرہ انہی جزائر میں سے کوئی ویران جزیرہ ہو۔"

"بہرحال زندگی حرکت کا نام ہے۔ چلتے رہیں گے۔ کہیں نہ کہیں تو پہنچیں گے۔ اور اگر کہیں نہ پہنچ سکے تو پھر اسی جزیرے پر جانوروں کی طرح زندگی گزار کر اختتام تک پہنچ جائیں گے۔" ماجد نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔

جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی بارش تیز ہو رہی تھی اور پھر موسلادھار بارش ہونے لگی۔ چھوٹی سی چٹان بہتر سائبان نہیں تھی۔ لیکن بہرحال تھوڑی بہت بچت ہو رہی تھی۔ اب بادل گرجنے لگے تھے اور بجلی بھی چمکنے لگی تھی۔ تیز بارش کے ساتھ موسم میں کسی قدر ٹھنڈک بھی ہو گئی تھی۔ ہمارے بھیگے ہوئے بدن ہواؤں کا اثر قبول کر رہے تھے۔ ماجد مجھ سے کچھ اور جڑ کر بیٹھ گیا۔ "تم قمیض پہن لو ماجد۔ سرد ہوا بدن سے ٹکرا رہی ہو گی۔"

"قمیض سے بھی کیا فرق پڑے گا؟"

"تھوڑی بہت تو بچت ہو ہی جائے گی۔"

"اور کھجوریں؟"

"انہیں یوں ہی رکھ لیتے ہیں؟"

"نہیں شہاب صاحب۔ اس وقت یہ بہت قیمتی ہیں۔ میں سمندر کے وہ چند روز نہ بھول سکوں گا جو بھوکے پیاسے گزارنے پڑے اور پھر قمیض گندی بھی ہو رہی ہے۔ کھجوروں کا شیرا اس سے چپک گیا ہے۔"

میں خاموش ہو گیا۔ بارش طوفانی انداز اختیار کر گئی تھی۔ ہم خاموش بیٹھے بادلوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو ماجد نے کہا۔

"ویسے کیلی بر والوں کے بارے میں حیرت ہے۔"

"کیوں؟"

"غور کرو ماجد تم ہم ان لوگوں کے لئے اس قدر اہم بھی نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ہم سے انہیں کیا خطرہ درپیش ہو سکتا ہے۔ اپنے مشن میں تو وہ ناکام ہی رہے ہیں۔"

"ہاں پھر بھی.........اور ہینڈرک.........نہ جانے اس نے بیچارے فریڈرک کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو۔"

"کیوں' فریڈرک کے ساتھ اس نے کوئی غلط سلوک کیوں کیا ہو گا؟"

"بھئی ظاہر ہے فریڈرک کی وجہ سے اسے خاصے نقصانات پہنچے ہیں وہ تو سمندر میں ایک دوسرے ہی مشن پر تھا۔ یہ سب کچھ تو اس کے لئے غیر متعلق کام تھا۔ اگر فریڈرک اس انداز میں اس کے پاس نہ پہنچتا تو بھلا ہینڈرک کو کیا پڑی تھی کہ وہ ایسی مصیبتوں کا شکار ہوتا۔ اول تو اس کا ایک جہاز ڈوب گیا۔ پھر ہم نے اس کے آٹھ ہیلی کاپٹر ختم کر دیئے۔ ظاہر ہے ان کی مرمت میں بھی خاصا وقت لگ جائے گا۔ اور اس دوران اس کی ساری کارروائی معطل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے فریڈرک سے پہلے ہی کہا تھا کہ ہم دونوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ہم ایک بیکار شے کی حیثیت سے جہاز پر موجود تھے۔ لیکن فریڈرک ہی نے اسے روکا تھا اور ہماری مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس مدد کا خمیازہ اسے بھگتنا ہی پڑ جائے گا۔"

"نہیں ماجد میرا خیال ہے فریڈرک بھی اپنے طور پر ایک اہم حیثیت کا مالک تھا' ورنہ ہینڈرک اسے کسی سلسلے میں مجبور بھی کر سکتا تھا۔"

"خیر ہمیں ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو اب یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ

لوگ ہماری طرف سے غافل ہی ہو گئے ہیں۔"

"ممکن ہے.......... لیکن ہمیں یہ سارے معاملات نظرانداز بھی نہیں کرنے چاہئیں۔ کچھ فیصد خطرے کا احساس رکھا جائے۔ البتہ میں بے چارے فریڈرک کے لئے تھوڑا سا افسردہ ضرور ہوں۔"

"کیوں؟"

"بھئی میں پھر وہی بات کہوں گا کہ اس نے بے غرض ہم لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی اور ماجد کسی کو اس طرح نظرانداز کرنا مناسب نہیں ہوتا۔"

"ان حالات میں بھی تم ایسی باتیں کر رہے ہو شہاب؟"

"حالات کچھ بھی ہوں زندگی کے کچھ اصول ضرور ہونے چاہئیں۔ اگر مجھے کبھی موقع مل گیا تو میں فریڈرک کا یہ احسان چکانے کی ضرور کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔

بارش اسی زور و شور سے جاری تھی۔ اور اب ہمارے بدن کانپنے لگے تھے۔ اردگرد کا سیاہ منظر بے حد خوفناک تھا۔ کبھی بجلی چمکتی تو پہاڑوں پر بہتا پانی ہمیں صاف نظر آتا جو تیز دھاروں کی شکل میں گہرائیوں کی طرف جا رہا تھا۔ پانی کی آواز بھی کافی تیز تھی۔

نہ جانے کس طرح رات گزاری گئی۔ پھر صبح کی روشنی پھوٹنے لگی۔ اعضاء کا اضمحلال نمایاں تھا۔ تیس گھنٹے سے بھی زیادہ گزر چکے تھے اور ہم مسلسل جدوجہد میں مصروف تھے۔ ماجد نے دسترخوان بچھا دیا۔ اور تیسری بار کھجوریں کھا کر ہم کسی حد تک تازہ دم ہو گئے۔ بارش ابھی تک نہیں رکی تھی اور اسی زور و شور سے جاری تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر پانی پیا اور پھر جل تھل علاقے کو دیکھنے لگے۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" ماجد نے پوچھا۔

"بارش کے رکنے کا انتظار کریں گے؟" میں نے کہا۔

"آسمان تو کہہ رہا ہے کہ بارش شاید اب کبھی نہ رکے۔ میرے خیال میں ہمیں نیچے اتر کر کوئی اور محفوظ قیام گاہ تلاش کرنی چاہئے۔ ممکن ہے گہرائیوں میں کوئی عمدہ غار مل جائے۔ ورنہ دوسری رات کی سردی برداشت نہیں ہو سکے گی۔"

میں نے گردن ہلا دی اور ہم اپنی جگہ سے نکل آئے۔ چٹان کا مختصر سائبان چھوڑ کر ہم مغرب کے رخ پر تیزی سے نیچے اترنے لگے۔ ڈھلوان پھسلوان تھے اور ان پر

قدم جما کر اترنا پڑ رہا تھا۔ لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیئے ہوئے تھے۔ لیکن دفعتاً ایک پتھر پر جوں ہی میں نے پاؤں جمایا پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ماجد نہیں سنبھل سکا تھا اس کا وزن بھی میرے اوپر آپڑا اور ہم دونوں نوکیلے پتھروں پر پھسلتے ہوئے نیچے گرنے لگے۔

زندگی بار بار موت کے نزدیک سے گزر رہی تھی۔ پتھریلے پتھروں نے ہمارے سروں میں زخم ڈال کر ہمیں ہوش وحواس سے بیگانہ کردیا۔ اس کے بعد ہماری آنکھ کسی وحشی قبیلے کے درمیان کھلی تھی۔ ہمارے جسم رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان خوفناک لوگوں کو دیکھ کر ہماری روح قبض ہونے لگی۔ ماجد نے اس وقت دور کی سوچی۔

"کیوں نہ ہم مرجائیں۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس وقت ہماری زندگی ان کے لئے باعث دلچسپی ہو سکتی ہے لیکن ہمارے مردہ جسم ان کے لئے بیکار ہوں گے۔ میں ماجد کی بات پر غور کرنے لگا۔ پھر میں نے اس سے اتفاق کرلیا۔ اس کے بعد وحشیوں کو ہمارے بے جان جسم ملے اور ہمیں اپنے منصوبے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ انہوں نے اپنی رسم کے مطابق ہمارے بے جان جسم ایک غار میں پہنچادیئے۔ جہاں ہمارے بہت سے بھائی بند یعنی سوکھے ہوئے انسانی ڈھانچے موجود تھے۔ بہرحال یہ زندگی اس موت سے بہتر تھی جو قبیلے کے ہاتھوں ہمیں حاصل ہوتی۔ یہ غار آبادی سے بہت دور تھے۔ اطراف میں جنگل بکھرے ہوئے تھے چنانچہ درختوں کے کچھ کھوکھلے تنے ہمارے کام آئے اور ان تنوں سے کشتی تیار کرکے ایک بار پھر سمندر کا رخ کیا۔ موت کا سفر پھر سے جاری ہوگیا۔ پھر ایک دن جب ہم بھوک پیاس سے نڈھال موت کے قہقہے سن رہے تھے۔ کہ زندگی نے دوبارہ آواز دی اس بار زندگی ایک ہیلی کاپٹر کی شکل میں تھی اور اس ہیلی کاپٹر نے ہمیں ایک جہاز پر پہنچایا جو شاہ کائی ٹس کے حامیوں کا جہاز تھا۔ جہاز کا کپتان ڈیوس ایک مہربان شخص تھا اس نے ہمیں خوشخبری سنائی کہ ڈاکٹر برہان ایک جزیرے پر موجود ہے۔ پھر ہماری درخواست پر ہمیں جزیرے پر پہنچا دیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر برہان نے ہمیں گلے لگایا تھا۔

"زندگی اگر موت سے دوستی نہ رکھے تو بے مقصد ہوتی ہے۔ ویسے تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ شاہ کائی ٹس کو معزول کرکے کسی نامعلوم جگہ قید کردیاگیا ہے۔"

"اور اس کے مخالف؟"

"وہ حکمران بن چکے ہیں"

"تب تو یہ کھیل ختم۔"

"کھیل ایسے ختم نہیں ہوتے۔" ڈاکٹر برہان نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہمیں اس نئی حکومت کو ختم کرنا ہے، میں تمہاری ملاقات ایک اہم شخص سے کرانا چاہتا ہوں۔"

"وہ کون ہے؟"

"ایک انقلابی، جس کا ہمیں ساتھ دینا ہے۔" ڈاکٹر برہان نے کہا۔

سفید فام مسٹر گولف سے ہمارا تعارف کرایا گیا۔ یہ ایک نرم خو لیکن سرگرم انسان تھا۔ "ہماری طرف سے تیاریاں مکمل ہیں ڈاکٹر برہان۔ آپ کی ہدایات کا انتظار ہے" اس نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

"شکریہ مسٹر گولف۔ آج رات گیارہ بجے ہم تیار ہوں گے۔" ڈاکٹر برہان نے جواب دیا اور اس کے بعد سب لوگ منتشر ہو گئے۔ ڈاکٹر برہان نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ "گو یہ سب کچھ جلد بازی میں ہوا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بددل نہ ہوئے ہو گے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ حسب معمول تم اس مہم کے انچارج رہو گے۔"

"آپ جانتے ہیں ڈاکٹر مجھے صرف کام سے دلچسپی ہے۔" میں نے کسی قدر خشک لہجے میں جواب دیا۔

"پچھلی بار کچھ افراتفری کی کیفیت رہی۔ اس لئے ہمیں بہت سی الجھنیں پیش آئیں۔ لیکن اس بار میں چاہتا ہوں کہ لائحہ عمل طے ہو جائے۔"

"ہاں ڈاکٹر یہ ضروری ہے۔" میں نے جواب دیا۔

شاہ کائی لُس زندہ ہے اور ان لوگوں کی قید میں ہے۔ کائی لُس کے دشمنوں نے اس کے خلاف سازش کرکے حکومت تو بدل لی ہے۔ لیکن ان کا اصل کام ابھی باقی ہے۔ یعنی پرنس بورٹو۔ اگر پرنس بور ٹو زندہ رہاتو وہ لوگ کامیابی سے حکومت نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ کسی بھی وقت کوئی سازش متوقع رہے گی۔ وہ لوگ شاہ کائی لُس کو فوراً قتل کر دیں گے۔ اگر انہیں بور ٹو کی موت کی اطلاع مل جائے۔ لیکن جب تک

بور ٹو زندہ ہے وہ شاہ کو قتل کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ کیونکہ ملکی قوانین کے تحت اس وقت کوئی دوسرا حکمران برسراقتدار نہیں آسکتا۔ جب تک پرانے حکمرانوں کے خاندان یا وارث میں سے کوئی نہ رہے۔ اگر ان قوانین کی خلاف ورزی ہوئی تو پورا ملک آتش کدہ بن جائے گا اور چاروں طرف آگ و خون کے سوا کچھ نہ رہے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں ڈاکٹر گویا وہ کائی ٹس کو صرف اس لئے زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ اگر کسی وقت پرنس بور ٹو منظر عام پر آجائے تو کائی ٹس کی موت کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہو" میں نے کہا۔

"بیشک ان حالات میں وہ کبھی حکومت نہیں کر سکیں گے اور وہ مغربی ملک اس سے زیادہ دھاندلی اس لئے نہیں کر سکتا کہ براہ راست اس دوسرے بڑے ملک کی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا۔"

"بالکل ٹھیک ڈاکٹر۔"

گویا تم اس قدر تو صورتحال کو سمجھ گئے۔ باقی تفصیلات یوں ہیں کہ پرنس بورٹو سمیت تم سب میرین کے ذریعے ڈیمن تک جاؤ گے جس علاقے میں تمہیں اتارا جائے گا وہ غیر آباد ہے اور دشوار گزار بھی۔ اس لئے اسے محفوظ تصور کیا گیا ہے۔ تمہیں علاقے کا نقشہ مہیا کیا جائے گا اور ڈیمن کے پر خطر راستے سے گزر کر تم مور گیٹے کی ایک بستی میں داخل ہو جاؤ گے۔ کسی طور اس بستی سے گزر کر تم آگے بڑھو گے وہاں سے برجیتا تمہاری رہنما ہو گی۔ وہ تمہیں ایسے لوگوں کے درمیان لے جائے گی جو وہاں کے حالات سے واقف ہیں اور مددگار لوگوں میں سے ہوں گے۔ پرخطر راستوں کے لئے تم ضروریات کا تعین کر لو۔ تمہیں آج ہی رات نقشہ فراہم کر دیا جائے گا؟" ڈاکٹر برہان خاموش ہو گیا۔

"بہتر ہے ڈاکٹر۔ میں نقشہ دیکھنے کے بعد ہی ضروریات کا اظہار کر سکوں گا۔" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص آگیا جسے ڈاکٹر نے مجھ سے گفتگو کے بعد طلب کیا تھا۔ اور اس شخص نے مجھے ڈیمن کے علاقے کے بارے میں تفصیل بتانی شروع کر دی۔ یہ غیر ملکی تھا اور اس کا نام بینتھم تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم نے مفصل طور پر اس علاقے کا دورہ کیا ہوا۔" میں نے اس سے کہا۔

"یہ حقیقت ہے جناب۔ میں ایک بار اس خوفناک جنگل میں پھنس گیا تھا۔ بس زندگی تھی کہ بچ نکلا ورنہ موت تو قدم قدم پر تھی۔"

"کیوں نہ اس بار بھی تم ہمارے ساتھ سفر کرو بینتھم؟" میں نے کہا۔

"مجھے اعتراض نہیں ہے اگر ڈاکٹر برہان پسند کریں۔"

"نہیں شہاب۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ بس یہی پالیسی چل رہی ہے۔ ہمارے دوست براہ راست اس سلسلے میں ملوث نہیں ہو رہے۔ کیونکہ اس شکل میں دو بڑے ملکوں میں ٹھن جائے گی۔ جو بہت بڑا خطرہ ہے۔" ڈاکٹر برہان نے دخل دیا۔

"میں نے مذاقاً یہ بات کہی تھی ڈاکٹر!" میں نے جواب دیا اور بینتھم وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر برہان بولا۔ "دوسرا مددگار ملک ہر طرح ہمارے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ اس نے اس مہم کے لئے خصوصی اسلحہ تیار کیا ہے جو اب سے "تھوڑی دیر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ تمہیں بہت بڑا اعزاز حاصل ہو رہا ہے شہاب! اس مہم کے انچارج کی حیثیت سے تم نہ صرف مور گیٹے کے بلکہ اس ملک کے بھی لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے کے مالک ہو گے اور دونوں ملکوں کی آرمی تمہارے احکامات کی پابند ہو گی!!"

میں نے تھوڑی دیر کے لئے تنہائی طلب کی اور پھر نہایت باریک بینی سے اس نقشے کا جائزہ لیا جو کچھ مجھے بینتھم نے بتایا تھا وہ بے حد خوفناک تھا۔ لیکن میں منفرد انسان ہوں۔ جب تک بزم میں رہوں ہنگامہ آرائی سے بھاگتا ہوں۔ برے حالات سے بچتا ہوں۔ لیکن جب رزم کی نوبت آجائے تو پھر خطرات میرے لئے غیر اہم ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں نے صرف حفاظتی انتظامات پر توجہ دی تھی۔

حالانکہ ایسے تھے کہ اب ڈاکٹر برہان پرنس بورٹو کو اپنی تحویل میں بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کا ہمارے ساتھ جانا ضروری تھا۔ اس لئے سب سے اہم مسئلہ پرنس بورٹو کی حفاظت کا تھا۔ تقریباً دس بجے میرا طلب کردہ اسلحہ پہنچ گیا۔ انتہائی ہلکی لیکن انتہائی سبک اسٹین گنیں' ان کا ایمونیشن' کچھ دستی بم جو چھوٹے سائز کے تھے اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو میں نے ضروری خیال کی تھیں۔ لیکن جس معیار کا اسلحہ ہمیں دیا گیا تھا وہ میری توقع سے کہیں بلند تھا۔ اسلحہ لانے والے مسٹر اینڈی ول نے مجھے اس کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائی تھیں اور میں نے اس اسلحے کی کافی تعریف کی تھی۔

رات کے تقریباً پونے گیارہ بجے مسٹر گولف ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ڈاکٹر برہان نے باقی لوگوں کو بھی طلب کر لیا تھا اور ان میں پرنس بورٹو' برجیٹا' شارق' ماجد' فیضان اور میں شامل تھے۔ ہمارے علاوہ دو افراد اور بھی تھے جو کسی غیرملک سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا کل آٹھ افراد اس مہم میں شریک تھے۔ ڈاکٹر برہان نے مسٹر گولف سے خصوصی گفتگو کی اور اس کے بعد ہمیں گولف کے ساتھ جانا پڑا۔

رات کی تاریکی میں جھینگروں کی آواز شامل تھی۔ ماحول بڑا عجیب سالگ رہا تھا۔ مہم پر روانہ ہوتے وقت ہم عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے۔ ہمارا وہ سامان جو ہمیں خصوصی طور پر ساتھ لے جانا تھا شاید پہلے ہی سب میرین میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس اسلحے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔

مسٹر گولف ہمیں لے کر سمندر کے نزدیک پہنچ گئے۔ رات کی تاریکی میں سفید سفید موجیں عجیب محسوس ہو رہی تھی۔ نجانے دوسروں کی ذہنی کیفیت کیا۔ بہرحال میں ہلکی سی سنسنی ضرور محسوس کر رہا تھا۔ حالانکہ مہمات پر روانہ ہونے کا یہ کوئی نیا موقع نہیں تھا۔ اس سے قبل بھی لاتعداد ایسے واقعات پیش آچکے تھے۔ مگر نہ جانے کیوں ڈیمن کے جنگلات کے بارے میں جو تفصیلات ہم نے سنی تھیں انہوں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس چھوٹے سے اسٹیمر کے پاس پہنچ گئے جو ساحل کے نزدیک موجود تھا۔ ہم سب اس میں سوار ہو گئے۔ ہماری رہنمائی مسٹر گولف کر رہے تھے۔ ایک عجیب سی کیفیت جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا ہم سب پر طاری تھی۔ اسی کیفیت میں اسٹیمر میں بیٹھ کر ہم سب میرین کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیاہ رنگ کی آبدوز سطح سمندر پر کسی بڑی مچھلی کی طرح نظر آرہی تھی اور چند افراد ہماری آمد کے منتظر تھے۔ اسٹیمر آبدوز کے نزدیک پہنچا اور پھر تھوڑی دیر بعد ہم آبدوز میں منتقل ہو گئے۔ یہاں ہمارا استقبال مسٹر وول نے کیا جو ایک معمر لیکن تندرست و توانا آدمی تھا۔ بے حد ہنس مکھ اور خوش مزاج۔ مسٹر گولف نے مہم کے انچارج کی حیثیت سے میرا تعارف کرایا اور میں نے اپنے بقیہ ساتھیوں کا۔ مسٹر گولف کو بھی ہمارے ساتھ ڈیمن تک جانا تھا۔ تاکہ ہمارے وہاں پہنچ جانے کی اطلاع براہ راست دے سکیں۔

آبدوز سمندر میں بیٹھنے لگی۔ ابتداء میں مسٹر وول آبدوز کے عملے کو ہدایات دینے

میں مصروف رہے اور پھر ہمارے نزدیک آبیٹھے۔ پر تکلف مشروبات سجا دیئے گئے تھے۔ ان کی چسکیاں لیتے ہوئے ہم آپس میں اس مہم کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔

"مجھے براہ راست کسی مہم میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا لیکن سمندر کی زندگی اور خاص طور پر سمندر میں جاسوسی کا مشن بھی بے حد سنسنی خیز ہوتا ہے اور میں اکثر یہ کام کرتا رہتا ہوں۔ آپ لوگوں کی زندگی تو ایسی مہمات سے پر ہو گی؟" مسٹر وول نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہمیں اکثر خطرناک حالات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جب آپ بوڑھے ہو جائیں گے مسٹر شہاب تو آپ کے بچوں کے لئے آپ کے پاس بہت کچھ ہو گا۔ آپ انہیں اپنی زندگی کے واقعات سنایا کریں گے اور وہ آپ کو اپنا ہیرو تسلیم کر لیں گے۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کیا کہا جا سکتا ہے مسٹر وول' ممکن ہے' بوڑھے ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔"

"اوہ۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ زندگی کسی بھی شعبے سے متعلق ہو خطرات اور حادثات سے دوچار تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ لیکن بہرصورت ہم ایک بہتر مستقبل کی طرف امید رکھتے ہیں۔" مسٹر وول نے جواب دیا۔

"بے شک۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ مسٹر وول بہت دلچسپ آدمی تھے۔ سفر طے ہوتا رہا اور کوئی ناخوشگوار احساس نہ ہو سکا۔ مسٹر وول نے اپنی سمندری زندگی کے دوچار واقعات سنائے تھے جو مختصر مگر بے حد دلچسپ تھے۔ ہم سب ہی اس گفتگو سے محظوظ ہو رہے تھے۔ البتہ برجیٹا اور پرنس بورٹو متفکر اور خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ میں نے پرنس بورٹو کے اندر بڑی تبدیلی محسوس کی تھی۔ اس سے قبل جب وہ ان معاملات میں نہیں پڑا تھا' میری اس سے ملاقات ہوئی تھی تو وہ خاصا دلچسپ اور ہنس مکھ نوجوان محسوس ہوا تھا۔ لیکن اب وہ تفکر میں گھرا ہوا تھا۔ اقتدار بھی کیا بری چیز ہے انسان اپنی اصلیت کھو بیٹھتا ہے۔

"راستے میں کوئی قابل ذکر واقعہ یا حادثہ پیش نہیں آیا اور آبدوز سکون سے اپنا سفر طے کرتی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا۔ غالباً صبح ہو چکی تھی جب مسٹر وول کو کچھ

پیغامات موصول ہوئے اور مسٹر وول ہم سے معذرت کر کے اٹھ گئے۔ وہ خود بھی نہیں سوئے تھے اور ہمیں بھی نہیں سونے دیا تھا اور اب سونے کا موقع بھی نہیں تھا۔ ہمیں اپنے سفر کا آغاز بڑی مستعدی سے کرنا تھا۔ اس لئے ہم نے خود کو خاص طور سے چاق و چوبند رکھا تھا۔

مسٹر وول تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آئے اور انہوں نے آکر اپنی دانست میں ہمیں خوشخبری سنائی۔ "ہم بغیر کسی حادثے کے مطلوبہ جگہ پہنچ چکے ہیں۔"

"اوہ.......... کیا ڈیمن قریب آگیا ہے؟"

"ہاں، اتنا قریب کہ بس چند منٹ کے بعد آبدوز کی رفتار سست ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ سطح پر ابھر آئے گی۔" مسٹر وول نے جواب دیا اور پھر انہوں نے ہماری بہتری کی خواہش ظاہر کی۔ ہم سب تیار ہو گئے تھے۔ سفری تھیلے جو بے حد ہلکے اور ایسے سامان سے پر تھے جن کا وزن زیادہ نہ ہو ہم نے اپنے شانوں پر کس لئے۔ دوسری تمام چیزیں احتیاط کے ساتھ رکھ لی گئی تھیں۔ تمام لوگ حالانکہ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے لیکن ان کے چہروں سے تھکن کے آثار نہیں ظاہر ہو رہے تھے۔ سب کے اندر ایک لگن کام کر رہی تھی اور سب مستعد تھے۔ مجھے ابھی تک اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ میں ان کے تاثرات جان سکتا۔ لیکن اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ ایسے موقعوں پر میرے ساتھی انتہائی چست و چالاک ہوتے ہیں اور ان کے ذہنوں میں کوئی تردد نہیں ہوتا۔

بالآخر آبدوز رک گئی اور پھر وہ سطح پر ابھرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ عمل ختم ہو گیا اور مسٹر وول ہمیں ساتھ لیکر اوپر پہنچ گئے۔ اجالا پھیل چکا تھا۔ آسمان پر سمندری پرندوں کی قطاریں گشت کر رہی تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ڈیمن کا گھنا جنگل نظر آرہا تھا۔ بلند و بالا درخت گویا ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے۔ ساحل پر چٹانی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں جن پر سیاہ کائی جمی ہوئی تھی۔ یہ ایک خوفناک منظر تھا جسے دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا تھا۔ ڈیمن کا پہلا ناقابل عبور حصہ۔

مسٹر وول نے ہمارے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی اور بولے۔ "اس جزیرہ نما کے تمام ساحل یکساں ہیں اور یہ چٹانیں سب سے آسان جگہ تصور کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض سمتوں میں ان کی بلندی پانچ سو فٹ سے بھی زیادہ ہے۔"

ساحل تک پہنچنے کے لئے ہمیں پانی سے گزر کر جانا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، اس کے لئے ربڑ کی کشتیاں موجود ہیں جو ابھی پہنچ جائیں گی۔"

"تب میرا خیال ہے ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ روشنی پھوٹ چکی ہے۔" میں نے کہا اور مسٹر وول نے گردن ہلا دی۔ ربڑ کی تین چھوٹی کشتیاں اوپر پہنچ گئیں اور ان میں ہوا بھری جانے لگی۔ ایک کشتی میں دو افراد سفر کر سکتے تھے۔ کشتیاں پانی میں اتریں تو برجیٹا میرے ساتھ آبیٹھی۔ اوپر کھڑے لوگوں نے ہمیں خدا حافظ کہا تھا۔ بورٹو فیضان کے ساتھ تھا۔ ماجد اور شارق ساتھ بیٹھے تھے۔ یوں بھی مجھے معلوم تھا کہ وہ ملک اپنے کسی آدمی کو براہ راست اس سلسلے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دوسرے ملک سے جو کائی ٹس کا مخالف تھا کوئی ایسا جھگڑا مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اب ہم صرف چھ افراد تھے جنہیں ان خطرات سے نمٹنا تھا۔ کشتیاں چٹانوں کی جانب چل پڑیں۔ برجیٹا میرے ساتھ کشتی کھینچنے میں برابر کی شریک تھی۔ چٹانوں کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں جب بھی تمہارے بارے میں غور کرتی ہوں عجیب احساسات کا شکار ہو جاتی ہوں شباب!"

"کیوں مادام برجیٹا؟"

"میں سوچتی ہوں کیسا انوکھا وقت تھا جب تم سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ سب کچھ نہیں تھا۔ بس وہ اتفاق ہی تھا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ لیکن بعض اوقات اتفاقات عجیب کہانیوں کو جنم دیتے ہیں۔ آج تم اس مقصد کے سب سے بڑے ساتھی ہو جو صرف ہماری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔"

"ہاں مادام.......... ہم اتفاقات کو نظرانداز نہیں کر سکتے جن کا ہماری زندگی سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔"

"تمہیں تو اس مسئلے میں سب سے زیادہ پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں۔"

"آپ کو تو اب میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو ہی چکا ہے۔ آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ پریشانیاں ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔"

"بیشک تم لوگوں نے ہم پر جو کرم کیا ہے کاش ہم کبھی اس کا بدلہ چکانے کے

قابل ہو سکیں۔"

"ہر کام کا بدلہ نہیں چکایا جاتا۔ آپ کا مشن اب ہمارا مشن بن چکا ہے۔ میں نے کہا اور برجیٹا ممنونیت کے جذبات سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس دوران' میں گفتگو تو برجیٹا سے کرتا رہا تھا لیکن میری پوری توجہ ان چٹانوں کی جانب مبذول تھی جو اب نزدیک آتی جا رہی تھیں۔ یہ چٹانیں سینہ تانے کھڑی ہوئی تھیں جن کا رنگ ہزارہا سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ پڑ چکا تھا اور جنہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ سفید موجیں ان چٹانوں سے ٹکرا کر دو دور تک جھاگ بکھیر رہی تھیں۔

برجیٹا بھی اب خاموش ہو کر ان چٹانوں کو دیکھنے لگی تھی۔ چند ساعت تک خاموش رہنے کے بعد اس نے خوف بھری آواز میں کہا۔ "شہاب' ہم ان چٹانوں کو عبور کس طرح کریں گے؟ ان پر چڑھنا تو ناممکن ہے۔ کائی کی وجہ سے ان پر اتنی پھسلن ہو گی کہ قدم جمانا کسی طور ممکن نہ ہو گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم کشتیوں کے ذریعے رخ بدل کر کوئی آسان راستہ تلاش کریں؟"

"آپ مسٹرودل کی بات شاید بھول رہی ہیں مادام برجیٹا۔ انہوں نے کہا تھا کہ راستے کے لئے اس سے آسان جگہ دوسری نہیں ہے۔ دوسری سمتوں میں ہمیں پہاڑ کی بلند و بالا دیواریں ملیں گی جو ناقابل عبور ہیں۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔" برجیٹا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے انہوں نے غلط نہیں کہا ہو گا اس لئے یہ کوشش بیکار ہے جس قدر آسانیاں وہ ہمارے لئے فراہم کر سکتے تھے کر دیں۔ اس کے بعد کوئی گنجائش نہ ہو گی۔"

برجیٹا خاموش ہو گئی۔ یوں بھی ربڑ کی ہلکی پھلکی کشتیاں اس قابل نہیں تھیں کہ ان پر کوئی لمبا سفر کیا جائے۔ رفتہ رفتہ ہم چٹانوں کے قریب پہنچ گئے اور پھر میں نے اپنی کشتی بھی ان دونوں کشتیوں کے قریب کر دی جن پر دوسرے افراد سوار تھے۔

"کیا خیال ہے شہاب ادھر پہنچنے کے لئے کیا کیا جائے؟" فیضان نے پوچھا۔

"ان کی بلندی پچیس تیس فٹ سے کم نہیں ہے لیکن پھسلن بہت خطرناک ہے۔ ہم ان پر پاؤں نہ جما سکیں گے۔" شارق بولا.........موجیں بار بار ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیتی تھیں۔ اس لئے پہلا کام ہم نے یہ کیا کہ نائیلون کی مضبوط رسیوں سے تینوں کشتیاں ایک دوسرے سے متعلق کر دیں۔ کشتیوں میں بیٹھے لوگوں

نے رسیاں مضبوطی سے پکڑ لی تھیں۔ اس کے باوجود موجیں اپنی شوریدہ سری دکھا رہی تھیں اور ہم ادھر سے ادھر ڈول رہے تھے۔

"حضرات! میرا خیال ہے یہ ذمہ داری آپ لوگ میرے سپرد کر دیں۔" ماجد نے پہلی بار زبان کھولی۔

"کیا کرو گے ماجد؟"

پہلے میں اوپر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں اس کے بعد آپ لوگوں کو آسانی فراہم کر دوں گا۔ مقصد صرف یہی ہے تاکہ نائیلون کی سیڑھی اوپر پہنچا دی جائے؟" ماجد نے کہا۔

"ہاں' اس کے بعد دقت نہیں رہے گی۔"

"تو پہلے ایک رسی فائر کر دی جائے۔" ماجد نے کہا اور تیاریاں ہونے لگیں۔ چوڑی نال کے ایک پستول نما آلے میں اس ہک کی ڈاٹ پھنسائی گئی جس میں ایک لمبی رسی بندھی ہوئی تھی۔ اور پھر جونہی ایک لہر کشتیوں کے نیچے سے گزری اور کشتیاں پرسکون ہوئیں فائر کر دیا گیا اسٹیل کا ہک اچھلا اور ایک چٹان کے اوپر جا پڑا۔ لیکن جب اسے کھینچا گیا تو وہ نیچے آ رہا۔ اس کے بعد جگہیں بدل بدل کر تین فائر کئے گئے اور تیسرے فائر کے بعد کامیابی حاصل ہو گئی۔ اس بار ہک کسی ایسے رخنے میں پھنس گیا تھا جو کافی مضبوط تھا۔ کافی زور لگا لگا کر اسے کھینچا گیا اور جب اس کی مضبوطی کا اندازہ ہو گیا تو ماجد تیاریوں کے بعد اس رسی کا سرا پکڑ کر لٹک گیا۔ زبردست مہارت کی ضرورت تھی لیکن ماجد ایک ماہر جمناسٹ تھا اور درحقیقت اس وقت وہ اپنی زندگی کا سب سے محیرالعقول کارنامہ انجام دے رہا تھا۔ پھسلوان چٹان پر مکھی بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی لیکن ماجد بس جوتے کی نوک اس پر مار کر خود کو سنبھال لیتا تھا۔ اور اس پر ایک آدھ فٹ اوپر چڑھ جاتا تھا۔ گو اس کام میں خاصا وقت صرف ہوا لیکن کچھ دیر کے بعد ماجد اوپر پہنچ گیا۔ لیکن بڑی خوفناک صورتحال تھی۔ چٹان سے آگے بڑھنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ ماجد کا کوئی قدم نہیں جم رہا تھا۔ بالآخر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ موجوں کے شور کی وجہ سے اوپر کی کوئی آواز ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ لیکن تقریباً دس منٹ کے بعد ہماری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں جب سیڑھی کھل کر نیچے آ رہی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک علیحدہ رسی بھی پھینکی گئی تھی۔ ہم نے جلد

بازی نہیں کی۔ چند ساعت کے بعد ماجد اوپر نظر آیا۔ ''کیا میری آواز پہنچ رہی ہے؟'' اس نے چیخ کر پوچھا۔

''ہاں ماجد' کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''رسی مضبوطی سے باندھ دی گئی ہے۔ اس دوسری رسی کا ایک سرا کمر میں باندھ لیا جائے۔ اس کے بعد سیڑھی کے ذریعے چڑھا جائے تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تب بھی نقصان نہ ہو۔'' ماجد نے کہا۔

''ٹھیک ہے' ایسا ہی ہو گا۔'' میں نے جواب دیا اور پھر میرے اشارے پر پہلے فیضان اوپر گیا' اس کے بعد میں نے پرنس بورٹو کو اشارہ کیا۔ بورٹو بھی نہایت مہارت کے ساتھ اوپر پہنچ گیا۔ اس کے بعد مادام برجیٹا کی باری تھی۔ برجیٹا عام عورت نہیں تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر کوئی تردد نہیں محسوس کیا۔ ماجد نے کام ہی ایسا کیا تھا کہ کسی کو کوئی مشکل نہیں پیش آئی۔ سب سے آخر میں اوپر پہنچنے والا میں تھا۔

لیکن اوپر پہنچ کر میں نے عجیب صورتحال دیکھی۔ وہ سب چٹان پر اوندھے پڑے ہوئے تھے اور سب نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا۔ چٹان کی اوپری سطح بھی پانی سے بھیگی ہوئی تھی۔ اور اتنی پھسلوان تھی کہ کوئی چیز پکڑے بغیر اس پر ٹکا نہیں جا سکتا تھا۔ انہوں نے اپنی کلائیوں میں رسی کے بل دے لئے تھے۔ چنانچہ دوسری طرف کی صورت حال معوم کرنا تھی۔ ماجد نے بتایا کہ دوسری طرف تھوڑی دور تک پانی ہے اس کے بعد ریت موجود ہے۔

''ہمیں رسی کی یہ سیڑھی اب دوسری طرف لے جانی ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''خادم حاضر ہے۔'' ماجد بولا۔ اور پھر اس نے سیڑھی اوپر کھینچ لی۔ یہ سارے کام لیٹے لیٹے کرنے پڑ رہے تھے۔ کھڑے ہونے کا موقع ہی نہیں تھا۔ ماجد کی بے پناہ پھرتی بڑی کار آمد تھی۔ اس نے سیڑھی دوسری طرف اچھال دی اور پھر مچھلی کی طرح پھسلتا ہوا دوسری طرف اتر گیا۔ اس کے بعد میں اور پھر ایک ایک کرکے سبھی اتر آئے۔

نیچے پانی میں شدید بدبو تھی۔ کیکڑے اور دوسرے آبی جانور کثرت سے رینگ رہے تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر خوفزدہ ہوکر لوٹ گئے اور اس سے قبل کہ وہ جمع ہوکر ہمارے خلاف حملہ آور ہوتے ہم وہاں سے دور نکل گئے۔ بھوری ریت بھربھری تھی اور کافی مقدار میں تھی جس کی وجہ سے پاؤں ٹخنوں سے زیادہ اندر دھنس جاتے تھے۔ تمام

لوگ جمع ہوکر آگے بڑھنے لگے سب ایک دوسرے کا سہارا لئے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی خودرو جنگل پھیلا ہوا تھا لیکن انتہائی ناہموار۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ جنگل چٹانوں پر ہو۔ اونچے اونچے درخت کسی گہرے گڑھے میں ہونے کی وجہ سے زمین سے لگے نظر آتے۔ اگر انسان بے دھیانی میں آگے بڑھ جاتا تو تیس چالیس فٹ گہرے گڑھے میں گر سکتا تھا۔ اس کا اندازہ تھوڑی دور چل کر ہی ہو گیا تھا۔ اس زمین کی خوفناک کیفیت نے ہمیں آگے کے پرصعوبت سفر کا احساس دلا دیا تھا۔ اور ہم ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔

پھر ایک کسی قدر ہموار جگہ نظر آئی اور میں نے وہاں رک جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم پچھلی رات ایک لمحے بھی نہیں سوئے تھے اس لئے نیند کی ضرورت شدت سے ذہن پر حاوی تھی۔ اس کے علاوہ یہ مختصر وقت کی مشقت بھی اعصاب پر اثر انداز ہوئی تھی۔ میرے قیام کے فیصلے کا سب نے شکریہ ادا کیا تھا اور پھر کسی کو کسی کی سدھ نہیں رہی۔ سب ہی کھردری اور ناہموار زمین پر لیٹ کر ایسے سوئے جیسے اب روز قیامت ہی اٹھنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ آسمان پر بادل نہ ہوتے تو شاید دھوپ کی وجہ سے اتنی گہری نیند نہ آتی۔ جب ہم لوگ جاگے تو بادل اور گہرے ہو گئے تھے۔ سیاہ گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ اور یوں لگ رہا تھا جیسے رات ہونے والی ہو۔ میں نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا تو تین بج رہے تھے۔ برجیٹا میرے بالکل قریب پڑی ابھی تک سو رہی تھی۔ مجھے ہنسی آگئی۔ برجیٹا کی شان و شوکت میں دیکھ چکا تھا۔ ایسی نفاست پسند اور کروفر کی عورت کی یہ کیفیت دیکھ کر میرے ذہن میں انسان کی بے وقعتی کا احساس جاگ اٹھا۔ حالات کتنے مختصر وقت میں فطرت میں تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ میں نے آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا اور برجیٹا جاگ گئی۔ چند لمحات کے لئے وہ جیسے ماحول سے بے خبر رہی لیکن اس کے بعد پوری طرح ہوشیار ہو گئی............

''کیا شام ہو گئی؟'' اس نے پوچھا۔

''تین بجے ہیں ابھی۔'' میں نے جواب دیا اور وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگی' اور پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا............''ہواؤں کی کیفیت سے پتہ چلتا ہے کہ بارش ہو گی۔ کیا ہمیں بارش سے بچنے کے لئے دن کی روشنی میں ہی کوئی پناہ گاہ

نہیں تلاش کر لینی چاہئے؟"

"بہتر تو یہی ہو گا لیکن پناہ گاہ کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال تھوڑا سا کھا پی لیا جائے اس کے بعد آگے بڑھیں گے۔" میں نے کہا۔ ایک ایک کر کے تمام لوگ جاگ گئے تھے۔ چنانچہ بسکٹوں کے ڈبے کھولے گئے اور کافی کے گھونٹوں کے ساتھ حلق سے اتار لئے گئے۔ جنگل کے سفر کے لئے تمام ضروری اشیاء ہمارے پاس تھیں۔ اس کے بعد ایک مخصوص سمت کا تعین کر کے ہم سب آگے بڑھنے لگے۔ ہمارا ہر قدم محتاط تھا۔ اگر یہاں یہ گڑھے نہ ہوتے تو اس احتیاط کی ضرورت نہیں تھی لیکن گڑھوں سے محفوظ رہنے کے لئے سفر کی رفتار کافی سست رکھی گئی۔ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ سیاہ گھٹاؤں میں اب بجلی بھی چمکنے لگی تھی اور اس کے کوندے صاف محسوس ہو رہے تھے۔

"یوں لگتا ہے جیسے ہم بارش شروع ہونے سے قبل کوئی پناہ گاہ نہ تلاش کر سکیں گے۔ بادل تیزی سے اسی طرف آ رہے ہیں۔" برجیٹا نے کہا۔

"شہاب کیوں نہ ان درختوں کے نیچے چلیں۔ یقیناً" وہاں گڑھے نہ ہوں گے ورنہ درخت اتنے اونچے نظر نہ آتے۔" فیضان نے ایک طرف اشارہ کیا۔ اور میں نے بھی اس سمت دیکھا۔ حالات کے پیش نظر یہ اقدام درست تھا چنانچہ میں نے اس سے اتفاق کر لیا۔ اور ہم نے تیزی سے اس جانب سفر شروع کر دیا۔ عجیب خوفناک علاقہ تھا۔ چند قدم کے بعد معلوم نہیں تھا کہ کونسی مصیبت راستے میں حائل ہو جائے۔ یوں لگتا تھا جیسے زمین میں گہری گہری دراڑیں پڑ گئی ہوں۔ کہیں کہیں تو راستے ہی مسدود تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمیں درختوں کے نیچے پہنچنے میں دقت نہیں ہوئی۔ ابھی ہم درختوں کے نیچے پہنچے بھی نہ تھے کہ آسمان سے موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔ درختوں تک کا تھوڑا سا فاصلہ ہم نے دوڑ کر طے کیا تھا۔ گھنے درختوں کا یہ سلسلہ نہ جانے کہاں تک چلا گیا تھا۔ بہرحال ان کے نیچے ہمیں پناہ مل گئی۔ لیکن یہاں ایک اور مصیبت ہماری منتظر تھی۔ موٹے موٹے مچھر جنہوں نے ہماری بو سونگھ کر یلغار کر دی تھی۔ تھوڑی سی دیر میں انہوں نے ہمارے ہوش اڑا دیئے۔ ادھر بارش تھی کہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

"یہ مچھر خطرناک بھی ہو سکتے ہیں۔" برجیٹا تشویشناک لہجے میں بولی۔

"سامان میں سردی سے بچاؤ کے لئے پلاسٹک کے تھیلے موجود ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں ان تھیلوں میں پناہ لینی چاہئے۔"

"اوہ۔ نہایت عمدہ۔ کیا ایسے تھیلے موجود ہیں؟" برجیٹا خوش ہو کر بولی۔

"بھان متی کے ان پٹاروں میں بہت کچھ ہے۔ تھیلے نکال لو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر بعد ہم تھیلوں میں بند ہو گئے۔ اس سے دوہرا فائدہ ہوا تھا۔ اول تو مچھروں سے نجات مل گئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ درختوں سے چھن کر آنے والے پانی سے بھی محفوظ ہو گئے تھے۔ اپنا سامان بھی ہم نے پلاسٹک میں چھپا لیا۔

بادلوں کی مہیب گڑگڑاہٹ اور بجلی کی چمک صاف محسوس ہو رہی تھی۔ کافی دیر تک ہم تھیلوں میں آرام کرتے رہے لیکن پھر گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے تھیلے سے منہ نکالا تو پتا چلا کہ دوسرے مجھ سے پہلے ہی خود کو اس گھٹن سے نجات دلا چکے ہیں۔ مچھر اب بھی بھنبھنا رہے تھے۔ لیکن چہروں تک ان کی پہنچ نہیں ہو رہی تھی۔ بارش خوب زوردار ہو رہی تھی اور جگہ جگہ پانی جمع ہو گیا تھا۔ اس صورتحال نے ہمارے ذہنوں میں کسی قسم کے خوف کو جگہ نہیں دی تھی۔ ڈیمن آتے ہوئے ہمیں یہاں کی صعوبتوں سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ بارش کے انداز سے پتا چلتا ہے کہ یہ کافی دیر تک ہو گی۔" برجیٹا نے کہا۔

"ہاں اسی بات کا امکان ہے۔"

"تو پھر اب تو سفر شروع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"ظاہر ہے اس اجنبی جگہ پر یہ ممکن نہیں ہے۔"

"آرام کرو بھائیو اور ہاں بھوک کا کیا حال ہے۔" شارق بولا۔

"تم اپنی بتاؤ شارق؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"پچھلے دنوں میں نے بھوکا رہنے کی کافی مشق کی ہے۔ دو ایک دن اس حال میں گزار سکتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد کم از کم ایک ہاتھی درکار ہو گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"تم لوگ انگریزی میں گفتگو کرو ہمیں الجھن ہوتی ہے۔" برجیٹا بولی اور میں نے اسے شارق کے بارے میں بتایا جسے سن کر وہ ہنسنے لگی۔ "تم سب منفرد ہو۔ میں نے کبھی کوئی ایسی ٹیم نہیں دیکھی جس میں ہر شخص کسی نہ کسی خوبی کا مالک ہو۔"

شارق اور فیضان مچھروں کی بھن بھن سے تنگ آکر پھر تھیلوں میں غروب ہو گئے۔ بورٹو نے بھی منہ اندر کر لیا تھا۔ ماجد کسی سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آرہا تھا۔ صرف میں اور برجیٹا تھے جو ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر برجیٹا نے پھر کہا۔ ”خود تمہاری اس مہم کے بارے میں کیا رائے ہے؟“

”اگر کوئی سیاسی الٹ پلٹ نہ ہوئی تو ہمیں کامیابی ہو گی۔“

”میرا مطلب ہے اس علاقے کا ہولناک سفر۔“

”یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔“ میں نے لاپرواہی سے کہا۔

”تمہیں ان خطرات کا احساس نہیں ہے جو پیش آنے والے ہیں۔“

”نہیں۔ خطرات کے بارے میں ہمارا نظریہ ذرا مختلف ہے۔ ہر قسم کا خطرہ صرف زندگی کو لاحق ہوتا ہے۔ لیکن زندگی ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں اور آرام دہ بستر پر بھی خطرات سے دوچار رہتی ہے۔ اس لئے ہم اس کے چکر سے آزاد ہیں۔“

”خدا کی قسم بڑے بے جگر ہو۔ میں نے اس رات بھی تمہاری بے جگری دیکھی تھی جب تم نے اسنو پوائنٹ پر اچانک حملہ آور ہونے والوں کو جہنم رسید کیا تھا۔“

”پرنس بورٹو بہت خاموش ہے۔“ میں نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

”ہاں پرنس کو اچانک شدید ذہنی صدمات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان کے دل میں اپنوں کی شدید محبت جاگ اٹھی ہے۔ وہ اپنے باپ سے ملنے کے لئے بے چین تھے لیکن راستے میں یہ الجھنیں پیش آگئیں“

”کائی ٹس کی گرفتاری کے بارے میں اس کے تاثرات کیا ہیں؟“

”وہی جو ایک بیٹے کے ہونے چاہئیں۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ اگر کائی ٹس کو کچھ ہو گیا تو وہ دشمنوں سے بھیانک انتقام لیں گے۔“

”لیکن پرنس بورٹو کا معطل ہونا مناسب نہیں ہے۔ تم کوشش کرو کہ وہ متحرک رہے۔ اس کی حفاظت انتہائی ضروری ہے اور اس میں آسانیاں اس طور ممکن ہیں جب پرنس خود بھی مستعد رہے۔“

میں مزید کوشش کروں گی۔“ برجیٹا نے جواب دیا۔ اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد ہم دونوں نے بھی سونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ ہم سب تھیلوں میں گھسے سونے کی کوشش کر رہے تھے۔ بارش کبھی تیز ہو جاتی

کبھی آہستہ۔ اس کا احساس آوازوں سے ہو رہا تھا۔ پھر رات کے کسی پہر مجھے نیند آگئی۔

جس وقت آنکھ کھلی تو شدید گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اسی بے پناہ گھٹن کی وجہ سے آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے تھیلے سے منہ نکال لیا۔ صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ بارش کا اب نام و نشان بھی نہیں تھا۔ البتہ آسمان پر بادلوں کی کجلاہٹ موجود تھی۔ اب نیند آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ بھوک شدت سے لگ رہی تھی۔ میں نے بدن سے تھیلا اتار لیا اور اسے تہ کرکے بیگ میں رکھ لیا۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو سونے دوں، تھوڑی دیر کے بعد خودبخود جاگ جائیں گے کیونکہ کافی آرام کر چکے تھے۔ اور پھر میں چہل قدمی کرتا ہوا ان سے کافی دور نکل آیا۔ ڈیمن کا جو نقشہ مجھے سمجھایا گیا تھا اس کے مطابق جنگلوں کو عبور کر کے ہمیں سنگلاخ دروں میں داخل ہونا تھا۔ یہ نقشہ میرے پاس موجود تھے لیکن میں نے اسے اچھی طرح ذہن نشین بھی کرلیا تھا۔ گھنے جنگل میں، میں دور تک چلاگیا۔ خوش قسمتی سے اس طرف گڑھے نہیں تھے بلکہ راستہ ہموار تھا۔ راستے میں کہیں دو تین چھوٹے گڑھے نظر آئے جن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ یک بیک جنگلوں کا سلسلہ ختم ہوگیا لیکن اس سے آگے ڈھلان تھا جو ایک درے میں اترتا تھا۔ یہ درہ تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا اور اس میں جابجا چٹانیں اور ٹیلے ابھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ڈھلوان ناقابل عبور نہیں تھے۔ لیکن بارش کی وجہ سے یہاں بھی پھسلن تھی۔ بہرحال آگے بڑھنے کا راستہ مل گیا تھا۔ میں وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ جس وقت میں ان لوگوں کے پاس پہنچا وہ سب تھیلوں سے باہر نکل آئے تھے۔ میں نے اپنی اسٹین گن رکھی اور ان لوگوں کو اس درے کے بارے میں بتانے لگا۔

”ہم کافی وقت ضائع کر چکے ہیں۔ اگر ایسا کوئی راستہ موجود ہے تو پھر کیوں نہ فوراً سفر شروع کر دیا جائے۔“ پرنس بورٹو نے کہا۔

”یقیناً پرنس۔ لیکن اس سے بھی قبل ایک کام ضروری ہے۔“ ماجد نے کہا۔

”کیا؟“ اس نے پوچھا اور ماجد نے اپنے تھیلے کو کھول کر سینڈوچ کا پیکٹ اور کافی کا تھرماس نکال لیا۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”بیشک یہ کام سب سے ضروری ہے۔ لیکن میرا خیال ہے اب ہمیں شکار کا خیال بھی رکھنا چاہئے۔ اگر تازہ

گوشت مل جائے تو اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔" برجیتا نے کہا۔

تھرماسوں میں کافی ابھی تک گرم تھی۔ بسکٹ' سینڈوچ اور گرم کافی نے اس وقت وہ لطف دیا کہ بیان سے باہر ہے۔ شارق مستقبل بھول گیا تھا۔ اور چند ساعت کے بعد اس کے سامنے دس بارہ ڈبے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ پھر اس نے کافی بھی حلق میں انڈیل لی۔ اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "ارے ہاں' بار بار کے جھگڑے سے ہی نجات مل گئی۔" اس نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"ویسے تم نے ہمارا مستقبل خطرے میں ڈال دیا ہے شارق۔" فیضان نے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے جب تمہارے پاس کھانے کو نہ ہو گا تو ہم سے مانگو گے۔"

"میں مانگ کر کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ سمجھے تم.........." شارق نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور فیضان ہنستا رہا۔ "ڈاکٹر برہان کو خود بھی میرا خیال رکھنا چاہئے تھا۔"

"آبدوز میں کوئی گدھا تو سفر کر نہیں سکتا جسے تمہاری خوراک کی باربرداری کے لئے ساتھ لایا جاتا۔"

"ڈاکٹر برہان نے تمہاری موجودگی نظر انداز کر دی ہو گی۔" شارق نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب سفر کے لئے تیار ہو گئے اور پھر میری رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے۔ جنگلوں کو چھوڑ کے ہم ڈھلوان پر پہنچ گئے اور پھر ایک قطار بنا کر اترنے لگے۔ پھسلن کی وجہ سے احتیاطاً رسی استعمال کی گئی تھی۔ جسے سب نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پکڑ لیا تھا اور فاصلہ اتنا رکھا تھا کہ اگر کوئی گرے تو دوسرا اس سے متاثر نہ ہو بلکہ گرنے والے کو سنبھلنے کا موقع مل جائے۔ خوفناک ڈھلان کی اترائی واقعی بے حد خوفناک ثابت ہوئی۔ سب سے آگے میں تھا۔ اور سب سے آخر میں شارق جسے آخر میں اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس کی بے پناہ قوت سے سبھی واقف تھے۔ بلاشبہ وہ کسی نازک موقع پر ہم سب کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ لیکن ایسی کوئی نوبت نہیں آئی۔ بالآخر ہم اس عظیم الشان درے میں پہنچ گئے۔ نیچے پہنچ کر سب نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ لیکن ایسی کوئی نوبت نہیں آئی۔ بالآخر ہم اس عظیم الشان درے میں پہنچ گئے۔ نیچے پہنچ کر سب نے اطمینان کا

سانس لیا تھا۔ درے کا سفر اب تک کے سفر کی بہ نسبت بہت آسان تھا۔ چنانچہ ہم سب نے برق رفتاری سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ مقصد یہی تھا کہ ضائع ہونے والے وقت کی تلافی کر لی جائے۔ اور چونکہ کافی وقت آرام کے لئے مل گیا تھا اس لئے کوئی تھکن بھی نہیں تھی۔ دوپہر ہوتے ہوتے ہم نے طویل سفر طے کر لیا تھا اور اب درے کی دوسری سمت نظر آنے لگی جہاں اونچے پہاڑی سلسلے نظر آرہے تھے۔ میں نے نقشہ نکال لیا اور سمت کا اندازہ کرنے لگا۔ ہم بالکل درست سمت جا رہے تھے۔

"بہتر یہ ہو گا کہ ہم رکے بغیر سفر جاری رکھیں اور آج ہی کم از کم ان پہاڑوں تک پہنچ جائیں۔ رات کو وہاں آرام کر کے دوسرے دن تازہ دم ہو کر سفر شروع کریں گے۔" بورٹو نے کہا۔

"یقیناً یہی بہتر ہو گا۔" میں نے تائید کی۔ ہم میں سے کسی نے تھکن کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اور دوپہر ڈھلنے تک ہم نہایت برق رفتاری سے سفر کرتے رہے۔ پہاڑیاں نزدیک آتی جا رہی تھیں اور اب ان کے خدوخال واضح ہو گئے تھے۔ ان کے درمیان ایسی دراڑیں موجود تھیں جن سے گزر کر دوسری سمت جایا جا سکتا تھا۔ لیکن پہاڑیوں تک پہنچتے پہنچتے اندھیرا پھیل گیا جس کی وجہ سے فیصلہ کیا گیا کہ رات کو پہاڑیوں کے اسی سمت قیام کیا جائے اور دوسری صبح انہیں عبور کرنے کی کوشش کی جائے۔ پہاڑیوں کے دامن میں بے شمار غار پھیلے ہوئے تھے۔ ہم نے کسی غار میں داخل ہونے کی بجائے ایک سائبان نما چٹان کے نیچے رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ موسم اچھا تھا۔ جگہ بھی صاف ستھری تھی اس لئے کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دوسرے' لوگ چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ میں نے شارق کو ایک طرف جاتے دیکھا لیکن دفعتاً" ہم سب کو ٹھٹھک جانا پڑا۔ یہ آواز کسی طیارے کی ہی تھی۔ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ لیکن جہاز کی روشنیاں نہیں نظر آئی تھیں شاید وہ پہاڑی کی دوسری سمت تھا۔

"کیا یہ جہاز کی گزرگاہ ہو سکتی ہے؟" میں نے برجیتا سے سوال کیا۔

"ڈیمن کا علاقہ..........عام جہازی پٹی پر تو نہیں ہے۔" وہ پر خیال انداز میں بولی۔

"ایک اور بات محسوس کرو۔" دفعتاً" فیضان بولا۔" جہاز کافی نیچا ہے۔ اتنی نیچی

پرواز عام حالات میں تو مناسب نہیں ہوتی۔"

"ممکن ہے پائلٹ حادثاتی طور پر اترنے کی جگہ تلاش کر رہا ہو.........." ماجد نے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ جہاز راستہ بھٹک کر ادھر آ نکلا ہو۔ موسم کافی خراب رہ چکا ہے۔" برجیٹا بولی۔

"ہم نے صاف محسوس کیا تھا کہ جہاز نے نیچی پرواز کر کے کئی چکر لگائے ہیں اور پھر وہ کسی سمت کو چلا گیا۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز معدوم ہو گئی۔ برجیٹا سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اگر یہ جہاز مور گیٹے میں اترے گا تو اسے ویلی لینڈ سے پرواز کرنا پڑا ہو گا۔ لیکن اس نے چکر کیوں لگائے؟" اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ کسی کو ہمارے بارے میں اطلاع مل گئی ہے اور یہ طیارہ ہماری تلاش میں آیا ہو گا اور پھر وہ بھی رات کے وقت۔ چنانچہ یہی فیصلہ کیا گیا کہ طیارہ کسی مشکل کا شکار تھا اور بھٹک کر اس طرف آ گیا تھا۔ پھر زمین دیکھ کر اس نے اترنے کی جگہ تلاش کی اور ناکام ہو کر آگے بڑھ گیا۔ یہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک ہم اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے اور پھر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ شارق آگے بڑھ گیا تھا۔ چونکہ آواز فضا میں تھی اور کسی قسم کا خطرہ نہیں محسوس کیا گیا تھا۔ اس لئے کسی کو کوئی تشویش نہیں تھی۔

خوراک کے تھیلے کھولے گئے اور کھانے پینے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ تب مجھے شارق کا خیال آیا۔ "یہ شارق کہاں گیا؟" میں نے سوال کیا اور سب گردنیں اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے.......... "معلوم نہیں کہاں گیا؟"

"وہ اپنی خوراک ختم کر چکا ہے۔ شرمندہ ہو کر تو نہیں چلا گیا؟" میں نے کہا۔

"ممکن ہے کہیں بیٹھا خالی تھیلا چبا رہا ہو۔" فیضان نے کہا۔

"نہیں اسے تلاش کرو۔ جو کچھ ہے مل جل کر کھائیں گے۔"

"اس کی عادت مت خراب کرو شہاب۔ ابھی تو سفر کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اسے پیٹ بھرنے کی عادت پڑ گئی تو وہ ہم میں سے کسی کو کھا جائے گا۔" ماجد نے کہا۔

"بعض اوقات زیادہ بولنے کی عادت احمقانہ اور بے معنی گفتگو پر مجبور کر دیتی ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا اور شارق کی تلاش میں چل پڑا۔ اس کے لئے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ شارق ایک چٹان پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔

"کہاں چلے کمانڈر..........؟" اس کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ شاید کچھ کھا رہا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ شارق اطمینان سے پاؤں لٹکائے ہوئے کوئی چیز کھا رہا تھا۔ میں نے متحیرانہ انداز میں اسے دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال تھا ڈیئر شہاب کہ میں رات کو بھوکا سوؤں گا۔ بھئی اس سلسلے میں تو مجھے اپنا مذہبی عقیدہ یاد ہے کہ خدا صبح کو بھوکا اٹھاتا ہے لیکن رات کو بھوکا نہیں سلاتا۔" شارق نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔

"مگر ہاتھ کیا لگ گیا؟"

"آؤ آؤ۔ تم بھی آؤ۔ عمدہ چیزیں ہیں۔ وہ چیزیں جو تمہارے پاس موجود نہ ہوں گی۔" شارق نے کہا اور میں تعجب سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ شارق نے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ باقاعدہ تیار شدہ لذیذ گوشت تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.......... "یہ.......... یہ کہاں سے آیا؟"

"کھاؤ پہلے بعد میں بتاؤں گا۔"

"شارق یہ تم نے کیا کارنامہ دکھایا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ سچ بتاؤ یہ کہاں سے آیا؟"

"صرف ایک شرط پر بتا سکتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"کیا؟"

"پہلے کھاؤ اور پھر اس کے بارے میں تفصیل معلوم کرو۔" وہ بدستور اسی انداز میں بولا۔ اور میں متحیرانہ انداز میں گردن ہلانے لگا۔ بہرصورت میں نے شارق کے ساتھ گوشت کھا لیا۔ اس نے چند اور چیزیں بھی مجھے دیں اور میں تعجب سے آنکھیں پھاڑتا رہ گیا۔ پھر شارق نے ایک غیر ملکی پیکٹ نکالا اور پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "شارق تم تو مجھے پاگل کر دینے پر تلے ہوئے ہو، پلیز جلدی بتاؤ یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟"

"سگریٹ نہیں پیو گے؟" شارق نے سوال کیا۔

"نہیں.........پہلے میں اس سلسلے میں تم سے ساری معلومات چاہتا ہوں۔ آخر یہ سب آیا کہاں سے؟" میں نے کہا۔

"تو جناب عالی آپ کے لئے انتہائی سنسنی خیز' حیرت انگیز اور دلچسپ معلومات حاضر ہیں۔" شارق چٹان سے نیچے کود آیا اور میرے شانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "یہ من و سلوا آسمان سے اترا ہے۔"

"پھر وہی بکواس.........."

"بکواس نہیں حقیقت عرض کر رہا ہوں جناب عالی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔"

"ابھی تھوڑی دیر قبل ایک جہاز ادھر سے گزرا تھا۔ اس نے دو تین چکر بھی لگائے تھے۔" شارق نے پراسرار انداز میں کہا اور میں اس کی صورت دیکھتا رہا۔ "جہاز سے پلاسٹک کے بڑے بڑے تھیلے پھینکے گئے تھے۔ یہ تھیلے در حقیقت پہاڑ کی اس طرف کی وادی میں پھینکے گئے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک تھیلا اس طرف بھی آپڑا۔ میرا مطلب ہے اس چٹان پر جو سامنے نظر آرہی ہے۔ میں نے اسے گرتے ہوئے تو نہیں دیکھا تھا' لیکن میں جب آگے بڑھا تو مجھے یہ تھیلا نظر آیا اور میں نے اس کی یہاں موجودگی سے یہی اندازہ لگایا۔"

"اوہ لیکن لیکن.........." میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"پوری بات تو سنو یار۔" شارق ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جب یہ تھیلا مجھے مل گیا تو میں نے سوچا کہ کم از کم یہ تو پتہ لگایا جائے کہ یہ جادو کا تھیلا آیا کہاں سے۔ چنانچہ میں دراڑ سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ تقریباً آدھا فرلانگ چلنے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور دراڑ کے دوسری جانب کا حصہ نظر آنے لگا۔ بڑی خوفناک جگہ ہے۔ اگر میں چند قدم آگے بڑھ جاتا تو سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں جا پڑتا۔ بہرصورت میں نے جچے تلے انداز میں کھائی پر غور کیا اور میں حیرت زدہ ہو گیا۔ کھائی میں باقاعدہ آبادی ہے۔" شارق نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں.........ایک ٹرک اور ایک جیپ موجود ہے۔ جس کے گرد چند افراد نظر

آئے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

"ظاہر سی بات ہے' یہ لوگ ہمارے دوستوں میں سے نہیں ہوں گے۔" شارق نے جواب دیا۔ "بہرصورت یہ دیکھ کر میں واپس آگیا۔ میں نے سوچا پہلے کھا پی لوں۔ اس کے بعد تمہیں اس کے بارے میں اطلاع دوں گا۔"

"بڑی اہم بات ہے شارق' بہت ہی اہم بات ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ طیارہ واقعی ان لوگوں کو غذا پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ لیکن یہ لوگ.........یہ لوگ"

"بہتر یہ ہے کہ اب اگر دوسرے لوگ ٹھونس چکے ہوں تو انہیں بھی اس سلسلے میں اطلاع دیدی جائے۔ لیکن تم دیکھو شہاب خدا نے مجھے تم لوگوں کا محتاج نہیں کیا۔"

"ہاں خدا کو کسی کا محتاج نہیں کرتا۔" میں نے کہا اور شارق کا بازو پکڑے ہوئے دوسرے لوگوں کی جانب چل پڑا۔ بڑی سنسنی خیز اطلاع تھی۔ شارق تھیلا اٹھانا نہیں بھولا تھا۔ اب بھی اس تھیلے میں بہت کچھ تھا۔ چنانچہ اس نے اطمینان سے سگریٹ جلایا اور اس کے کش لیتا ہوا میرے ساتھ دوسرے لوگوں کے درمیان پہنچا۔ شارق عام طور سے سگریٹ نہیں پیتا تھا اس لئے اسے سگریٹ پیتے دیکھ کر تمام لوگ چونک پڑے۔ دوسری بات یہ کہ سگرٹوں کا کوئی ڈبہ ہمارے ساتھ نہیں تھا اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی سگریٹ کا عادی نہیں تھا۔ سب کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

"بھئی واہ یہ جادوگر کہاں سے برآمد ہوا؟" ماجد نے شارق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوہ قاف سے۔" شارق نے جواب دیا۔

"واقعی واقعی.........میرا خیال ہے تم اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔" فیضان ہنس کر بولا۔

"سنجیدہ ہو جاؤ فیضان۔ شارق نے اس وقت واقعی ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔" میں نے کہا۔ اور یہ لوگ سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ پھر ماجد نے کہا۔ "مگر اس کے پاس سگریٹ کہاں سے آئی۔ کیا یہ وہاں بیٹھا سگریٹ بنا رہا تھا۔"

"ہاں شاید ایسا ہی تھا۔" میں نے جواب دیا اور پھر برجیٹا اور پرنس بورٹو کو بھی

اپنی جانب مخاطب کر لیا۔ میرے الفاظ نے سنسنی پھیلا دی تھی۔ میں نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا تھا کہ پہاڑوں کے اس طرف ہمارے دشمن موجود ہیں۔ وہ سب چونک کر میری طرف دیکھنے لگے۔ چند ساعت خاموشی رہی پھر برجیٹا نے پوچھا ...." لیکن......... لیکن کیسے معلوم ہوا؟" اور میں نے شارق کے ہاتھ میں پکڑا ہوا پلاسٹک کا تھیلا برجیٹا کے سامنے ڈال دیا۔ ذرا ڈرامائی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ سب تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ تب میں نے اس تھیلے کی کہانی سنائی اور ان سب کے چہروں پر مکمل طور پر سنجیدگی پھیل گئی.........

"اس کا مقصد ہے کہ ہمارے دشمنوں نے ڈیمن کے اس ناقابل عبور علاقے کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔" برجیٹا نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہی لگتا ہے۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے مسٹر شہاب؟"

"ظاہر ہے دشمن سامنے آگیا ہے اور وہ ابتدا جو ہمیں کچھ عرصے کے بعد کر لی تھی ذرا جلدی ہو رہی ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا اور وہ سب میری شکل دیکھنے لگے۔

"تو پھر اس سلسلے میں کیا پروگرام ہے؟" برجیٹا نے کہا۔

"پروگرام بھی بنائیں گے۔ پہلے کھا پی لیا جائے۔" میں نے اطمینان کے لہجے میں کہا اور سامان کا تھیلا کھولنے لگا۔" تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں بھائی۔ میں کسی ممتا بھری اماں جان کی طرح تمہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا تاکہ تمہیں کھانا کھلاؤں۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔" شارق نے کہا اور میں اپنا تھیلا کھول کر بسکٹ وغیرہ کھانے لگا۔ حالانکہ گوشت بھی کافی مقدار میں موجود تھا لیکن گوشت کا ایک ٹکڑا میں پہلے ہی کھا چکا تھا۔ اور ظاہر ہے دوسروں کا خیال بھی رکھنا تھا۔ چنانچہ گوشت کا باقی ٹکڑا ہم نے حفاظت سے رکھ لیا۔

اس دشوار گزار سفر میں صعوبتیں تو تھیں لیکن سنسنی نہیں تھی۔ اس لئے ایک الجھن کا سا احساس تمام ذہنوں پر حاوی تھا لیکن اس سنسنی خیز خبر نے تمام ذہنوں کو چونکا دیا تھا اور ایک دم سے طبیعت کو فرحت کا احساس ہوا تھا۔ کم از کم میری یہی کیفیت

تھی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے دوسروں کو بھی چست و چالاک محسوس کیا۔ ہم سب ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟" ماجد نے پوچھا۔

"راتوں رات صفایا......... انہیں دن کی روشنی نہیں نصیب ہونی چاہئے۔" میں نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"لیکن کیا ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے کوئی دوسرا چکر ہو۔" فیضان بولا۔

"شاید غذا تمہارے معدے میں گڑبڑ کر رہی ہے۔ کوئی دوسرا چکر کیا ہو سکتا ہے۔ یہ مورگیٹے کی ایک ایسی سرحد ہے جس کے دوسری طرف سمندر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ڈیمن کے علاقے کو ناقابل عبور سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس سے قبل اس طرف کوئی خصوصی توجہ نہیں دی گئی لیکن نئی چالاک حکومت نے ناقابل عبور علاقے کو بھی نظرانداز نہیں کیا اور یہاں بھی کسی طور اپنے آدمی پہنچا دیئے۔ بہرحال یہ ذہانت کی بات ہے لیکن ہمارے حق میں نہیں ہے۔ کیوں مادام برجیٹا' آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں مسٹر شہاب۔ ان لوگوں کے علاوہ یہاں کسی اور کے آنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔" برجیٹا نے جواب دیا۔ تمام لوگ خاموش ہو کر غور کرنے لگے تھے۔ تب پرنس بورٹو نے کہا۔ "مسٹر شہاب کی بات پوری طرح ذہن میں اترتی ہے۔ ان لوگوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس علاقے کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ ہمیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچنا چاہئے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے پرنس بورٹو؟" میں نے سوال کیا۔

"میرے سامنے میرے باپ کے دشمنوں کی پہلی کھیپ آئی ہے۔ میری تو خواہش ہے کہ صرف مجھے اس بات کی اجازت دی جائے کہ میں انہیں ہڑپ کر لوں۔ آپ لوگ یقین کریں بڑی پیاس محسوس کر رہا ہوں۔" بورٹو کے لہجے میں بڑی درندگی تھی۔ ہم سب ہی اس کے جذبات سمجھ رہے تھے' لیکن ظاہر ہے بورٹو کی یہ بات نہیں مانی جا سکتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارے حصے میں کچھ نہ کچھ ضرور آئے گا بورٹو لیکن اس وقت جو جذبات تمہارے سینے میں ہیں دوسرے بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ بہرحال سب سے پہلے ہمیں ان کی تعداد کا جائزہ لینا چاہئے۔ اس کے

بعد ان کے خلاف کارروائی کا کوئی جامع پروگرام بنانا ہو گا۔"

"تب پھر تیاریاں کی جائیں؟" برجیٹا نے سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور تمام لوگ اٹھ گئے۔ ہم نے اپنا اسلحہ تیار کر لیا۔ اسے چیک کرنے کے بعد تھیلے شانوں سے کسے گئے اور سب پوری طرح تیار ہو گئے۔ اب صرف ایک سوال ہے۔" شارق بولا۔

"کیا؟"

"اس وادی تک پہنچنے کا راستہ۔ کیا رات کی تاریکی میں ہم احتیاط سے ان تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر لیں گے؟"

"کوشش کر لیں گے۔ تم پہلے اس دراڑ تک ہماری رہنمائی کرو۔"

"ٹھیک ہے.........." شارق بولا اور پھر ہم احتیاط سے اس کے پیچھے چل پڑے۔ لمبی دراڑ اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ چنانچہ ہم قطار بنا کر چلنے لگے۔ سب سے آگے شارق ہی تھا۔ دراڑ کے کنارے پہنچ کر شارق رک گیا۔ اس کی نگاہیں وادی میں دوڑ رہی تھیں۔ پھر وہ ایک گہری سانس لیکر پلٹا۔ آگے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ہم سب کھڑے ہو کر وادی کا نظارہ کر سکیں۔"

"تم پیچھے آؤ شارق۔" میں نے کہا۔ اور پھر بڑی مشکل سے میں آگے بڑھا اور میں نے نیچے نگاہ دوڑائی۔ آگ جل رہی تھی۔ اس کے علاوہ ٹرک کے اندر بھی روشنی تھی۔ لیکن اس سے ان لوگوں کی تعداد وغیرہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ وادی پیالے نما ڈھلان کی شکل رکھتی تھی۔ جس میں نیچے اترنا بھی تقریباً ناممکن تھا۔ میں دیر تک جائزہ لیتا رہا۔ میری نگاہیں حملے کے لئے جگہ تلاش کر رہی تھیں۔ پھر میں ایک گہری سانس لیکر پیچھے ہٹ آیا اور اس بار برجیٹا کو جگہ ملی تھی۔ یکے بعد دیگرے تمام لوگوں نے انہیں دیکھ لیا۔ لیکن وادی کی پوزیشن دیکھ کر سب کو مایوسی ہوئی تھی۔

"ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔" برجیٹا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"گویا یہاں تک آنے کے لئے راستہ موجود ہے۔" بورٹو بولا۔

"گڈ۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔" فیضان نے کہا۔

"ہاں، کم از کم ٹرک وغیرہ کے لئے تو کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"پھر مسٹر شہاب؟"

"آپ لوگوں میں سے کسی کے ذہن میں کوئی سکیم ہے؟"

"وادی میں اترنے کا معاملہ سب سے ٹیڑھا ہے۔"

"ایک بار پھر اجازت چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور دراڑ کے کنارے پہنچ گیا۔ اب میں گہری نگاہوں سے مکمل جائزہ لے رہا تھا۔ پہاڑی دیواریں دور دور تک چلی گئی تھیں اور چاروں طرف ڈھلان ہی ڈھلان تھی۔ اگر ہم اوپری حصے سے نیچے اترنے کی کوشش کرتے تو خود کو سنبھال نہیں سکتے تھے۔ جب کہ وہ لوگ ہماری طرف سے ہوشیار ہو جاتے۔ اب صرف ایک ہی ترکیب تھی۔ میں نے پہاڑیوں کے اس حصے کا جائزہ لیا جو ان سے قریب تر تھا۔ بس ہمیں وہاں تک پہنچنا تھا اور اوپر ہی سے ان کے خلاف کارروائی کرنی تھی۔ چنانچہ میں نے اس بات کا اظہار کر دیا اور سب نے میری تائید کی۔

"بے شک، اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم رات کی تاریکی میں نیچے اترنے کی اندھی کوشش کریں اور وہ لوگ جاگ جائیں تو الٹا ہمیں ہی نقصان ہو گا۔" برجیٹا نے کہا۔

"تب پھر سب لوگ میری رائے سے متفق ہیں؟"

"تم ہمارے لیڈر ہو شہاب۔" برجیٹا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بہرحال یہاں سے ہم نے اس سمت کا تعین کیا اور پھر دراڑ سے واپس نکل آئے۔ رات کی تاریکی میں پہاڑیوں کی بلندیوں کا اندھا سفر ایک خوفناک تجربہ تھا۔ ہمیں پہاڑیوں کے دامن سے گزر کر ان کی بلندیوں تک پہنچنا تھا۔ قدم قدم پر خوفناک خطرات منہ کھولے کھڑے تھے۔ بعض جگہوں پر بڑی پھسلن تھی۔ کئی بار خطرناک حادثات ہوتے ہوتے بچے۔ ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا پڑا تھا.........یہاں تک کہ ہم چوٹی تک پہنچ گئے اور پھر اس سمت بڑھنے لگے جہاں سے ہمیں حملے کی پوزیشن لینی تھی۔ یہ سفر نسبتاً آسان تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں پہنچ گئے اور پھر ایک مناسب جگہ کا انتخاب کر کے رک گئے۔ "فاصلہ بہت ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن بہرحال وہ ہماری رینج میں رہیں۔"

"ٹرک کے دوسری طرف ایک جیپ بھی موجود ہے۔" ماجد نے کہا۔

"ہاں صاف نظر آرہی ہے۔ بہرحال اگر ایک ٹرک اور جیپ میں چند افراد سفر کریں تو ان کی تعداد کتنی ہو سکتی ہے۔"

"کم از کم بیس اور پچیس کے درمیان۔"

"تو ہمیں ان لوگوں کی تعداد کا تعین کر لینا چاہئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم ان پر حملہ کریں گے تو وہ پوزیشن کہاں لیں گے؟ اس کے لیے ان کے پاس ٹرک اور جیپ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"لیکن ٹرک وغیرہ ہمیں درست حالت میں ملنا چاہئے۔" میں نے کہا اور سب میرے الفاظ پر غور کرنے لگے۔ بورٹو نے میری اس بات کو سراہا تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بلاشبہ آپ کا ذہن بہت تیزرفتاری سے سوچتا ہے مسٹر شہاب۔ واقعی یہ ٹرک ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"لیکن اب ترکیب کیا ہو۔ ویسے یہ لوگ اس وادی میں جان نہیں بچا سکتے۔ ہاں اگر یہ وادی کے دامن میں پڑی ہوئی چٹانوں کے عقب میں پوشیدہ ہونے کی کوشش کریں تو دوسری بات ہے۔" ہم سب سوچنے لگے تب شارق نے کہا۔

"اس کے لئے ہمیں تھوڑی سی پوزیشن بدلنی پڑے گی۔"

"وہ کیسے؟"

"جس جگہ ہم موجود ہیں وہ یہاں سے قریب تو ہیں لیکن اس کے بعد ان لوگوں کو پوزیشن لینے کے لئے ٹرک اور جیپ کے علاوہ اور کوئی آڑ نہیں مل سکے گی۔ اس کے برعکس ہم ذرا سا فاصلہ اختیار کر لیں اور اس جگہ سے فائرنگ کریں تو یہ آڑ ان کے لئے بے مقصد ہو جائے گی اور وہ لازمی طور پر ان چٹانوں کے عقب میں آنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ٹرک اور جیپ محفوظ رہیں گے۔"

"عمدہ خیال ہے۔ لیکن شارق اس جگہ سے ہم موثر حملہ نہیں کر سکیں گے اور اگر ہم نے ان چٹانوں کی آڑ میں پوزیشن لے لی تو پھر ہمیں کافی دقتیں پیش آئیں گی۔" میں نے کہا۔

"واہ ڈیئر شہاب۔ دراصل میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے اس لئے میری عقل

زیادہ تیزی سے کام کر رہی ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہم تمام لوگ اسی طرف چلے جائیں۔ میرا مقصد ہے دو پارٹیاں بنا لی جائیں ایک پارٹی کو یہیں چھوڑ دیا جائے اور ایک پارٹی اس طرف چلی جائے۔ صرف اس مقصد کے تحت کہ وہاں سے ان پر فائر کر کے انہیں چٹانوں کے پیچھے آنے کے لئے مجبور کر دیں۔ جب وہ چٹانوں کے پیچھے آکر پوزیشن لے لیں گے تب دوسری پارٹی یہاں سے ان پر حملہ کر دے گی۔ اس طرح مسئلہ طے ہو جائے گا۔" شارق نے کہا اور میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"واقعی اگر تمہارا معدہ بھرا ہوا ہو تو تمہارا ذہن پوری طرح کام کرنے لگتا ہے۔" برجیٹا بھی اس بات کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"بے شک یہ تو بہت ہی عمدہ کارروائی ہے۔ ان چٹانوں کے عقب میں انہیں آرام سے مارا جا سکتا ہے اور پھر وہ یہاں سے نکل بھی نہیں سکیں گے۔ گویا ٹرک اور جیپ اس طرح سے قطعی محفوظ ہو جائیں گے۔" بورٹو نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"تو اس ترکیب پر سب کا فیصلہ متفقہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"یقیناً۔" بورٹو نے جواب دیا۔

"ویسے مسٹر شارق کی تجویز مجھے کافی پسند آئی ہے۔" برجیٹا نے کہا اور شارق سینہ پھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر میں نے ایک اور تجویز پیش کی۔ "میرا خیال ہے حملے کا وقت صبح کے تقریباً پانچ بجے رکھا جائے۔ کیونکہ اس کے بعد آہستہ آہستہ روشنی پھوٹنے لگتی ہے اور یہ روشنی ہمارے کام میں معاون ہوگی۔" میں نے کہا۔

"یہ بھی بہت عمدہ تجویز ہے۔" بورٹو نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور ہم ساری باتوں پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ شارق، ماجد اور فیضان اسی جگہ رکیں گے۔ میں برجیٹا اور بورٹو اس جگہ جائیں گے جہاں سے ہمیں حملے کی پہل کرنا ہے۔ یہ ساری باتیں طے کرنے کے بعد میں برجیٹا اور بورٹو کے ساتھ اپنی پوزیشن سنبھالنے چل پڑا۔ گھڑی میں اس وقت پونے چار بج رہے تھے.......... چونکہ ہمیں ایک بار پھر تکلیف دہ سفر کرنا پڑا تھا اس لئے خاصی احتیاط کی ضرورت تھی۔ اگر کوئی پتھر بھی لڑھک جاتا تو ان لوگوں کو شبہ ہو سکتا تھا اور رات کی تاریکی میں ایسی کسی چیز کا اندازہ لگانا بے حد مشکل کام تھا۔ چنانچہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑا اور بالآخر ہم اپنی

مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔" شارق ماجد اور فیضان کو ہم نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔

ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ شارق کا ذہن کافی تیزی سے کام کر رہا ہے اور یہ اس آدمی کی خاصیت تھی کہ کبھی کبھی تو وہ اتنا ٹھس ہو جاتا کہ کوئی کام ہی نہیں کر پاتا۔ لیکن جب اس کا ذہن چلتا تو وہ اتنی دور کی کوڑی لاتا کہ سب لوگ حیران رہ جاتے۔ یہ اس وقت ہوتا جب اس کا معدہ مکمل طور پر بھرا ہوا ہو۔ حالانکہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ زیادہ کھانے کے بعد آدمی کا ذہن معطل ہو جاتا ہے۔ لیکن شارق کا ذہن اسی وقت کام کرتا تھا جب اس کا پیٹ مکمل طور پر بھرا ہوا ہو۔

"ہم لوگ ہلکی اسٹین گنیں تیار کر کے پتھروں کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ یہاں سے نیچے والوں کا فاصلہ کافی تھا لیکن بہرصورت وہ اسٹین گن کی رینج میں تھے۔ پانچ بجے کا وقت چونکہ طے ہو چکا تھا اس لئے ہم لوگ اپنی اپنی گھڑیوں پر نگاہ دوڑا رہے تھے۔ پھر جونہی سوئی پانچ کے ہندسے پر پہنچی تو میں نے برجیٹا اور بورٹو کو اشارہ کیا اور اسٹین گن کا پہلا فائر گونج اٹھا۔ چاروں طرف کی پہاڑیاں چیخ اٹھی تھیں۔

نیچے والے گہری نیند سو رہے تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ دشمن ان سے کس قدر قریب ہے.......... فائر کی آواز نے غالباً سب ہی کو چونکا دیا۔ پھر ان میں سے ایک آدمی باہر نکلا اور برجیٹا کی گولیوں کا نشانہ ہو گیا۔ بلاشبہ اس کا نشانہ بہت شاندار تھا۔ اس آدمی کی طویل چیخ ہم نے صاف سنی تھی۔ اور اس کے بعد بدحواس لوگوں کا اپنی کمین گاہوں سے نکل آنا فطری امر تھا۔ گو وہ ہمارے نشانوں پر تھے لیکن ہم نے اندھا دھند فائر نہیں کھولا اور بچا بچا کر گولیاں چلاتے رہے۔ نتیجہ وہی نکلا جو ہماری توقع کے مطابق تھا۔

ان لوگوں نے حملے کی سمت کا اندازہ لگایا اور چٹانوں کی طرف دوڑ پڑے۔ برجیٹا خوشی سے مسکرانے لگی تھی۔ بھاگتے ہوئے لوگوں پر ہم نے گولیاں چلائیں اور ان میں سے دو کو ڈھیر کر دیا۔ باقی چٹانوں کے عقب میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں سے انہوں نے گولیاں چلانا شروع کر دیں۔

شارق کی پارٹی ابھی خاموش تھی۔ وہ بہتر پوزیشن میں حملہ کرنا چاہتے تھے۔ ہم لوگ وقفے وقفے سے فائرنگ کرتے رہے اور وہ لوگ ہمیں جواب دیتے رہے۔ ان کے پاس شاید بھاری اسلحہ تھا اور اس وقت ان کا اسلحہ ہمارے مقابلے میں زیادہ موثر تھا۔

لیکن ہماری پوزیشن بہتر تھی اس لئے ہمیں ان کی گولیوں سے نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ دفعتاً" ایک دھماکہ ہوا اور ہم چونک پڑے۔ دھماکہ اس جگہ ہوا تھا جہاں شارق وغیرہ موجود تھے تیز روشنی بھی ہوئی تھی.......... "یہ..........یہ کیا ہوا.........؟" برجیٹا کی لرزتی آواز ابھری۔ میں بھی ساکت رہ گیا تھا۔ فوراً بعد ایک اور دھماکہ ہوا اور ایک بڑی چٹان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ اپنی جگہ سے اچھلی اور نیچے ایک دوسری چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور پھر اس کے بڑے بڑے پتھر منتشر ہو کر نیچے جانے لگے دوسرے لمحے میرے حلق سے ایک زوردار قہقہہ نکلا۔

نیچے سے چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور پوزیشن لینے والے بدحواسی میں اپنی جگہیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ وہ اوپر سے برسنے والے پتھروں سے بچنا چاہتے تھے۔ لیکن اوپر سے ان پر قیامت نازل ہو گئی۔ تینوں شیطان ان پر گولیاں برسا رہے تھے۔ آن کی آن میں انہوں نے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ شاید ہی کوئی بچا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں اپنی جگہ سے نکل آئے اور گولیاں برساتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔

"برجیٹا اور بورٹو ششدر رہ گئے تھے۔ تب میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "آہ دوستو۔ ان لوگوں نے وقت سے پہلے میدان مار لیا ہے۔ اب ہماری ضرورت نہیں رہ گئی۔" بورٹو اور برجیٹا بھی میرے ساتھ چل پڑے نیچے اترنے کے لئے اس سے موزوں جگہ اور کوئی نہیں تھی جہاں سے شارق وغیرہ اتر رہے تھے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر ہم بھی نیچے اترنے لگے۔ نیچے اب چیخوں اور کراہوں کے سوا اور کوئی آواز نہیں رہ گئی تھی۔ خاصی بڑی تعداد کو چند ہی لمحات میں زیر کر لیا گیا تھا۔ دن کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔ جب ہم نیچے پہنچے تو ہمارے تینوں دوست ان کا اسلحہ جمع کرنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے تقریباً اٹھارہ آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور تین چار موت و زیست کی کشمکش میں گرفتار تھے۔

میں نے ان میں سے دو کا انتخاب کیا۔ ان میں سے ایک صرف پتھر سے زخمی ہوا تھا اور اس کی پنڈلی کی ہڈی چور چور ہو گئی تھی۔ میں نے اسے اٹھایا اور ایک کپڑے سے اس کی پنڈلی کس دی۔ میں بورٹو کی مدد سے اسے اٹھا کر ٹرک میں لے آیا

اور اسے لٹا دیا۔ برجیٹا کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ دوسرے لوگوں کو دیکھے اور قرب و جوار میں بھی نگاہ رکھے۔ ممکن ہے یہاں ان کی کوئی دوسری پارٹی بھی موجود ہو۔ اس کے بعد ہم نے ان دونوں زخمیوں پر توجہ دی۔ دوسرا زخمی بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے اس شخص کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں' ہاں۔ میری مدد کرو۔ میری مدد کرو.......... آہ۔ میری مدد کرو۔" وہ کربناک لہجے میں بولا۔

"کیا تمہارے پاس برانڈی ہے؟"

"وہ.......... وہ سامنے.........." اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ پرنس بورٹو باسکٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے باسکٹ سے برانڈی کی چھوٹی بوتل نکالی اور اسے کھول کر اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ بوتل منہ سے لگا کر پوری بوتل خالی کر گیا۔ اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔" جواب دو۔ ورنہ دوسری ٹانگ بھی۔"

"نہیں نہیں.......... بتاتا ہوں.......... وہ.......... وہ پل کے پاس ہیں.........."

"کونسا پل؟"

"ہم نے بنایا ہے۔ ادھر آنے کے لئے۔ راستے میں پڑتا ہے۔"

"مورگیٹے کے راستے میں؟"

"ہاں۔"

"تم لوگ کنگ ڈورس کے لئے کام کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"یہاں کیوں آئے تھے؟"

"پپ.......... پرنس بورٹو کی نگرانی کے لئے۔ وہ آزاد ہے۔ ہمیں ہدایت ملی ہے کہ اس حصے پر نگاہ رکھیں۔" اس نے جواب دیا۔

"پل کے پاس کتنے آدمی ہیں؟"

"بہت ہیں۔ ان کی تعداد ساٹھ ستر سے کم نہیں ہے۔"

"شاہ کائی ٹس کہاں قید ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ یقین کرو مجھے نہیں معلوم۔" اس نے بتایا۔ اور میں پرنس بورٹو کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے یہ اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا۔" بورٹو نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے بورٹو تم یہاں رکو۔ میں ذرا ان لوگوں کو دیکھ لوں۔" میں نے کہا اور بورٹو نے گردن ہلا دی میں ٹرک سے اتر کر دوسرے لوگوں کے قریب پہنچ گیا۔ اب وہ لاشوں کو گھسیٹ رہے تھے اور ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔ ماجد اور فیضان ان کی وردیاں اتار رہے تھے جو خون سے خراب ہو گئی تھیں۔ میں نے دلچسپی سے ان کے کام کو دیکھا۔ دفعتاً" عقب سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ بورٹو نے اس آخری آدمی کو بھی ٹرک سے نیچے پھینک دیا تھا۔ اور پھر وہ خود بھی نیچے اتر آیا اور اس کی لاش کی ٹانگ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا اس طرف آنے لگا۔

بڑا سنسنی خیز منظر تھا۔ بورٹو کا یہ انداز بڑا وحشیانہ تھا اور اس سے اس کی فطرت کا اندازہ ہوتا تھا۔ "تو تم نے اسے بھی گولی مار دی۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اس کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔" بورٹو نے لاپرواہی سے جواب دیا اور میں خوش ہو گیا۔

روشنی پوری طرح پھیل گئی تھی اور دن کی روشنی میں لاشیں بے حد بھیانک لگ رہی تھیں۔ ان میں صرف تین سیاہ فام تھے۔ باقی سب سفید فام تھے۔ ماجد اور فیضان کے ساتھ شارق بھی شریک ہو گیا۔ اس نے اپنے تن و توش کے ایک مردہ سپاہی کی وردی اتاری اور اسے چاروں طرف سے دیکھنے لگا۔ اس نے وردی کے تین سوراخوں کے قریب سے خون کے دھبے دھوئے اور پھر اسے لٹکائے ہوئے ایک چٹان کی آڑ میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ وردی پہنے برآمد ہوا تھا۔

"تمہارا معدہ ابھی تک خالی نہیں ہوا؟" میں نے اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے

پوچھا۔

"ہو چکا ہے لیکن اب فکر نہیں ہے۔ ان لوگوں کے پاس خوراک کے کافی تھیلے ہوں گے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ مجھے ان لوگوں کی یہ خود اعتمادی بے حد پسند تھی۔ انہوں نے بہتر سوچا اور اس پر عمل شروع کر دیا۔ بلاشبہ ان لوگوں کی وردیاں ہمارے لئے کار آمد تھیں۔ اس طرح ہم کسی اچانک حملے سے محفوظ رہ سکتے تھے اور مزید کام بھی کر سکتے تھے۔ میں نے برجیٹا کو ان کی اس کاروائی کے بارے میں بتایا اور برجیٹا گردن ہلا کر رہ گئی۔

"کیا آپ اس بات سے متفق نہیں ہیں مادام برجیٹا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ تم کتنے خود اعتماد ہو۔ اور کس قدر تیزی سے فیصلے کرتے ہو۔ اگرچہ ان اکھاڑنے والی حرکت نہ کی جاتی تو ہمیں اتنی جلدی کامیابی نہیں نصیب ہو سکتی تھی۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے مادام برجیٹا"۔ میں نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد سب اپنے کاموں سے فارغ ہو گئے۔ وردیوں سے خون کے دھبے دھو لئے گئے تھے اور سب نے اپنے ناپ کے مطابق انہیں پہن لیا تھا۔ پرنس بورٹو کو بھی ایک وردی دی گئی۔ اور شارق ایک وردی برجیٹا کے لئے بھی لایا۔ "بہتر ہو گا کہ آپ بھی اب صرف ایک خاتون نہ رہیں کیونکہ ہمارے درمیان اب کسی خاتون کی گنجائش نہیں رہی ہے۔"

"شکریہ مسٹر شارق" برجیٹا نے وردی لی اور خود بھی ایک چٹان کی طرف بڑھ گئی۔ وردی پہن کر درحقیقت وہ بھی کوئی افریقی مرد ہی لگ رہی تھی۔ اچھے خاصی تن و توش کی مالک تھی۔ اپنے بال وغیرہ چھپانے میں اس نے مہارت کا ثبوت دیا تھا۔

پھر چند لاشوں کو چٹان کی آڑ میں ڈال دیا گیا اور اس کے بعد تمام کاموں سے فارغ ہو کر سب ٹرک کے پاس آ گئے۔ اس کے بعد ٹرک اور جیپ کی تلاشی کا مسئلہ تھا۔ وہ اب......... اس کام میں مصروف ہو گئے۔ تمام فالتو چیزیں ٹرک سے باہر پھینک دی گئیں۔ صرف خوراک، پانی اور اسلحے کا ذخیرہ رہنے دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آئندہ پروگرام کے لئے ایک نشست ہوئی۔

"ہمیں سفر کے لئے ان دونوں میں سے کسی چیز کا استعمال کرنا چاہئے ٹرک یا جیپ؟" میں نے پوچھا۔

"میرے خیال میں ٹرک مناسب رہے گا"۔ شارق نے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟"

"جیپ میں تمام لوگوں کو آسانی سے دیکھ لیا جائے گا جب کہ ٹرک میں کوئی کاروائی کرنے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔"

"مناسب خیال ہے"۔ فیضان نے تائید کی۔

"اس کے علاوہ سامان اور اسلحہ وغیرہ بھی بہ آسانی رکھا جا سکتا ہے۔ اسلحہ ہمارے پاس جس قدر زیادہ ہو بہتر ہے۔ اگر وہ ساٹھ ستر آدمی ہیں تو نہایت احتیاط سے کام کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہم شکار ہو سکتے ہیں۔"

"ویسے ان لوگوں کے اسلحے میں بھاری چیزیں بھی ہیں۔"

"ہاں یہ ہمارے لئے کار آمد ہوں گی۔"

"خاص طور سے ڈائنا مائیٹ کے یہ بنڈل۔" فیضان بولا۔

"چلئے، ٹھیک ہے ٹرک استعمال کئے لیتے ہیں لیکن آئندہ پروگرام کیا رہے گا؟" میں نے پوچھا۔

"پروگرام تو بس ایک ہی ہے۔"

"یعنی؟"

"مور گیٹے میں داخل ہونا۔" برجیٹا نے جواب دیا۔

"تو پھر اب یہاں وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ میرا خیال ہے بقیہ گفتگو ٹرک میں ہی کی جائے۔"

"ٹرک کا پیٹرول چیک کرو۔" میں نے ماجد سے کہا اور ماجد نے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر سوئچ آن کیا۔ سوئی دیکھ کر بولا۔ ------ "پورا ٹینک بھرا ہوا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے آگے دیکھا جائے گا۔ ڈرائیونگ کون کرے گا؟"

"میں بیٹھ جاتا ہوں۔" بورٹو نے پیشکش کی۔

"نہیں پرنس بورٹو۔ مناسب نہیں رہے گا۔ ماجد تم اسٹیرنگ سنبھال لو۔ فیضان

تمہارے پاس رہے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم سیٹ بدل لیں گے۔" میں نے کہا اور ان دونوں نے میری ہدایات پر عمل کیا۔

اسٹین گن سے گولیاں چلا کر ہم نے جیپ کے چاروں ٹائر برسٹ کر دیئے اور پھر ماجد نے ٹرک اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دیا۔ ہمارے ذہن اس پہلی شاندار کامیابی پر بڑی فرحت محسوس کر رہے تھے۔ راستے میں برجیٹا نے مسکراتے ہوئے شارق سے پوچھا۔ "مسٹر شارق چٹان اکھاڑنے کی ترکیب کس کی تھی؟"

"اس ناچیز کی۔ آپ کو کوئی اہم کام ہو۔ عمدہ قسم کی غذاؤں سے میرا پیٹ بھر دیں اور اس کے بعد دیکھیں کیا کیا شگوفے کھلتے ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور سب مسکرانے لگے۔

"آپ کو اس کا خیال کیسے آیا؟"

"بس اس چٹان کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ چٹان بہت معمولی سی جمی ہوئی ہے۔ دو دستی بموں سے کام چل گیا اور اسی لئے ایک ہی حملہ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ آپ لوگوں کی ترکیب کامیاب ہو ہی چکی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔ بہرحال تم نے خوب ترکیب سوچی اور بلاشبہ تمہاری اس ترکیب نے ہمیں خاطرخواہ کامیابی دلائی۔ مگر اب مسئلہ یہ ہے کہ ابھی ان لوگوں کے بہت سے آدمی موجود ہیں۔ ان سے کس طرح نمٹا جائے گا؟"

"مسٹر شہاب' آپ نے اس شخص سے جو زخمی تھا اور جسے بعد میں پرنس بورٹو نے گولی مار دی کچھ معلومات حاصل کی تھیں؟"

"ہاں اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد پل کے قریب موجود ہے۔ اب یہ پل کونسا ہے یہ مجھے نہیں معلوم۔ کیونکہ میرے پاس جو نقشہ ہے اس میں کسی پل کا تذکرہ نہیں ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ وہ پل انہوں نے عارضی طور پر بنایا ہو گا۔ کیونکہ اس علاقے میں کسی پل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں وہ اپنی سرگرمیوں کو باقاعدہ جاری رکھنا چاہتے ہوں گے۔ بہرصورت اس وقت اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ ڈیمن کا یہ علاقہ ان کے لئے خطرناک ہے اور مور کیٹے میں وہاں سے داخل ہونے کے

خاصے امکانات موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں بھی موثر اور جامع کارروائیاں کی ہیں۔" برجیٹا نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ٹھیک ہے۔ بہرصورت ہمیں صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم براہ راست پل کی طرف چلیں یا کسی اور طریقے سے ان پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ ان کی تعداد کے پیش نگاہ یہ تشویش حق بجانب ہے۔" میں نے کہا۔

"گڈ.......... اس کا مقصد ہے کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور ترکیب تمہارے ذہن میں آئی ہے شہاب؟"

"ذہن میں تو نہیں آئی لیکن سوچا جا سکتا ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر شارق.......... ؟" برجیٹا نے شارق سے پوچھا۔

"میرا خیال.........." شارق پرخیال انداز میں بولا۔ "میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں ان کے درمیان اس طرح نہیں گھس جانا چاہئے۔ بلاشبہ ہم ان میں گھس کر ان کے خلاف کارروائی کرسکتے ہیں لیکن تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی تو ہمارے خلاف موثر کارروائی کر سکتے ہیں اور پھر ہمیں اس جگہ کی پوزیشن بھی اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہم وہاں بھی اسی موثر طریقے سے کامیاب ہو جائیں۔"

"تشویش غلط نہیں ہے۔" میں نے شارق کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اس کے علاوہ کچھ اور سوچنا چاہئے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پل کتنی دور ہے اور ہمیں اس بارے میں سوچنے کے لئے کتنا وقت مل جائے گا۔ لیکن بہتر یہ ہو گا کہ ہمیں پہلے اس سے سلسلے میں طے کر لینا چاہئے۔" برجیٹا نے کہا۔

"نہایت مناسب بات ہے۔" بورٹو بولا۔

"تو پھر دوستو میرے ذہن میں صرف ایک ہی ترکیب آئی ہے وہ یہ کہ وہی ڈرامائی انداز اختیار کر لیا جائے جو ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں.........."

"یعنی؟" شارق نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں پل سے اس طرف رک کر صورتحال کا جائزہ لینا چاہئے۔ اس کے بعد ہی کوئی مناسب فیصلہ کیا جا سکے گا۔"

"گویا یہ وردیاں اور یہ ٹرک صرف اس مقصد کے تحت استعمال کئے جا رہے ہیں

کہ اگر ہم پروگرام سے پہلے دیکھ لئے جائیں تو محفوظ رہ سکیں؟" بورٹو نے پوچھا۔

"بالکل پرنس بورٹو میرا یہی خیال ہے۔"

"لیکن اگر ہم پل سے اس طرف رکے اور ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا اور ہماری طرف بڑھے تو کیا صورتحال رہے گی؟"

"میرا خیال ہے کہ کسی بھی اتفاقیہ حادثے کے لئے تو ہمیں ہر وقت تیار رہنا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تو پھر کسی خاص بات کا تعین کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ جو صورت حال پیش آئے اس کے مطابق عمل کرنا زیادہ مناسب ہو گا........." اور یہ بات طے پا گئی۔

سفر جاری تھا۔ درے میں ٹرک لے جانے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ یہ راستہ اتنا ناہموار اور خطرناک نہیں تھا کہ ہم مشکلات کا شکار ہو جاتے۔ بہرصورت وہ لوگ بھی یہاں آئے ہی تھے۔ اس لئے ہمیں بھی آگے بڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور ٹرک کا سفر مناسب رفتار سے جاری رہا۔ کافی فاصلہ طے کر لیا گیا اور کوئی پل نظر نہیں آیا۔ پھر اس وقت جب سورج ڈھل رہا تھا اور ہم لوگ سفر کر کے تھک چکے تھے۔ کافی وقت ہو چکا تھا جب ہم نے دور سے پل کو دیکھا اور ہم سب ششدر رہ گئے۔

بلاشبہ ڈیمن کے اس علاقے کو عجیب ترین کہا جا سکتا تھا۔ اب تک ہم نے ایک نہایت پرسکون سفر کیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اب مور گیٹے تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔ لیکن آگے جا کر اچانک یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور تقریباً" بیس فٹ کا خلا آگیا تھا۔ اس خلا کی گہرائی تو قریب جا کر ہی معلوم ہو سکتی تھی لیکن اس کے اوپر بنا ہوا پل ہمیں صاف نظر آ رہا تھا۔ خلا کے دوسری جانب درختوں کے طویل سلسلے نظر آ رہے تھے اور انہی درختوں کے پورے پورے تنے کاٹ کر اس درمیانی خلا پر رکھ دیئے گئے تھے۔ ان موٹے موٹے تنوں کو جس محنت سے جوڑا گیا تھا وہ بلاشبہ قابل تحسین تھی۔ موٹی موٹی میخیں ٹھونک کر ان تنوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا گیا تھا اور ظاہر ہے اس مضبوط پل پر سے ہر قسم کا ٹریفک اب آسانی سے گزر سکتا تھا۔

ہم نے ٹرک روک دیا اور صورتحال کا جائزہ لینے لگے۔ ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں دیکھا گیا ہے یا نہیں۔ ابھی ہمارے دیکھے جانے کا امکان نہیں تھا کیونکہ ہم کافی دور تھے اور چونکہ ہماری پر تجسس نگاہیں پل کی تلاش میں تھیں اس لئے ہم نے اسے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ میری ہدایت پر ماجد نے ٹرک کو سامنے راستے سے بائیں جانب کی ڈھلان میں اتار دیا۔ ہمیں سب سے پہلے اس امکان کا جائزہ لینا تھا کہ ہمیں دیکھا گیا ہے یا نہیں۔ اس کے لئے فوری طور پر یہ اقدام کیا گیا کہ ٹرک چھوڑ دیا گیا اور اپنا خاص اسلحہ لیکر ہم ڈھلان میں دور تک بڑھتے چلے گئے۔ اس سمت اونچے نیچے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے جن میں گہرے کٹاؤ تھے۔ انتہائی پھرتی سے دوڑتے ہوئے ہم ایک بڑے ٹیلے کی آڑ میں پہنچ گئے۔ یہ جگہ ٹرک سے تقریباً" نصف فرلانگ دور تھی۔ چند ساعت ہم وہاں چھپے رہے۔ پھر میں ان لوگوں کو وہیں رکنے کی ہدایت کر کے عقب سے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ یہاں سے پل تو نظر نہیں آ رہا تھا لیکن ٹرک کو آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ تقریباً" آدھے گھنٹے تک میں ٹرک پر اور پل کی جانب سے آنے والے راستے پر نگاہیں جمائے رہا۔ لیکن اس طرف کوئی تحریک نہیں نظر آئی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ٹرک کو نہیں دیکھا جا سکا۔ اس کی وجہ صرف ان کا اطمینان ہی ہو سکتا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے ہوں گے کہ دشمن اس طرف سے موثر کارروائیاں کر کے اندر داخل ہو چکا ہے۔

لیکن کیا ضروری تھا کہ دیر تک ٹرک کو نہ دیکھا جا سکے۔ ممکن ہے تھوڑی دیر کے بعد کسی کی نظر اس پر پڑ ہی جائے۔ اس سلسلے میں صرف شام کی سیاہی ہی مدد کر سکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ماجد کو آواز دی اور وہ اوپر آگیا۔

"اب تم ٹرک پر نگاہ رکھو۔ اگر کوئی اس طرف آتا نظر آئے تو فوراً اطلاع دینا۔" میں نے کہا۔ اور ماجد نے گردن ہلا دی۔ میں نیچے اتر آیا اور میں نے دوسرے لوگوں کو صورتحال بتائی۔

شام کی کجلاہٹیں جھکتی آ رہی تھیں اور تھوڑی دیر میں اندھیرا چھا گیا۔ ابھی تک حالات پرسکون تھے جس کی وجہ سے بہت خوشی ہو رہی تھی۔ اس دوران میرے ذہن میں بہت سے پروگرام آئے تھے لیکن ابھی تک کوئی بات طے نہیں ہو سکی تھی۔ عجیب

سی گھٹن طاری ہو گئی تھی۔ پھر جب مکمل تاریکی پھیل گئی تو میں نے خوشی کی گہری سانس لی۔ "ان لوگوں کی غفلت اور اطمینان ہماری کامیابی بن گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اب ہمیں اس پوری مہم کی سب سے خطرناک کارروائی کا آغاز کرنا ہے۔"

"کوئی ترکیب آپ کے ذہن میں آگئی ہے مسٹر شہاب؟" بورٹو نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن ہے وہ خطرناک۔ یہ کام آسان نہ ہو گا۔"

"بتانا پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں۔ دراصل مجھے اندھیرا پھیلنے کا انتظار تھا۔ ان لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا۔ ورنہ اپنے ٹرک کو دیکھ کر صورتحال معلوم کرنے ضرور آتے۔ ابھی تک کسی کے اس طرف نہ آنے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ہماری آمد کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔"

"یقیناً۔"

"بہرحال آپ لوگ میرا پروگرام سن لیں اور اس پر تبادلہ خیال کر لیں۔ ٹرک سے سارے ڈائنا مائیٹ اتار لئے جائیں۔ یہ آگ سے پھٹنے والے بم ہیں۔ ہم یہ بم پل کے اس کنارے پر درختوں کے تنوں کے ساتھ لگائے دیتے ہیں اور یہاں بارود بچھا دیں گے۔ اس کے بعد ہم ٹرک کو سامنے کی سمت کھڑا کرکے اس میں آگ لگا دیں گے۔ ٹرک میں لگی آگ دیکھ کر کچھ لوگ اس طرف ضرور آئیں گے اور ہم ان میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر ایک ایک کرکے ہم پل سے گزر کر دوسری طرف پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ انکے اپنے لوگوں کی وردی میں ہیں۔ اس لئے کسی کو شبہ نہیں ہو گا۔ دوسری طرف پہنچ کر ہم کوشش کریں گے کہ ان کے کہ ان کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو اس طرف بھیج دیں۔ اور جب خاطرخواہ لوگ اس طرف آجائیں گے تو بچھے ہوئے بارود پر دستی بم پھینک دیں گے۔ اس طرح یہ پل اڑ جائے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت میرے ذہن میں نہیں آتی........." میرے ان الفاظ کے بعد کافی دیر تک کسی کی آواز نہیں ابھری۔ بلاشبہ جو پروگرام میں نے پیش کیا تھا یہ سب کا سب انتہائی خطرناک تھا اور ضروری نہیں تھا کہ ہر مرحلے پر کامیابی ہی نصیب ہو جاتی۔ سارے کا سارا کھیل ہر اقدام کی کامیابی پر مشتمل تھا لیکن اس کے متبادل اور کوئی صورت بھی نہیں تھی۔

چنانچہ سب اس پر متفق ہو گئے۔

اور پھر تاریکی مکمل ہوتے ہی اس سکیم پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ ڈائنا مائیٹ ٹرک سے اتار لیے گئے اور ہم سب زمین پر رینگتے ہوئے اس خطرناک مشن پر چل پڑے۔ برجیٹا اور پرنس بورٹو کو ٹرک کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ ان کے سپرد ٹرک میں آگ لگانے کا کام کیا گیا تھا۔ انتہائی احتیاط سے چلتے ہوئے ہم پل کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں سے میں نے پہلی بار گہرائیوں میں جھانکا تو چکرا گیا۔ نیچے تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ گویا گہرائی کا اندازہ لگانا ہی ممکن نہیں تھا۔ دوسرے راستوں کا بھی یہی حال تھا۔ بہرحال ہم اپنا کام کرتے رہے۔ ڈائنا مائیٹ ایسی جگہ رکھے گئے جہاں وہ مکمل طور پر کارآمد ہوں۔ اس کام میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ہم نے اپنا کام ختم کر لیا۔ اس کے بعد باریک شعاع والی ٹارچ سے برجیٹا اور پرنس بورٹو کو سگنل دیا گیا اور ان کی کارروائی کا انتظار کیا جانے لگا۔ ٹرک اسٹارٹ ہونے کی آواز رات کی تاریکی میں ابھری اور پھر وہ درے کے درمیان اس جگہ آگیا جہاں سے دوسری طرف آگ کے شعلے نظر آسکیں۔ ڈائنا مائیٹ کی وجہ سے فاصلہ کافی رکھا گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد روشنی چمکی۔ ٹرک پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی تھی۔ اس کارروائی کے فوراً بعد برجیٹا اور بورٹو دوڑتے ہوئے ہمارے پاس پہنچ گئے۔ تاکہ شعلوں کی چھاؤں میں وہ دور سے دیکھے نہ جاسکیں۔ ٹرک نے اب پوری طرح آگ پکڑ لی اور دھڑا دھڑ جلنے لگا اور چند ہی ساعت کے بعد ہم نے بے شمار انسانی آوازیں سنیں۔ "دوڑو۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ دوڑو کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔" وہ لوگ چیخ رہے تھے اور پل پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر بہت سے لوگ ہمارے قریب سے گزر گئے۔ پیچھے سے اور لوگ بھی آرہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق بیس پچیس آدمی دوسری طرف چلے گئے تو میں نے سگنل دیا۔ اور ہم سب اٹھ کر پل کے اوپر پہنچ گئے۔ سامنے سے چند اور آدمی دوڑتے آرہے تھے۔ ہم لوگ ان کی طرف بھاگنے لگے۔ "دوڑو کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔" میں نے نعرہ لگایا اور بدحواس لوگ ہمارے قریب سے گزر گئے۔ دفعتاً ٹرک کے پیٹرول کی ٹینکی پھٹ گئی۔ لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ جلتے ہوئے ٹکڑے ڈائنا مائیٹ تک نہ پہنچ سکے۔ اس فاصلے کا خیال رکھا

گیا تھا۔ اس دھماکے نے اور ہلچل مچا دی۔ اور مزید لوگ دوڑ دوڑ کر ادھر آنے لگے۔ ہم لوگ وہی جملے دوہرا رہے تھے اور ان کی مخالف سمت بھاگ رہے تھے۔

ترکیب بے حد کامیاب رہی۔ تیس چالیس آدمی پل کے دوسری صرف جا چکے تھے اور اب اندازے کے مطابق بیس پچیس افراد ہی ادھر رہ گئے تھے۔ چنانچہ ہم پل کے دوسری طرف پہنچ گئے اور پھر میں نے اپنے کام کی ابتدا کر دی۔ میں نے اسٹین گن سے اندازے سے اس طرف گولیاں برسائیں جہاں بارود پھیلی ہوئی تھی۔ گولیوں کی رگڑ سے بارود میں آگ لگ گئی اور ایک جلتی ہوئی لکیری سی بن گئی اور اس کے بعد کان پھاڑ دینے والا پہلا دھماکہ ہوا۔ اور پھر تو قیامت ہی آگئی۔ ڈائنا مائیٹ یکے بعد دیگرے پھٹنے لگے اور درختوں کے تنوں سے بنے ہوئے پل کے کناروں کی زمین ادھڑنے لگی۔ ہزاروں ٹن وزنی پل ایک خوفناک آواز کے ساتھ ایک طرف سے جھکا اور دوسری طرف زمین پر رکھے تنوں نے خودبخود جگہ چھوڑ دی اور مٹی کے اس ڈھیر کو ادھیڑتے ہوئے نیچے گرنے لگے جو گاڑیوں کو گزارنے کے لئے ہموار کیا گیا تھا.........

دھماکوں اور اس خوفناک تباہی سے وہ سب حواس باختہ ہو گئے۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو باہر نہ نکل آیا ہو۔ اور ان بدحواس لوگوں کو ہم نے گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔

پل سے تھوڑے فاصلے پر ان کے خیمے لگے ہوئے تھے اور وہ خیموں میں بھی گھسے تھے۔ ظاہر ہے کینوس کی دیواریں اسٹین گنوں کی گولیوں کو روکنے کے قابل نہیں تھیں۔ ہم نے ان خیموں کو ہی نشانہ بنا لیا۔ اور بدحواس لوگوں کی دلدوز چیخیں گونجنے لگیں۔ کسی نے ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی۔ ہم نے خیموں کو چھلنی کرکے رکھ دیا اور چاروں طرف پھیل کر انہیں تلاش کرنے لگے۔ چند ساعت کے بعد پل کے دوسری طرف کچھ گولیاں چلیں لیکن ہم میں سے کوئی ان کا نشانہ نہیں بنا تھا۔ بس وہ اندھا دھند ایمونیشن ضائع کر رہے تھے اور ان کی یہ کوشش سراسر احمقانہ تھی۔ وہ چیخ چلا رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو ہدایات دے رہے تھے۔ لیکن یہاں ان کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اور ان کا اس طرف آنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا۔

اس خوفناک معرکے میں ہمیں مکمل کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ گو یہ پوری مہم

صرف اتفاقات کی کامیابی پر منحصر تھی لیکن حالات نے ہمارا پورا پورا ساتھ دیا تھا اور ہم سب بے حد خوش تھے۔ ”دوستو۔ اب جو کچھ ضائع ہو چکا ہے اسے اکٹھا کرنا ہے۔“ میں نے کہا۔

”یہاں ان کا کافی سامان موجود ہے۔ وہ غالباً ٹرک کھڑے ہوئے ہیں۔“ شارق نے کہا۔

”ہاں لیکن اس کے باوجود احتیاط ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی زندہ بچ گیا ہو۔ اس بات کا خیال رکھا جائے۔“ میں نے کہا اور ہم خیموں میں گھس پڑے۔ یہاں ہمیں اچھا خاصا اسلحہ مل گیا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزوں کے پیکٹ بھی حاصل کر لئے گئے۔ جو آگے کے سفر کے لئے ضروری تھے۔ اس کے بعد ہم نے ایک ٹرک کا انتخاب کیا اور اسے پوری طرح ساز و سامان سے آراستہ کر دیا۔ حالانکہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ لیکن بہرحال تیاریاں تو کرنا ہی تھیں۔ آگے نہ جانے کیا حالات پیش آئیں۔

خلاء کے اس طرف سے بدستور گولیاں چلائی جا رہی تھیں لیکن ہم نے کوشش کی تھی کہ ان کی رینج سے دور رہیں۔ وہ لوگ اس طرف نہیں آسکتے تھے۔ اور اجتماعی طور پر گولیاں برسا رہے تھے۔ یہ بھول کر کہ اس طرف ان کے ساتھی بھی ہیں۔ وہ سب کے سب بری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کہیں ان کے پاس کوئی وائرلیس وغیرہ نہ ہو۔ حالانکہ اس کا امکان نہیں تھا۔ جس افراتفری کے عالم میں وہ بھاگ رہے تھے اس میں ایسی چیزیں لے جانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہمیں یہاں بہت سے وائرلیس سیٹ ملے تھے‘ جنہیں ہم نے تباہ کر دیا۔ البتہ ان میں سے دو سیٹ ہم نے اپنے پاس رکھ لئے تھے۔ بہت تیزی سے ہم نے یہاں سے سامان بھرا اور آگے بڑھ گئے۔ یہاں رکنا خطرناک تھا۔ سب کے چہرے سرخ ہو رہے تھے اور ہم لوگ بڑی سنسنی محسوس کر رہے تھے۔ ماجد نے حسب معمول اسٹیرنگ سنبھال لیا اور ٹرک سیدھا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اپنی اس کامیابی پر ہم بے حد نازاں تھے اور تھوڑی دیر کے بعد برجیتا نے اس بات کا اظہار بھی کر دیا۔ ”بڑا احیرت انگیز اقدام تھا شہاب۔ یقین کرو مجھے اس کی کامیابی کی امید نہیں تھی۔ لیکن جس طرح ہمارا پلان کامیاب ہوا

ہے بس اس کے بارے میں، میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" میں خاموش رہا۔ ظاہر ہے اس بات کا میں کیا جواب دیتا۔ سفر جاری رہا اور تھوڑی دیر کے بعد بورٹو کہنے لگا۔ "مسٹر شہاب کیا نقشے کے مطابق ہم صحیح جا رہے ہیں؟"

"ہاں، بلاشبہ، حالانکہ جو نقشہ مجھے فراہم کیا گیا ہے اس میں اتنی تفصیلات نہیں ہیں لیکن جو راستہ ہم نے اختیار کیا ہے وہ نقشے کے عین مطابق ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آگے کیا ہے۔"

"جو کچھ ہے سامنے آجائے گا۔" شارق کی آواز ابھری۔ ان حالات میں بھی اس کے چہرے پر کوئی تردد نہیں تھا۔ اس بات کو سب نے محسوس کیا اور برجیٹا بولی۔

"آپ کے معدے کا کیا حال ہے مسٹر شارق؟"

"آدم خور نہیں ہوں۔ کبھی کبھی بھوک لگتی ہے۔"

"یوں تو آپ سب ہی انوکھے ہیں مسٹر شہاب لیکن شارق صاحب کی فطرت میں، میں نے ایک خاص بات محسوس کی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"خطرناک سے خطرناک حالات میں بھی یہ ماحول سے بالکل لاپرواہ نظر آتے ہیں۔ جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں اس کے بارے میں انہیں یقین ہوتا ہے کہ اسے مکمل کر لیں گے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔"

"اس کے علاوہ بھی یہ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شارق مجھے گھورنے لگا۔

"یقیناً تمہیں میرے لئے یہ تحسین کے الفاظ پسند نہیں آئے ہوں گے۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم خود پرست ہو، اپنے علاوہ تمہیں کوئی قابل تحسین نظر نہیں آتا۔"

"بات تو یہی ہے شارق لیکن خیر۔ اس حد تک تم بھی چل سکتے ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا گفتگو کرنے لگے تم دونوں؟" برجیٹا ہنس کر بولی۔

"لڑ رہے ہیں آپس میں۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"شارق کا خیال ہے کہ آپ اسے بے وقوف بنا رہی ہیں۔ اور میں کہہ رہا ہوں .... کہ بے وقوف آدمی کو بے وقوف بنانا سب سے مشکل کام ہے۔" میں نے کہا اور پرنس بورٹو بری طرح ہنس پڑا۔ ہم نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ہمیں احساس ہوا کہ ہم ایک احمقانہ بات کر رہے ہیں۔ وہ تو ہماری زبان اہل زبان ہی کی طرح سمجھتا تھا۔ ہم بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئے اور بات آئی گئی ہو گئی۔

سفر جاری رہا۔ ہم کامیابی سے آگے بڑھتے رہے اور رات ہمارے سروں پر سے گزرتی رہی۔ اس علاقے میں دن اور رات کا چکر ختم کر دیا گیا جو کام جس وقت بھی ہو جائے ظاہر ہے اسے ختم کرنا ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ ہر کام مستعدی سے کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پرنس بورٹو بولا۔ "نقشے کے مطابق مسٹر شہاب ہمیں مزید کتنا سفر طے کرنا ہے۔"

"ایک منٹ۔" میں نے کہا اور نقشہ نکال کر ان کے سامنے پھیلا دیا۔ سب نقشے پر جھک گئے تھے۔ دیر تک ہم دیکھتے رہے۔ "یہ وہ جگہ ہے جہاں سے یہ دو حصے علیحدہ ہوتے ہیں۔ بلاشبہ اس کی نشاندہی کر دی گئی تھی حالانکہ اس وقت ہم نے غور نہیں کیا تھا۔" میں نے ایک لکیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دو لکیریں درمیان میں بنا دی گئی تھیں جس پر ہمیں لکھا ہوا تھا، گویا یہ بیس فٹ چوڑائی نشاندہی تھی۔"

"یہ غالباً پل کا حصہ ہے۔" پرنس بورٹو نے کہا۔

"ہاں۔"

"نقشہ تیار کر کے دے دیا گیا اور اس میں نشاندہی بھی کر دی گئی لیکن اس بات کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا کہ اس خوفناک جگہ کو عبور کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" میں نے گردن ہلائی۔

"آپ کا خیال ہے۔ کیا اس کے لئے رہنمائی ضروری نہیں تھی؟"

"اس خطرناک مہم کے بارے میں ہمیں تھوڑی بہت تفصیلات تو بتا دی گئی

تھیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بلاشبہ یہ درست ہے لیکن کم از کم ان ناقابل عبور راستوں کی نشاندہی کے ساتھ ان کو عبور کرنے کا انتظام تو ہونا ہی چاہئے تھا۔"

"اس کا جواب مادام برجیٹا دیں گی۔"

"میں؟"

"ہاں۔ کیا میں نے آپ کی غلط نشاندہی کی ہے؟"

"اوہ' میں سمجھی۔ ہاں پرنس بورٹو یہ حقیقت ہے۔ دراصل یہ ٹیم ایسے ہی حیرت انگیز کارنامے انجام دینے کی ماہر ہے۔ مسٹر شہاب کچھ وقت میرے ساتھ گزار چکے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ بعید از عقل ہے۔ میرے خیال سے ان کے انچارج کو یہ بات معلوم تھی کہ بہرحال یہ اس مشکل پر قابو پالیں گے۔" برجیٹا نے کہا۔

"مثلاً کس طرح؟ کیوں مسٹر شہاب' ان حالات میں فرض کریں یہاں پل نہ ہوتا اور وہ لوگ بھی نہ ہوتے تب آپ یہ دراڑ کس طرح عبور کرتے؟"

"ہماری' مشکلات کے حل ہمارے ساتھ سفر کرتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ اگر کبھی وہ راستہ بھٹک جائیں۔" پرنس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تو انہیں راستے پر لایا جاتا ہے۔" میں نے جواب دیا اور شارق منہ چلانے لگا۔ اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ میں بدستور ہنستا رہا تھا۔ معمولی بات نہیں تھی۔ جن خوفناک حالات سے ہم گزر کر آئے تھے اس گفتگو میں ان کا کوئی احساس نہیں جھلکتا تھا اور ہم سب مطمئن تھے۔

"ویسے مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے۔ انہوں نے بڑی باریک بینی سے سارے کام کئے ہیں۔ حالانکہ یہ علاقہ ناکارہ ترین سمجھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کسی کا ادھر سے گزر ہو سکتا ہے لیکن ان لوگوں نے اسے بھی نظرانداز نہیں کیا۔ ویسے میرا خیال ہے یہاں اس سے زیادہ افراد نہ ہوں گے۔"

"اچھا اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مقامی لوگ ان کے ساتھ بھرپور طور پر نہیں ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہیں تو سہی لیکن وہ بھرپور طور والی بات درست ہے.......... پہاڑوں سے اس طرف ہمیں دو تین سیاہ فام ملے تھے۔ میرا مطلب ہے جنہیں ہم نے ہلاک کیا۔ اسی طرح ممکن ہے ان لوگوں میں بھی سیاہ فام شامل ہوں۔ ظاہر ہے ہمیں انہیں دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔" برجیٹا نے کہا۔

"ایک اور بات قابل غور ہے۔" شارق نے بھی گفتگو میں دخل دیا۔

"وہ کیا؟"

"دوسرا ملک یعنی وہ ملک جو نئے حکمران کنگ ڈورس کا بھرپور ساتھ دے رہا ہے اس کے آدمی جگہ جگہ براہ راست ان کاموں میں ملوث نظر آتے ہیں جب کہ دوسرا ملک جو شاہ کائی ٹس کا حامی ہے کھل کر کام نہیں کر رہا۔ وہ اتنا محتاط ہے کہ اس نے ہمارے اپنے آدمیوں کو بھی ہمارے ساتھ نہیں رہنے دیا۔ حالانکہ پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ وہ دو آدمی جو ڈاکٹر برہان سے ملاقات کے وقت ہمارے ساتھ آبدوز پر آئے تھے ہمارے رہنما ہوں گے لیکن وہ بھی آبدوز پر رک گئے اس لئے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے؟"

"اوہ مسٹر شارق اس سلسلے میں خاص طور سے مسٹر کائی ٹس نے درخواست کی تھی۔"

"وہ کیا؟"

"شاہ کائی ٹس نے کہا تھا کہ وہ ملک براہ راست اس معاملے میں ملوث نہ ہوا اور کوشش یہ کرے کہ وہ کسی ہنگامی حالت سے دور ہی رہے۔ ورنہ اس شکل میں مورگیٹے دو بڑی طاقتوں کی کشمکش کا براہ راست نشانہ بن جائے گا اور یقینی طور پر ان دونوں کا میدان جنگ مورگیٹے ہو گا۔"

"شاہ کائی ٹس کے دل میں اپنے وطن اور اپنے ملک سے متعلق لوگوں کے لئے بڑی ہمدردی اور بڑا احساس ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہاں خونریزی ہو۔ یہ سب کچھ اس کے بس سے باہر تھا۔ ورنہ وہ بات اس حد تک بڑھنے نہ دیتا۔" برجیٹا نے بتایا اور میں نے مکمل طور پر اس سے اتفاق کیا۔

"ہاں یہ حقیقت ہے شارق' اگر اس ملک کے افراد بھی اس ملک کے لوگوں کی

مانند ہنگامے میں شامل ہو جائیں تو خاصی خطرناک فضاء پیدا ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا اور شارق خاموش ہو گیا تھا۔

ٹرک ساری رات سفر کرتا رہا تھا اور صبح کا آغاز ہونے لگا تھا۔ افق پر چمکدار لہریئے نمودار ہونے لگے تو ماجد نے ٹرک کی رفتار ست کر دی۔ اس نے ٹرک کو ایک ایسی جگہ پر روک دیا تھا جو کسی قدر آڑ میں تھی......... اور پھر اس کی آواز نے ہم سب کو چونکا دیا۔ "آگے ایک چیک پوسٹ ہے۔"

"اوہ۔" برجیٹا اچھل پڑی۔ پرنس بورٹو بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ تب پرنس بورٹو نے کہا۔

"کیا تم اسے دیکھ چکے ہو؟"

"ہاں......... وہ ذرا بلندی پر ہے اور ہم نشیب میں۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟"

"رات بھر کی تھکن کے بعد طبیعت کسی قدر نڈھال ہو گئی ہے۔ ویسے مسٹر ماجد چیک پوسٹ کا فاصلہ کتنا ہے؟" برجیٹا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے زیادہ سے زیادہ دو فرلانگ۔"

"ویسے ہمیں وہاں سے دیکھا تو نہیں جا سکا ہو گا؟"

"میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ بلندی کے فوراً بعد یہ نشیب تھا۔ جس میں ہم فوراً آ گئے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے مادام برجیٹا؟" بورٹو نے پوچھا۔

"نہیں، اس سلسلے میں مسٹر شہاب جو مناسب سمجھیں۔" برجیٹا بولی۔

"چیک پوسٹ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی منزل کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں دریائے کالینی ملے گا جس کے اس طرف مورگیٹے آباد ہے۔"

"کونسا دریا؟" برجیٹا چونک پڑی۔

"نقشے کے مطابق دریائے کالینی۔"

"براہ کرم ذرا نقشہ مجھے دکھائیں۔" برجیٹا کسی قدر بے چینی سے بولی اور میں نے نقشہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ برجیٹا دریائے کالینی کے نشان کو دیکھنے لگی'

پھر بولی۔ "میرے خدا اب میں اس جگہ کو بخوبی پہچان گئی ہوں۔ ہم ڈیمن کی مغربی سمت سے آئے ہیں۔ میں کبھی اس علاقے میں نہیں آئی۔ لیکن دریائے کالینی تک ضرور آئی ہوں۔"

"کوئی خاص بات ہے مس برجیٹا۔ آپ بے حد پرجوش ہو گئی ہیں۔"

"ہاں اگر ہم صحیح جگہ پہنچے ہیں تو میرا خیال ہے کہ اب ہماری مشکلات کے خاتمے کا وقت ہے۔ کم از کم وقتی مشکلات کے خاتمے کا۔"

"کیا مطلب؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔ پہلے اس چیک پوسٹ کا معاملہ طے کریں۔"

"ماجد۔ آگے بڑھو......... فیضان ہوشیار۔ پہلے اندازہ لگانا ہے اس کے بعد عمل کرنا۔" فیضان میرا مقصد سمجھ گیا۔ ماجد نے ٹرک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا اور ہم سب اسٹین گنیں اور دستی بم لیکر تیار ہو گئے۔ صرف ایک خطرہ تھا اور وہ یہ کہ کہیں پل کے دوسری طرف رہ جانے والوں نے چیک پوسٹ کو وائرلیس پر اطلاع نہ دے دی ہو۔ حالانکہ اس کا امکان بہت کم تھا۔ جوں جوں چیک پوسٹ قریب آتی جا رہی تھی ہمارے جسموں میں اینٹھن پیدا ہو رہی تھی۔ فیضان ہمیں صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق صرف دو آدمی رکاوٹ کے نزدیک کھڑے ہوئے تھے۔

ٹرک رک گیا اور فیضان نیچے اتر گیا۔ پھر دوسرے لمحے ہم نے اسٹین گن کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی دو چیخیں ابھریں۔ ہم سب برق رفتاری سے نیچے کود گئے۔ اندھا دھند پوسٹ کیبن پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اندازہ ہو گیا کہ چیک پوسٹ پر ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ تاہم احتیاطاً اندر جا کر بھی دیکھ لیا گیا اور ہمارے چہروں پر اطمینان دوڑ گیا۔ گویا اس مرحلے سے بھی گزر چکے تھے۔

"اب دریائے کالینی پر ہی جا کر آرام ہو گا۔ چلو۔" برجیٹا نے کہا اور ہم لوگ دوبارہ ٹرک پر سوار ہو کر چل پڑے۔ حالانکہ آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں لیکن ان مسلسل کامیابیوں نے حوصلے بڑھا دیئے تھے اور تھکن کا کوئی خاص احساس نہیں ہو رہا تھا......... میں نے برجیٹا سے پھر دریائے کالینی کے بارے میں سوال کیا اور وہ مسکرا کر بولی۔

"میں متوقع تھی اس سوال کی.......... دراصل دریائے کالینی کے کنارے کچھ لوگ آباد ہیں' ان میں میرا ایک بہت ہی گہرا دوست بھی ہے۔ اس کا نام روٹر ہے۔ روٹر جرائم پیشہ تھا اور ایک نیم وحشی قبیلے کا سردار بھی۔ اس نے اپنے قبیلے کو جرائم کے لئے متحد کیا تھا اور کافی عرصے تک وہ مور گیٹے میں دہشت گردی پھیلاتا رہا۔ پھر وہ گرفتار ہو گیا۔ گرفتار ہونے کے بعد اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی موت کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔ روٹر کے ساتھ اس کے قبیلے کے بیس افراد بھی شامل تھے۔ لیکن شاہ کائی ٹس نے صرف اس کی ایک بات سے متاثر ہو کر اسے زندگی بخش دی اور خاصے انعام و اکرام سے نوازا۔ یہ بات اس کی اعلیٰ ظرفی کی تھی اور بلاشبہ روٹر ایک انتہائی اعلیٰ ظرف انسان تھا۔ جب تک وہ دہشت گرد رہا اس نے پوری قوت سے جرائم کو فروغ دیا اور جب وہ شاہ کائی ٹس کے سامنے تھا تو اس نے ایک ایسی بات کہی کہ شاہ کائی ٹس اس سے بے پناہ متاثر ہو گیا لیکن شاہ کائی ٹس کے اس اعلان سے روٹر بھی اپنے جرائم سے تائب ہو گیا۔ اس نے شاہ کائی ٹس کے سامنے اعلان کیا کہ اب وہ ایک پر سکون زندگی بسر کرے گا۔ چنانچہ اس نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ اور دریائے کالینی کے کنارے آباد ہو گیا۔ اب وہ وہاں کاشت کرتا ہے۔ اور اپنے اہل خاندان اور قبیلے کے افراد کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کی گرفتاری کے سلسلے میں میں نے بھی بڑی کاوشیں کی تھیں۔ تم یقین کرو تو میں یہ عرض کرنے کی کوشش کروں کہ اس کی گرفتاری کا سہرا میرے ہی سر تھا۔ چنانچہ روٹر نے میری برتری تسلیم کی اور میرا بھی دوست بن گیا۔ اس نے مجھ سے میرے سامنے عہد کیا کہ آئندہ زندگی بہتر طور پر گزارے گا اور مجھ سے فرمائش بھی کی کہ آئندہ اگر مجھے اس کی خدمات کی کوئی ضرورت محسوس ہو تو میں تعرض نہ کروں۔ اس وقت مجھے وہی یاد آ گیا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوا تو یقینی طور پر ہمارے لئے کار آمد ہو گا۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ ویسے اس واقعے کو کتنا عرصہ گزر گیا؟"

"تقریباً" چھ سال۔"

"خیر چھ سال میں کسی انسان کی موت کا یقین تو نہیں کیا جا سکتا بشرطیکہ کوئی حادثہ یا واقعہ نہ ہوا ہو" میں نے کہا اور برجیٹا گردن ہلانے لگی۔

برجیٹا کی اس بات نے ہمیں کافی حوصلہ دیا تھا۔ اب یہ تھا کہ روٹر کے مل جانے سے ہمیں اندرونی امداد مل جاتی اور یہ بات کافی دلچسپ تھی۔ چنانچہ اب برجیٹا کے اشارے پر ٹرک کا رخ بدل دیا گیا اور ہم دریائے کالینی کی تلاش میں آگے بڑھتے رہے۔

سورج کی تیز چمک نے دریائے کالینی کے پانی کو نمایاں کر دیا اور برجیٹا خوشی سے چیخ اٹھی۔ "وہ رہا۔ وہ دریائے کالینی ہے۔" اور پھر اس نے چیخ کر کہا۔ "مسٹر ماجد براہ کرم ٹرک روک دیں۔ میں آگے آؤں گی۔" اور ماجد نے ٹرک روک دیا۔ برجیٹا نیچے اتر گئی اور فیضان اس کے لئے جگہ خالی کر کے ہمارے پاس آ گیا۔

برجیٹا کے اشارے پر ماجد نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دریائے کالینی کے کنارے آباد اس بستی تک پہنچ گئے جس کے چاروں طرف سبزہ زار پھیلا ہوا تھا۔ جہاں پھلوں کے بے شمار درخت لہلہا رہے تھے۔ بستی کے سامنے کے حصے میں صرف تین افراد کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان میں درمیانی شخص معمر لیکن بے حد طویل القامت تھا۔ باقی دو نوجوان بھی سیاہ فام تھے لیکن قدوقامت میں درمیانی شخص سے چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ ٹرک رک گیا اور برجیٹا کی تیز آواز سنائی دی۔

"اوہ۔ روٹر.......... میرے دوست۔ کیسے ہو تم؟" ہم لوگ بھی ٹرک سے نیچے کود آئے تھے۔ میں نے بھی روٹر کو دیکھا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے برجیٹا کو دیکھ رہا تھا۔"

"کون ہو تم؟" اس کی آواز میں گرج تھی۔

"نہیں پہچانے۔ میں برجیٹا ہوں۔ برجیٹا گرین سن۔ اب بتاؤ پہچانے یا نہیں؟"

"اور دفعتاً" روٹر چونک کر آگے بڑھ آیا۔ "اوہ برجیٹا.......... مادام برجیٹا۔ میرے خدا کیا یہ آپ ہی ہیں؟"

"پہچان گئے مجھے؟" برجیٹا خوش نظر آ رہی تھی۔

"ہاں دیر سے پہچاننے کی معافی چاہتا ہوں لیکن قصور میرا بھی نہیں ہے۔ تمہارے اندر کافی تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں۔" روٹر نے کہا اور پھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ دوست ہیں۔ آجاؤ۔"

اور ہم نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ قرب و جوار کے درختوں سے بہت سے مسلح

جوان نیچے کود آئے۔ یہ سب جدید اسلحے سے لیس تھے۔ برجیٹا چونک کر انہیں دیکھنے لگی اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم نے دشمن کے خاتمے کا معقول بندوبست کر لیا تھا۔"

"ہاں مادام......... آج کل کے حالات سے تو آپ واقف ہوں گی۔ ہمیں ہر طور پر اپنی بستی کی حفاظت کا بندوبست کرنا ہی ہے۔ سفید سور دریائے کالینی سے گزرتے ہیں اور خود کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ اگر وہ کبھی مجھ سے الجھے تو میں انہیں معقول سبق دوں گا۔"

"ہم بے حد تھکے ہوئے ہیں روڈر۔"

"آؤ......... آؤ......... اپنے ساتھیوں کو بھی لاؤ۔ میں تمہارے لئے آرام کا بندوبست کروں۔"

"اس سے قبل ایک کام اور کرنا ہے روڈر۔"

"ہاں۔ ہاں کہو۔"

"یہ ٹرک دشمن سے چھینا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار لوگوں کو قتل بھی کرنا پڑا ہے۔ اس سے سامان اتار کر اسے کہیں پوشیدہ کرنا ہے۔"

"اوہ ٹھیک۔ گویا تم مصروف ہو مادام!"

"ہونا ہی چاہئے تھا۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ تمہاری خدمات تو نہیں بدل گئی ہیں؟" روڈر نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم میرے دوست شاہ کائی ٹس کی ساتھی تھیں بدلے ہوئے قوانین کے تحت تم کنگ ڈورس کے تحت تو نہیں آگئیں؟"

"روڈرو مجھے گالیاں نہ دو......... تم میرے دوست ہو۔"

"میں معافی چاہتا ہوں مادام' یہ سوال میرے ذہن میں ایک قدرتی طور پر اٹھا تھا۔ تاہم مجھے امید ہے کہ وہ جو اہل دل ہوتے ہیں اور جو اہل ہوتے ہیں.اور جو روڈر جیسے آدمی کو گرفتار کر سکتے ہیں اتنے کمزور کردار کے مالک نہیں ہوتے کہ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ خود بھی بدل جائیں۔ بس اب مجھے اطمینان ہو گیا......... اور رہا یہ ٹرک تو

یہ دریائے کالینی بہت گہرا ہے۔ اس طرح کے سینکڑوں ٹرکوں کو اپنے اندر چھپا سکتا ہے۔ ابھی بندوبست کئے دیتا ہوں۔"

"گینگ!" روڈر نے ایک نوجوان سے کہا۔

"جناب۔" نوجوان آگے بڑھ آیا۔

"ٹرک سے سارا سامان اتار کر اسے دریا میں ڈال دو۔" روڈر نے حکم دیا اور ہم سب کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

روڈر کے مل جانے سے ہمارا حوصلہ بے حد بڑھ گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس مختصر وقت میں جو کچھ دیکھا وہ احساس دلاتا تھا کہ روڈر اب بھی بہت بڑا دہشت گرد ہے۔ برجیٹا نے اسے پورا منصوبہ بتایا اور روڈر مسکرانے لگا۔ "میرا خیال تھا میڈم کہ شاہ کائی ٹس کے اس احسان کا بدلہ ادا کرنے کا موقع مل گیا ہے جو اس نے مجھ پر کیا تھا۔ لیکن' نہ سہی۔"

"کیا مطلب روڈر۔" برجیٹا نے پوچھا۔

"تین ہزار مسلح اور تربیت یافتہ جوان میری سرکروگی میں کنگ ڈورس کے محل پر حملے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اب ان کی قیادت خود پرنس بورٹو کرے گا۔ ایک بیٹا اس کا مکمل حقدار ہے۔" ہم سب یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ اس سے عمدہ حل اور کیا ہو سکتا تھا۔ روڈر نے ایک احسان اور کر دیا تھا۔ سارا منصوبہ مکمل تھا۔ چنانچہ وہ بادلوں بھری رات مور گیٹیے کی تاریخ کی سب سے بھیانک رات ثابت ہوئی جب تین ہزار کمانڈوز نے مور گیٹیے میں کنگ ڈورس کے محل پر حملہ کیا تھا۔ انسان اس طرح قتل کیے گئے کہ سڑکیں خون میں ڈوب گئیں۔ کنگ ڈورس البتہ ایک دلیر انسان تھا۔ اس نے اس وقت تک جنگ کی جب تک اس کے بدن میں گولیوں کی گنجائش رہی۔ اس کی لاش میں اتنے سوراخ تھے کہ گنے نہ جا سکیں۔ تمام جنرل مار دیئے گئے۔ تین دنوں تک انسانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ تب کہیں جا کر کنگ ڈورس نے ہتھیار ڈالے۔ خون کی کیچڑ سڑکوں پر جم گئی تھی اور اسی خون آلود ماحول میں کائی ٹس نے اپنے بیٹے کو تاج حکومت پہنایا تھا اور اس کے بعد اسی خون بھرے ماحول میں سات دن تک جشن مسرت منایا گیا تھا۔

ہم شاہی مہمان تھے اور ہمارے رتبے بے حد عظیم۔ پھر جب ہمیں مور گیٹے میں عہدوں کی پیش کش کی گئی تو ڈاکٹر برہان نے ہم سب سے مشورہ کرنے کے بعد کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ حکومتی مزاج کے حامل نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر نہیں ہے۔ اس وسیع زندگی میں ابھی نہ جانے کتنے انسانوں کو ہماری ضرورت ہے۔ ہمیں یہاں روک کر ان ضرورت مندوں کا راستہ نہ روکا جائے۔"

مور گیٹے سے ہماری واپسی البتہ بے حد شاندار تھی۔ اور اب ہم ایک ملک کے دوست تھے جس نے ہمارے لئے اپنے در کھول دیئے تھے۔ رانی اثر پور نے بھی ہمارا پرجوش استقبال کیا۔ اس کے استفسار پر ڈاکٹر برہان نے کہا۔

"افسوس رانی صاحبہ۔ ہم کرگس نہیں شاہین ہیں۔ پرواز کرتے رہنا ہماری شان ہے۔ ہماری تھکن صرف موت ہو گی۔ جو نہ جانے کب ہمارے مقدر میں ہے۔ اور جب تک موت ہمارا فیصلہ کر دے ہماری پرواز جاری رہے گی۔ اور اس کے بعد مسافر چل پڑے۔ نئے جہانوں کی تلاش میں کہ کائنات کی وسعتیں لامحدود ہیں۔

========= ختم شد =========